اِک لڑکی



آسمان کا رنگ نیلا نہیں تھا' لیکن کالا بھی نہیں تھا۔ ستارے ٹمٹما رہے تھے اور دور کہیں کھجور کی آخری پھنگ میں چاند بھی اٹکا ہوا تھا۔ پتہ نہیں قمری مہینے کی آخری تاریخیں تھیں یا ابتدائی..... کیونکہ جنگل کی فضا میں وقت کا احساس ہی نہ ہو رہا تھا۔ درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ ایک دوسرے میں پھنسے ہوئے لگ رہے تھے۔ زمین نظر نہ آتی تھی۔ لیکن پاؤں ٹکنے سے احساس ہوتا تھا کہ نم آلود مٹی کا فرش زمین ہی کا حصہ ہے۔ ہوا کبھی ہلکی اور کبھی زوروں سے چلنے لگتی تھی۔ شائیں شائیں کی آوازیں خوفزدہ کر دیتی تھیں۔ جب ہواؤں کا تیز ریلا آتا...... اور درخت لگتا جڑوں سے اکھڑ جائیں گے۔ تب گھونسلوں میں چوں کو اپنے پروں تلے دبائے پرندے چاں چاں کی آوازیں نکالنے لگتے...... طوفانی ہواؤں میں یہ آوازیں مل کر روح پر لرزہ طاری کر دینے والا تاثر پیدا کر دیتیں۔ کبھی کبھی جنگلی درندوں کی آوازیں بھی فضا کو تھرا دیتیں۔

ایسے میں

وہ

بھٹک رہی تھی۔

راستہ سجھائی نہ دیتا تھا۔

جس سمت درختوں کے گھنے پتوں سے چھن کر روشنی کی رمق دکھائی دیتی۔ وہ ادھر ہی

دوڑ پڑتی۔ اسے لگتا اس کے قدم صحیح سمت اٹھ گئے ہیں۔ اسے اس خوفناک جنگل سے نکلنے کی راہ مل گئی ہے۔

لیکن

وہ دوڑتے دوڑتے ہانپنے لگتی۔ سرکنڈے اور جھاڑیاں اس کے کپڑوں سے الجھ جاتے۔ وہ انھیں اپنے ہاتھوں سے اپنے کپڑوں سے جدا کرنے کی پوری پوری کوشش کرتی۔ بعض اوقات تو کانٹے دامن چھوڑ دیتے لیکن اکثر یوں لگتا کہ سرکنڈے اسے پوری طرح اپنی گرفت میں لے رہے ہیں۔ وہ کوشش کے باوجود بھی ان سے اپنے آپ کو الگ نہ کر پاتی۔ کانٹوں سے دامن چھڑانے کی سعی بیکار میں اس کے نرم و نازک ہاتھوں سے لہو رسنے لگا تھا۔ اس کے پاؤں بھی زخمی ہو گئے تھے۔ شاید لہو کی بوندیں تلووں سے بھی رس رہی تھیں۔

لہو رس رہا تھا۔

خونی بوندیں ٹپک رہی تھیں۔

لیکن

جانے کیوں

اسے درد کا احساس نہیں ہو رہا تھا...... شاید اس لئے کہ زخموں کی اذیت سے کہیں زیادہ کٹھنائیوں کا اسے سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا کہ وہ پرندہ بن جائے اور پھر سے اڑ کر اس گھناؤنے جنگل سے نکل جائے...... چمکتی دمکتی فضا میں پہنچ جائے...... جہاں خوف نہ ہو' تکلیف و تردد نہ ہو...... اذیت نہ ہو۔

وہ

اسی طرح جئے

جیسے

اس کی سہیلیاں جی رہی تھیں۔

جن کی زندگی خوشیوں' مسرتوں سہولتوں اور آزادیوں سے معمور تھی۔

جنھوں نے ہر وہ چیز پائی تھی...... جس کی خواہش انہوں نے کی تھی...... جو بے فکر

تھیں...... غم ماضی تھا نہ فکر فردا...... خوبصورت پراسرار اور مسحور کن ماحول میں زندگی گزار رہی تھیں...... ان کے شب و روز کی پیشانیوں میں چاند دمکتے تھے۔ ان کے اشغال سریلی دھنوں میں لپٹے ہوئے تھے۔

اچانک ہی

ایک طرف سے شیر کے دھاڑنے کی لرزا دینے والی آواز آئی...... اس نے گھبراہٹ اور خوف سے کانپتے ہوئے اس طرف دیکھا جدھر سے آواز آئی تھی...... آواز دوبارہ گونجی تو اسے احساس ہوا...... کہ شیر قریب آ رہا ہے۔

وہ کیا کرے ؟

مگر ایک دم ہی اس نے فیصلہ کر لیا کہ ڈرنے کی بجائے اسے ہمت سے کام لینا ہے۔ جرات پیدا کرنی ہے...... اور اپنے آپ کو بچانا ہے...... اس آئیڈیل زندگی کے لئے جسے جینے کی تمنا اس کے دل میں روز بروز زور پکڑتی جا رہی ہے۔

وہ

ایک دم

کودی

اور گھنے درخت پر چڑھ گئی۔

وہ پتوں میں چھپی ایک جھولتی شاخ پر بیٹھی رہی...... شیر دوسری جانب نکل گیا تھا...... اس نے اس کی دست برد سے اپنے آپ کو بچا لیا تھا۔

لیکن

اس کا یہ عمل نہ تو اسے خوشی دے سکا...... نہ ہی خطرات سے محفوظ رکھ سکا...... اس کوشش میں اس کا دوپٹہ جگہ جگہ سے پھٹ گیا تھا...... اور قمیض شلوار بھی کھونچوں سے نہ بچ سکی تھی۔

وہ

درخت سے چھلانگ لگا کر اتر آئی۔

چند لمحے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

شاید

کوئی راستہ

کوئی منزل نظر آجائے۔

پھر ایک طرف اسے یوں لگا جیسے پکی سڑک جارہی ہے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر گھنے اونچے اور پھیلے ہوئے درختوں کی قطاریں تھیں...... جن کے سرے اوپر جاکر ایک دوسرے سے مل گئے تھے...... اور یوں سڑک کے اوپر تکونی چھت سی بن گئی تھی...... سڑک کے کناروں پر بجلی کے کھمبے نہیں تھے، لیکن پھر بھی یہاں روشنی تھی...... کچھ اتنی زیادہ بھی نہیں کہ سڑک پر سوئی پڑی نظر آجائے...... اور کچھ اتنی کم بھی نہیں...... کہ بندے کو لگے اندھی گپھاؤں میں گر گیا ہے۔

بس

واجبی سی روشنی تھی۔

جیسے صبح پوری طرح طلوع ہونے سے پہلے یا شام پوری طرح اترنے سے پہلے ہوتی ہے۔ اس نے آنکھیں مل مل کر سڑک کو دیکھا...... وہ خوش ہو گئی...... اسے اس خوفزدہ کر دینے والے گھنے جنگل سے نکلنے کی امید دکھائی دینے لگی تھی۔

وہ بے تحاشا دوڑنے لگی...... اسے احساس ہوا کہ اس کے پاؤں میں جوتے بھی تھے...... اب تلوؤں میں نہ چبھن ہو رہی تھی...... اور غالباً خون بھی نہیں رس رہا تھا۔

وہ سڑک پر دوڑتی گئی۔

اس امید پر

کہ کہیں تو اس کا اختتام ہوگا...... کہیں تو یہ کھلے میدانوں میں جاکر ملتی ہوگی...... کہیں تو آبادیاں اس کے کناروں پر آباد ہوں گی...... لوگ ہوں گے...... زندگی سانس لیتی ہوگی...... ادھر سے ادھر جانے کے لئے سواری مل جاتی ہوگی۔

لیکن

اس نے رک کر سوچا۔

اس نے سواری حاصل کر کے جانا کہاں ہے؟

گھر؟

اس لفظ سے ہی اسے جھرجھری سی آگئی...... لیکن اسے اس لفظ کی معنویت کو بھلا کر یہیں پہنچا تھا۔

وہ پھر دوڑنے لگی۔

دوڑ دوڑ کر ہانپنے لگی۔

لیکن

اس لمبی درختوں سے ڈھکی سڑک کا اختتام نظر نہ آیا...... وہ روہانسی ہو کر ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھیں مند گئیں۔

اور

جب

اس نے آنکھیں کھولیں...... تو وہ ایک کھلے میدان میں تھی...... درخت یہاں بھی تھے...... سرکنڈے اور کانٹے دار جھاڑیاں بھی تھیں...... لیکن جنگل کی طرح خوف طاری کرنے والی فضا نہ تھی...... نہ ہی گھپ اندھیرا تھا...... نہ ہی اندھی روشنی...... بلکہ اسے تو فضا میں چمکیلی دھوپ گھلتی محسوس ہو رہی تھی...... ہوا چل رہی تھی...... لیکن اس میں نہ تو خنکی تھی، نہ ہی ٹھنڈک کا احساس تھا...... ہلکی ہلکی تپش ضرور تھی۔

لیکن

اس کے باوجود وہ میدان میں بڑے آرام سے قدم اٹھائے چلی جارہی تھی...... چند قدم بھی نہ چل پائی تھی...... پاؤں کانٹوں میں الجھنے لگے...... کبھی پائنچے سے کانٹے دار شاخ اٹک کر ساتھ ساتھ گھسٹتی چلی آتی...... کبھی دوپٹے کے آنچل سے سوکھی ٹہنیاں چمٹ جاتیں۔

وہ انہیں کھینچ کھینچ کر اتارتے ہوئے خود بھی الجھنے لگی...... ذہن میں نفرتوں کے طوفان امنڈنے لگے۔

آخر یہ سب کانٹے اور سرکنڈے اسی کی راہ میں کیوں حائل ہو رہے تھے؟

ہوا کی تپش اسے ہی کیوں تھپیڑے مار رہی تھی؟

اس کا دل ایکا ایکی چاہنے لگا کہ اس کے پر لگ جائیں اور وہ اڑنے لگے...... سرکنڈوں سے درختوں سے رکاوٹوں سے اونچی ہو جائے۔

اس نے دو ایک بار ہوا میں چھلانگیں بھی لگائیں۔

لیکن

بے پر کے اڑنے کی خواہش بے سود ہی رہی تھی۔

وہ جھنجھلا گئی۔

اسے غصہ آنے لگا۔

وہ پتھر اٹھا اٹھا کر جھاڑیوں اور سرکنڈوں کو مارنے لگی...... وہ یہ عمل کافی دیر تک جاری رکھے رہی۔

پھر

اسے لگا جیسے جھاڑیوں کی سوکھی شاخوں ' درختوں کے سبز پتوں اور سرکنڈوں کے نوکدار سروں پر لہو کی بوندیں ٹپک رہی ہیں۔

اس نے قہقہہ لگایا۔

جیسے وہ جیت گئی ہو۔

اس نے اذیتوں کو ہرا دیا تھا...... صعوبتوں اور رکاوٹوں کو سر کر لیا تھا۔

لیکن

نہیں

یہ اس کی ناسمجھی تھی۔

بھول تھی۔

خون تو اس کی اپنی انگلیوں کی نازک پوروں سے بوند بوند ٹپک رہا تھا...... گھبرا کر اس نے اپنی خون آلود پوریں اپنے کپڑوں سے پونچھ ڈالیں...... اب خون کے چھوٹے چھوٹے دھبے اس کے کپڑوں پر انگاروں کی طرح دہک رہے تھے۔

نہ جانے

کیوں

وہ اٹھ کر بھاگنے لگی۔

جیسے کسی سنگینی سے فرار حاصل کرنا چاہتی ہو۔

وہ بھاگتی چلی گئی۔

اب وہ پھر ایک ایسی پگڈنڈی پر دوڑ رہی تھی...... جس کے دونوں طرف گھنیرے درخت تھے اور ان کے آخری سرے ایک دوسرے میں الجھ کر پگڈنڈی کو ڈھانپے ہوئے تھے۔

یہ درخت دیکھنے میں سرسبز تھے۔

لیکن ان کی شاخوں کے ساتھ سوکھے کانٹوں کے گچھے کے گچھے لٹک رہے تھے...... کسی کسی جگہ یہ گچھے اتنے نیچے جھک آئے تھے...... کہ اسے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے وہاں سے گزرنا پڑتا...... تاکہ کانٹے اس کے لباس یا بالوں میں نہ الجھ جائیں۔

لیکن

اس کی یہ کوشش بار ور نہ ہوئی۔

ایک جگہ کانٹوں کے گچھے بہت جھک آئے تھے۔ درخت بڑے گھنیرے تھے اور جھنڈوں کے پیچھے سے خوفناک سی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

آوازیں جانوروں کی تھیں یا انسانوں کی...... وہ تعین نہ کر پائی...... ہاں ان سے ڈر کر وہ بھاگنے لگی۔

اور

یونہی

بھاگتے ہوئے اسے شاید کانٹوں کے لٹکتے گچھوں سے بچنے کے لئے جھکنے کا خیال نہ آیا ' اس کے بال کانٹوں میں الجھ گئے...... کانٹے اوپر اٹھ گئے اور وہ کانٹوں میں پھنسے الجھے بالوں کے ساتھ ہوا میں معلق ہو گئی۔

جب درد کی اذیت بڑھی...... تو اس کے دونوں ہاتھ اپنے بالوں کی طرف اٹھ گئے...... وہ کانٹوں کو جھٹک کر اپنے بال چھڑانا چاہتی تھی۔

لیکن

اس کے ہاتھوں میں کانٹے نہیں آئے۔

ایک نسوانی ہاتھ آیا...... جو اس کے بالوں میں مٹھی بھرے اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔
اس کے لبوں سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

اور
اس کی آنکھوں کے بند دریچے ایک لمحہ کو وا ہو گئے۔
اس نے نیند سے بوجھل اور بند ہوتی آنکھوں سے دیکھا...... ممانی اس کے بالوں میں مٹھی بھرے اسے جھنجھوڑتے ہوئے چلا رہی تھی۔
"نوابزادی اب اٹھ بھی چکو...... نیچے سے آوازیں دے دے کر میرا گلا بیٹھ گیا...... مہارانی کی نیند ہی نہیں کھل رہی تھی"۔
ممانی نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کے بالوں سے نکالا۔
وہ اٹھ بیٹھی۔
لیکن ابھی تک خواب کا اثر ذہن پر تھا...... وحشت زدہ سی لگ رہی تھی...... ممانی نے دھکا دیا تو وہ پھر بستر پر گر گئی۔
ممانی بکتی جھکتی بیڈ سے پرے ہٹی...... اور تحکمانہ آواز میں بولی...... خبردار جو اب پھر لیٹیں غضب خدا کا نیند ہی پوری نہیں ہو پا رہی اس کی...... اٹھو اور جلدی نیچے آ جاؤ...... میں تمہارے اماں باوا کی نوکر نہیں ہوں۔
جانے وہ کیا کچھ کہتی کمرے سے نکل گئی۔

تب
وہ سیدھی ہو کر بستر پر بیٹھ گئی۔
اسے اس خوفناک خواب کا خیال آیا جو ابھی ابھی اس کی بند آنکھوں میں اترا ہوا تھا...... درختوں پر جو کانٹوں کے گچھے تھے...... اور جن میں اس کے بال الجھے ہوئے محسوس ہوتے تھے وہ دراصل ممانی کے ہاتھ تھے۔
اس نے دونوں ہاتھوں پر اپنا چہرہ گرا لیا...... پہلے تو اسے اپنی مظلومیت پر ترس آیا...... جی چاہا کہ چیخ چیخ کر رو دے۔
لیکن

دوسرے لمحے اس کا چہرہ کانوں تک سرخ ہو گیا...... آنکھیں لال انگارہ ہو گئیں...... اس نے دانت بھینچ لئے۔
اور دل ہی دل میں ممانی کو بے نقط سنا ڈالیں...... بولنے بکنے میں اس نے نانی کو بھی نہیں چھوڑا...... ماموں کو بھی نہیں بخشا۔

اسے
ان سب سے نفرت تھی...... اس ماحول سے نفرت تھی...... اس گھر سے نفرت تھی...... سوتیلے رشتوں سے نفرت تھی۔

لیکن
نفرت ان سب کا کچھ نہ بگاڑ سکتی تھی...... ہاں وہ خود ہی اس سے مجروح ہوتی رہتی تھی...... وہ اس ماحول' اس فضا اور اس گھر سے دور بھاگنا چاہتی تھی۔
لیکن بھاگ نہ سکتی تھی۔
اک وقت تھا...... جب وہ حالات سے سرکشی کر لیتی تھی...... تب وہ اپنے گھر میں تھی...... اس نے اپنے اردگرد اپنی من پسند سہیلیوں کا حصار بنا لیا ہوا تھا...... سہیلیاں جو ماں باپ کی محبتوں میں پلی بڑھی تھیں۔
جن کے پاس دولت کی فراوانی تھی۔
جن کا طرز زندگی جدید قدروں سے منسلک تھا۔
جن کے ہاں اعتماد اور بھروسے کے اپنے ہی معنی تھے۔
جن کے ہاں دوستی کے اپنے ہی معیار تھے...... لڑکے لڑکی کی تخصیص نہ تھی...... بوائے فرینڈز کی اختراع عام تھی۔
لڑکے لڑکیوں کا میل جول معیوب نہ جانا جاتا تھا...... مخلوط پارٹیاں ہوتی تھیں...... بڑے ڈرنک کر کر کے مدہوش ہوتے تھے...... چھوٹے ناچ ناچ کر پاگل ہوا کرتے تھے...... اتنی مدہوشی طاری ہوتی کہ چھوٹے بڑے کی تمیز نہ رہتی...... سب زندگی کے لمحے لمحے سے نشاط کشید کرتے تھے۔
اس طرز عمل کا کوئی برا نہ مانتا...... عورتیں' مرد چھوٹے بڑے ایک ہی رنگ میں رنگے

ہوئے تھے......اخلاق و کردار کی پرکھ کے اپنے ہی انداز تھے۔

اسے یہ سوسائٹی بہت پسند تھی......اس ماحول میں وہ خوش رہا کرتی تھی...... وہ اس رنگین دنیا کی باسی بننا چاہتی تھی۔

اور

کسی حد تک بن بھی چکی تھی۔

اس کی شخصیت بٹ چکی تھی...... تقسیم ہوگئی تھی...... ظاہر و باطن متضاد ہو چکے تھے......اس ماحول میں وہ ایک اونچے جدید گھرانے کی فرد بن کر اپنی ناآسودہ خواہشوں کو تسکین دیا کرتی تھی۔

اس کا تعلق اس طبقے سے ہرگز نہیں تھا......گو وہ غریب خاندان کی بھی نہیں تھی...... اچھے متوسط طبقے سے متعلق تھا......لیکن بورژوا طبقے سے تو نہیں تھی......لیکن نانی کے گھر آ کر زندگی بالکل ہی بدل گئی تھی......اس کی نانی کی پرانی مگر اچھی خاصی کوٹھی تھی......گو اس کا ساز و سامان نانی ہی کی طرح پرانا ہو چکا تھا......لیکن ماموں اور ممانی نے اپنے حصے کے کمرے خاصے آراستہ کر رکھے تھے......ماموں اچھا کما لیتے تھے......اور نانی کو دکانوں کا کرایہ آ جاتا تھا۔

اس گھرانے کے مالی حالات اتنے خراب نہ تھے......اپنے طبقے کے لحاظ سے وہ کھاتے پیتے لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔

لیکن

وہ

یہاں اس وجہ سے غیر آسودہ نہ تھی کہ روپے پیسے کی بہتات اور بے تحاشا فراوانی نہ تھی۔

یہاں سے فرار وہ اس لئے چاہتی تھی کہ جب سے وہ یہاں آئی تھی......اس سے ناروا قسم کا سلوک ہوتا تھا......یا وہ اتنی حساس تھی...... کہ چھوٹی چھوٹی بات کو بھی برا محسوس کرتی تھی۔

کیسے نہ کرتی؟

ممانی کا سلوک تو اس کے ساتھ اکثر ہی ایسا ہوتا تھا......نانی بھی کون سی سگی تھی......

ممانی کی طرح نہ سہی شفقت تو انہوں نے بھی کبھی نہ دی تھی۔

وہ بستر میں اٹھ بیٹھی تھی...... ممانی نے جو بال کھینچے تھے......اس کی جڑوں میں دکھن محسوس ہو رہی تھی......اس نے ہاتھوں سے بال ٹھیک کرتے ہوئے ممانی کو پھر کوسنا دیا اور کمرے پر ایک نظر ڈالی۔

اوپر کی منزل کا یہ کمرہ اسے ملا ہوا تھا......اس میں ایک پرانا سا بیڈ تھا...... دو گدے دار کرسیاں تھیں...... جن کا کپڑا میلا چکٹ تھا......ایک ٹیبل تھی...... جس پر اس کی دو ایک کتابیں پڑی رہتی تھیں......دیوار میں لکڑی کا بک ریک تھا......جس میں اس کی نصابی اور غیر نصابی کتابیں بے ترتیبی سے پڑی ہوتیں۔

کمرے کا سارا فرش ننگا تھا......ہاں درمیان میں ایک گھسے ہوئے قالین کا ٹکڑا پڑا ہوا تھا...... کھڑکیوں پر پردے بھی فرسودہ سے تھے...... بیڈ کے دونوں طرف سائیڈ ٹیبلز تھیں...... جن پر اس کے نئے خریدے ہوئے ٹیبل لیمپ پڑے تھے...... جو کمرے کی باقی ماندہ چیزوں سے مطابقت نہ رکھتے تھے۔

"نوری......اے نوری کی بچی...... تیری آنکھ نہیں کھلی ابھی تک" نیچے سے ممانی نے چلا کر کہا۔

تو

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

ممانی پھر چیخی......"نیچے آ"۔

وہ تب بھی خاموش رہی......وہ اس کے اس طرح چیخنے سے حظ اٹھا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ شروع ہی سے نانی کے گھر میں نہ رہ رہی تھی۔

اور

نہ ہی ممانی کے ٹکڑوں پر پل رہی تھی۔

اس کا ایک اپنا گھر تھا...... جہاں اس کے پیار کرنے والے ابو عزیز احمد اور اس کی ہر وقت شوخ مسکراہٹیں بکھیرتی امی زری رہا کرتے تھے...... اس کے ابا ایک پرائیویٹ فرم میں ملازم تھے...... محنت اور لگن سے کام کرنے کی وجہ سے انہوں نے ترقی کی منزلیں جلدی جلدی طے کرلی تھیں...... معقول مشاہرہ گھر کے ان تین افراد کے لئے کافی تھا...... زری ویسے بھی سگھڑ اور سلیقے والی عورت تھی...... گھر بنانے کا طریقہ بھی آتا تھا...... اور شوق بھی تھا...... اس کا دل ہمیشہ چاہتا کہ اس کا گھر جنتی رعنائیوں سے معمور ہو' خوشیاں پھوار کی طرح ہمیشہ برستی رہیں...... اور دل کا چین و سکون کبھی لٹنے نہ پائے۔

گھر کو سجانے بنانے کی تگ و دو میں لگی رہتی تھی...... ماہانہ آمدنی کو اس نے کئی خانوں میں بانٹ رکھا تھا...... اچھی گزر بسر کر کے وہ کچھ پیسے پس انداز کر لیا کرتی تھی...... ان سے اس نے کئی چھوٹی بڑی کیٹیاں ڈال رکھی تھیں...... جب بھی کوئی کمیٹی ملتی وہ گھر کی کوئی نہ کوئی چیز خرید لیتی۔

اسی طرح اس نے ڈرائنگ روم کا سارا سامان بنایا تھا...... ڈبل بیڈ لیا تھا...... اپنی بچی کے لئے الگ کمرہ بنا کر سجایا سنوارا تھا...... ہلکے گلابی رنگ کا بیڈ اسی کے ہم رنگ پھولدار پردے اور

فرش پر اسی رنگ کا کارپٹ ڈالا تھا...... اس کے کھلونے سجانے کے لئے ایک شوکیس بھی خریدا تھا۔

بچی جس کا نام تو میاں بیوی نے اپنی پسند سے رائمہ رکھا تھا...... لیکن پیار سے نوری کہتے تھے۔

نوری اس لئے کہ وہ ان کی آنکھوں کا نور تھی...... اس سے پہلے ایک بیٹی مردہ پیدا ہوئی تھی...... ایک بیٹا بھی چند ماہ کا ہو کر فوت ہو گیا تھا...... یوں یہ بچی منتوں مرادوں سے پائی تھی...... دوسرا وہ تھی بھی بہت خوبصورت...... حالانکہ نہ زری حسن کا مجسمہ تھی...... نہ ہی عزیز احمد وجیہہ و شکیل...... بس واجبی سے ناک نقشے تھے...... اس پر دونوں ہی کا رنگ کھلتا نہیں زرا دبتا ہی تھا...... گو زری سانولی سلونی سی پرکشش سی عورت تھی۔

لیکن

جو بات نوری میں تھی...... وہ اس میں کہاں؟

اس کی اکثر ملنے والیاں جب نوری کو دیکھتیں...... تو بے اختیار نہ کہہ اٹھتیں...... اللہ اتنی پیاری' اتنی خوبصورت بچی...... زری یہ تمہارے اوپر تو نہیں گئی...... نہ ہی بھائی عزیز جیسی ہے...... یہ اتنا حسن تو نے کہاں سے چرا لیا۔

وہ ہنس کر بڑے تفاخر سے نوری کو دیکھتی اور کہتی...... "اللہ کی دین ہے"۔

"پھر بھی گئی کس پر ہے"...... وہ پوچھتیں۔

"میری ساس نے ایک ہی تو بھلائی کی مجھ سے" وہ ہنس پڑتی...... "ورنہ بڑی کانٹے دار عورت تھی"۔

"ساس نے بھلائی کی؟"۔

"ہاں...... وہ بہت خوبصورت تھی...... اصل کشمیرن...... اپنا رنگ روپ اس نے میری بچی کو دے دیا...... نوری اپنی دادی پر گئی ہے...... ناک نقشہ' رنگ و روپ...... حتی کہ بال بھی اسی کی طرح ہیں"۔

"اس کا مطلب ہے...... تمہاری ساس بہت خوبصورت تھی"۔

"ہاں بہت حسین...... لیکن میرے سسر واجبی سی شکل کے تھے...... اسی لئے تو ساری

عمر انہیں دبا کے رکھا...... کیا مجال تھی...... جو بیوی کے سامنے اونچی آواز میں بول بھی سکیں"۔

"پھر تو بیٹا بھی ماں کے دباؤ میں ہوگا"۔

"اور کیا" وہ ہنس کر کہتی...... "اسی لئے تو کہہ رہی ہوں...... بڑی کانٹے دار عورت تھی لیکن جب سے نوری پیدا ہوئی ہے میں اس کی شکر گزار ہی رہی ہوں"۔

"شکر گزار تمہیں ہونا ہی چاہئے" وہ بھی ہنس پڑتیں۔

یہ تھی بھی حقیقت جب تک زری کی ساس زندہ رہی...... اس نے ایک سخت گیر عورت کا بھرپور کردار ادا کیا...... عزیز احمد کو بھی جرات نہ تھی...... کہ ماں کے سامنے بیوی کے چاؤ چوچلے دیکھ پاتے...... ہاں خلوتیں ان کی اپنی ہوتی تھیں...... زری سے جو جو زیادتی ماں کے ایماء پر یا اس کو خوش کرنے کے لئے کر جاتے...... وہ تنہائیوں میں اسے ہاتھ جوڑ جوڑ کر بھی منا کر زیادتی کا ازالہ کر لیتے...... زری بھی سب کچھ جانتی تھی...... تھوڑے بہت نخرے دکھاتی پھر مان جاتی...... یوں زندگی دوہرا روپ دھارے مزے سے گزر رہی تھی۔

نوری چھوٹی ہی تھی...... جب زری گھر میں خود مختار ہوگئی...... ساس دو تین سال کی طویل بیماری کے بعد وفات پاگئی...... ویسے بھی اس نے بیماری کا آخری سال چھوٹے بیٹے اور بہو کے پاس گزارا تھا...... یوں زری پر کوئی خاص روک ٹوک نہ تھی...... اور ایک سگھڑ گھریلو عورت کی طرح وہ اپنے وقت کا ایک ایک لمحہ گھر کو جنت بنانے ' شوہر کی خدمت کرنے اور بچی کے ناز نخرے اٹھانے میں صرف کر رہی تھی۔

نوری سے عزیز احمد بھی بہت پیار کرتے تھے...... کام سے واپس آکر ان کا وقت نوری کے ساتھ ہی گزرتا...... اسے لئے لئے پھرتے...... اس کی چھوٹی چھوٹی مانگیں پوری کرتے...... اس کے ساتھ انتہائی امتیازی سلوک کرتے...... وہ گویا چھوٹے تھے اور نوری بڑی...... جس طرح وہ حکم دیتی اسی طرح کرتے...... کبھی اسے روکنے ٹوکنے کی زحمت نہ کی تھی...... ڈانٹنا مارنا تو ایک طرف وہ تو اس کے ساتھ رعب داب سے بھی بات نہ کرتے۔

یہی حال

زری کا بھی تھا۔

اس بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ یہ ہوا کہ بچی خودرو پودے کی طرح بڑھنے پھیلنے لگی۔

جدھر جس شاخ کا رخ ہوتا ادھر پھیل جاتی۔ جدھر جس جڑ کا راستہ بنتا ادھر نکل جاتی...... پودوں بیلوں ' جھاڑیوں کی جب تک کانٹ چھانٹ نہ کی جائے...... وہ اسی طرح بے ترتیبی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ان میں اک جنگلی پن سا آجاتا ہے۔

نوری کی شخصیت بھی کچھ ایسی ہی بے ترتیبی کا شکار ہو رہی تھی...... مزاج میں ضد اور اکھڑ پنا آرہا تھا...... من مانی کرنے کی عادی ہو رہی تھی...... جو حکم کرتی اسے بہر طور اسی وقت پورا ہونا ہوتا...... کسی صورت اگر ماں یا باپ ایسا نہ کر پاتے تو وہ طوفان بد تمیزی اٹھا دیتی...... گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختی...... کھلونے توڑ پھوڑ دیتی...... اور رو رو کر برا حال کر لیتی۔

ایسا جب بھی ہوتا...... عزیز احمد اور زری میں تلخ کلامی ضرور ہوتی۔

ماں کی وجہ سے نوری نے طوفان اٹھایا ہو تو عزیز احمد اسے گود میں بھر بھر کر پیار کرتے ہوئے زری پر برستے۔

"کیوں نہیں سن رہی تھیں تم میری بیٹی کی بات"۔

"وہ روئی کیوں"۔

"اسے وہ دیا کیوں نہیں جو اس نے مانگا"۔

" آئندہ تم نے اس کی کسی بات پر یوں لاپرواہی کا اظہار کیا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا"۔

وہ زری کو ڈانٹتے اور نوری کو پیار کر کے مناتے بہلاتے اور اس کی ہر فرمائش پوری کرنے کا وعدہ کرتے۔

اکثر اوقات

تو

اسی طرح اسے اٹھا کر یا اپنی موٹر بائیک پر بٹھا کر بازار لے جاتے اور اس کی خواہش اور ضرورت سے زیادہ ہی چیزیں دلا کر واپس لاتے...... بچی خوش ہو جاتی اور وقتی طور پر اپنی ضد اور اس سے اٹھائے گئے ہنگامے کو بھول جاتی۔

اسی طرح

جب کبھی عزیز احمد کی وجہ سے نوری پر یہ جنونی کیفیت طاری ہوتی تو زری بچی کو سینے

سے لگالیتی۔

اور

عزیز احمد کو برا بھلا کہنے لگتی۔

"کیا ہو گیا ہے آپ کو"۔

"ننھی سی بچی سہم گئی ہے"۔

"دفتر کا غصہ اس پر مت نکالا کریں"۔

"گڑیا لینے کی ضد کر رہی تھی نا...... مجھے کہہ دیتے میں لے جاتی بازار اور دلا دیتی گڑیا"۔

"چند روپوں کے لئے بچی کو اتنا رلا رہے ہیں...... کیسے باپ ہیں آپ"۔

"مت مانگا کرو باپ سے کچھ...... مجھ سے کہا کرو...... میں لے دیا کروں گی"۔

بچی اس طرح بہلانے پھسلانے سے شیر ہو جاتی...... اتنی اہمیت کا احساس آہستہ آہستہ اس کے ذہن میں بیٹھ رہا تھا۔

وہ کئی دفعہ بہت بد تمیزی بھی کرتی...... ماں کا کہا مانتی نہ باپ کا...... تب ماں باپ کو کچھ احساس ہوتا کہ انہوں نے بے جا بچی کی طرف داریاں کر کے اسے اس حد تک خود ہی پہنچایا ہے۔

لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے...... اس کا مزاجی رویہ انہوں نے خود ہی تو ایسا بنایا تھا......

اپنی چاند صورت کی وجہ سے نوری دوسرے بچوں پر فوقیت جتانا بھی اپنا حق سمجھتی تھی...... گلی محلے اور رشتے دار بچوں کے ساتھ جب بھی وہ کھیلتی اسے یہی پتہ ہوتا کہ وہ ان کو مارنے پیٹنے کا حق رکھتی ہے...... جی چاہے تو ان سے کھیلے...... جی چاہے تو انہیں مار پیٹ کر ایک طرف کر دے۔

اکثر بچوں کی مائیں شکائتیں لے کر زری کے پاس آتیں۔

"دیکھو تو نوری نے میرے بیٹے کو دھکا دے کر گرا دیا...... اس کا گھٹنہ چھل گیا"۔

"میری بچی کے اس نے بال نوچے ہیں"۔

"لاڈلی ہو گی تو تمہارے لئے...... سنبھال کر رکھا کرو اسے"۔

"بد تمیزی کی حد ہوتی ہے"۔

"کسی کو کچھ سمجھتی ہی نہیں"۔

"لڑکی کی ذات ہے...... کوئی لونڈا نہیں...... اسے ابھی سے تمیز نہ سکھاؤ گی تو بڑی ہو کر کیا شے بنے گی ابھی سے سوچ لو"۔

"حسن پری ہے تو تمہارے لئے...... ہمارے بچے ہمیں بھی اتنے ہی عزیز ہیں...... چاہے خوبصورت ہیں یا بد صورت"۔

"اب میں نے اسے دیکھ لیا نا جو کسی بچے پر ہاتھ اٹھایا ہے...... تو میں خود ہی اسے عقل سکھا دوں گی...... پھر نہ کچھ کہنا"۔

زری بچوں کی ماؤں کی شکائتیں سنتی رہتی...... کسی سے معذرت چاہ لیتی...... کسی سے معافی مانگ لیتی...... کسی پر غصہ بھی آجاتا...... لڑنے کا انداز بھی اختیار کر لیتی...... سب کچھ کرتی، لیکن نوری کو کچھ نہ کہتی...... کبھی کبھی پیار سے سمجھانے کی کوشش کر لیتی۔

لیکن

نوری کے اندر غیر محسوس طریق سے جو احساس برتری پیدا ہو رہا تھا...... اسے وہ دبا نہ سکی...... وقت کے ساتھ ساتھ نوری کی شخصیت کے جزو انہی باتوں پر استوار ہوتے چلے گئے...... وہ بڑی حد تک خود سر ہو گئی...... بڑوں سے بد تمیزی بھی کر جاتی...... ضد کا عنصر بھی طبیعت میں شامل ہو گیا۔

اور احساس برتری بھی اس کے اندر رچ بس گیا۔

وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگی...... اور بہت کچھ پانے کے لئے اسے ضد اور خود سری کے انداز بھی آ گئے۔

لیکن

ان سارے منفی اندازوں اور رویوں کے باوجود وہ اپنا آپ منوا کے رہتی...... اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا حسن تھا...... ان خامیوں کو اس بہت بڑی خوبی نے پوری طرح ڈھانپ رکھا تھا۔

یوں

اس کو اپنی اہمیت اور برتری کا احساس شروع ہی سے ہو گیا تھا...... اس وقت سے جب ان

باتوں کو وہ سمجھ بھی نہ پاتی تھی...... تب بھی اسے دوسرے بچوں پر اپنی فوقیت کا پتہ تھا۔

وہ اسی طرح پل بڑھ رہی تھی...... کبھی کبھی زری اور عزیز احمد متفکر ہوتے...... لیکن بچی انہیں اتنی پیاری تھی کہ اس کی ضدیں' بد تمیزیاں اور اکھڑ پنا بھی انہیں پیارا لگتا تھا...... عزیز احمد تو اکثر اسے میری رانی بیٹا بھی کہہ کر پکارتے۔

وہ

پوچھتی...... "ابو میں رانی ہوں"۔

"بالکل"۔

"رانی کیا ہوتی ہے"۔

"رانی! رانی وہ ہوتی ہے جو محل میں رہتی ہے...... جس کے پاس جھلمل کرتے ریشمی لباس ہوتے ہیں...... بے شمار گہنے ہوتے ہیں...... بہت پیسہ ہوتا ہے...... اور...... اور وہ بہت خوبصورت ہوتی ہے"۔

"لیکن ابو"۔

"ہوں"۔

"میں رانی نہیں ہوں"۔

"کیوں"۔

"میرے پاس تو ایسی کوئی چیز بھی نہیں"۔

"جب تم بڑی ہو جاؤ گی نا...... تو رانی ہو گی...... تمہارے پاس بہت دولت ہو گی...... بڑے گہنے ہوں گے...... نوکر چاکر ہوں گے...... تم سب پر حکم چلاؤ گی"۔

نوری اپنے ننھے سے ذہن میں یہ پیاری پیاری دل خوش کن باتیں پوری طرح بٹھا لیتی...... جب بھی وہ نئے کپڑے پہنتی تو سمجھتی میں رانی بن گئی ہوں۔

ماں باپ دونوں ہی انتہائی پیار و محبت سے بچی کو پال پوس رہے تھے...... اپنے جذبوں کی شدت میں وہ اس طرح کھوئے تھے...... کہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ نوری کو جن سانچوں میں تربیت کے حوالے سے وہ ڈھال رہے ہیں...... وہ اس کے حق میں مفاد میں بھی ہیں یا نہیں...... انہی چاؤ چونچلوں میں نوری بڑی ہو رہی تھی۔

اب

اس کی تعلیم کی طرف ماں باپ کو توجہ دینا تھی...... ماں باپ دونوں ہی چاہتے تھے کہ وہ اپنی نور العین کو بہت اچھی تعلیم دلائیں...... تعلیم دلانے سے ان کی مراد اور خواہش تھی کہ اسے بہت اچھے اور اونچے معیار کے سکول میں داخل کرائیں۔

زری تو اسے مہنگے ترین سکول میں داخل کرانے کی حامی تھی۔

"میں تو اپنی بیٹی کو اسی سکول میں داخل کراؤں گی" ایک دن اس نے عزیز احمد سے فیصلہ کن انداز میں کہا...... جب دونوں اسی سلسلے میں باتیں کر رہے تھے۔

"لیکن...... عزیز احمد کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولے۔

"کیا" زری نے پوچھا۔

"اس سکول کی فیس بہت زیادہ ہے"۔

"تو کیا ہوا...... میں تنخواہ میں سے اتنی بچت تو کر ہی لوں گی...... اب کمیٹیاں نہیں ڈالوں گی...... سمجھوں گی یہ کمیٹی ڈال لی ہے"...... وہ حسب عادت مسکرا کر بولی۔

"بھلی لوگ صرف فیس ہی کا مسئلہ نہیں...... وہاں کے اور بھی اخراجات ہیں...... ہم جیسے لوگ یہ اخراجات نہیں برداشت کر سکتے"۔

"اے ہے میں کہتی ہوں کیوں نہیں کر سکتے...... ویسے میں بھی تو سنوں اور کون سے اخراجات ہیں"۔

"زری وہاں امیروں کے بچے پڑھتے ہیں...... بچوں کا کوئی یونیفارم نہیں...... بچے نت نئے لباس پہن پہن کر آتے ہیں"۔

"بس......" زری نے تمسخر سے منہ بنایا...... پھر بولی "آپ اس کا بھی فکر نہ کریں...... میں اپنے کپڑے نہیں بنایا کروں گی...... نوری کے بنا دیا کروں گی"۔

"زری اور بھی بہت باتیں ہیں"۔

"فرمائیے"۔

"تم بچی کو بہر طور اسی سکول میں داخل کرانے پر مصر ہو...... میری ہر بات کا توڑ نکال لو گی" عزیز احمد نے گویا ہتھیار ڈال دیئے۔

"دیکھئے صاحب...... ہماری ایک ہی بچی ہے...... ہم نے جو کچھ کرنا ہے اسی کے لئے ہے...... خدا کا شکر ہے ہماری اتنی آمدنی ہے...... ہم اس کے سکول کا خرچہ برداشت کر ہیں...... یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے...... ہاں آپ مجھ سے متفق نہ ہونا چاہیں تو یہ دوسری با ہے"۔

"ناراض کیوں ہوتی ہو...... میں تو حقائق کا جائزہ لے رہا ہوں...... یہ نہ ہو...... ا داخل تو کرا دیں...... بعد میں اخراجات کے متحمل نہ ہو سکیں...... تو پھر اسے اچھے اچھے سکو سے نکال کر کسی دوسرے اس سے کم درجہ سکول میں داخل کرانا پڑے"۔

"ہائے ہائے اللہ نہ کرے" زری نے جلدی سے کہا۔

"فی الحال ایک مسئلہ تو اس کو وہاں لے جانے اور لانے کا بھی ہوگا...... کیونکہ اس سکو میں کوئی وین ہے ہی نہیں...... بچے اپنی اپنی سواریوں میں آتے ہیں"۔

"یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں...... آپ دفتر جاتے ہوئے اسے وہاں چھوڑ سکتے ہیں"۔

"اور واپسی؟"۔

"وہ بھی دفتر سے آدھے گھنٹے کی چھٹی کر کے لا سکتے ہیں"۔

"دفتر سے چھٹی کر کے؟"۔

"آپ کو ایک سے دو بجے بریک تو ملتی ہے...... آپ اپنے باس سے کہہ کر بریک کا ٹا اس طرح کر لیں کہ نوری کو سکول سے لے آیا کریں"۔

عزیز احمد ہنس پڑے...... پھر بولے...... "دفتر میں میں ملازم ہوتا ہوں مالک نہیں"۔

"اچھا خیر" زری سر ادھر ادھر ہلاتے ہوئے بولی...... "یہ مسئلہ بھی میں حل کر لو گی...... پہلے آپ نوری کو داخل تو کروائیں"۔

عزیز احمد چپ رہے...... تو زری آنکھیں بند کر کے تصوراتی آنکھ سے سکول کے پیارے پیارے رنگا رنگ لباسوں میں ہنستے کھیلتے بچوں کو دیکھتے ہوئے بولی...... "میرا کتنا چاہتا ہے میری نوری بھی اس سکول کے خوبصورت گلاب چہرہ صاف ستھرے اور بجے بچوں میں شامل ہو"۔

"اچھا بھئی تمہاری مرضی...... تم نوری کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار ہو تو پھر

لیا...... میں بھی تو چاہتا ہوں وہ اچھی تعلیم حاصل کرے"۔

"تو پھر فیصلہ"۔

دونوں نے خوش ہو کر ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارا...... زری کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا...... اس کی بچی امیر، کبیر بچوں کے ساتھ پڑھے گی...... ان سے کھیلے گی...... ان کے برابر ہو گی...... اس بات سے اسے دلی خوشی ہو رہی تھی۔

اگلے ہفتے انہوں نے نوری کو شہر کے اس مہنگے سکول میں داخل کروا ہی دیا...... نوری نے چند دن تو سکول جانے میں ضد کی...... آزاد پنچھی کو پنجرے میں بند کرنے والی بات تھی...... سکول جاتے ہوئے وہ ضرور پھڑ پھڑاتی...... روتی...... ضد کرتی۔

لیکن دو تین ہفتوں میں وہ سکول کی فضا سے مانوس ہو گئی...... کچھ بچے اس کے دوست بھی بن گئے...... عمیر، عاصم، روبی، ذکی، فاریہ اور وہ سب آپس میں گھل مل گئے۔

☆☆☆

کاروں کی ریس میں اگر کوئی پیدل چلنے والا یہ سوچ کر دوڑ پڑے کہ وہ گاڑیوں سے آ
نہ نکل سکے گا...... لیکن ان کے برابر ضرور رہے گا...... تو یہ اس کی نہایت احمقانہ سوچ ہے
انسان کی تیز رفتاری اپنی جگہ اک حقیقت سہی...... لیکن مشینی کل پرزوں کے سامنے ا
کہاں چلتی ہے...... یہ سوچنا ہی غلط ہے۔

یہ غلطی عزیز احمد نے زری کے اصرار پر کی تھی...... نوری کو انہوں نے ایک او
معیار کے سکول میں داخل کروادیا تھا...... اخراجات کا جو انہوں نے اندازہ لگایا تھا...... و
اندازے سے کہیں زیادہ تھے۔

اخراجات کا بار تو ایک طرف بچی بیچاری مختلف کمپلکسز کا شکار ہو گئی تھی...... نو
کی سہیلیاں اور دوست بہت بڑے امیر کبیر گھرانوں کے بچے تھے...... نوری کو تو امی خود ت
فراک پہنا دیا کرتی تھیں...... لیکن ان کے ملبوسات تو پاکستانی بھی کم ہی ہوتے تھے......
بچے امپورٹڈ کپڑے پہن کر آتے تھے۔

کسی کا باپ امریکہ سے کپڑے لایا ہوتا۔

کسی کی امی یورپ کے ٹور سے واپسی پر خرید کر لاتی۔

کسی کے والدین بچوں ہی کی شاپنگ کی خاطر ہانگ کانگ اور سنگاپور جاتے۔

کبھی کبھی بچے لاشعوری طور پر اپنے کپڑوں کا موازنہ نوری کے کپڑوں سے کرتے۔
اپنے کپڑوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتے...... نوری...... تم ہماری طرح کے کپڑے کیا

یں پہنتیں...... تمہارے ممی ڈیڈی باہر سے تمہارے لئے کپڑے نہیں لاتے...... اس طرح
ے کپڑے پہنا کرو نا...... وہ اپنے کپڑوں کا جائزہ لیتے ہوئے اسے کہتے۔

نوری کنفیوز ہو جاتی...... وہ تو سمجھتی تھی...... کہ اس کے کپڑے سب سے اچھے ہوتے
ں...... لیکن ساتھی بچوں کو اس کے ملبوسات پسند نہ تھے۔

نوری کا موٹر سائیکل پر ابو کے ساتھ سکول آنا بھی اس کے دوستوں کو حیران کر دیتا تھا۔

ایک دن جب عمیر اپنی جیپ سے اتر رہا تھا اور فاریہ کو اس کی موڈ ممی کالی سوک سے
دل کے گیٹ پر ڈراپ کر رہی تھی...... تو نوری کے ابو نے بھی گیٹ کے ایک طرف اپنی
ئک روکی۔

"ہائے" فاریہ نے نوری کو ہاتھ ہلایا۔

"ہیے......" عمیر نے فاریہ اور نوری دونوں کی طرف دیکھا...... اور ڈرائیور سے بستہ
تے ہوئے ان کی طرف آگیا۔

"ابو" نوری نے دونوں کی طرف دیکھا...... "یہ میری جماعت میں پڑھتے ہیں...... ہم
ب دوست ہیں"۔

"یہ تمہارے ابو ہیں" فاریہ نے عزیز احمد کی طرف دیکھا۔

"ہاں" وہ تفاخر سے بولی۔

"لیکن تمہارے ڈیڈی کہاں ہیں" فاریہ نے بھولے پن سے کہا۔

"میں ہی اس کا ڈیڈی ہوں بیٹے...... یہ مجھے ڈیڈی نہیں ابو کہتی ہے" عزیز احمد نے جلدی
ے کہا۔

"ڈیڈی کیوں نہیں کہتی" فاریہ نے حیرانگی سے عزیز احمد کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک ہی بات ہے...... ڈیڈی' ابو پا' بابا سب باپوں ہی کے لئے استعمال ہوتے ہیں......
ا ابو کہہ لے' ڈیڈی...... پاپا بابا کے بات تو ایک ہی ہوئی نا"۔

"ہاں" عمیر بولا...... "میں اپنے باپ کو بابا کہتا ہوں"۔

"تمہارے ابو بڈھے ہیں"...... نوری نے استہزائیہ قہقہہ لگایا" بابا تو بڈھوں کو کہتے
...... جیسے ہماری گلی کی نکڑ پر دکان والا بوڑھا بابا ہے۔

عزیز احمد اس کی بات پر نہیں پڑے...... لیکن عمیر چٹک کر بولا...... "جی نہیں میر
تو تمہارے ابو سے بھی ینگ ہیں"۔

"چلو نوری اندر چلیں" فاریہ نے نوری سے کہا...... اور بچے بھی گاڑیوں سے اتر
اندر جا رہے تھے۔

یہ تینوں بچے بھی گیٹ کے اندر چلے گئے...... عزیز احمد اپنے دفتر کی راہ پر چل پڑے
انہیں اک غیر محسوس سی الجھن محسوس ہو رہی تھی۔

چند دنوں بعد نوری جب اپنے ابو کی موٹر سائیکل سے اتر کر گیٹ کی طرف
تھی...... تو ذکی اور روبی بھی اپنی بڑی سی چم چم کرتی گاڑی سے اتر کر اس کی طرف آ
تھے...... ان کے سکول بیگ ڈرائیور اٹھا کر گیٹ تک لا رہا تھا۔

"نوری" ذکی نے اسے پکارا۔

"کیا ہے" وہ گردن موڑ کر بولی...... اس نے دیکھا...... دونوں بچوں کے بستے ڈرائ
کر لا رہا تھا۔

"اے تم موٹر سائیکل پر آتی ہو......" ذکی نے اس کے قریب ہو کر کہا۔

"ہاں میرے ابو کی موٹر سائیکل ہے" وہ بولی۔

"تمہاری گاڑی نہیں ہے" ذکی ڈرائیور سے بیگ لیتے ہوئے بولا۔

اس نے کچھ مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"گاڑی نہیں ہے" روبی حیرانگی سے بولی...... پانچ پانچ چھ چھ سالوں کے بچے جنہو
پیدا ہوتے ہی اپنے ارد گرد گاڑیاں ہی دیکھی تھیں...... یقین ہی نہ کر رہے تھے کہ نوری
پاس گاڑی نہیں ہے۔

یہ تمہیں کون چھوڑنے آتا ہے...... روبی نے پوچھا۔

"میرے ابو" وہ بولی۔

"یعنی تمہارے پاپا"۔

"ہاں"۔

"تم اپنے ابو کو پاپا کیوں نہیں کہتیں"۔

"پاپا کہا کرو...... کتنا اچھا لگتا ہے"۔

"لیکن روبی" ذکی نے اپنی دانست میں تیر مارا۔

"کیا" روبی بولی۔

"اس کے پاس گاڑی تو ہے نہیں...... پاپا اور ڈیڈی تو گاڑی والے ہوتے ہیں نا......" ذکی
نے کہا...... نوری کو ان کی منطق تو سمجھ نہ آئی...... لیکن وہ جھجھ سی گئی...... اس نے دل ہی دل
میں تہیہ کر لیا...... کہ وہ اپنے ابو کو ڈیڈی کہا کرے گی اور ان سے کہے گی کہ وہ بھی گاڑی لے
لیں۔

کئی دن تو اسے ابو کو ڈیڈی کہنا یاد نہ رہا...... لیکن ایک دن جب وہ صحن میں ہمسایہ بچوں
سے کھیل رہی تھی...... کہ اسے ابو کے موٹر سائیکل کے ہارن کی آواز سنائی دی...... وہ بے
اختیارانہ دروازے کی طرف دوڑی۔

"ڈیڈی آ گئے ڈیڈی آ گئے"۔

زری جو صحن ہی میں کھڑی تھی...... نوری کے یوں ڈیڈی کا نعرہ لگانے پر متعجب
ہوئی...... پھر خوشی کی ایک لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔

اور

جب

عزیز احمد موٹر سائیکل کھڑی کر کے نوری کو اٹھائے اندر ہنستے ہوئے آئے تو زری انہیں
دیکھ کر ہنسنے لگی...... اور ہنستے ہنستے بے حال ہوتے ہوئے بولی...... "سنا آپ نے...... آپ ابو سے
ڈیڈی بن گئے"۔

"ہاں یہ میرے ڈیڈی ہیں" نوری ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"دیکھا انگریزی سکول کا اثر" زری خوشی سے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔

"ہاں جی" عزیز احمد نے نوری کو پیار کرتے نیچے اتارا۔

"دیکھ لینا...... میری بیٹی فر فر انگریزی بھی بولنا شروع کر دے گی...... اے ہائے ابھی
سے کوئی کوئی جملہ بول دیتی ہے...... اپنی تو سمجھ ہی میں نہیں آتا" وہ بہت خوش نظر آ رہی
تھی۔

"اور جو فر فر بولنا شروع ہو گئی تو کیسے سمجھا کرو گی اس کی باتیں" عزیز احمد بولے۔

"سمجھ لیا کروں گی..... میری نوری تو میم لگا کرے گی میم" وہ نوری کے خوبصورت بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔

نوری ماں کا ہاتھ بالوں سے ہٹاتے ہوئے باپ کی طرف بڑھی اور ان کی ٹانگوں لپٹ کر بولی..... "ابو ہمارے پاس گاڑی کیوں نہیں ہے"۔

عزیز احمد اور زری کو ہلکا سا دھچکا لگا..... وہ نوری کا منہ دیکھنے لگے..... پھر عزیز احمد پیار سے کہا..... "بیٹے ہمارے پاس موٹر سائیکل تو ہے نا"۔

"نہیں آپ گاڑی لائیں" نوری ضد کرنے لگی۔

"کہاں سے لاؤں" عزیز احمد کی آواز میں بے چارگی تھی۔

"یہ کیا بات ہوئی..... زری جلدی سے بولی بچی کو سمجھانے کا یہ طریقہ ہے"۔

"امی..... نوری ماں کی طرف بڑھی "ڈیڈی جو ہوتے ہیں نا..... ان کے پاس گاڑی ہے"۔

جیسے عمیر کے ڈیڈی کے پاس ہے..... ذکی اور رومی سب کے ڈیڈی اور چاچا ہیں..... کے پاس گاڑیاں ہیں..... سارے بچوں کے ڈیڈی ہیں اور ان کے پاس گاڑیاں ہیں۔

عزیز احمد اور زری نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

نوری روٹھ گئی..... خفگی سے بولی..... "جائیے میں آپ کو ڈیڈی نہیں کہوں گی..... ڈیڈی نہیں ہیں..... آپ کے پاس گاڑی نہیں ہے"۔

"چلو اچھی بات ہے" عزیز احمد نے ماتھے پر ہاتھ لگاتے ہوئے کہا..... "میں ابو ہی ہوں..... مت کہنا مجھے ڈیڈی..... ہوں"۔

"کہوں گی کہوں گی" نوری اپنی بات سے خود ہی پھر گئی..... پھر اس نے رٹ لگا دی "میرے لئے بھی گاڑی لائیں..... میں گاڑی میں سکول جاؤں گی..... سب بچے گاڑیوں آتے ہیں..... میں بھی گاڑی میں جاؤں گی"۔

وہ بسورنے لگی..... ضد میں آ گئی..... ماں باپ دونوں منانے لگے..... گاڑی لا دینے جھوٹے وعدے کرنے لگے..... گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وہ سر کھپاتے رہے..... پھر عزیز احمد ا

بہلانے کے لئے بازار لے گئے..... چیزیں لے کر دیں..... بڑی مشکلوں سے اسے بہلایا۔

اس رات عزیز احمد اور زری بڑی سنجیدگی سے نوری کے متعلق سوچتے رہے۔

"میں نہ کہتا تھا..... اسے اس سکول میں داخل نہ کراؤ..... وہاں شہر کے امیر ترین لوگوں کے بچے پڑھتے ہیں..... نوری بھی ان کی طرح بننا چاہتی ہے"۔

"ہاں..... اکثر کپڑوں کے لئے بھی ضد کرتی ہے..... کبھی کہتی ہے فلاں کی طرح کا فراک لا دو..... کبھی فلاں کی طرح کے کپڑے پہناؤ مجھے"۔

بڑی ہو رہی ہے..... حیثیت کو گو سمجھتی تو نہیں..... لیکن اسے اچھے برے کا احساس ہونے لگا ہے"۔

"خوبصورت چیزوں کی تو وہ شروع سے دیوانی ہے"۔

"یہ سب تمہاری تربیت ہے..... تم نے اس کے ذہن میں اس کی حیثیت کا احساس جگایا ہی نہیں"۔

"لو اب سارا قصور مجھ پر ہی تھوپ دو..... آپ نے کیا کم ناز نخرے اٹھائے ہیں اس کے..... جو بات اس نے زبان سے نکالی..... اسی وقت پوری کر دی..... آدھی رات کو اس نے ضد کی..... کہ فلاں چیز لینی ہے..... جناب اٹھ کر دوڑ پڑے اسی وقت بازار"۔

عزیز احمد نے سر اثبات میں ہلایا..... پھر بولے..... "پہلے اس کی ضدیں بے ضرر اور معصوم ہوتی تھیں..... میرے بس میں تھا پوری کرنا..... لیکن اب یہ گاڑی"۔

"اے ہے بچی ہے..... ایک بات ذہن میں آ گئی..... تو ضد شروع کر دی..... بھول بھال جائے گی"۔

"وہ اپنی ضد پر قائم رہتی ہے..... بھولتی بھالتی کم ہی ہے"۔

"اب اس کے لئے گاڑی تو ہم لانے سے رہے..... کھلونا تو نہیں جو لا دیں گے"۔

دونوں باتیں کرتے رہے..... ان کی باتیں تشویش کا انداز بھی لئے تھیں۔

صبح نوری سکول جانے کے لئے تیار ہوئی..... نیا فراک پہنا..... اور مہنگا سکول بیگ اٹھایا۔

"ڈیڈی" وہ بولی۔

"جی بیٹے"۔

"گاڑی آگئی"۔

"کہاں سے آگئی" عزیز احمد جھنجھلائے...... "موٹر سائیکل کھڑی ہے چلو"۔

"میں نہیں جاؤں گی...... اس نے بیگ کندھے سے اتار کر پرے دے مارا۔

"بیٹی" زری نے اسے پیار کرتے ہوئے کہا...... "گاڑی ایک دم تو نہیں آجاتی"۔

"کیوں نہیں آجاتی" وہ ضد میں آگئی۔

زری نے ماتھے پر ہاتھ مارا...... اور وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

اس دن عزیز احمد نے بڑی مشکل سے نوری کو سکول جانے پر آمادہ کیا...... اس کی ضدا رونے دھونے کی وجہ سے وہ خود بھی دفتر سے لیٹ ہو گئے۔

نوری اب آئے دن نئی نئی فرمائشیں کرنے لگی تھی...... چھوٹی موٹی فرمائشیں تو ما باپ پوری کر دیتے۔

لیکن اس کی جہازی سائز کوٹھیوں کی فرمائش۔

چم چم کرتی گاڑیوں کی فرمائش۔

چھٹیوں میں نانی کے گھر جانے کی بجائے لندن اور امریکہ جانے کی فرمائش۔

وہ

بڑی ہوتی جا رہی تھی۔

اور

اسی حساب سے اسے امارت کا شعور بھی آتا جا رہا تھا...... اب وہ سہیلیوں کے گھر بر تھ ڈیز پر بھی جانے آنے لگی تھی...... بچوں کے علاوہ ان کے ممیوں اور ڈیڈیوں سے بھی ملتی جلتی تھی...... ان کے گھروں کی آرائش و زیبائش بھی دیکھتی تھی...... آیاؤں، بیروں خانساموں کو بھی مستعدی سے کام کرتے دیکھنے میں آتا تھا...... یہ سب کچھ وہ بھی تو چاہتی تھی۔

ابو کو اس نے ڈیڈی بنا لیا تھا۔

لیکن

یہ بغیر گاڑی کے ڈیڈی تھے...... یہ الجھن اسے اکثر مضطرب کر دیا کرتی...... اب جبکہ اس نے ماڈ ماڈ ممیوں کو بھی ملنا شروع کیا تھا...... اسے اپنی امی میں ان جیسی کوئی خوبی نظر نہ آتی تھی...... وہ اکثر ماں سے سوال کرتی۔

"امی آپ بھی ممی بن جائیں نا...... کیوں نہیں بنتیں ممی"۔

"کلب کیوں نہیں جاتیں"۔

"نئے نئے ڈیزائنوں کے کپڑوں کیوں نہیں پہنتیں"۔

"بال سیٹ کیوں نہیں کرواتیں"۔

"میک اپ کیوں نہیں کرتیں"۔

"زونی کی ممی کالی سی ہیں...... لیکن ہر وقت میک اپ کئے رہتی ہیں...... کتنی اچھی لگتی ہیں وہ"۔

"رؤف کے ممی ڈیڈی اتنے سمارٹ ہیں...... اس کی ممی تو ڈرائیو بھی کرتی ہیں...... اکثر رؤف کو لینے سکول آتی ہیں...... اور اب تو رؤف بھی ڈرائیونگ کرنے لگا ہے...... میرے جتنا ہے صرف بارہ سال کا"۔

"امی آپ بھی ڈرائیونگ سیکھیں نا...... جب گاڑی لیں گے نا ڈیڈی...... تو گاڑی آپ ہی چلایا کریں...... عورتیں گاڑی چلاتے بہت اچھی لگتی ہیں"۔

اس کی ایسی ایسی باتوں سے زری پریشان ہو جاتی۔

اب تک تو جانے کیسے وہ نوری کو یہاں تک لے آئے تھے...... لیکن اب اس کی باتوں اور اس کی فرمائشوں سے دونوں میاں بیوی پریشان ہونے لگے تھے...... اکثر اس کی باتوں سے جھنجھلا جاتے۔

اب تو اسے ڈانٹ بھی پڑ جاتی...... وہ ایک بار تھپڑ بھی کھا چکی تھی...... سمجھا سمجھا کر بھی ماں باپ تھک چکے تھے۔

لیکن

غلطی ان کی اپنی تھی...... نوری یہ خیالات اور رجحانات پیدائشی طور پر تو لے کر نہ آئی تھی...... ماں باپ کی غلط سوچوں اور لاڈ پیار کی وجہ سے وہ ایسی ہو گئی تھی...... اس مقام کی

طرف بڑھ رہی تھی...... جہاں اس کے قدم نہیں پڑنے چاہئیں تھے......اس مقام سے تو لوٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا۔

عزیز احمد اکثر متفکر ہو کر کہتے...... "میرا خیال ہے نوری کو اس سکول سے اٹھالیں اور کسی عام سے سکول میں داخل کروادیں...... بچی کا ستیاناس ہو رہا ہے......وہ ذہنی طور پر آسودہ نہیں...... اس کی سوچیں الجھنیں بنتی جارہی ہیں...... ہمیں اب بھی کوئی قدم اٹھا کر اس کو اس کے مقام پر لے آنا چاہئے"۔

زری پریشان ہو کر کہتی......اب کیسے سکول تبدیل کریں......ساتویں جماعت ہے اس کی...... یہ ساری باتیں بے شک ٹھیک ہیں...... لیکن ہمیں یہ بھی تو دیکھنا ہے کہ اس نے اچھے سکول سے سیکھا بھی بہت کچھ ہے...... انگریزی بولتی ہے...... پڑھائی میں لائق ہے...... طور طریق اور اچھے آداب سیکھ لئے ہیں...... بیٹی ہے...... کل کو یہ ساری چیزیں اس کے کام آئیں گی"۔

عزیز احمد چپ ہو جاتے...... واقعی نوری ادب وآداب سیکھ گئی تھی...... انگریزی بھی فر فر بولتی تھی...... اپنے عزیز رشتہ داروں کے گھر جاتی...... تو سب اس کی تعریف کرتے...... اس کے ہم عمر بچے اس سے مرعوب ہو جاتے...... گو وہ اب بھی بنیادی طور پر ضدی اور اکھڑ تھی......بد تمیز بھی بہت حد تک تھی...... اپنی اہمیت اور فوقیت کا بھی احساس تھا۔

لیکن

ان باتوں پر اس نے بڑے سلیقے سے پردہ ڈال لیا تھا...... موقع محل دیکھتی اور اسی کی مناسبت سے بات کرتی...... جہاں رعب جمانا ہوتا اپنی دھاک بٹھانا ہوتی وہاں دریغ نہ کرتی...... لیکن جہاں حسن سلوک کا مظاہرہ کرنا ہوتا......وہاں بھی کوتاہی نہ کرتی۔

اپنے سے کم تر کو دبانا اور اپنے سے بالاتر کے آگے بچھ بچھ جانا اس نے عادت بنالی تھی۔

وقت اپنی تمام تر پیچیدگیوں اور سہولتوں کے امتزاج سے گزرتا چلا جارہا تھا...... عزیز احمد نے اپنی آمدنی بڑھانے کے لئے فاضل وقت دفتر میں دینا شروع کر دیا تھا...... تنخواہ بھی اب اچھی خاصی معقول ملتی تھی...... زری نے کچھ زیادہ ہی سگھڑاپے کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا

تھا۔

اور

اب

نوری بھی حالات و معمولات کو سمجھنے کے قابل ہو گئی تھی...... ناجائز ضدیں اپنے مالی حالات دیکھتے ہوئے خود ہی چھوڑ دی تھیں...... ابو کی نپی تلی تنخواہ میں نہ تو کوٹھی بن سکتی تھی...... نہ ہی بڑی بڑی گاڑیاں خریدی جاسکتی تھیں...... نوکروں کی فوج بھی رکھنے کا سوال نہ تھا...... ہاں اچھے اچھے کپڑے جیسے تیسے خریدے جاسکتے تھے...... اس نے اپنے آپ کو حدود کے اندر مقید کرنے کی استطاعت تو پیدا کرلی تھی...... لیکن اس کی نفسیاتی الجھنیں دھاگے کے الجھے ہوئے گولے کی طرح ضرور ہو گئی تھیں...... اس کے ذہن میں اکثر طوفانی خیالات اٹھتے رہتے تھے......اور وہ اندر ہی اندر ان سے لڑتی رہتی تھی...... یوں اس کی شخصیت خوشگوار تاثر نہ دیتی تھی۔

☆☆☆

"امی"۔

"جی بیٹے"۔

"ہمارے سکول میں ڈرامہ ہو رہا ہے"۔

"اچھا"۔

"اس میں میں بھی حصہ لے رہی ہوں"۔

"اچھا"۔

"شہزادی بنی ہوں اس ڈرامے میں"۔

"تو کون سی بڑی بات ہے..... تو ہے ہی شہزادی"

بڑی بات یہ ہے امی کہ ڈرامے کے لئے اچھے اچھے کپڑے چاہئیں"۔

"کپڑے خود بنانے پڑیں گے ؟"۔

"نہیں مس بنائیں گی..... لیکن لے کر تو ہمیں جانا ہیں نا"۔

"کیا مطلب"۔

"مطلب یہ امی کہ کمخواب کے سوٹ بنارسی دوپٹے..... کامدانی ساڑھیاں یعنی اس طرح کے چمک دمک والے کپڑے چاہئیں..... مس خود ان سے لباس بنائیں گی"۔

"اے ہائے چیر پھاڑ کر دیں گی اتنے قیمتی کپڑوں کی"۔

نوری ہنس پڑی..... پھر ماں کے کندھے پر بازو پھیلاتے ہوئے بولی..... "چیریں پھاڑیں گی نہیں"۔

"تو پھر"۔

"مس ان سے لباس بنادیں گی..... مثلاً ساڑھی کا گھاگھرہ سا بنادیں گی..... کمخواب کی شلوار ہو گی تو اس پر گوٹہ اس طرح باندھیں گی کہ وہ تنگ پاجامہ بن جائے گا..... دوپٹہ ویسے کا ویسا ہی رہے گا..... لیکن سب کپڑے جھلمل جھلمل کرتے ہوں"۔

"ہوں"۔

"کم خواب کا جوڑا تو آپ کے پاس ہے نا"۔

"ہاں..... وہ میری شادی والا..... تمہیں اب ٹھیک آئے گا..... شادی جب ہوئی تھی..... میں بھی دبلی پتلی تھی"۔

"اس کے ساتھ بنارسی چادر بھی ہے"۔

"ہاں"۔

"لیکن کوئی کامدانی ساڑھی ؟"۔

"ساڑھی تو میرے پاس نہیں نہ ہی میں نے کبھی پہنی ہے"۔

"وہ کہاں سے لوں گی"۔

"کسی سہیلی سے کہنا لادے..... تمہاری تو اکثر سہیلیوں کی ممیاں ساڑھی پہنتی ہوں گی..... نہ بھی پہنتی ہوں لیکن ان کے پاس ہوں گی ضرور"۔

"اور مقیش بھرا دوپٹہ"۔

"وہ بھی تمہاری کوئی نہ کوئی دوست لادے گی"۔

"نہیں..... ساڑھی اور دوپٹہ آپ ہی مجھے لا کر دیں گی..... میں کیوں کسی سہیلی سے مانگوں..... اور پھر وہ لوگ اپنی اپنی چیزیں بھی تو لائیں گی..... چار لڑکیاں میری سہیلیاں بنیں گی..... اور دو کنیزیں..... ان کو بھی کپڑے لانے ہیں اپنے اپنے لئے"۔

زری چند لمحے چپ رہی..... پھر بولی..... "اچھا میں اپنی کسی ملنے والی سے پتہ کروں گی"۔

"صرف پتہ ہی نہیں کرنا کپڑے لا کر بھی دینے ہیں"۔

"اچھا بھئی" زری نے حسب عادت اس کے ضد کرنے سے پہلے ہی حامی بھر لی..... اس نے ایک دفعہ کسی شادی میں اپنی ایک ملنے والی کو مقیش بھرا جھلمل کرتا سفید دوپٹہ پہنے

دیکھا تھا...... وہ اس سے مانگ سکتی تھی...... ساڑھی بھی کوئی مسئلہ نہ تھا...... اس کی دیورانی کی بہن کی حال ہی میں شادی ہوئی تھی...... اس کے جہیز اور بری میں کئی قیمتی کامدانی اور بنارسی ساڑھیاں تھیں...... زری کے اس کے ساتھ اچھے مراسم تھے...... وہ اس سے ایک ساڑھی ڈرامے کے لئے لے سکتی تھی۔

نوری مطمئن ہو گئی...... لباس کا مسئلہ تو اس نے حل کر لیا تھا...... اب تاج بنانا تھا۔ اس کے لئے پیسے مس کو دینے تھے...... اور جیولری بھی چاہئے تھی...... خواہ اصلی ہو خواہ آرٹیفیشل وہ لے کر جانی تھی۔

نوری جانتی تھی امی کے پاس شادی والا بڑا سا ہار اور بڑے بڑے بندے ہیں...... لیکن زیور ڈرامے کے لئے ساتھ لے جانا دانشمندی نہ تھی...... ویسے بھی امی کون سا لے جانے دیتیں...... نوری نے زیور کا نام ہی لیا تو زری بولی...... "نہیں بھئی لے دے کے اب یہ زیور تو میرے پاس ہے...... میں خطرہ مول نہیں لے سکتی...... گم ہو جائے تو ذمہ دار کون ہو گا"۔

"بات تو ٹھیک ہے" نوری نے ماں کی بات سے اختلاف نہیں کیا۔

"بازار سے پیتل کے زیور لے لیتا"۔

"اتنے پیسے خرچ کروں؟ دیں گی آپ جیولری خریدنے کے لئے پیسے"۔

"تو مس سے کہنا کہیں سے بندوبست کر دیں...... دکاندار واقف ہو...... تو وہ ایک دن کے لئے عاریتاً بھی جھوٹے زیور لا سکتی ہیں"۔

"آپ کا کوئی دکاندار واقف نہیں"۔

زری نے نفی میں سر ہلایا...... "میں کون سا آئے دن آرٹیفیشل جیولری خریدتی رہتی ہوں...... جو دکاندار واقف ہوں گے"۔

"پھر"۔

"اپنی مس سے کہنا بندوبست کر لیں گی"۔

نوری سوچ میں پڑ گئی۔

لیکن

دوسرے دن اس نے مس سے کہہ ہی دیا...... "مس کپڑے تو میں لے آؤں گی...... جیولری ممی نہیں دیں گی" اس نے حسب عادت امی کو ممی بنا دیا۔

مس جلدی سے بولی...... "جیولری لانا بھی نہیں...... میں کسی کی چیزوں کی ذمہ داری نہیں لوں گی"۔

"تو مس میں پہنوں گی کیا...... زیور کے بغیر شہزادی کیسے ہوں گی"۔

"میں کلاس میں آئی تو لڑکیوں سے پوچھوں گی...... جن کے پاس اچھی اچھی آرٹیفیشل جیولری ہو وہ تمہیں لا دیں"۔

"تھینک یو مس" نوری نے خوش ہو کر کہا۔

"جیولری زیادہ نہ بھی ملی تو ہم گوٹے کرن اور سنہری کاغذوں سے جیولری بنا کر کام چلا لیں گے...... خیر تم فکر نہ کرو...... یہ کام میرے ذمے...... میرے پاس بھی کچھ جھوٹے زیور ہیں...... بس کام چل جائے گا...... تم اب اپنا ڈرامہ یاد کرو...... اور ایکٹنگ اچھی کرنا...... پوری شہزادی بن کر دکھانا ہو گا...... بہت لوگ آ رہے ہیں"۔

فکر نہ کریں مس...... آپ دیکھیں گی میں اپنے رول کو کتنی اچھی طرح نبھاتی ہوں"۔

"شاباش...... میری خواہش ہے ہماری کلاس پورے سکول میں فسٹ پوزیشن حاصل کرے" مس نے انگریزی میں کہا۔

"مس ایسا ہی ہو گا" نوری نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

ڈرامے کی تیاریاں زور و شور سے شروع ہو گئیں...... ہر کلاس کوئی نہ کوئی آئٹم پیش کر رہی تھی...... سالانہ تقریب تھی...... انعامات کی تقسیم بھی ہونا تھی...... بچوں کے ماں باپ کے علاوہ شہر کے چوٹی کے لوگ بھی مدعو تھے...... مہمان خصوصی اور تقسیم انعامات کے لئے ایک وزیر کو دعوت دی گئی تھی...... اس لئے بڑی بھرپور قسم کی تقریب ہونا تھی۔

نوری اپنے مکالمے یاد کیا حفظ کر رہی تھی...... وہ ساتھ ساتھ اداکاری کی بھی پریکٹس کرتی تھی...... کبھی ڈریسنگ ٹیبل کے لمبوترے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر مکالمے دہراتی...... کبھی امی کو سامنے بٹھا کر ایکٹنگ کرتی...... ماں تو دیکھ دیکھ کر نہال ہو جاتی۔

"اللہ قسم نوری...... تو تو بالکل شہزادیوں کی طرح بولتی ہے...... تیری تو چال بھی بالکل

شہزادیوں کی سی ہے"۔

نوری کھلکھلا کر ہنس پڑتی اور کہتی ...... "بھلا امی آپ نے شہزادیاں دیکھی کہاں ہیں"۔

زری اترا کر کہتی ...... "دیکھ تو رہی ہوں ...... اپنی شہزادی کو ...... پھر کتابوں میں بھی پڑھا ہے ...... فلموں میں بھی دیکھا ہے ...... تو تو سب سے نمبر لے گئی"۔

"امی ...... ڈرامے میں بھی اسی طرح کی اداکاری کر سکوں تو تب بات بنے گی"۔

"کرے گی کیوں نہیں"۔

"امی ...... ہال بھرا ہوگا لوگوں سے ...... بہت لوگ آ رہے ہیں ...... ایک وزیر صاحب بھی آئیں گے"۔

"سب تمہیں ہی پسند کریں گے دیکھ لینا"۔

نوری خوش ہو کر کہتی ...... "ویسے جتنی بھی لڑکیاں ڈرامے میں ہیں ...... کوئی بھی ! جیسی نہیں"۔

"تو تو سچ مچ کی شہزادی ہے نا میری جان" زری اسے پیار سے لپٹا لیتی۔

نوری بہترین اداکاری کرنے کے لئے کوشاں رہتی ...... وہ گلی محلے کے بچوں اور ا بچپن کے ساتھیوں کو بھی اپنے صحن میں جمع کر کے لکڑی کے تخت کو سٹیج بنا لیتی ...... پھر اس رنگین دوپٹوں کا گھاگھرہ بنا کر اوپر کوئی گوٹے کناری والا دوپٹہ اوڑھ لیتی ...... اور ان سب سامنے اپنا رول پیش کرتی۔

بچے خوش ہو جاتے ...... اس کے ہم عمر ساتھی اس کی اداکاری کو سراہتے ...... اس بڑی عمر کے لڑکے لڑکیاں بھی ڈرامہ دیکھنے چلی آتیں ...... یوں نوری سب پر اپنی دھاک دیتی۔

ان بڑے لڑکوں میں گورنمنٹ کالج کے سال دوئم کا طالب علم کامران بھی ہوتا۔ جس کو سب کامی کہہ کر بلاتے تھے ...... وہ نوری کے بچپن کا ساتھی بھی تھا ...... اسی محلے میں ر تھا ...... زری اور اس کی امی کی پرانی دوستی تھی ...... دونوں کے باپ بھی دوست تھے ...... حیثیت بدل رہی تھی ...... کامی کے دو چھوٹے بھائی اور بھی تھے ...... اس لئے ان کے ہاں زند محدود وسائل ہی سے نبٹ کر گزر رہی تھی ...... کامی نے گورنمنٹ سکول ہی میں تعلیم پا

...... ان کے ہاں نوری جیسا کر و فر نہیں تھا ...... محنت اور سادگی ان کا نصب العین تھا ...... لئے بڑے آبرومندانہ طریق سے گزر بسر ہو رہی تھی ...... اونچا اڑنے کے خواب ان کی وں میں بھی اترتے تھے ...... لیکن انہوں نے انہیں اپنے اوپر حاوی نہیں ہونے دیا تھا ...... کے حصول کے لئے کوشاں رہنے کی لگن ضرور تھی ...... تصوراتی دنیا میں رہنے کی بجائے حقیقت کے رموز سے آگاہ تھے ...... بچوں کی اٹھان اور تربیت بھی ماں باپ نے انہی خطوط پر تھی۔

کامی کی نوری سے شروع ہی سے دوستی تھی ...... نوری بھی اس کی صحبت میں بور نہ ہوتی ...... دونوں کا ایک دوسرے کے گھروں میں آنا جانا تھا ...... لیکن جب سے نوری کے امیر دوستوں میں اضافہ ہوا تھا ...... اسے کامی کے ان سے کمتر ہونے کا احساس ہوتا جاتا تھا ...... ب کامی سے اتنی بے تکلفی سے نہ ملتی تھی ...... بلکہ ان کے ہاں آنا جانا ہی کم کرا دیا تھا ...... بھی جب بھی کوئی ضرورت پڑتی ...... اسی سے رجوع کرنا پڑتا ...... زری کے تو بہت سے کے کام اسی کے ذمہ تھے ...... نوری کو بھی جب کوئی کتاب فائل یا پن وغیرہ منگوانا ...... ابا گھر پر نہ ہوتے تو کامی ہی سے کہہ کر چیزیں منگواتی ...... کامی کبھی انکار بھی تو نہ کرتا ...... نوری اس کی مالی حیثیت کی وجہ سے اس کی احسان مند کبھی بھی نہ ہوتی ...... بلکہ کبھی تو اسے لگتا کہ یہ کام اسے کرنا ہی چاہیے۔

کامی اچھا لڑکا تھا ...... بے شک حسین و جمیل نہیں تھا ...... عام سی شکل و صورت ...... لیکن اخلاق و کردار کا پر تو چہرے پر پڑے تو اس کا اپنا ہی حسن ہوتا ہے ...... اس کا قد دم ہی لمبا ہو گیا تھا ...... جسم دبلا پتلا تھا ...... بھرپور جوانی تو ابھی آئی نہیں تھی ...... اس لئے زری کو یہ لم دھڑنگ سوکھا سڑا لڑکا اچھا نہیں لگتا تھا ...... تاہم برا بھی نہیں لگتا تھا۔

لیکن

پھر وہی بات

کہ کام کروانے کے لئے اسے کامی ہی سے رجوع کرنا پڑتا تھا ...... اس میں وہ اکثر حاکمانہ بھی اختیار کر لیتی ...... لیکن کامی نے سعادت مندی سے کبھی منہ نہ موڑا تھا ...... وہ ہر کام ی کو خوش کرنے یا اس کے بھلے کے لئے ہوتا ضرور کرتا۔

اس دن بھی جب نوری تخت پر بیٹھی شہزادی کے مکالمے بول رہی تھی...... سب
داد دے رہے تھے...... بچے خوشی سے تالیاں بجا رہے تھے...... بڑے لڑکے لڑکیاں داد
نعرے لگا رہے تھے...... کامی کے ذہن میں کئی نقطے ابھر رہے تھے...... جب نوری تخت
آئی تو وہ اس کے قریب آ کر بولا...... "نوری تمہیں اپنا تلفظ درست کرنا چاہئے"۔

"کیا مطلب؟" نوری تنک کر بولی۔

کامی نے دو تین لفظ جن کی ادائیگی اس نے غلط کی تھی...... صحیح بول کر کہا......
تلفظ ایسے ہے"۔

"کوئی اور نقص" نوری تمسخر سے بولی۔

"تم گردن بہت اکڑا کر بولتی ہو...... تفاخر سے گردن اس طرح اونچی نہیں کی جا

"تو کیسے کی جاتی ہے"۔

"ایسے" کامی نے گردن اونچی کر کے ہلکا سا خم دے کر کہا۔

نوری نے نتھنے پھیلائے اور "ہونہہ" کہہ کر گویا اس کی باتیں مسترد کر دیں۔

"تم اداکاری اچھی کرتی ہو...... لیکن ان چند چیزوں کا خیال رکھو...... تو دیکھنا فس
تمہارا ہو گا"۔

"ان کے بغیر بھی فسٹ پرائز میرا ہو گا" وہ شان سے بولی۔

"تمہاری مرضی" وہ بولا...... "ویسے تمہارے بھلے ہی کی بات کر رہا ہوں"۔

"شکریہ...... چلو مان لیتی ہوں تمہاری بات......" نوری نے ہنس کر صرف اس
کہ وہ کامی کو ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی...... جانتی تھی کہ اس کے ساتھ کام پڑتا ہی رہ

اور

کام

اگلے دن ہی پڑ گیا۔

ڈرامے کے لئے کپڑے اکٹھے کر چکی تھی...... جیولری بھی مس اشفاق نے اک
تھی...... لیکن تاج ابھی تک نہیں بنا تھا...... ڈرامے میں تین دن رہ گئے تھے...... تاج
کوئی حامی نہ بھر رہا تھا...... مس کے پاس بھی اتنا کام تھا کہ اسے فرصت ہی نہ تھی۔

اسے بنوانے کی۔

اس نے نوری سے کہا...... "تم خود ہی بنالو...... جیسا بھی بنے"۔

تب نوری کو کامی کا خیال آیا...... وہ کاغذی پھول بڑے خوبصورت بناتا تھا...... اس کی
پتنگ بھی بڑی اچھی تھی۔

وہ جھٹ سے بولی...... "مس فکر نہ کریں...... میں تاج بنوا لوں گی"۔

"شور" مس نے انگریزی میں کہا۔

"بالکل" اس نے بھی انگلش ہی میں جواب دیا "بہت خوبصورت تاج بنواؤں گی مس آپ
طرف سے بالکل بے فکر ہو جائیں"۔

"گڈ...... میرے سر سے بوجھ اتر گیا"۔

"ڈونٹ وری مس...... تاج بن جائے گا اور بہت خوبصورت بنے گا"۔

"جتنے پیسے لگیں گے تمہیں مل جائیں گے...... ہمارے فنڈ میں پیسے ہیں"۔

نوری منہ بناتے ہوئے بولی...... "مس کوئی سونے کا تاج تو نہیں بنوانا...... جو آپ پیسے
گی...... میں تو اپنے پیرنٹس کی اتنی لاڈلی ہوں کہ سونے کا تاج بھی بنوانا پڑے تو شاید وہ
کی بات نہ ٹالیں"۔

"خوب" مس اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے ہنس کر بولی...... "تمہارے پیرنٹس مالدار
نے کے ساتھ ساتھ فراخ دل بھی لگتے ہیں"۔

نوری اس بات پر پھول کر بولی...... "بالکل مس میرے ممی ڈیڈی میری ہر بات مانتے
"۔

"اچھا تو اب تاج کی ذمہ داری تمہاری"۔

"یس مس"۔

نوری کے ذہن میں کامی تھا...... وہ اسے بہت خوبصورت تاج بنا کر دے گا...... اسے پکا
تھا...... چنانچہ سکول سے گھر آتے ہی وہ کامی کے گھر جانے لگی...... تو زری نے کہا......
جا رہی ہو"۔

"کامی کے گھر تاج بنوانا ہے اس سے"۔

"اچھا...... تو ابھی شہزادی صاحبہ کے لئے تاج تیار ہی نہیں ہوا"۔

"کامی بنادے گا"۔

"وہ تو بنا ہی دے گا...... چلو تم پہلے کھانا تو کھالو...... پتہ نہیں وہ ابھی کالج سے آیا نہیں"۔

"ہائے اللہ" نوری نے منہ بنایا...... پھر بولی......"چھٹی ہو گئی ہو گی اسے"۔

"تم کھانا کھاؤ میں پتہ کرواتی ہوں"۔

"لایئے کھانا"۔

زری نے تھوڑی ہی دیر میں کھانے کی ٹرے اس کے سامنے لا کر رکھ دی۔

"کیا بنایا ہے امی......" اس نے ٹرے اپنی طرف کرتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا من پسند کڑاہی گوشت" زری پیار سے بولی۔

"واہ واہ...... آئیں نا آپ بھی کھائیں"۔

"تم کھالو...... میں بعد میں کھالوں گی"۔

"نہیں امی...... آپ مجھے یوں کھانا نہ دیا کریں...... بلکہ میرے ساتھ کھایا کر ایٹی کیٹس کے خلاف ہے...... کہ میں کھالوں اور آپ بچا ہوا کھانا بعد میں کھائیں"۔

زری مسکرائی اور بولی......"مجھے اسی میں خوشی ملتی ہے نوری"۔

"تو...... آپ بھی پلیٹ لائیں اور میرے ساتھ کھائیں...... ورنہ میں بھی نہیں گی...... آئندہ آپ کھانا میرے ساتھ ہی کھایا کریں گی...... اور رات کو ہم تینوں آ کریں گے"

"اچھا بھئی......" زری باورچی خانے سے پلیٹ لے آئی۔

دونوں ماں بیٹی کھانا کھانے لگیں...... زری نے زیادہ گوشت نوری کی پلیٹ دیا۔

"اوہ امی" وہ ہنس کر بولی......" آپ کب ممی بننا سیکھیں گی...... یہ آداب ہے...... میں نے جتنا گوشت لینا ہوگا خود لے لوں گی"۔

"تم نے یہ باتیں کہاں سے سیکھ لیں"۔

"امی...... میں اپنی سہیلیوں اور دوستوں کے ہاں جاتی رہتی ہوں نا...... نوکر میز پر کھانا لگا دیتا ہے...... پھر سب ٹیبل پر آجاتے ہیں...... اپنی اپنی پسند کی چیزیں لے کر کھانے لگتے ہیں"۔

زری مسکرا کر بولی......"کوئی ماں اپنے بچوں کو اچھا اچھا اور زیادہ زیادہ کھانے پر مجبور نہیں کرتی"۔

"کرتی ہوں گی...... لیکن کسی مہمان کے سامنے نہیں"۔

"تو یہاں کون سا کوئی مہمان آیا بیٹھا ہے...... میں اور تم ہی ہیں نا...... جیسے جی چاہے کھائیں"۔

"آداب تو آنے چاہئیں نا"۔

"چل بڑی آئی آداب سکھانے والی...... جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش اور اتنی پکی پکی باتیں" زری نے ہنس کر کہا۔

تو

نوری بھی مسکرا دی۔

ماں بیٹی نے ہنستے مسکراتے خوش دلی سے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

☆☆☆

"کای"۔

"ہوں"۔

"ایک کام کرو گے"۔

کای نے نوری کی طرف دیکھا اور مسکرا کر بولا۔ "یقیناً کوئی بڑا کام ہے...... جو یوں باندھ رہی ہو...... ورنہ کام کروانے کے لئے تو تم ڈنڈا مارتی ہو"۔

نوری اس کی بات پر ہنس پڑی...... پھر قریب پڑے لکڑی کے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولی

"خیر کام اتنا بڑا بھی نہیں...... لیکن محنت والا ہے"۔

"یعنی"۔

"تاج بنا دو گے؟"

"تاج؟"

"ہاں بھئی تاج...... ڈرامہ جو ہو رہا ہے...... جانتے تو ہو میں اس میں شہزادی کا کر رہی ہوں...... شہزادی کے لئے تاج بھی تو چاہئے"۔

"یہ بات ہے"۔

"ہاں کای...... مس کے پاس ٹائم نہیں...... انہوں نے کہا ہے میں خود ہی بنا لوں"۔

"تو بنا لو نا"۔

"اے ہے مجھے تاج بنانا کہاں آتا ہے"۔

"تم نے کیسے سوچا...... کہ مجھے بنانا آتا ہے"۔

"اب زیادہ ہو نہیں" نوری نے گھور کر قریب کھڑے کای کو دیکھا...... جس کے ہاتھ میں بال پن اور کاپی تھی...... شاید وہ لکھائی کا کوئی کام کرنے کو تھا۔

"دیکھو کای" نوری نے گویا منت کی۔

"کیا؟"

"بنا دو نا پلیز...... مجھے پتہ ہے تم بہت خوبصورت تاج بنا سکتے ہو...... اتنے اچھے اچھے کاغذی اور چینل کی تار کے پھول بنا لیتے ہو...... تاج کون سا مشکل ہے"۔

وہ خوش دلی سے مسکرایا...... "تو گویا تم نے ان چیزوں سے اندازہ لگا لیا کہ میں اچھا تاج بنا دوں گا"۔

"اور کیا...... میں نے تو مس سے بھی کہہ دیا ہے...... کہ تاج میں بنوا لوں گی"۔

"بغیر مجھ سے پوچھے ہی؟"

"ہاں"۔

"کیوں"۔

"اس لئے کہ مجھے یقین تھا...... کہ تم میرا کام ضرور کرو گے"۔

"واہ"۔

"اچھا اب بتاؤ کب بناؤ گے...... مجھے پرسوں تک چاہئے تاج"۔

"ڈرامہ کب ہے"۔

"تین دن بعد...... یعنی آج بدھ ہے...... یہ دن تو گیا...... جمعرات، جمعہ اور ہفتہ تین دن باقی ہیں"۔

"اتوار کو"۔

"ہاں"۔

"کتنے بجے"۔

"شاید دس بجے شروع ہوں گے پروگرام"۔

"لوگ بھی آئیں گے"۔

"لو سنو...... لوگ نہیں آئیں گے تو اور کون آئے گا...... سب کے پیرنٹس آ رہے

ہیں...... اور بھی بہت سے گیسٹ ہوں گے...... ایک وزیر صاحب آئیں گے"۔

کامی چند لمحوں کے توقف کے بعد بولا...... "مہمانوں کے لئے کارڈز ہوں گے"۔

"سب کے لئے پیرنٹس کے لئے بھی اور گیسٹس کے لئے بھی"۔

"میرے لئے کارڈ لاؤ گی"۔

"تمہارے لئے؟"

"ہاں...... اس میں حیران ہونے کی کیا بات ہے...... مہمانوں میں میں شامل نہیں ہو سکتا؟"

"لیکن؟" نوری کی آنکھوں میں حیرانگی اتر رہی تھی...... "تم؟"۔

"ہاں میں...... آخر تمہارے امی ابو بھی تو ضرور جائیں گے"۔

"وہ تو جائیں گے"۔

"میرا کارڈ لے آنا...... میں بھی ان کے ساتھ آ جاؤں گا"۔

نوری نے مایوس کن انداز میں اسے دیکھا اور بولی...... "تم کیا کرو گے جا کر"۔

وہ جھٹ سے بولا...... "سب لوگ کیا کریں گے جا کر"۔

"کامی میرا مطلب ہے"۔

"کیا مطلب ہے؟"۔

وہ چند لمحے چپ رہی...... پھر جھجکی...... لیکن آخر کہہ ہی دیا "ہمارے سکول میں بڑے بڑے لوگ آ رہے ہیں"۔

کامی اس کی بات سمجھ گیا...... بات بری بھی لگی...... پھر جھٹ سے بولا...... "تمہارے امی ابو بھی تو جائیں گے...... میں بھی تو ان ہی کی طرح ہوں"۔

"اوہ ہوں" وہ تفاخر سے اسے دیکھتے ہوئے بولی...... "میرے ابو نے نیا سوٹ ہے"۔

"شلوار قمیض"۔

"جی نہیں پینٹ اور کوٹ...... قمیض ٹائی...... یہاں بوٹ تک نئے لئے ہیں...... میں کہہ دیا تھا...... کہ وہ ایک چیز بھی پرانی یا گھسی ہوئی نہیں پہنیں گے...... امی نے بھی نیا گو

رنگ کا جوڑا سلوایا ہے...... اس کے ساتھ کام والا دوپٹہ لیں گی...... دوپٹہ امی نے سعدیہ آنٹی سے مانگا ہے...... بس شو تو ہو جائے گی نا"۔

"اچھا"۔

"اب دیکھو نا...... تمہارے پاس تو نئے کپڑے شاید ہیں ہی نہیں...... پرانی سی جینز ہے...... یا وہ کالی پینٹ"۔

کامی کو غصہ آ گیا...... "تمہارے ابو نیا سوٹ خرید سکتے ہیں...... تو میں نئی پینٹ نہیں لے سکتا؟ ابھی کل ہی میں نے نئی شرٹ خریدی ہے...... ابو سے پینٹ کہوں گا...... تو وہ بھی لے دیں گے...... ہم لوگ صرف ابو کی تنخواہ پر ہی گزارہ نہیں کرتے نوری صاحبہ...... ابو نے ایکسپورٹ امپورٹ کا کام بھی شروع کر رکھا ہے...... ایک سال تک وہ نوکری چھوڑ دیں گے...... اور صرف یہی کام کریں گے...... پھر دیکھنا کیسی لہر بہر ہوتی ہے...... ہمارے یہاں...... ابو اپنے ساتھ مجھے بھی کام میں لگا لیں گے...... ہوں"۔

نوری کچھ نہ سمجھی...... بس اس کی باتوں سے یہی اندازہ لگایا کہ کامی کے پاس نئی پینٹ خریدنے کے لئے پیسے ہوں گے...... نئی شرٹ نئی لایا ہی ہے...... بولی...... "چلو تم کیا باتیں لے بیٹھے...... تاج کی بات بیچ ہی میں رہ گئی"۔

"پہلے وعدہ کرو...... کہ میرے لئے بھی دعوت نامہ لاؤ گی"۔

"مس سے پوچھوں گی"۔

"جی نہیں...... صرف پوچھو گی نہیں لے کر بھی آؤ گی...... تب تاج بناؤں گا"۔

نوری تذبذب میں پڑ گئی...... پھر لڑاکا انداز میں کہا...... "تم ڈرامہ دیکھنے کی ضد کیوں کر رہے ہو"۔

"تاج جو بناؤں گا...... دیکھوں گا تم پر سجتا بھی ہے یا نہیں"۔

"بس اتنی سی بات...... تو بھئی جب بنا لو گے...... میں پہن کر دکھا دوں گی تمہیں"۔

کامی کو اس کی بات بہت بری لگی...... جھٹ سے بولا...... "میں جانتا ہوں...... تم مجھے وہاں کیوں لے جانا نہیں چاہتیں"۔

"بھلا کیوں؟" وہ بھی جلدی سے بولی۔

"وہاں تم...... بہت بڑی امیر کبیر لڑکی بنی ہوئی ہو نا"۔

نوری نے نادم ہو کر سر جھکا لیا۔

"تو کیا ہوا...... میں تمہارا بھانڈہ تو نہیں پھوڑ دوں گا"۔

"کامی!"۔

"ہاں! ٹھیک کہہ رہا ہوں...... کپڑے بھی اچھے پہن کر آؤں گا...... تمہیں ندامت نہیں ہو گی"۔

"آؤ گے تو اس کھٹارہ سائیکل پر ہی نا؟"۔

"نہیں رکشے پر آ جاؤں گا...... تمہارے امی ابو بھی تو پرانے موٹر سائیکل"۔

وہ اس کی بات کاٹ کر جلدی سے بولی...... "وہ دونوں گاڑی پر آئیں گے...... ابو نے ایک دوست سے گاڑی مانگی ہے"۔

"یہ تو اور بھی اچھی بات ہے...... ان سے کہنا مجھے بھی ساتھ لے چلیں...... میں گاڑی بھی چلا لوں گا...... اس نے یہ بات کہی تو نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی...... اتنا ہنسی کہ آنکھوں پانی آ گیا...... اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے بولی...... "تم گاڑی چلا لیتے ہو؟"۔

"ہاں کیوں نہیں"۔

وہ ہنستے ہوئے بولی...... "گاڑی...... موٹر کار...... بیل گاڑی نہیں"۔

"بہت زیادہ وہ نہیں...... میں اپنے دوستوں کی گاڑیوں میں اکثر گھومتا ہوں...... ان چلانا بھی سیکھ چکا ہوں...... اتنی اچھی چلاتا ہوں کہ وہ بھی حیران ہوتے ہیں"۔

اب نوری نے حیران ہو کر اپنی بڑی بڑی آنکھیں کھول کر اسے دیکھا "واقعی؟"۔

"ہاں"۔

"یہ تو بڑی اچھی بات ہوئی...... چلو ٹھیک ہے...... میں تمہارے لئے کارڈ لے گی...... آ جانا امی ابو کے ساتھ...... ویسے بھی ابو کو صحیح طرح سے گاڑی چلانا نہیں آتی...... رہے تھے گاڑی تو دوست دے دے گا...... مگر چلائے گا کون؟"۔

"دیکھا" کامی بولا۔

پھر

دونوں ہنس پڑے۔

اب

پھر

تاج کی باتیں ہونے لگیں...... کامی خوش تھا...... بولا...... "ایسا تاج بناؤں گا کہ لوگوں کو اس پر اصلی تاج کا گمان ہو گا"۔

"ہائے سچ"۔

"ہاں نوری...... تم دیکھنا کیسا لاجواب تاج بنتا ہے"۔

"دیکھو بھئی" نوری کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"اب کیا ہے......" وہ بھی تخت کے کنارے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

"زیادہ پیسے نہ لگیں...... امی ابو پہلے ہی میری وجہ سے ڈھیر سارا خرچہ کر چکے ہیں"۔

"پیسوں کی فکر نہ کرو"۔

"پھر بھی"۔

"آدھے میں ڈال دوں گا...... مجھے اب جیب خرچ ملتا ہے اور ابو بھی کبھی کبھی جب ٹھیک ٹھاک پرافٹ ملے تو خوشی سے کچھ نہ کچھ دے دیتے ہیں مجھے"۔

"چلو ٹھیک ہے"۔

"پرسوں تک تمہیں تاج مل جائے گا"۔

"گڈ"۔

"شہزادی ہو گی نا...... تو تمہاری تصویر بھی کھینچوں گا"۔

"وہ تو بہت لوگ کھینچیں گے...... مس خود بھی تصویریں لیں گی...... عاصم کے بھائی جان بھی کیمرہ لائیں گے اور عمیر کے ابو تو شاید مووی کیمرہ بھی لے کر آئیں"۔

"جس کا جو جی چاہے لائے...... کیمرہ میں بھی لاؤں گا"۔

"کہاں سے لاؤ گے تم...... تمہارے پاس کیمرہ ہے کب"۔

"دوست زندہ باد"۔

"تمہاری مرضی" نوری نے گویا اجازت دے دی...... پھر اٹھتے ہوئے بولی...... "تاج

پرسوں مل جائے گا نا"۔

"بالکل" وہ بھی اٹھ کھڑا ہوا...... دونوں ڈیوڑھی کی طرف چلے...... کامی کی امی ان
وہیں مل گئی...... وہ ہمسایہ میں کسی کی خبر گیری کے لئے گئی ہوئی تھی...... نوری نے اسے س
کیا۔

اس نے جواباً وعلیکم کہا اور دعا دی...... اس کے امی ابو کا حال احوال پوچھا...... کامی گلی
نکل گیا تھا...... نوری کو چند لمحے خالہ کے پاس رکنا پڑا۔

کامی اسی شام تاج کے لئے گتا سنہری کاغذ' موتی اور چمکیلی تاریں وغیرہ لے آیا
بھی جو چیزیں درکار تھیں...... دوسرے دن خرید لیں...... اب وہ پوری توجہ اور دلچسپی
تاج ڈیزائن کرنے لگا...... نئی نئی خوبصورت چیزیں بنانے کا اسے ویسے بھی شوق تھا...... یہ
تو وہ نوری کے لئے بنا رہا تھا...... جو اس کی دوست تھی یا نہیں...... لیکن وہ اس کا دوست ض
تھا...... بچپن ہی سے وہ اسے اچھی لگتی تھی...... اب تو اس کی سمجھ میں کچھ کچھ آنے لگا
تھا...... کہ کسی لڑکے کو کوئی لڑکی اچھی کیوں لگتی ہے...... محبت کا مفہوم اسے پوری طر
سمجھ تو نہ آتا تھا...... لیکن یہ ضرور محسوس کرنے لگا تھا کہ انسان کے من کے اندر آپوں آپ
جذبے پھولوں کی طرح کھلنے اور مہکنے لگتے ہیں...... وقت کے ساتھ ساتھ یہ مہک مسحور
ہوتی چلی جاتی ہے۔

نوری کے من میں ابھی ایسا کوئی جذبہ جاگا تھا یا نہیں...... اسے معلوم نہ تھا...... وہ
کے ساتھ جیسے شروع سے پیش آتی تھی...... اب بھی ویسے ہی آتی...... کبھی انداز د
ہوتا...... کبھی تحکمانہ...... تو کبھی لڑاکا...... شاید ابھی وہ عمر کی اس دہلیز کو چھو نہ پائی تھی
جس کو پار کرنے کے بعد جذبے آپوں آپ جاگ اٹھتے ہیں...... کامی نے اس رخ سے ابھی
بھی سوچا نہیں تھا...... اپنی ابھرتی ہوئی چاہتوں کو اندر ہی اندر تھپکائے چلا جا رہا تھا۔

تیسرے دن اس نے تاج تیار کر لیا۔

اس دوران

نوری دو تین دفعہ تاج دیکھنے کے لئے اس کے ہاں آئی...... لیکن اس نے تاج
دکھایا...... "بن تو جائے پھر دیکھ لینا" اس نے نوری سے کہا۔

"ابھی کیوں نہیں دکھاتے" نوری نے دیکھنے کی ضد کی۔

"میری مرضی"۔

"یہ کیا بات ہوئی...... پتہ نہیں کیسا بنا رہے ہو...... دکھا تو دو"۔

"بہت اچھا بنا رہا ہوں...... بس اتنا ہی کافی سمجھو"۔

"موتی بھی لگاؤ گے"۔

"بہت کچھ لگاؤں گا"۔

نوری کا جذبہ شوق مچل گیا...... بولی...... "اوپر تمہارے کمرے میں رکھا ہے نا...... میں
جا کر خود ہی دیکھ لیتی ہوں"۔

وہ صحن سے اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھی...... تو کامی دوڑ کر سیڑھیوں میں
آن کھڑا ہوا...... دونوں ہاتھ دیواروں پر رکھ کر اس نے راستہ روکتے ہوئے غصے سے کہا......
"کل میں تاج لے کر تمہارے گھر خود ہی آؤں گا...... تم باز آ جاؤ...... زیادہ ضد کی تو پھاڑ ڈالوں گا
سارے کاغذ وانغذ"۔

نوری نے برا سا منہ بنایا...... پھر ہنس کر سیڑھیوں سے ہٹ گئی...... کامی کے دونوں
چھوٹے بھائی بھی صحن میں کمرے سے نکل آئے تھے...... نوری ان سے بولی...... "تمہارے
بھائی کا دماغ لگتا ہے خراب ہو گیا ہے"۔

"ہائے نوری" تیرہ سالہ فیروز نے جلدی سے کہا...... "خدا نہ کرے"۔

"ایک تو تمہارے لئے تاج بنا رہے ہیں' دوسرا تم ایسی باتیں کر رہی ہو" آٹھ نو سالہ
حمید بولا۔

نوری چپ ہو گئی۔

پھر بولی...... "اچھا میں چلتی ہوں...... اب نہیں آؤں گی...... تم خود ہی لے کر آ جانا
تاج...... اب آئی ہو نا راہ پر...... کامی بھی سیڑھیوں سے اتر کر صحن میں آ گیا...... نوری نے اس کا
منہ چڑایا...... اور ڈیوڑھی کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے جانے کے بعد کامی اوپر چلا گیا...... چھت پر دو ہی کمرے تھے...... ایک اس نے
لے رکھا تھا...... کچھ ساز و سامان تو تھا نہیں...... ایک پرانا سا پلنگ ایک دو کرسیاں اور ایک میز

تھی..... جس پر اس کی کتابیں پڑی رہتی تھیں..... دوسرے کمرے میں گھر کا کاٹھ کباڑ پڑا رہتا
تھا..... سٹور کے طور پر یہ کمرہ استعمال ہوتا تھا..... اور اکثر بند ہی پڑا رہتا تھا۔

پچھلے مہینے امی نے اس کے کمرے میں نئے پردے لگوا دیئے تھے..... نئی کرسیاں
ٹیبل لے کر دینے کا بھی وعدہ کیا تھا..... اس گھرانے کے اخراجات نوری کے گھر کے
تھے..... آمدنی اور وسائل کے مطابق سنبھل سنبھل کر چلنے والے لوگ تھے..... جب سے
کے ابو فاروق صاحب نے نیا کاروبار شروع کیا تھا..... گھر میں کچھ فراغت کے آثار نظر آ
تھے..... پھر بھی نہ فاروق نہ ہی زبیدہ کو فٹافٹ اپنا گھریلو ماحول تبدیل کرنے کی ضرورت
تھی..... وہ کام ہی میں لگانے کے لئے روپیہ پس انداز کرنے کے اصول اپنائے ہو
تھے..... پیسہ دھیرے دھیرے آہی رہا تھا..... کام گو چھوٹے پیمانے پر تھا..... قسمت
مہربان ہونے پر تلی تھی..... اس لئے بزنس کے پھیلنے اور پھلنے کے امکانات نظر آ
تھے..... اس لئے خوشی اور اطمینان کی فضا خود بخود بن رہی تھی..... کوئی دھڑکا تھا نہ وسوسہ
سکون سے زندگی اپنے وسائل کی مطابقت سے گزر رہی تھی۔

کامی نے اوپر آکر دروازہ کھولا..... اور کمرے میں آگیا..... میز سے کتابیں اٹھا کر اس
کمرے کے ایک کونے میں اوپر تلے رکھ چھوڑی تھیں..... اور تاج کا سامان میز پر رکھ
تھا۔

تاج تقریباً تیار تھا..... کچھ موتی لگانے تھے..... اور پیتل کی تاروں سے بنائے
لگانے باقی تھے..... آج رات اس نے تاج تیار کر کے ڈبے میں رکھ دینا تھا..... ڈبہ بھی گتے
اس نے خود ہی بنایا تھا..... ڈبے کے بغیر تاج کے خراب ہونے کا امکان بھی تو تھا۔

رات کا ڈیڑھ بج رہا تھا..... جب وہ تاج تیار کر کے اپنے سامنے رکھے دیکھ رہا تھا
تاج اتنا خوبصورت تھا کہ وہ خود ہی اس کی تعریفوں کے پل باندھ رہا تھا..... تصور میں
نوری کے سر پر رکھے..... اس کے خوبصورت چہرے پر اس کی پھبن دیکھ دیکھ کر پھولا نہ
رہا تھا۔

"نوری سچ مچ کی شہزادی لگے گی تاج پہن کر" اس نے تاج کو اپنے ساتھ لگا کر کہا
کی یہ حرکت شعوری نہ تھی..... پھر بھی جانے کیوں اس کا چہرہ سرخ ہو گیا..... جلدی

تاج گتے کے ڈبے میں بند کر کے وہ کرسی سے اٹھ بیٹھا..... قینچی، گوند، سوئی، تاگہ اور بچے
ہوئے کاغذ موتی تار ویسے ہی پڑے رہنے دیئے..... وہ جا کر پلنگ پر لیٹ گیا..... بتی اس نے
بند کر دی تھی..... آنکھیں بھی بند کر لی تھیں۔

لیکن

صرف

کھلی آنکھوں ہی سے تو نہیں دیکھا جاتا..... ہم بند آنکھوں سے بھی تو بہت کچھ دیکھتے
ہیں۔

اتنا کچھ

کہ

شاید کھلی آنکھوں سے بھی نہیں دیکھا جاسکتا۔

کامی بھی اس وقت بند آنکھوں سے جانے کیا کچھ دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

ہال بھرا ہوا تھا...... رنگا رنگ خوبصورت لباسوں ' میک اپ زدہ چہروں اور
زیورات سے سجی خواتین کرسیوں پر براجمان تھیں...... مردوں نے بھی کوٹ پتلون '
سوٹ اور شلوار قمیصوں کے ساتھ دیدہ زیب واسکٹیں پہنی ہوئی تھیں...... لڑکے لڑکیاں
جدید طرز کے لباس پہنے ہوئے موجود تھے...... سٹیج کے بالکل سامنے صوفوں کی دو قطاریں
تھیں...... جن پر بطور خاص مدعو کئے گئے...... معزز مہمان جن میں عورتیں بھی تھیں اور
بھی بیٹھے تھے...... وزیر صاحب بھی آچکے تھے اور معززین شہر بھی...... ان سے پچھلی قطار
میں پہلے ان بچوں کے والدین و دوستوں کو جگہ دی گئی تھی...... جو آج کی تقریب میں حصہ
رہے تھے...... زری عزیز احمد اور کاشی کو وزیر صاحب کے عین پیچھے جگہ ملی تھی...... ان کے
دائیں بائیں اچھے اچھے معتبر لوگ بیٹھے تھے...... خواتین کے بیش قیمت ملبوسات کے '
انمول ڈائمنڈ بھی جگمگا رہے تھے...... مردوں کے نفیس اور قیمتی ملبوسات بھی ان کی مالی حالت
کا منہ بولتا ثبوت تھے۔

پروگرام شروع ہوا۔

ہر کلاس نے چھوٹے چھوٹے آئیٹم پیش کئے...... سٹیج انہی کا خیال رکھتے ہوئے سجایا گیا
تھی...... گانے بھی گائے گئے...... رقص بھی پیش کیا گیا...... ڈرامہ بھی ہوا...... اور
بھی...... سب سے زیادہ جس کی تعریف ہوئی اور تالیاں بجا بجا کر داد دی گئی۔ وہ کلاس سیون
ڈرامہ تھا جس میں نوری نے شہزادی کا رول ادا کیا تھا...... نوری کو دیکھ کر تو گمان ہوتا تھا
واقعی کوئی اصلی شہزادی سٹیج پر آگئی ہے...... ایک ایکٹ کا پلے تھا...... نوری کا کلاس فیلو
خان شہزادے کے روپ میں اس کے ساتھ تھا...... کنیزیں اور سہیلیاں بھی بھرپور کردار
ادا کر رہی تھیں...... لیکن داد صرف نوری کو دی جا رہی تھی...... جو بڑے اعتماد اور طمطراق
سے اپنے مکالمے ادا کر رہی تھی۔

عزیز احمد اور زری تو پھولے نہ سما رہے تھے...... ساتھ بیٹھے لوگ یہ جانے بغیر کہ وہ
نوری کے والدین ہیں...... کھلے دل سے نوری کی تعریفیں کر رہے تھے۔

"کتنی پیاری بچی ہے"۔

"بالکل شہزادی لگتی ہے"۔

"ڈائیلاگ کتنی تمکنت سے بول رہی ہے"۔

"چلنے کا انداز تو دیکھو"۔

"بھئی کمال کر رہی ہے یہ بچی"۔

لوگ ایسی ایسی باتیں انگریزی اور اردو میں کئے جا رہے تھے...... ماں باپ کیسے خوش نہ
ہوتے اور تو اور ایک دفعہ تو نوری کے کسی مکالمے پر "بہت خوب" کہہ کر وزیر صاحب نے
بھی داد دی...... ساتھ بیٹھے نوجوان سے یہ بھی پوچھا...... "یہ کس کی بچی ہے...... بہت اچھی
ادائیگی ہے اس کی......" عزیز احمد اور زری کے دل تو اچھل کر جیسے حلق میں آگئے...... خوش
کاشی بھی ہو رہا تھا...... لیکن زیادہ خوشی اس کو اس وقت ہوئی...... جب سامنے والی قطار میں سے
کسی نے کہا۔

"کیا اس بچی نے اصلی تاج پہن رکھا ہے"

کاشی کو اس جملے سے گویا اپنی محنت کا صلہ مل گیا۔

دو گھنٹے کا پروگرام ختم ہوا...... تو آخر میں وزیر صاحب کو سٹیج پر آکر اپنے خیالات کے
اظہار کی دعوت دی گئی...... اور بچوں میں تقسیم انعامات کی ذمہ داری بھی انہیں سونپی گئی......
وزیر صاحب نے شاندار الفاظ میں سکول ' اساتذہ اور بچوں کی تعریف کی...... جو آئیٹم پیش کئے
گئے تھے انہیں سراہا...... سکول کی ثقافتی سرگرمیوں کی داد دی...... اور بچوں میں انعامات تقسیم
کئے...... سکول کی پرنسپل مسز عابدہ شیرازی وزیر صاحب کے قریب کھڑی ان کے تعریفی
الفاظ کا شکریہ ادا کر رہی تھیں۔

مس صدرہ درانی نے سارے انعامات دو لڑکیوں کی مدد سے میز پر رکھ دیئے تھے۔
اب وہ انعام پانے والی ہر لڑکی اور لڑکے کا نام پکار رہی تھی...... جو ایک طرف سے سٹیج پر وزیر صاحب کے سامنے قدرے جھک کر ان سے ہاتھ ملاتے...... شاباش کہتے' انعام پکڑ اور دوسری طرف سے باہر نکل جائے۔

نوری کو فسٹ پرائز ملا تھا...... مس صدرہ درانی نے اس کا نام پکارا...... وہ اسی لباس سٹیج پر آئی...... تو ہال ایک بار پھر تالیوں سے گونج اٹھا...... نوری نے قدرے جھک کر ناظرین کو تعظیم دی...... پھر وزیر صاحب کی طرف بڑھی جن کے ایک ہاتھ میں مس صد پکڑا ہوا انعام تھا۔

لیکن وزیر صاحب نے ایک دم ہی انعام اسے نہیں پکڑایا...... پہلے بڑی شفقت پوچھا......"آپ کا ڈرامے میں تو نام شہزادی تھا...... لیکن آپ کا اپنا نام کیا ہے"۔

نوری نے شرمیلے انداز میں مسکرا کر کہا......"سر میرا نام رائمہ ہے"۔

"لو بہت خوبصورت نام ہے"۔

"شکریہ سر"۔

"بہت خوبصورت اداکاری کی آپ نے...... کس کلاس میں ہیں"۔

"سر سیونتھ سے اب ایٹتھ میں آگئی ہوں"۔

"پڑھائی میں کیسی ہیں"۔

"کلاس میں فسٹ آئی ہوں"۔

"ویری گڈ" وزیر صاحب نے اسے انعام کا پیکٹ پکڑاتے ہوئے کہا......"بہت اچھ ہو...... اپنی نصابی اور غیر نصابی سرگرمیوں کو اسی طرح جاری رکھنا"۔

"یس سر...... ایسے ہی رکھوں گی" اس نے قدرے جھک کر تعظیم دی۔

سارا ہال پھر تالیوں سے گونج اٹھا...... اس دوران تصویریں اتارنے کے لئے بلا سپیشل فوٹو گرافر تو تصویریں لے ہی رہا تھا...... وزیر صاحب کے ساتھ اس نے پرنسپل کی ہدا کے مطابق ہر بچے کی تصویر لی تھی...... نوری کے ساتھ چونکہ وزیر موصوف باتیں کرنے تھے...... اس لئے اس کی ایک کی بجائے دو تین تصویریں لی گئیں...... اس کے علاوہ بھی

کیمروں کی نگاہیں نوری اور وزیر پر مرکوز ہو گئیں...... عاصم کے بڑے بھائی جان نے بھی کئی تصویریں لیں اور عمیر کے ابو تو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد ڈرامے اور ان ننھے فنکاروں کی مووی بنا ہی رہے تھے۔

ہال

کامی جس کے ہاتھ میں کیمرہ تھا...... اب اٹھ کر سٹیج کے قریب آگیا تھا...... اس نے نوری کی کئی تصویریں مختلف زاویوں سے لے لی تھیں...... ظاہر یوں ہو رہا تھا کہ وہ وزیر صاحب کی تصویریں لے رہا ہے...... لیکن کیمرے کی آنکھ صرف نوری کو مقید کر رہی تھی...... کہیں کہیں وزیر صاحب کا ہاتھ یا آدھا چہرہ فلم بند ہو جاتا تھا۔

تقریب ختم ہو گئی...... وزیر صاحب پچھلے دروازے سے چلے گئے...... لوگ ہال سے باہر نکل کر چمنوں میں ٹولیوں کی صورت کھڑے ہونے لگے...... واقف کار ایک دوسرے سے مل رہے تھے...... سکول اس کی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں کی داد دی جا رہی تھی۔

اداکار بچے اپنی ڈریسوں میں باہر آگئے تھے...... شوق اور خوشی سے لوگوں سے اپنی تعریفیں سن رہے تھے...... اپنے انعامات والدین اور دوسرے بچوں کو دکھا رہے تھے...... ان کے ممی ڈیڈی' پپا' بابا اور موم وغیرہ خوش تھے ہی دوسرے لوگ بھی ان بچوں کو پیار کر رہے تھے۔

نوری بھی ان میں سے ایک تھی...... اب بھی شہزادی کے روپ میں تھی...... امی ابو سے ملی تھی...... پیار لیا تھا اور لوگوں میں گھر گئی تھی...... سب اس پیاری سی بچی جس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا' کو پیار کر رہے تھے۔

عاصم اپنے بھائی کاظم اور ممی ڈیڈی کو کھینچتا ہوا اس کی طرف لے آیا...... لوگوں کے گھیرے کو توڑا اور بولا......"نوری میرے بھائی جان ممی اور ڈیڈی سے ملو"۔

"اے عاصم" نوری نے منہ بنایا......"میرا نام رائمہ ہے آج"۔

"میں تو نوری ہی کہوں گا" عاصم بولا۔

"میں بولوں گی ہی نہیں...... اس نے منہ پھیرا تو عاصم کی ممی نے آگے بڑھ کر اسے لپٹاتے ہوئے کہا......"کیا جھگڑا ہو رہا ہے عاصم آج تو شہزادی صاحبہ سے نہ لڑو" کاظم اور اس

کے ڈیڈی ہنس پڑے...... کاظم نوجوان ہینڈسم اور عاشق مزاج سا نوجوان تھا...... یہ شعر اسے من تو بھائی لیکن وہ ابھی چھوٹی سی لڑکی تھی...... شاید خاص انداز کی تعریفی نظر وا سمجھ ہی نہ سکتی تھی...... اسی لئے اس نے آنٹی، انکل اور کاظم سے کہا...... "دیکھیں نا...... اصلی نام تو رائمہ ہے...... سکول میں سب اسی نام سے پکارتے ہیں...... لیکن یہ بدھو اور کے ساتھ کے کچھ اور عقل کے کورے سب کے سامنے بھی مجھے نوری کہتے ہیں"۔

"تو نوری تمہارا نک نیم ہے......" کاظم نے پوچھا۔

"جی...... گھر میں تو سب اسی نام سے پکارتے ہیں...... لیکن اب میں آٹھویں میں آ ہوں...... ان دوستوں کو تو چاہیے نا مجھے رائمہ ہی کہا کریں"۔

نوری کی معصومانہ باتوں پر سب مسکرا دیئے...... ارد گرد اور لوگ بھی کھڑے تھے وہ بھی مسکرا کر اسے دیکھنے لگے...... کسی ایک نے کہا...... "نوری پیار کا نام ہے...... پیارا ہے...... جو کہتا ہے کہنے دو"۔

"نہیں رائمہ" کاظم بولا۔ "نوری بڑا پینڈو سا لگتا ہے...... اپنا اصلی نام ہی بلوایا کرو"۔

"تھینک یو کاظم بھائی" نوری خوش ہو گئی۔

"اپنے ممی ڈیڈی سے تو ملاؤ آئے ہوں گے وہ بھی......" عاصم کی ممی نے کہا...... جو قیمتی ساڑھی کے ساتھ کیرٹ کیرٹ کے ڈائمنڈ پہنے ہوئے تھیں...... اس کے ڈیڈی کاظم بھی قیمتی سوٹ زیب تن کئے تھے...... ان کی امارت کی چھاپ ان کے چہروں پر تھی پشتی امیروں کا سٹائل ہی اور ہوتا ہے...... یہ لوگ اسی زمرے میں آتے تھے۔

نوری نے عاصم کی ممی سے کہا...... "ملاتی ہوں...... ابھی تو یہیں کھڑے تھے ٹھہریئے میں انہیں ڈھونڈ کر لاتی ہوں"۔

وہ لوگوں کا حلقہ توڑ کر نکلی...... دور ایک درخت کے پاس اسے زری عزیز احمد او کھڑے نظر آئے...... وہ بھاگ کر ان کے پاس گئی...... اور کچھ تند لہجے میں بولی...... "آپ اکیلے کیوں کھڑے ہیں"۔

عزیز احمد بولے...... "ہمارا وہاں کوئی واقف ہی نہیں...... صرف تمہاری دو ایک ملی ہیں"۔

"ہائے لو...... ٹیچرز کو چھوڑیں...... وہاں چلیں...... لوگ میرے پیرنٹس سے ملنا چاہتے ہیں"۔ اس نے عزیز احمد کا ہاتھ پکڑ لیا اور قدم اٹھانے لگی۔

"میں بھی آؤں" زری نے کہا۔

"تو اور کیا...... آپ میری تعریفیں نہیں سننا چاہتیں" اس نے ماں سے کہا۔

"اور میں" کائی نے پوچھا۔

تو نوری بغیر اس کی طرف دیکھے بولی "آنا ہے تو آ جاؤ...... یہیں کھڑے ہونا ہے تو کھڑے رہو"۔

کائی کو اس کی بے اعتنائی پر دکھ ہوا...... لیکن زری نے جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

"چلو آؤ تم بھی...... یہاں کیا کرو گے"۔

وہ بادل نخواستہ اس کے ساتھ چل پڑا۔

اسے نوری سے سخت گلہ تھا...... سکول میں تو اس نے کائی سے نظریں ہی بدل لی تھیں...... اس کے متعلق دو تین لڑکیوں اور لڑکوں نے پوچھا بھی تھا...... کیونکہ وہ اس کے امی ابو کے ساتھ ساتھ جو تھا۔

اس نے بڑا بے رحم سا جواب دیا تھا...... "ہمارے گھر کے پاس رہتا ہے"۔

اس نے یہ کہنے کی زحمت نہ کی تھی کہ اس کا تاج جس کی اتنی تعریفیں ہو رہی ہیں اسی نے بنایا ہے۔

نوری امی ابو کو عاصم کے بھائی اور ممی ڈیڈی سے ملانے لائی...... تو اور بھی بہت سے لوگ ان سے ملنے اور نوری کی پرفارمنس پر مبارک دینے لگے۔

"آپ کی بچی تو بہت ہی خوبصورت ہے" عاصم کی ممی نے زری اور عزیز احمد سے کہا...... تو دونوں اس کا مفہوم سمجھ گئے...... زری جلدی سے ہنس کر بولی...... "یہ ہو بہو اپنی دادی کی تصویر ہے...... میری ساس بے حد خوبصورت تھیں"۔

"جبھی" عاصم کی ممی نے سر ہلایا...... ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی...... وہ ہنس کر بولی۔ "آپ لوگوں سے تو یہ بھی بالکل نہیں ملتی"۔

"جی" زری نے مسکرا کر کہا۔

کای زری کے برابر کھڑا تھا...... اس کے ہاتھ میں کیمرہ دیکھ کر عاصم کی ممی کے سا کھڑی ایک معزز خاتون نے کہا...... "تصویر لے سکتے ہیں...... میری بچیاں مصر ہیں شہزادی کے ساتھ تصویر بنوائیں گی"۔

"جی ہاں میں کھینچ لیتا ہوں"۔

دو نوری کی کلاس فیلو بچیاں اپنی ماں کے ساتھ آگے آگئیں...... نوری ان کے سا کھڑی ہوگئی...... کای نے تصویر بنالی۔

پھر کہیں سے زرق خان بھاگا آیا...... "بھئی میری بھی تصویر ان کے سا ہوجائے...... میں تو ان کا شہزادہ ہوں"۔

سب ہنس پڑے...... کای نے ان دونوں کی تصویر بھی کھینچ لی۔

"شہزادی کی ایک تصویر میرے ساتھ بھی ہوجائے" کاظم نے کای کی جائے عاصم کو دیا...... وہ اپنا کیمرہ لایا ہوا تھا۔

عاصم نے تصویر کھینچ لی۔

یہاں لوگ گروہ کی صورت کھڑے تھے...... تصویریں کھینچتی دیکھیں تو گروہ میں لوگ اور بھی شامل ہوگئے۔

کئی لوگوں نے تصویریں کھینچیں اور کھنچوائیں۔

شہزادی اتنے اعزاز پر فضاؤں میں اڑ رہی تھی...... ماں باپ پھولے نہ سما رہے تھے ایک کای تھا جس کے چہرے پر گھمبیر سی بے نام سی...... لیکن دکھ دینے والی اداسی تھی۔

شاید اسے زری نے محسوس کیا اور جلدی سے بولی...... "عزیز ایک تصویر کای اور کی بھی بنالو...... اس نے تاج بنانے میں کتنی محنت کی...... یادگار تصویر تو ہونی چاہیے"۔

عزیز احمد نے کای سے کیمرہ لے لیا۔

لوگوں نے جب سنا کہ تاج اس لڑکے نے بنایا تھا...... تو تعریفی و توصیفی کلمات ا ان کی زبانوں سے ادا ہونے لگے...... لوگوں نے اس کاوش کو اتنا سراہا کہ کای کا اداس چہر کچھ خوشگوار نظر آنے لگا۔

عزیز احمد نے نوری، کای اور زری کی تصویر بنائی...... پھر کاظم نے نوری، کای،

اور عزیز احمد کی تصویر لی۔

تصویر کشی کے درمیان باتیں بھی ہوتی رہیں...... کئی لوگوں نے زری کو نوری کے ساتھ اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔

عاصم کی ممی نے تو باقاعدہ اتوار کے دن چائے کے لئے انہیں مدعو کیا...... لیکن زری نے ملائمت سے معذرت کر دی...... ہاں عاصم نے اپنے اور کلاس فیلوز کے ساتھ نوری کو دعوت دی...... ان سے فارغ ہو کر نوری اپنے کلاس فیلو اور سکول کے دوسرے طالب علموں کی طرف آگئی۔

سب نے اسے گھیرے میں لے لیا۔

"اس کامیابی پر ہمیں ٹریٹ دو"۔

"گھر پر بلا کر کھانا دو"۔

"چلو خالی چائے سہی"۔

"لو ہو اور کچھ نہیں تو مٹھائی کھلادو"۔

"سپیشل انعام بھی ملے گا تمہیں...... مس بتا رہی تھی"۔

"اب تو ٹریٹ تم پر فرض ہوگئی"۔

وہ ہنس ہنس کر سب کی باتیں سنتی رہیں...... سب کچھ خاموش ہوئے تو وہ بولی......

"پاگلو ٹریٹ تو تم مجھے دو میں نے اتنی محنت کی...... اتنا خوبصورت تاج بنوایا...... کہ سچ مچ شہزادی بن گئی...... اب شہزادی کے اعزاز میں تم سب ٹریٹ دو"۔

بہت سوں نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی...... چنانچہ طے ہوا کہ کل کینٹین میں اس کی چائے سے تواضع کریں گے۔

ہلا گلا ختم ہونے لگی لوگ واپس جانے لگے...... نوری بھی امی ابو اور کای کے ساتھ سکول سے باہر آئی...... اس کے بہت سے کلاس فیلو اسے گاڑی تک چھوڑنے آئے...... نوری دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کر رہی تھی کہ آج اس کے پاس گاڑی تھی...... ورنہ بڑی کرکری ہوتی۔

کای ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... وہ اب بھی چپ چپ تھا...... نوری ہی بولے جا رہی

تھی..... زری اور عزیز احمد اس کی باتوں کا مسکرا مسکرا کر جواب دے رہے تھے۔
"اے" نوری کو کامی کی خاموشی کا احساس ہوا..... تو اس کے کندھے پر ہاتھ مارا.....
اس کے پیچھے ہی بیٹھی تھی۔
"ہوں" کامی نے صرف یہی کہا۔
"تمہیں کیا ہوا ہے" وہ تیزی سے بولی۔
"کچھ نہیں" کامی نے دھیمے سے جواب دیا۔
"کوئی بات ہی نہیں کر رہے"۔
"تم جو کر رہی ہو..... میں سن رہا ہوں"۔
زری اور عزیز احمد مسکرا دیئے..... زری بولی..... "تم کسی اور کو بولنے کا موقع دے ر
ہو؟"۔
"نہیں ممی" وہ بولی..... "دراصل"۔
عزیز احمد نے ہنس کر اس کی بات کاٹی..... "بھئی اب سکول پیچھے چھوڑ آئے ہیں.....
ممی نہیں تمہاری امی بیٹھی ہیں"۔
"ڈیڈی" وہ ہنس کر بولی..... "اب تو میں آپ لوگوں کو گھر پر بھی ممی ڈیڈی کہا کر
گی..... دیکھا نا میرے سب دوست اور سہیلیاں اپنے ماں باپ کو ممی ڈیڈی کہہ رہے تھے"۔
"ایک لڑکا تو اپنی ماں کو ماں جی کہہ رہا تھا..... مجھے تو بہت اچھا لگا..... اسے تو
کمپلیکس نہیں تھا" کامی نے کہا۔
"ہونہہ" نوری نے تمسخر سے کہا..... "تمہیں تو اچھا ہی لگے گا..... تمہیں امیروں
ایٹی کیٹس کا کیا پتہ"۔
"نوری بیٹا....." عزیز احمد نے اسے ٹوکا..... "کامی برا مان جائے گا"۔
"اجی رہنے دیں" زری ہنس کر بولی..... "کوئی برا نہیں مانے گا..... یہ تو ان کی بڑا
کی باتیں ہیں..... لڑتے جھگڑتے بھی ہیں اور صلح صفائی بھی ہو جاتی ہے"۔
عزیز احمد چپ ہو گئے..... نوری مسکرانے لگی..... پھر اس نے بالوں سے پن اتار ک
شوخی سے کامی کی گردن میں ہولے سے چبھو دی۔

"اے" کامی نے گردن پر ہاتھ مارا..... نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی۔
اس کی اس شوخی سے کامی کا موڈ خوشگوار نہ ہوا۔
اس کا موڈ کئی دنوں تک خوشگوار نہ ہوا..... نوری کو تو علم ہی نہ ہوا..... کیونکہ دوسرے
ہی دن وہ امی کے ساتھ نانی کے ہاں چلی گئی تھی..... دو دن وہاں رہ کر آئی تو عاصم کے ہاں
چائے پر جانا تھا..... چوتھے دن بھی وہ لوگ چچا کے ہاں چلے گئے..... یوں کئی دن نوری کامی
کے ہاں نہ گئی۔
اس دن کامی کی امی نے زردہ بنایا تو ایک پلیٹ میں ڈال کر بیٹے فیروز کو دیا کہ نوری کے
ہاں دے آئے..... دونوں گھروں میں ایسی چیزوں کا تبادلہ ہوتا رہتا تھا..... جب بھی کسی کے
ہاں کوئی اچھی چیز پکتی..... وہ دوسرے کے ہاں ضرور بھجواتے..... کامی اکثر خود ہی دینے آتا
تھا..... لیکن آج فیروز پلیٹ لے کر گیا تو پلیٹ نوری ہی نے لی..... وہ آج گھر پر تھی۔
"کیا ہے؟" اس نے پلیٹ کے اوپر الٹی کی ہوئی پلیٹ ہٹاتے ہوئے پوچھا۔
"امی نے زردہ بنایا تھا"۔
"اچھا"۔
"بڑا مزے کا ہے"۔
"لیکن کامی کیوں لے کر نہیں آیا"۔
"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں"۔
نوری کے اندر گھبراہٹ سی ہوئی جلدی سے پوچھا..... "کیوں کیا ہوا اسے"۔
"پتہ نہیں..... بخار ہو گا"۔
نوری نے پلیٹ اسے واپس دیتے ہوئے کہا امی کو اندر دے آؤ..... میں کامی کو دیکھ
آؤں..... "وہ تیز تیز قدم اٹھاتی گھر سے باہر نکلی..... دو گھر چھوڑ کر ہی تو اس کا گھر تھا..... دو
منٹ میں وہ کامی کے ہاں تھی..... خالہ کو سلام کرنے کے بعد اس نے کامی کا پوچھا۔
"اندر پڑا ہے پلنگ پر..... کچھ بتاتا تو ہے نہیں..... پتہ نہیں کیا ہوا ہے"۔
نوری سامنے والے کمرے میں گئی..... کامی پلنگ میں اوندھا پڑا تھا۔
"اے کامی" اس نے اس پر جھکتے ہوئے اس کا کندھا ہلایا..... "کیا ہوا ہے بیمار ہو

کیا؟"

اس نے اسے جھنجھوڑا تو وہ بستر میں اٹھ کر بیٹھ گیا...... لیکن بات کوئی نہیں کی...... نورم
کھڑے کھڑے بولی...... "بولتے کیوں نہیں...... ناراض ہو"۔

کامی نے پہلی بار نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا...... نوری کچھ پریشان ہو گئی...... نظر دل
مفہوم سمجھنا تو اس کی عمر کا تقاضا نہیں تھا...... لیکن احساس ضرور ہو گیا کہ اس سے کوئی کوتا
ضرور ہوئی ہے...... کامی کی ناراضگی کا اسے پتہ ضرور چل گیا۔

"کیا ہوا ہے بتاتے کیوں نہیں" اس نے کئی بار پوچھا تو کامی دکھ سے بولا...... "نو
میں تمہیں بہت برا لگتا ہوں"۔

"نہیں" وہ جھٹ سے بولی...... "تم مجھے کبھی بھی برے نہیں لگے"۔

"تو...... تو پھر اس دن تمہارا رویہ"۔

"کس دن"۔

"سکول میں ڈرامے کے دن...... تم نے مجھے ذرا لفٹ نہیں دی...... مجھ سے بات
نہیں کی...... اپنے دوستوں اور سہیلیوں سے تعارف تک نہیں کرایا...... کیا میں اتنا؟
ہوں"۔

نوری کچھ نادم سی ہوئی...... لیکن اس کا کیا قصور اس کی شخصیت ٹھیک ٹھاک تھی
بلکہ اس کی طبیعت کی خرابی کا سن کر اسے جانے کیا ہوا تھا...... جو بھاگی چلی آئی تھی۔

"تم بہت اچھے ہو کامی" چند لمحے چپ رہنے کے بعد وہ مسکرا کر بولی...... "کبھی
بھی نہیں کہ تم مجھے برے لگتے ہو...... ہاں...... اب اٹھو...... باہر نکلو...... خالہ نے مز
زردہ بنایا ہے...... چلو دونوں کھاتے ہیں"۔

اس کے کہنے پر وہ اٹھ کھڑا ہوا...... دونوں باورچی خانے میں آ گئے...... جہاں زرد
کے دیگچے میں سے پلیٹیں بھر بھر کر خالہ ہمسایوں کے گھر بھیج رہی تھی۔

نوری نے ایک پلیٹ میں ان سے زردہ لیا اور باہر تخت پر کامی کے ساتھ بیٹھ کر کھا
لگی...... کامی خوش ہو گیا تھا...... وہ نوری کے ساتھ ایک ہی پلیٹ میں زردہ کھا رہا تھا۔

کتنی...... اپنائیت تھی...... کتنی قربت تھی۔

نوری نور دہ

دونوں قریب قریب بیٹھے ایک ہی پلیٹ میں زردہ کھا رہے تھے...... ہنستے مسکراتے باتیں
کرتے۔

☆ ☆ ☆

"زبیدہ"

"جی"

"کامی کہاں ہے"۔

"اوپر گیا تھا"۔

"بھئی اب تو تمہارا بیٹا بہت ہوشیار ہو گیا ہے"۔

"ماشاءاللہ ماشاءاللہ"۔

"میرا کام پوری مستعدی سے کر رہا ہے...... بڑا بوجھ بانٹ لیا ہے اس نے...... ورنہ تو میں کام کر ہی نہ پاتا"۔

"بی اے کر چکا ہے سمجھدار ہو گیا ہے...... ویسے بھی اسے بزنس کا شوق ہے"۔

"ہاں شوق تو اسے بہت ہے...... اب میرا ارادہ ہے کہ مارکیٹنگ کے لئے اسے بھیجوں...... اسے بھی تجربہ ہونا چاہئے"۔

"کہاں بھیجیں گے"۔

"یورپ کے کچھ ملکوں کا ٹور کرائے...... خاص کر جرمنی...... وہاں ہمارے مال کی کھپت ہے"۔

"خدا برکت دے"۔

"آمین"۔

فاروق اور زبیدہ کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے۔

فاروق نے چار پانچ سال پہلے بالکل چھوٹے پیمانے پر ایکسپورٹ امپورٹ کا کام

کیا تھا...... نہ تو زیادہ پیسہ پاس تھا نہ ہی کچھ تجربہ...... اس لئے ایک دم ہی کام بڑھانے کا سوچا ہی نہیں تھا...... بلکہ آہستہ آہستہ محنت اور لگن سے کام کرتا گیا تھا...... اس نے دوڑ دھوپ کے لئے دو ملازم لڑکے رکھ لئے تھے...... لیکن زیادہ کام کامی ہی کرتا تھا...... پہلے تو پڑھائی کی وجہ سے پابند تھا۔

لیکن جب بی اے کر لیا' تو ایم اے میں داخلہ لینے کی بجائے باپ کے ساتھ پورا وقت کام کرنے لگا۔ اب وہ ایک سمجھدار سمارٹ اور خوبرو نوجوان تھا...... فاروق نے پہلے ایک چھوٹی سی دکان کرائے پر لے کر اس میں معمولی سا دفتر بنایا تھا...... لیکن اس سال اس نے ایک اچھے پلازہ میں دفتر شفٹ کر لیا تھا...... دو تین سال پہلے نوکری چھوڑ دی تھی...... سارا دھیان کام میں لگا لیا تھا...... پانچ سالوں میں محنت کے ثمر ملنے لگے تھے...... کام پھیل رہا تھا...... ملکی سپلائی سے دو غیر ملکی فرموں سے کام کرنے لگا تھا...... پہلے بڑی بڑی فرموں کو جو ایکسپورٹ کا کام کرتی تھیں...... مال سپلائی کرتا تھا...... ہولے ہولے اس نے باہر اپنی مارکیٹ بنالی تھی...... اب براہ راست کام کر رہا تھا۔

چمڑے کی مصنوعات کی ڈیمانڈ کافی تھی...... اس لئے جیکٹس...... دستانے اور ٹوپیاں وغیرہ اس کی ایکسپورٹ کی آئٹمز تھیں...... دو دفعہ وہ جرمنی جا چکا تھا...... فی الحال وہ اتنا ہی آرڈر لاتا تھا...... جسے وہ نبھا سکے...... مال اچھا ہو یہ اس کا اصول تھا...... اسی لئے ڈیمانڈ بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ خاصہ کما رہا تھا...... لیکن اس نے یا اس کے بیوی بچوں نے پر پرزے نہیں نکالے تھے...... ایسی ہی رہائش تھی...... مزاجوں میں وہی انکساری تھی...... نہ تو فاروق نے خود اپنے آپ کو کبھی سمجھا تھا...... کہ اسے پر لگ گئے ہیں...... نہ ہی بیوی بچوں میں یہ بات آنے دی تھی...... ہاں بیوی بچوں اور خود اس کے اوڑھنے پہننے کا معیار کچھ بہتر ہو گیا تھا...... ڈرائنگ روم کی چیزیں بدل گئی تھیں کہ کبھی کبھی فارنر بھی کام کے سلسلے میں آتے تھے' جنہیں کبھی گھر پر لانا پڑتا...... کامی کے اچھے اچھے دوست بھی آنے جانے لگے تھے۔

اب کامی نے اپنا کمرہ بھی سجا لیا تھا...... میٹنگ ڈلوالی تھی...... بیڈ نیا لیا گیا تھا...... کرسیاں اور ٹیبل کے علاوہ سامنے والی دیوار میں الماری بھی بن گئی تھی...... ٹیبل لیمپس اور کچھ

ڈیکوریشن پیسز بھی کمرے کی سجاوٹ کا باعث بنے تھے۔

خوشحالی آرہی تھی......اس کا پرتو چہروں سے عیاں تھا۔

کام بڑھ رہا تھا...... فاروق کامی کو بھی مارکیٹنگ کی ٹریننگ دینا چاہتا تھا...... بائیس تیئ
برس کا جوان لڑکا اس سے کہیں زیادہ دوڑ دھوپ کر سکتا تھا...... اسی لئے اس نے پلان بنایا تھا
یورپ کے دو تین ممالک کا وہ دورہ کر کے آرڈر لائے۔

رات وہ گھر آیا...... وہ دو تین جیکٹوں کے سیمپل لے کر آیا تھا...... یہ بڑی خوبصورت ا
آرام دہ جیکٹس تھیں...... اور سیالکوٹ سے ہوائی جا سکتی تھیں...... کراچی سے بھی یہ مال
جا سکتا تھا...... وہ ساری معلومات اور ریٹ لے کر آیا تھا...... اس لئے ابو کے ساتھ ساری با
ڈسکس کر رہا تھا...... فاروق اس کی ہوشیاری مستعدی اور لگن سے بہت خوش تھا۔

کامی کپڑے بدلنے اپنے کمرے میں گیا...... پھر فاروق زبیدہ سے باتیں کرتے ہو
بولا...... "کامی کام میں بڑا تیز ہو گیا ہے...... ہر کام ایڈوانس میں کر دیتا ہے"۔

"جوان خون ہے...... جوش اور ولولہ زیادہ ہی ہوتا ہے......" زبیدہ فخر سے بولی......
اسے صحت اور تندرستی دے...... وہ تو دنوں میں لاکھوں کمانا چاہتا ہے۔

"ضرور کمائے گا...... خدا نے چاہا تو ضرور کمائے گا...... اسی لئے تو میں اسے باہر بھ
پلان بنا رہا ہوں"۔

"اچھی بات ہے...... آپ نے بتایا اسے"۔

"ابھی تو نہیں...... اوپر گیا ہے...... آتا ہے تو اس سے بات کروں گا...... ہاں زبیدہ
جگہ بڑی لینی پڑے گی"۔

"گھر بڑا لینا پڑے گا"۔

"فاروق ہنس کر بولا...... "ابھی دو تین سال گھر کے خواب مت دیکھنا...... ہمیں ا
میدان میں پوری طرح قدم جما لینے دو...... میں گھر نہیں...... سٹور کی بات کر رہا ہوں"۔

زبیدہ مسکرائی...... "میں سمجھی آپ بڑا گھر لے رہے ہیں"۔

"انشاء اللہ وہ بھی لے لیں گے" فاروق نے کہا...... پھر چند لمحوں بعد بولا...... "
کوٹھی بنائیں گے بیگم صاحبہ...... صرف دو تین سال صبر کرو...... اسی طرح کفایت شعا
سے کام لیتی چلو...... بس"۔

زبیدہ خوش ہو کر بولی...... "انشاء اللہ اپنے کامی بیٹے کی شادی کوٹھی میں جا کر ہی کریں
گے"۔

"بالکل بالکل"۔

"لیکن" زبیدہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی۔

"کیا کہنا چاہ رہی ہو" فاروق نے مسکرا کر اسے دیکھا۔

"کچھ نہیں...... زبیدہ نے انگلیوں پر گن کر کچھ حساب لگایا پھر بولی...... ٹھیک ہے"۔

"کیا ٹھیک ہے کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے"۔

وہ مسکرا کر بولی...... "کامی کی منگنی میں پہلے کر دوں گی...... کوٹھی بناتے بناتے رشتہ ہی
نہ ہاتھ سے نکل جائے"۔

فاروق اس کا عندیہ سمجھ گیا تھا...... پھر بھی تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے
بولا...... "کوئی دیکھا ہے رشتہ کامی کے لئے"۔

وہ اترا کر بولی...... "آپ بھی تو جانتے ہیں"۔

فاروق نے جان بوجھ کر سر نفی میں ہلایا...... تو وہ چہک کر بولی...... "ہائے ہائے......آپ
تو اپنے بزنس ہی کے ہو کر رہ گئے ہیں...... گرد و پیش کا تو ہوش ہی نہیں...... کل ہی بھائی عزیز
گلہ کر رہے تھے...... کہ آپ تو اب ملتے ہی نہیں"۔

"یہ بات تو ہے زبیدہ...... چلو کھانا کھا کر ان کے ہاں ہو آتے ہیں...... کئی دن ہو گئے ان
سے مل ہی نہیں سکا"۔

"ان کی طبیعت بھی کچھ دنوں سے خراب ہے"۔

"کیوں کیا ہوا"۔

"پتہ نہیں پیٹ ہی کی تکلیف ہے...... کل بھی ڈاکٹر کے پاس گئے تھے"۔

"اوہو...... تب تو آج ضرور ان کے ہاں جانا چاہئے"۔

زبیدہ مسکرائی...... "آج ہی نہیں جانا چاہئے...... بلکہ جاتے آتے رہنا چاہئے...... کامی کا
رشتہ میں نے نوری ہی سے کرنا ہے"۔

"ہوں" فاروق خوش ہو کر زبیدہ کو دیکھنے لگے پھر بولے...... "میں بھی سوچ رہا
آخر تم نے کون سا رشتہ دیکھ رکھا ہے بیٹے کے لئے"۔

"اس سے اچھا رشتہ بھلا کوئی ہو گا...... دیکھے بھالے لوگ اور اتنی خوبصورت اتنی
لڑکی"۔

"بہت پیاری بچی ہے"۔

"بس ایف اے کر لے...... میں رشتہ مانگ لوں گی...... ویسے میں زری کو ستاؤ
ہی رہتی ہوں"۔

"وہ ... چاہتی ہیں"۔

"لو بی...... چاہیں گی کیوں نہیں...... کیا کمی ہے ہم لوگوں میں...... پھر میرا گبھرو
بیٹا...... جس میں کوئی عیب نہیں...... اسی عمر میں کمائی کر رہا ہے...... انہیں اور کیا چاہئے
کماؤ بھی ہے خوبصورت بھی......" دونوں یہی باتیں کرنے لگے۔

کامی کپڑے تبدیل کر کے ادھر ہی آگیا...... باپ کے پاس پلنگ پر بیٹھتے ہوئے
"امی جلدی سے کھانا دے دیں سخت بھوک لگی ہے...... آج میں نے دوپہر بھی کچھ
کھایا"۔

"ہائے میرے لال" زبیدہ سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی...... "صبح سے بھوکے ہو"۔

"بس اب کھلا دیں نا...... وقت ہی نہیں ملا کھانا کھانے کا"۔

"ابھی لاتی ہوں" زبیدہ کمرے سے نکل کر صحن سے ہوتی سیدھی باورچی خانہ
گئی۔

"بیٹا" فاروق نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"جی ابو" وہ سعادت مندی سے بولا۔

"کھانا وقت پر کھا لیا کرو...... ریسٹورانوں اور ہوٹلوں کی اس شہر میں کمی تو نہیں

"بس ابو...... کام ہی میں لگا رہا"۔

"اب کام کو اتنا بھی اعصاب پر مسلط نہ کرو...... کہ کھانا ہی نہ کھاؤ"۔

"آئندہ احتیاط کروں گا" وہ مسکرا کر بولا۔

دونوں باتیں کرنے لگے۔

زبیدہ چند منٹ میں کھانا گرم کر کے لے آئی...... کامی کے من پسند کوفتے بنے تھے......
ساتھ کالے چنے اور ابلے ہوئے چاول بھی تھے...... ایک پلیٹ میں سلاد بھی تھا...... اور لال
دستر خوان میں لپٹی روٹیاں بھی۔

اس نے کھانے کی سٹینڈ والی ٹرے باپ بیٹے کے سامنے رکھ دی۔

"فیروز اور حمید کہاں ہیں" کامی نے ٹرے باپ کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

"سکول کا کام کر رہے ہیں"۔

"کھانا"

"کب کا کھا چکے"

"آپ نے بھی کھا لیا"

"ان کے ساتھ ہی کھا لیا تھا...... تم باپ بیٹا کھاؤ اب"۔

"امی"

"ہوں"

"کھانا ہم سب اکٹھے ہی کھایا کریں تو اچھا نہیں کیا"۔

"بھئی تم باپ بیٹے کبھی جلدی آجاتے ہو...... کبھی دیر سے...... اکٹھے کیسے کھائیں
کھانا...... آج تمہارے ابو کچھ جلدی آگئے اور تم نے دیر لگا دی"۔

"یہ بات تو ہے"۔

"کوئی بات نہیں......" فاروق نے مسکرا کر کہا "بیٹا ابھی تو ہم لوگوں کے مزدوری کے
دن ہیں...... جب سیٹھ بن جائیں گے...... تو طور طریقے بھی بدل لیں گے...... ابھی تو ایسے ہی
چلے گا"۔

"ٹھیک ہے ابو" کامی ابو کے لئے پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے بولا۔

زبیدہ پانی لینے چلی گئی...... فیروز اور حمید بھی کام چھوڑ کر تھوڑی دیر کے لئے آگئے......
بھائی کو دونوں نے بڑی تعظیم سے سلام کیا۔

کامی نے محبت سے جواب دیا اور پڑھائی کے متعلق دو چار سوال ان سے پوچھے...... فیروز

تو اس دفعہ میٹرک کا امتحان دینے والا تھا..... اس لئے بڑی سنجیدگی سے پڑھائی میں لگا ہوا تھا۔

باپ بیٹا کھانا کھانے لگے..... ادھر ادھر کی باتیں بھی ہونے لگیں۔

باتوں ہی باتوں میں عزیز احمد کا ذکر بھی آ گیا..... فاروق نوالہ توڑتے ہوئے بولا۔

"بیٹے سنا ہے ان کی طبیعت خراب ہے"۔

"جی ابو..... کچھ پیٹ کی تکلیف ہے"۔

"تم نے بتایا ہی نہیں"۔

"بس خیال ہی نہ رہا..... ویسے میں انہیں دیکھنے گیا تھا..... ڈاکٹر کے پاس گئے تھے"۔

"کیا بتایا اس نے"۔

"پتہ نہیں..... دو تین دوائیاں لکھ دی تھیں"۔

"اللہ رحم کرے"۔

"ابو یہ تکلیف انہیں کچھ عرصے سے ہے..... خود ہی ٹھیک ہو جاتی ہے..... خو شروع..... ان کا رنگ بھی کافی خراب ہو گیا ہے..... میں نے تو مشورہ دیا تھا کہ کسی سپیشلا کو دکھائیں..... ان کا تو میڈیکل فری ہے نا"۔

"ہاں" فاروق پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولا..... "میں بھی انہیں یہی مشورہ دوں گا میں کئی دنوں سے ان سے مل نہیں سکا..... ابھی میں اور تمہاری امی انہیں دیکھنے جا ہیں"۔

"جی ٹھیک ہے..... میں تو اب لیٹوں گا..... آج بہت پیدل چلا..... تھک گیا ہوں"۔

زبیدہ بولی..... "سکوٹر پر کیوں نہیں گئے"۔

"امی سکوٹر ایک ہے اور ہم کام کرنے والے چار آدمی"۔

زبیدہ فاروق سے بولی..... "آپ میرے بیٹے کو موٹر سائیکل لے دیں جی..... ایسے نہیں چلے گا"۔

فاروق کی جگہ کامی بولا..... "امی میں آج کل دیکھ رہا ہوں..... کوئی اچھی حالت سیکنڈ ہینڈ موٹر بائیک مل جائے تو لے لوں گا"۔

"نیا ہی لے لو" زبیدہ جلدی سے بولی۔

"نہیں امی..... ابھی اتنے پیسے ہم خرچ نہیں کر سکتے"۔

"اتنی محنت کرتے ہو..... تو کچھ جان کو بھی آرام پہنچاؤ" زبیدہ بولی۔

"کوئی بات نہیں بیگم صاحبہ..... جوان بچہ ہے کبھی کبھی پیدل چل بھی لیا جائے..... تو حرج نہیں"۔

زبیدہ نے منہ بنا کر کہا..... "سچ ہی کہتے ہیں..... پیسہ جتنا زیادہ آتا جائے..... بندہ اتنا ہی کنجوس ہوتا جاتا ہے"۔

فاروق اور کامی ہنس پڑے..... پھر کامی بولا..... "ایسی بات نہیں امی..... جب خوب پیسہ آئے گا نا تو سب کو خوب عیش کرائیں گے..... موٹر بائیک کیا..... گاڑیاں لے لیں گے..... ابھی تو ہمارا کچھ بننے کا سلسلہ چل رہا ہے..... بنے تو نہیں"۔

فاروق بولا..... "پھر بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے..... بہت کچھ دے رہا ہے"۔

"اور بھی دے گا انشاء اللہ" کامی نے امید اور تیقن سے کہا..... تو فاروق نے اس کی پشت پر پیار سے تھپکی دی۔

زبیدہ مسکرانے لگی۔

باپ بیٹا کھانا کھا چکے تو اس نے برتن سمیٹے اور کمرے سے لے گئی۔

فاروق اور کامی باتیں کرنے لگے۔

زبیدہ اندر واپس آئی تو فاروق سے کہا..... "چلیں عزیز بھائی کو دیکھ آئیں..... کہیں سو ہی نہ جائیں..... نو بجنے والے ہیں"۔

"چلو" فاروق پلنگ سے اترے..... "ویسے سوئے تو نہیں ہوں گے..... خبرنامہ وہ ضرور دیکھتے ہیں"۔

"ہاں" کامی بولا۔

"میں بھی ہیڈ لائن سن نہ لوں" انہوں نے کمرے کے کونے میں رکھے ٹی وی کا کنٹرول پکڑا..... تو زبیدہ ان کے ہاتھ سے کنٹرول لیتے ہوئے بولی..... "اب وہیں جا کر دیکھ لیجئے گا..... بحث مباحثہ تو ان کے ساتھ خبروں پر آپ کرتے ہی ہیں"۔

فاروق نے مسکرا کر کامی کو دیکھا اور بولے..... "دیکھا..... تمہاری ماں نے تو ہمیں حکم

کا مزہ مار کھا ہے"۔

کامی مسکرایا...... "امی ٹھیک کہہ رہی ہیں...... وہیں جا کر خبریں سن لیجئے گا...... وہا
خبروں میں رکھا ہی کیا ہے...... میرا تو جی ہی نہیں چاہتا سننے کو"۔

زبیدہ نے کنٹرول ٹی وی کے اوپر رکھ دیا...... کامی بھی اٹھ کھڑا ہوا...... وہ اوپر ا
کمرے میں جا رہا تھا۔

زبیدہ اور فاروق باہر نکلے...... وہ ڈیوڑھی کی طرف جاتے ہوئے بولے...... "کامی
دروازے کی کنڈی لگا لو...... ہمارے واپس آنے تک سو تو نہیں جاؤ گے"۔

"نہیں...... آپ زیادہ دیر نہ لگائیے گا" وہ بولا۔

"اچھا" زبیدہ نے کہا۔

"چلیں تب تک میں آپ کے کمرے میں ہی لیٹتا ہوں...... یہ نہ ہو اوپر جا کر سو جاؤں
آپ دروازہ ہی پیٹتے رہیں"۔

"نیند آئی ہے تو بے شک جا کر سو جاؤ...... ہم باہر سے تالا لگا جاتے ہیں"۔

کامی چند لمحے تذبذب میں رہا...... پھر بولا...... "یہ ٹھیک ہے امی...... آپ باہر ہی
لگا جائیں مجھے نیند آ رہی ہے"۔

"تو جاؤ" زبیدہ اندر سے تالا لینے چلدی۔

کامی نے خدا حافظ کہا۔

اور

اوپر چلا آیا...... بتی جلائی کمرے پر ایک نظر ڈالی...... پھر رات کے کپڑے الماری
نکال کر غسل خانے میں گھس گیا...... رات وہ غسل کئے بغیر نہیں سوتا تھا...... یہ
شروع ہی سے عادت تھی اور اب تو روز رات کو نہاتا اس لئے بھی تھا کہ سارا دن بازارا
پھرنا...... ٹیکسی رکشے میں بیٹھنا اور رنگا رنگ لوگوں کے کارخانوں میں جانا ہوتا تھا......
کے رات کے کپڑے باقاعدگی سے دھو دیا کرتی تھیں...... اسے بھی پتہ تھا کہ وہ نہا کر
کپڑے پہننے کا عادی ہے۔

وہ بڑے آرام سے غسل لیتا رہا...... ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہا تھا...... اپنے کا

کامیابی اسے خوشی کے ساتھ سکون بھی دیتی تھی...... صرف اس لئے نہیں کہ پیشہ خوشی و
راحت کا سبب تھا۔

بلکہ

اس کی خوشیوں کے سرے کسی اور کی خوشیوں سے بھی جا ملتے تھے۔

وہ نوری کو بڑی اچھی طرح جانتا تھا...... وہ دولت مندوں کو پسند کرتی تھی...... ان کی
طرز زندگی سے مرعوب و متاثر تھی...... اس نے اپنے ارد گرد بچپن ہی سے چاندی کی دیواروں
کا حصار کھڑا کر رکھا تھا...... وہ اب تک اس کے اندر مقید تھی...... اس کے حالات ایسے نہیں
تھے...... لیکن اس نے مصنوعی طور پر ان حالات سے نبٹنے کا طریقہ سیکھ لیا تھا...... اب وہ سکول
سے کالج میں آ گئی تھی...... سیکنڈ ایئر کی طالبہ تھی...... سکول کی طرح کالج میں کامی اور اس کی
دوستی اب بھی ویسی ہی تھی...... نوری کی طرف سے اس میں کمی ہوئی تھی نہ بیشی...... ہاں کامی
کی بات اور تھی...... برسوں پہلے اس کے دل کی زمین میں جو بیج بویا گیا تھا...... وہ پھوٹا تو اس میں
سے نرم نرم پتیاں نکلیں...... جن کی اس نے دن رات دیکھ ریکھ کی...... انہیں سینچا...... ان کی
حفاظت چپکے چپکے کی...... اب وہ بڑا ہریالہ اور خوبصورت صحت مند لہلہاتا پودا بن چکا تھا......
بس کی جڑیں اندر ہی اندر پھیل گئی تھیں...... پودے کی مضبوطی کا انحصار تو اس کی جڑوں پر
ہی ہوتا ہے نا...... جو زمین کے اندر جال سا بن کر اسے اپنی گرفت میں کر لیتی ہیں...... اس کا
دل بھی اسی جال میں جکڑا گیا تھا...... کامی نہا کر غسل خانے سے نکلا...... بالوں کو تولئے سے
رگڑتا وہ کرسی پر آن بیٹھا...... میز پر ایک خوبصورت فریم میں گروپ فوٹو لگی تھی...... جس میں
وہ زری خالہ عزیز انکل اور نوری کے ساتھ کھڑا تھا...... یہ تصویر نوری کے اس یادگار ڈرامے
کی تھی، جس میں وہ شہزادی بنی تھی...... اور کامی کا بنایا ہوا تاج پہن رکھا تھا۔

تب وہ بچی تھی۔

لیکن

اب؟

کامی کی آنکھوں میں اس سوچ سے ہی چمک آ گئی...... ہونٹ مسکرانے لگے۔

تب

اور

اب

میں کتنا فرق تھا...... نشیلی جوانی ہوش ربا تھی...... قد تھا کہ اٹھتی قیامت...... جسم
گداز...... نین نقش وہی تھے لیکن جوانی کا نشہ اور ہی تھا...... رنگت میدے اور سندور ملا
ہنستی تو گالوں میں گڑھے پڑتے...... سیاہ گھنے بال چیتے ایسی کمر سے نیچے گرتے تھے......
کے سرے اس نے ٹرم کروا کے برابر کئے ہوئے تھے...... اس کی آنکھوں میں چمک اور
تھی۔

وہ حقیقتاً حسن کا مجسمہ تھی...... اس کے ارد گرد پروانے منڈلاتے رہتے تھے......
عجب بات نہ تھی۔

کامی تو اس کے بچپن کا ساتھی تھا...... پیار اس کے ساتھ ساتھ ہی پروان چڑھا تھا
دو طرفہ تھا یا یک طرفہ کامی نے کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔

ہاں وہ شعوری اور لاشعوری طور پر نوری کے خود ساختہ معیار پر پورا اترنے کی کو
کر رہا تھا۔

محنت اور لگن صحیح طور پر مل جائیں تو مطلوبہ منزل مل جانے کے امکان پیدا
جاتے ہیں...... اپنی کاروباری کامیابی سے کامی کو اس بات پر پورا یقین تھا...... حالات اگ
جاتے رہے...... تو وہ نوری کی آنکھوں کے خوابوں کی تعبیر مہیا کرنے کا پورا وثوق اور یقین
تھا۔

☆☆☆

نوری آج کالج قدرے تاخیر سے پہنچی...... ایک تو ابو کی طبیعت آج کچھ ٹھیک نہ تھی......
وہی پیٹ میں درد...... دوسرے کالج آنے کے لئے اسے کامی سے کہنا پڑا تھا۔

وہ تیار ہو کر اس کے گھر گئی تھی...... "کامی"

"ہوں"

"مجھے آج کالج چھوڑ سکتے ہو"۔

کامی اپنا موٹر بائیک صاف کر رہا تھا...... وہ آفس جانے ہی والا تھا...... اس نے نوری کے
سراپا پر اک نگاہ ڈالی اور بولا...... "انکل چلے گئے"۔

"کہاں" نوری نے فائیل اور کتابیں موٹر سائیکل کی سیٹ پر رکھتے ہوئے کہا...... "آج
وہ دفتر نہیں جا رہے"۔

"کیوں"۔

"طبیعت پھر خراب ہے"۔

"کیا زیادہ خراب ہے ؟"۔

"نہیں اتنی زیادہ تو نہیں...... لیکن دفتر سے چھٹی لے لی ہے...... ڈاکٹر کے پاس جائیں
گے"۔

"انکل لاپرواہی کر رہے ہیں...... انھیں کب سے یہ تکلیف ہے...... کتنی بار کہا ہے کسی
سپیشلسٹ کو دکھائیں"۔

"کہا تو میں نے بھی ہے اور امی بھی روز ہی کہتی ہیں...... سنتے ہی نہیں"۔

"اچھا...... آج میں دفتر سے آکر انہیں لے جاؤں گا...... ڈاکٹر معین الدین کو میں
ہوں بڑے اچھے فزیشن ہیں"۔
نوری چپ ہو گئی...... پھر بولی...... "تم مجھے کالج چھوڑ دو گے"۔
"چلو...... دفتر ادھر ہی سے جانا ہوتا ہے...... تم ٹھیک سے بیٹھ سکو گی نا"۔
وہ تمسخر سے بولی...... "بچپن سے موٹر سائیکل ہی پر بیٹھنا تو سیکھا ہے"۔
کامی مسکرانے لگا...... اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اسے موٹر سائیکل پر بیٹھنا آتا
نہیں...... بلکہ جھجک گیا تھا...... کہ اس نوجوان خوبصورت لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھائے گا......
کا جسم اس کے جسم سے چھو بھی سکے گا...... تب؟ تب؟
"چلو نکالو موٹر بائیک باہر...... مجھے پہلے ہی دیر ہو گئی ہے"۔
بچے سکول جا چکے تھے...... انکل فاروق بھی چلے گئے تھے...... آج انہوں نے سیالکو
کام کے سلسلے میں جانا تھا...... خالہ اوپر کامی کا کمرہ ٹھیک کر رہی تھیں۔
"سب کہاں ہیں" نوری نے پوچھا۔
"امی اوپر ہیں...... ابو سیالکوٹ...... فیروز اور حمید سکول"۔
"تم دفتر جا رہے ہو نا"۔
"ہاں"
"تمہارا کام کیسا جا رہا ہے"۔
"شکر ہے خدا کا...... بہت اچھا"۔
"خوشحالی نظر آ رہی ہے"۔
"کیسے"
"تم نے یہ پرانا موٹر سائیکل جو خرید لیا ہے"۔
تمسخر سے کامی کو دکھ سا ہوا...... پھر بھی حوصلے سے بولا...... "انشاء اللہ گاڑی
آ جائے گی...... لیکن پہلے کوٹھی بنے گی...... اس گلی میں تو گاڑی گھس ہی نہیں سکتی"۔
نوری کھسیانی سی ہو کر بولی...... "یہی تو ظلم ہے...... اس تنگ گلی میں تو سوزوکی بھی نہ
آسکتی"۔

پھر خود ہی ہنس کر بولی...... "پتہ ہے کامی"۔
"کیا؟"
"میری اکثر سہیلیاں اور دوست مجھ سے پوچھتے ہیں کہ میرے پاس گاڑی کیوں نہیں
ہے...... میں یہی جواب دیتی ہوں...... جو تم نے دیا"۔
اداس نظروں سے کامی نے اس بت کافر کو دیکھا اور بولا...... دوست یہ نہیں پوچھتے کہ تم
اس گلی میں چھوٹے سے مکان میں رہتی کیوں ہو"۔
"پوچھتے ہیں" نوری نے شوخی سے کہا...... "لیکن میں پتہ ہے انہیں کیا جواب دیتی
ہوں"۔
"کیا؟"
"میں کہتی ہوں...... کہ ہم نے اپنی چار کنال کی خوبصورت کوٹھی کرائے پر دے رکھی
ہے...... اس مکان کو اس لئے نہیں چھوڑ سکتے کہ دادی نے وصیت کی تھی یہیں رہنے کی......
میں نے انہیں بتایا ہوا ہے...... کہ اندرون شہر ہماری بہت بڑی بہت پرانی لیکن بہت ہی
خوبصورت حویلی بھی ہے...... پہلے ہم وہاں ہی رہتے تھے...... لیکن مجھ سے پہلے جو دو بچے وہاں
پیدا ہو کر فوت ہو گئے تھے...... اس لئے دادی نے وہ حویلی بند کر دی تھی اور ہم یہاں آگئے
تھے...... میں یہاں پیدا ہوئی اور زندہ رہی اس لئے انہوں نے کہا کہ جب تک میری شادی نہ
ہو جائے ہم لوگ اسی گھر میں رہیں...... انہیں ڈر تھا کہ جگہ تبدیل کرنے سے کہیں میں بھی
مر نہ جاؤں...... سو ممی ڈیڈی مجبوراً یہ جگہ نہیں چھوڑتے"۔
کامی حیرت زدہ نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا...... وہ مسکراتے ہوئے چپ ہوئی تو
بولا...... "نوری ایک بات بتاؤ"۔
"کیا؟"
"تم اپنے آپ کو چھپاتی کیوں ہو...... من گھڑت کہانیاں دوسروں کو تو یقین دلا سکتی ہیں
لیکن کیا تمہارا اپنا آپ مطمئن ہو جاتا ہے؟"۔
"کیوں نہیں......" اس نے ادائے ناز سے آنکھیں گھمائیں "فرق کیا پڑتا ہے...... عزت
تو بنی رہتی ہے نا...... امیر کبیر دوستوں میں...... پتہ ہے میں نے سب کو یہی بتایا ہوا ہے کہ

میرے ابو ایکسین ہیں"۔

"اس منطق کو تم ہی سمجھ سکتی ہو"۔

"بھئی سب سے تو میں نے یہ کہانیاں بیان نہیں کیں..... انہیں ہی بتاتی ہیں ا
میرے بہت قریبی دوست اور سہیلیاں ہیں..... انہیں یقین آگیا ہے بس مجھے کیا..... باقی سـ
تو مجھے امیر ترین لڑکی سمجھتے ہیں" کامی چند لمحے چپ رہا..... پھر ہولے سے بولا۔

"نوری..... تمہارے دوست اب بھی ہیں"۔

وہ اترا کر بولی..... "اب کیا مطلب؟ اب تو میں بڑی ہو گئی ہوں..... میرے بڑ
بڑے دوستوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے..... ہم آٹھ دس لڑکے لڑکیوں کا تو ایک گر
ہے..... کچھ لڑکے کالج سے باہر کے بھی ہیں..... کوئی آرٹسٹ ہے..... کوئی میوزیشن
ایک رقاص ہے..... کامی کبھی تم ہمارے گروپ سے مل کر تو دیکھو..... ہم کتنا مزہ کر
ہیں"۔

کامی کی آنکھیں تو حیرت سے پھٹ جانے کو تھیں..... اس کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا
ہاتھ میں پکڑا پیلا فلالین کا ڈسٹر زمین پر گر گیا تھا۔

نوری تو اپنی رو میں غرور و تفاخر سے باتیں کئے جا رہی تھی..... کامی اس کے خیالا
حالات سن کر سکتے میں آگیا تھا..... جب سکتہ ٹوٹا تو وہ دکھ سے تڑپ کر بولا۔

"نوری" اس نے بے اختیاری سے کہا..... "تم کس دلدل میں اتر گئی ہو"۔

نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی اور بولی..... "مجھے پتہ تھا امی ابو کی طرح تم بھی اتنے ہی تنگ
نظر اور تنگ ذہن ہو"۔

پھر

وہ دلفریب انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی..... "ہم امیر نہیں تو ہمیں امیروں
طور طریق اپنانے کا حق بھی نہیں..... اے کامی..... بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست
مجھے خوشی ہو گی کہ تم بھی ہمارے گروپ میں شامل ہو جاؤ"۔

"مجھے معاف ہی رکھو....." کامی نے ہاتھ جوڑ دیئے..... وہ بہت الجھ گیا تھا..... د
ہوا تھا..... اور دل ہی دل میں نوری پر غصہ بھی آیا تھا..... امیر بننے اور لوگوں پر رعب

کے جنون میں اس نے ایسی خطرناک راہیں اپنائی تھیں کہ تباہی و ہلاکت یقینی تھی۔

نوری ہنس پڑی..... "اچھا بھئی چلو اب"۔

کامی نے بغیر کوئی جواب دیئے موٹر بائیک ڈیوڑھی کی طرف لے جاتے ہوئے ماں کو
آواز دی..... "امی میں جا رہا ہوں دروازہ بند کر لینا"۔

وہ دونوں باہر آگئے۔

گلی میں آکر کامی نے موٹر سائیکل سٹارٹ نہیں کی..... تو نوری بولی..... "چلاؤ نا.....
مجھے تم نے اور بھی دیر کروا دی"۔

کامی بولا..... "باہر سڑک تک پیدل چلتے ہیں..... وہاں میں تمہیں رکشے میں بٹھا دوں
گا"۔

"کیوں؟" نوری حیرانی سے بولی..... "کالج نہیں چھوڑو گے مجھے"۔

"رکشا چھوڑ دے گا..... میں ساتھ ہی چلوں گا"۔

"ناراض ہو گئے ہو" وہ مسکرا کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"نہیں تو"۔

"منہ تو پھلا لیا ہے..... لفٹ بھی نہیں دینا چاہتے"۔

"جوان لڑکی کو موٹر سائیکل پر پیچھے بٹھانا اچھا نہیں لگتا"۔

نوری اس کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی..... پھر ہنستے ہوئے ہی بولی..... "پینڈو کہیں
کے"۔

کامی اس کے بے تکلفانہ انداز پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

دونوں نے پیدل چلتے گلی پار کی..... سڑک پر آکر کامی رکشہ دیکھنے لگا..... تو نوری اچک
کر پچھلی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے بولی..... "میں بھی نوری ہوں..... تمہارے ساتھ ہی جاؤں
گی..... دھکا دے کر اتار سکتے ہو..... تو اتار دو..... ایسا کیا نا تو پھر نوری کی شکل نہ دیکھنا کبھی"۔

کامی چند لمحے تذبذب میں رہا۔

پھر

نوری کی ضد کے سامنے اسے جھکنا ہی پڑا۔

اس نے پیڈل مارا...... موٹر بائیک سٹارٹ کی...... اپنی سیٹ پر بیٹھا...... اور گاڑی چلادی......وہ نوری کے جسم کے لمس سے کترا رہا تھا......اس لئے بہت آگے کو جھکا ہوا تھا۔

لیکن

نوری نے شرارت کی۔

اپنا بازو اس کی کمر کے گرد لپٹا کر بولی...... "میں پکڑے بغیر نہیں بیٹھ سکتی...... گر جاؤں گی...... تو ہڈی پسلی ٹوٹ جائے گی"۔

کامی کے ہاتھ میں سٹیرنگ ڈول گیا......اس کے بدن میں بجلیاں سی دوڑ گئیں......دل دھک دھک کرنے لگا...... خوف کے ساتھ ایک انوکھی سی لذت کا ہوشربا احساس بھی بڑا ہی جاندار تھا......اس کا جسم یوں تپنے لگا جیسے تیز بخار چڑھ گیا ہو......اپنے اوپر بمشکل قابو پائے وہ موٹر بائیک چلا رہا تھا...... نوری کو پہلے تو کچھ گدگدی ہوئی...... پھر نارمل ہو گئی......ویسے آج موٹر بائیک پر بیٹھنے کا لطف ضرور آیا۔

کامی سارے راستے چپ رہا......ہاں نوری باتیں کئے گئی۔

کالج کے گیٹ کے سامنے کامی نے بائیک روکی...... تو نوری اچھل کر پچھلی سیٹ سے اتر گئی...... کتابیں سنبھالتے ہوئے کامی کے سامنے آکر بولی...... "موٹر بائیک اچھی چلاتے ہو......مجھے ذرا ڈر نہیں لگا"۔

"لینے بھی آؤں؟" کامی کے ہونٹوں پر چور سی مسکراہٹ تھی......آنکھیں نشیلی ہو رہی تھیں۔

"نہیں...... نہیں" نوری جلدی سے بولی۔

"آؤ گی کیسے؟"

"کسی کے ساتھ آجاؤں گی......اس کی فکر نہ کرو...... کسی گاڑی والی سہیلی سے کہوں گی چھوڑ دے گی"۔

"میں بھی آسکتا ہوں......" وہ اسے مسحور سی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"بھئی کہہ جو دیا آجاؤں گی...... گھر سے آنے کی مجبوری تھی......واپس جانے کی بالکل نہیں......تم سدھارو اپنے کام......میرا خیال ہے کچھ لیٹ ہو گئے ہو"۔

"کوئی بات نہیں" وہ بولا۔

"اچھا بائے" نوری نے اپنا خوبصورت ہاتھ ہلایا......اور گیٹ کے اندر جانے لگی۔

عین اسی وقت اس کی کلاس فیلو اور پکی پکی دوست عرشیہ جس کا پیار کا نام ہنی تھا...... گاڑی سے اتر کر اس کے پیچھے لپکی...... اور اس کے کندھے پر زور سے ہاتھ مارتے ہوئے بولی......"اے"۔

وہ مڑ کر بولی کون......اور جب ہنی کو دیکھا تو کندھا ہاتھ سے دباتے ہوئے بولی......"یہ کیا بدتمیزی ہے...... کندھا توڑ دیا میرا"۔

ہنی اس کے برابر آتے ہوئے بولی...... "میں تو تیرا سر توڑنے والی تھی نوری"۔

"ہائے ہائے......ایسی کیا بات ہو گئی"۔

"یہ نیا شکار کہاں سے پکڑ لائی"۔

"کیا؟"۔

"کس کے ساتھ موٹر سائیکل پر بیٹھی تھی...... کیا مزے سے اس کی کمر کے گرد بازو ڈالا ہوا تھا......میں تیرے پیچھے پیچھے ہی آرہی تھی......کون تھا وہ؟"۔

نوری شوخ ہو کر مسکرائی اور بولی...... "کوئی بھی تھا......تجھے کیا لینا دینا"۔

"بتائے گی یا ایک اور تھپڑ لگاؤں؟"۔

"کیا پوچھ رہی ہو اس سے" قریب سے گزرتی مہیلہ بھی ان کے قریب آگئی......اس کے ساتھ رعنا بھی تھی۔

"اے کچھ نہیں......ایسے ہی بکے جا رہی ہے......" نوری نے جلدی سے کہا۔

"تو تم بتا کیوں نہیں دیتیں...... کہ وہ کون تھا؟" ہنی نے ہاتھ سے ماتھے پر جھک آنے والے بال پیچھے کرتے ہوئے کہا۔

مہیلہ بولی...... "مجھے بھی تو بتاؤ...... یہ تکرار کیسی ہے؟"۔

ہنی نے جلدی سے اسے بات بتائی تو مہیلہ بھی آنکھیں گھماتے ہوئے بولی......"اچھا یہ بات ہے......تو پھر اس بیچارے کا کیا ہو گا"۔

"کاظم کا؟" رعنا نے ایک دم ہی کہا...... "اس کی جان کو روئے گا"۔

"اے کم عقلو...... تم بات کہاں سے کہاں لے جا رہی ہو......" نوری ہنس کر بولی' ڈیڈی کی طبیعت خراب تھی......وہ مجھے چھوڑنے نہیں آسکے...... تو میں اس کے ساتھ آگئی

"اس سے مطلب ؟" ہنی بولی۔

"بھئی ہمارا فیملی فرینڈ ہے......دفتر جا رہا تھا...... میں نے لفٹ لے لی" نوری نے کہا

"ٹھیک ٹھاک ہینڈ سم تھا" ہنی اب بھی بات بڑھائے جا رہی تھی۔

"تو کیا ہوا......" نوری نے کہا "دنیا ہینڈ سم بندوں سے خالی نہیں ہوئی"۔

مہیلہ منہ بنا کر شوخی سے بولی...... "ہمارے لئے تو خالی ہی ہے...... کوئی قابو ہی نہیں آتا"۔

نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی......اس کی گال پر چٹکی کاٹتے ہوئے پیار سے بولی......" رحم ہو"۔

"اتنی بھی نہیں......" رعنا نے کہا "اس کا وہ ہینڈ سم سا فرینڈ دیکھا نہیں تم نے کچھ ایسا برا بھی نہیں ذرا البان زیادہ ہے"۔

سب رعنا کی بات پر ہنس پڑیں۔

"بھئی اب کلاس میں بھی چلو...... ہم تو پہلے ہی لیٹ ہو گئے ہیں" نوری نے شور اٹھایا۔

"آج کلاس مس کر دیتے ہیں......" رعنا بولی۔

"کیوں ؟"۔

"بس جی نہیں چاہ رہا پڑھنے کو آج...... میرا تو گھر سے ہی آنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا"

"اچھا اب سمجھی......" مہیلہ ہنس کر بولی...... "تمہارے کزن نے آج آنا ہے نا"۔

"ٹھیک سمجھیں......" رعنا نے کہا...... "آنا نہیں......وہ رات کا آبھی چکا ہے...... کیا پرسنیلٹی ہے"۔

"سچ" نوری نے جلدی سے کہا۔

"تو اور جھوٹ" رعنا بولی۔

"بہت خوبصورت ہے" مہیلہ نے کہا۔

"ہاں......اچھا ہے...... چارمنگ سا...... حسین نہیں کہہ سکتے...... بس ٹھیک ٹھاک ہے......لیکن اتنا ویل ڈریس ہے...... اتنا پالشڈ ہے کہ بس کیا بتاؤں" ہنی نے اس کی تعریف کی......امریکہ سے آیا ہے یا لندن سے...... مہیلہ نے پوچھا۔

"دو سال لندن رہا......چار سال امریکہ" وہ بولی۔

"ڈاکٹر ہے ؟" نوری نے پوچھا۔

"ہاں......" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"تمہیں دیکھنے آیا ہے یعنی پسند کرنے......" نوری نے پوچھا۔

"نہ دیکھنے نہ پسند کرنے...... کیونکہ یہ مرحلے ہمارے والدین نے پہلے ہی طے کر دیئے ہیں......اب تو وہ کچھ دن رہنے کے لئے آیا ہے......" رعنا نے کہا۔

"ہائے تو تم ارینجڈ میرج کرو گی" نوری نے تعجب کا اظہار کیا۔

"اس میں ہرج بھی کیا ہے...... مہیلہ بولی اتنا اچھا رشتہ ہے ارینجڈ ہے تو کیا ہوا"۔

نوری نے کندھے اچکائے...... ہنی مسکرائی اور بولی......"میں ارینجڈ میرج کے حق میں ہوں"۔

باتوں میں تینوں نے واقعی کلاس مس کر دی تھی......مزے سے درخت تلے سبزے کے اوپر بیٹھ گئی تھیں......اب سب ہنی سے باز پرس کر رہی تھیں کہ ارینجڈ میرج کو وہ کیوں پسند کرتی ہے۔

ہنی کا پیچھا چھوٹا تو مہیلہ نے بڑی رازداری سے نوری سے پوچھا...... "تیرا افیئر کہاں تک پہنچا ہے"۔

"میرا کون سا افیئر ؟" وہ ہنستے ہوئے بولی۔

"اچھا جی......اب یہ بھی ہمیں ہی بتانا پڑے گا...... یہ کاظم صاحب جناب کے کیا لگتے ہیں......اور ان کے ساتھ گھومنے پھرنے کا مطلب ؟" ہنی نے کہا۔

نوری پہلے تو مسکراتی رہی...... پھر بولی......ایویں ہی بات نہ بنالو...... کاظم عاصم کا بھائی ہے...... عاصم نے میٹرک تک میرے ساتھ پڑھا......ان کے ہاں آنا جانا بھی ہے......بس کاظم ایم ایس سی کر کے آگیا ہے امریکہ سے......اس سے بھی سرسری سی ملاقات ہو جاتی

ہے

"جھوٹ بکواس" مہلیہ بولی...... میں نے دو دفعہ تمہیں اس کے ساتھ گاڑی میں ... دیکھا ہے"۔

نوری ہنس کر بولی...... " گاڑی میں بیٹھنے سے افیئر ہو جاتا ہے ؟"۔

"تو کیا ایسے ہی اکیلے گھوما پھرا جاتا ہے...... رعنا بولی"۔

"تم جو چاہے کہہ لو...... ایسی کوئی بات نہیں" نوری نے ہنس کر کہا۔

"ہم تمہاری بکواس پر یقین تھوڑا ہی کریں گے" وہ تینوں بولیں۔

رعنا' مہلیہ اور ہنی نوری سے اصلیت اگلواتی رہیں...... نوری کو ابھی خود بھی یقین نہیں تھا کہ کاظم اس کی زلف کا اسیر ہو چکا ہے...... یا ویسے ہی دوستی کر رہا ہے...... اس لئے انہیں مطمئن نہ کر سکی۔

ویسے نوری من ہی من میں اس کی چاہت پال رہی تھی...... اتنا امیر کبیر لڑکا جو ایم اے ... ہی امریکہ سے کر کے لوٹا تھا...... محلاتی کوٹھی میں رہتا تھا...... باپ کی دولت کا حساب ہی ... تھا...... ایسا ہی بندہ تو اسے چاہیے تھا...... وہ اپنی مالی حیثیت بھول کر اسے چاہ رہی تھی۔

پہلا پیریڈ ختم ہوا۔

تو سب اٹھیں...... دوسرا پیریڈ ضرور اٹینڈ کرنا تھا۔

چھٹی کے وقفے میں سب پھر کینٹین میں آملیں...... اب ان کے ساتھ دو تین کلاس ... لڑکے بھی تھے...... سب آپس میں بے تکلف تھے...... ہنستے مسکراتے باتیں کرتے سب نے چائے پی اور سموسے کھائے۔

چھٹی کے وقت نوری نے ہنی سے کہہ دیا کہ وہ اسے گھر چھوڑ دے...... گاڑی گلی میں جاتی نہ تھی...... بازار کے سرے پر ہی وہ اتر جایا کرتی تھی۔

لیکن

ہنی کے ساتھ جانے سے پہلے ہی عاصم نے آکر اس کے کان میں سرگوشی کی...... "کاظم بھائی جان تمہیں باہر بلا رہے ہیں"۔

نوری کا دل دھڑکنے لگا...... گال گلابی ہو گئے...... ہنی کے ساتھ جانے سے معذرت

...دی اور اس کی شوخ نظروں اور ذو معنی فقروں سے بچتی گیٹ سے باہر آگئی۔

سڑک کے پرلی طرف کالی چم چم کرتی گاڑی کے پاس کاظم کھڑا اس کا انتظار کر رہا ...... وہ ادھر ادھر دیکھے اس کی طرف بڑھی۔

"ہیلو" کاظم نے مسکرا کر کہا اور دوسری طرف کا دروازہ اس کے لئے کھول دیا...... وہ ...ری سے گاڑی میں بیٹھ گئی...... کاظم بھی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا...... اس نے گاڑی ...ادی...... چند لمحوں بعد وہ دوسری سڑک پر مڑ چکے تھے۔

کافی دور جا چکے تو نوری نے گردن موڑ کر کاظم کو دیکھا...... "کدھر جا رہے ہو"۔

"جہاں دل چاہے......" وہ لہرا کر بولا" جب تم ساتھ ہوتی ہو...... تو ایسے سوال مت پوچھا کرو۔

"نہیں بھئی"۔

"کیا؟"۔

وہ کچھ ہچکچائی اور بولی...... "اس دن کی طرح کسی ویرانے میں نہیں لے جانا"۔

وہ کھلکھلا کر ہنس کر بولا...... "تم پاکستانی لڑکیاں اتنی ڈرپوک کیوں ہوتی ہو...... ...رانے میں کیا ہوا تھا...... کچھ بھی تو نہیں...... چند منٹ رک کر میٹھی میٹھی باتیں ہی کی تھیں ...

نوری نے خوفزدہ سی نظروں سے اسے دیکھا اور بولی...... "وہ...... وہ...... جو میرے...... ...نوں پر انگلیاں پھیرنے لگے تھے...... اور میری کمر میں...... بازو"۔

"جان...... وہ پھر ہنس پڑا" جب تم ساری کی ساری میری ہو...... تو پھر ایسا تو ہو گا ......لو"۔

اس نے نوری کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے تقریباً اپنے ساتھ لگا لیا...... لیکن وہ مچھلی کی ...ح تڑپ کر اس کے بازو سے نکل کر دور ہو گئی...... کھڑکی کے ساتھ لگ کر پھیلی پھیلی ...ول سے کاظم کو دیکھا اور پھر روہانسی ہو کر بولی...... "چلو واپس چلیں"۔

"کیوں؟" وہ بولا...... "ابھی تو آئے ہیں...... چائے پئیں گے...... گھومیں پھریں ...... پھر کہیں اچھی سی جگہ پر ڈنر کریں گے...... تب واپسی ہو گی"۔

"نہیں کاظم...... میں گھر جاؤں گی"۔

"ڈرپوک"

"ہاں میں ڈرپوک ہی ہوں"۔

"اونچی سوسائٹی کے آداب سے تم تو بالکل نابلد ہو...... میں حیران ہوں...... گروپ میں کیسے شامل ہو...... جس کا ذکر کرتی رہتی ہو"۔

"وہاں...... وہاں...... ایسی کوئی بات نہیں ہوتی"۔

"جھوٹ......" "وہ بولا" فیشن ایبل...... جب لوفر لڑکے لڑکیاں اکٹھے ہوں ایسی کوئی بات نہ ہو...... میں کیسے مان لوں...... وہ جو تمہاری دو تین سہیلیوں کے الیز ہیں...... ان کا کیا مطلب ہے"۔

"وہ صرف ایک دوسرے سے پیار کرتے ہیں"۔

"میں بھی تم سے پیار کرتا ہوں...... مارتا تو نہیں تمہیں"۔

"لیکن کاظم پلیز...... پیار...... اس طرح نہیں"۔

"تو کس طرح...... زبانی زبانی...... باتوں باتوں میں"۔

اس نے سر ہلایا تو کاظم اس کی سادہ لوحی پر ہنس پڑا...... اس دن کاظم پر جوانی کا زیادہ ہی چڑھا ہوا تھا...... وہ نوری کو آج پیار کرنا اور کرانا سکھانا چاہتا تھا...... نوری بے ح ہوئی تھی...... کاظم نے گاڑی ایک ویران سڑک کے کنارے درخت تلے روک لی ایک شرابی کی سی آواز میں بولا...... "آؤ میری جان...... پیار کریں...... تشنگی مٹا دو میر

نوری کے منہ سے چیخ نکل گئی...... جب کاظم نے پوری قوت سے اسے اپنی گود لیا اور اس کے چہرے پر جسے وہ ادھر ادھر تڑپتے ہوئے پھیر رہی تھی...... اپنے ہو دیئے...... گرم تپتے ہونٹ...... نوری کو لگا جیسے کسی نے اس کا چہرہ اور ہونٹ تپتے لو داغ دیئے ہوں...... یہ اس کی زندگی کا پہلا انوکھا لیکن بے انتہا اذیت دہ تجربہ پھڑپھڑائی...... تڑپی، چیخی...... اس کی قسمت اچھی تھی...... جو برابر سے ایک گاڑی گ یہ ذلالت دیکھ کر رک گئی...... کاظم پہلے تو گھبرا لیا...... نوری کو چھوڑ دیا...... پھر ان کرنے والوں سے الجھ پڑا...... نوری گاڑی سے نکل بھاگی...... کاظم ان لوگوں کو چھوڑ

سٹارٹ کرکے نوری کے پیچھے لپکا...... زار زار روتی نوری کے آگے ہاتھ جوڑے...... پھر کچھ نہ کرنے کی قسمیں کھائیں...... بڑی مشکل سے اسے گاڑی میں بٹھایا...... اسے تھپکی دی...... "شاباش تم نے شریف لڑکی ہونا ثابت کر دیا" دوسری گاڑی تعاقب میں ہی آرہی تھی...... اس لئے کاظم کوئی جرات نہ کرسکا...... گاڑی ویرانے سے آبادی میں آگئی...... تو نوری کو کچھ حوصلہ ہوا...... کاظم اس کے انکار کے باوجود ایک بڑے ہوٹل میں چائے پلانے لے گیا...... جتنی دیر وہ اس کے ساتھ رہی وہ مسلسل معافیاں مانگتا رہا...... پھر دونوں بازاروں میں گھومتے پھرے...... دونوں میں صلح ہوگئی تھی...... کاظم نے بوتیک سے اس کے لئے ایک مہنگا اور خوبصورت جوڑا خریدا...... جو نوری نے وہیں اس چھوٹے سے کمرے میں پہنا...... جو شوروم میں ماپ ٹیسٹ کرنے کے لئے بنا ہوا تھا...... جوڑا اس پر اتنا سجا کہ کاظم قربان ہو ہو گیا...... لیکن کوئی گستاخی نہیں کی۔

☆☆☆

"خالہ"

"ہوں"

"انکل کہاں ہیں"

"وہ......" زری نے سر اٹھا کر قریب کھڑے خوبرو کامی کو دیکھا...... "آؤ بیٹھو"۔

زری برآمدے میں پڑے پلنگ پر بیٹھی تھی...... برآمدے کی ٹیوب لائٹ جل رہی تھی...... اور وہ اس ہلکی روشنی میں شاید نوری کی کسی قمیض کی مرمت کر رہی تھی...... تاگے کی ریل میں اٹکاتے ہوئے اس نے قمیض ایک طرف رکھ دی اور کامی کے لئے طرف کھسکتے ہوئے بیٹھنے کی جگہ بنا دی۔

"انکل گھر پر نہیں ہیں" کامی نے بیٹھتے ہوئے لال اینٹوں والے پکے صحن پر نگاہ ڈالی جس کے دو کناروں پر کیاریوں میں موسمی پھول لگے تھے...... اور دو ایک کرسیاں پڑی تھیں۔

"تمہارے انکل کی طبیعت آج پھر خراب تھی" زری نے گہری سانس چھوڑتے ہوئے کہا۔

"ڈاکٹر کے پاس گئے ہیں"۔

اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولی...... "ڈاکٹر کے پاس جاتے تو خوفزدہ ہوتے ہیں ادھر ادھر سے دوائی لے لیتے ہیں...... آج ان کا بھائی حیدر آیا تھا...... ساتھ لے گیا نہیں کسی ڈاکٹر کو دکھانے یا ویسے ہی گھمانے پھرانے"۔

"بری بات ہے خالہ" کامی تشویش سے بولا...... "انکل کو کافی دیر سے یہ پیٹ کی تکلیف ہے"۔

"کبھی کبھی ہوتی ہے" وہ جلدی سے بولی۔

"لیکن ہوتی تو ہے نا...... ایک ہی جگہ پہ درد...... کوئی تو وجہ ہو گی"۔

"ہاں"

"کسی سپیشلسٹ کو کیوں نہیں دکھاتے...... اپنی کمپنی کے ڈاکٹر سے کہیں وہ ریفر کر دے گا...... مفت دکھا سکتے ہیں...... اس دن میرے اصرار پر ڈاکٹر معین کے پاس بھی نہیں گئے"۔

"تم ٹھیک کہتے ہو...... تمہارے ابو اور بہن زبیدہ نے بھی کئی دفعہ کہا ہے...... سنتے ہی نہیں...... پرسوں میرے بھائی عظمت نے بھی بہت کہا...... ساتھ لے جانے کو بھی تیار تھا...... مانے ہی نہیں"۔

"کل میں انہیں دکھانے لے جاؤں گا...... میرے ایک دوست کے ابو ڈیفنس ہسپتال میں ای این ٹی سپیشلسٹ ہیں...... ان کا ضرور کوئی واقف ڈاکٹر ہو گا...... پیٹ کی امراض کا ماہر"۔

"جیتے رہو...... شاید زبردستی لے جاؤ تو چلے جائیں تمہارے ساتھ...... ویسے انہیں تکلیف ہے ضرور...... رنگ کتنا خراب ہو گیا ہے...... کسی وقت کمزوری بھی بہت محسوس کرتے ہیں"۔

کچھ دیر دونوں عزیز احمد ہی کی باتیں کرتے رہے۔

پھر

زری نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا...... "تمہارا کاروبار کیسا جا رہا ہے"۔

"شکر ہے اللہ کا...... کافی اچھا ہے کام...... اب تو نسبتاً بڑے آرڈر آ رہے ہیں"۔

"مزے ہیں تم لوگوں کے"۔

"بس اللہ کا کرم اور ابو کی محنت ہے"۔

"بیٹا بھی تو ساتھ دے رہا ہے......" زری نے دبی دبی حسرت سے کامی کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں خالہ...... ابو اکیلے تو سارا کام نہیں کر سکتے...... دو تین ملازم بھی رکھ چھوڑے ہیں...... لیکن جب تک نگرانی خود نہ کی جائے...... بات نہیں بنتی...... غیر ممالک میں بھیجنا ہوتا ہے...... اس لئے کوالٹی کنٹرول کی ضرورت ہوتی ہے"۔

"سنا ہے اب تم بھی باہر جاؤ گے"۔

"ابو چاہتے ہیں...... میں بھی یورپ کے دو تین ملکوں کا چکر لگا کر مارکیٹوں کا جائزہ لوں...... تاکہ کام اور بڑھایا جا سکے"۔

"اب تو کافی پیسہ ہو گیا ہو گا تم لوگوں کے پاس" زری نے خالص گھریلو عورتوں کی طرح کہا۔

تو

وہ ہنس کر بولا...... "خالہ ابھی تو جتنا کما رہے ہیں...... کام ہی میں لگتا جا رہا ہے"۔

"کوٹھی وو ٹھی بنانے کا ارادہ نہیں ابھی"۔

وہ پھر ہنس پڑا اور بولا...... خالہ انشاء اللہ ہم باپ بیٹا اسی طرح محنت کرتے رہے تو کوٹھی بھی بن جائے گی...... میں نے بتایا نا ابھی تو جو کچھ کماتے ہیں کام ہی میں لگائے جاتے ہیں ماشاء اللہ پھل پھول رہا ہے کاروبار"۔

"اچھی رہائش ہی امارت کی نشانی ہوتی ہے"۔

وہ پھر ہنسا

اور

بولا...... "ابھی ہم امیر کہاں ہوئے ہیں خالہ"۔

"اب اتنی انکساری بھی اچھی نہیں...... تمہاری امی نے بتایا تھا مجھے کہ اس تولے کے کڑے بیٹے کو دیئے ہیں"۔

"مجھے پتہ ہے خالہ......" وہ بولا "یہ زیور وہ اپنی بچت میں سے بنوا رہی ہیں"۔

زری قدرے حیران ہوئی...... پھر مسکرا کر بولی...... "بھائی فاروق اتنا خرچہ دیتے ہوں گے جس میں سے اتنی بچت ہو سکے"۔

وہ صرف مسکرایا۔

زری بولی...... "اپنا تو ایک ہاتھ آگے اور ایک ہاتھ پیچھے والی بات ہے...... مہینہ بعد میں ختم ہوتا ہے تنخواہ پہلے...... مہنگائی اتنی زیادہ ہے کہ کچھ سمجھ نہیں آتا...... بندہ کیا کرے اور ہمیں تو نوری کے خرچے ہی لے بیٹھے ہیں...... جس بات کی فرمائش کر دے پوری کرنا ہی پڑتی ہے...... اب کریں بھی کیا...... تم تو اسے جانتے ہی ہو...... سکول کالج میں امیر کبیر لڑکی بنی رہی...... اب ضد کر کے فون بھی لگوایا ہے...... اسے پتہ نہیں میں نے اپنے کانٹے بیچ ڈالے...... اس کی ضد پوری کرنے کے لئے...... اب ویسے ہے بہت خوش"۔

کامی نوری کی عادات سے واقف تھا...... لیکن اسے افسوس ہوا کہ تصنع اور بناوٹ کی زندگی کو اس نے اپنے اوپر اتنا حاوی کر لیا ہے...... کہ ماں کو اس کی خاطر زیور بیچنا پڑا...... باپ کی بیماری خدا اخبر کس نوعیت کی ہے...... اگر اس کے لئے بھاری خرچے کی ضرورت پڑ گئی...... تو یہ لوگ کیا کریں گے...... گھر تک اپنا نہیں...... انکل کی تنخواہ اگر ڈھنگ سے خرچ کی جائے...... تو شاید کافی تھی...... لیکن نوری کے جس طرح کے خرچے تھے...... کامی کو سوچ کر تشویش ہوئی۔

"نوری ہے کہاں" چند لمحوں کے توقف کے بعد کامی نے پوچھا۔

"ابھی آئی نہیں" زری نے کہا۔

"ابھی آئی نہیں؟" حیرت بھرے لہجے میں کامی نے کہا...... "کالج سے تو وہ ڈیڑھ بجے آ گئی تھی"۔

"چھٹی تو اتنے بجے ہی ہوتی ہے"۔

"میں اسے لینے گیا تھا"۔

"اچھا؟"۔

"وہ جا چکی تھی"۔

"کامی تم نے ناحق تردد کیا...... صبح تو اسے مجبوراً تمہارے ساتھ جانا پڑا...... کہ ابو کی طبیعت ٹھیک نہ تھی...... واپسی اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوتی...... اس کی سب سہیلیاں اور دوست کاروں والے ہیں...... کوئی نہ کوئی چھوڑ ہی جائے گا"۔

کامی کو زری کی باتوں نے مزید حیرت زدہ بنا دیا...... بیٹی کے کاروں والے دوستوں کا

بھی وہ کتنے سہل انداز میں ذکر کر رہی تھیں۔

"لیکن...... اب تو رات اتر آئی ہے" کامی نے پھر حیرت سے زری کو دیکھا۔

"اب تو کہیں کھانا وانا کھا کے ہی آئے گی...... ہنی یا مہیلہ اسے ساتھ لے گئی ہوں گی...... جب بھی ان کے ساتھ جاتی ہے...... کھانا کھا کر ہی آتی ہے...... فون آیا تھا اس کا...... بس آنے ہی والی ہو گی"۔

"خالہ" کامی نے سر جھکا کر دھیمے لہجے میں کہا۔

"ہوں"

"آپ...... لوگوں نے نوری کو" وہ چپ ہو گیا...... پھر قدرے توقف کے بعد اٹھتے ہوئے بولا...... "اچھا میں چلتا ہوں"۔

زری ہنس پڑی...... بولی...... "تم کہنا چاہتے ہو نا...... کہ ہم لوگوں نے نوری کو کچھ زیادہ ہی آزادی دے رکھی ہے...... ہیں نا"۔

کامی کچھ کھسیانا سا ہو کر مسکراتے ہوئے بولا...... "شاید"

"بیٹے......" زری تفاخر سے بولی...... "اپنی اولاد کا والدین کو پتہ ہوتا ہے...... نوری آزادی سے کبھی ناجائز فائدہ اٹھانے والی نہیں...... ویسے اس کی زیادہ دوستی ہنی اور مہیلہ کے ساتھ ہے...... وہ بڑے خاندانوں کی اچھی لڑکیاں ہیں"۔

"ہوں......" کامی نے زبان روک لی...... "میں چلتا ہوں...... انکل آئیں تو میرا سلام کہیئے گا...... کل وقت ملا...... تو میں انہیں کسی سپیشلسٹ کے پاس لے جاؤں گا"۔

"جیتے رہو" زری نے پیار سے کامی کو دیکھا...... یہ خوبصورت نوجوان جو ہمدرد اور دکھ سکھ میں ساتھ دینے والا تھا...... اسے بہت پیارا لگتا تھا...... جہاں کامی کی امی کی خواہش تھی...... کہ وہ نوری کو کامی کے لئے مانگیں گی۔

وہاں

زری کے دل میں بھی یہ خیال جاگزیں تھا کہ نوری کے لئے کامی سے اچھا رشتہ اسے نہیں ملے گا۔

کامی کچھ بوجھل دل و دماغ کے ساتھ خالہ کو سلام کر کے صحن عبور کر کے ڈیوڑھی میں

آ گیا۔

لیکن

وہ گلی سے نکل نہ پایا تھا...... کہ کھٹاک سے دروازہ کھول کر نوری اندر آ گئی...... ڈیوڑھی کی دھیمی روشنی میں اس نے کامی کو دیکھا۔

"ہیلو" اس نے بڑے ماڈرن انداز میں کہا...... اس نے اس وقت صبح والے کپڑے نہیں پہنے ہوئے تھے...... بلکہ بوتیک کا خوبصورت اور مہنگا جوڑا زیب تن کر رکھا تھا...... صبح والے کپڑے اس نے اپنے بیگ میں ٹھونس رکھے تھے...... جو کافی بوجھل لگ رہا تھا...... اور اس کے کندھے پر اس کا سٹریپ تھا...... کتابیں اس نے ہاتھ میں پکڑ رکھی تھیں۔

نوری نے اترا کر اپنے کپڑوں پر نظر ڈالی اور بولی...... "کیسی لگ رہی ہوں"۔

کامی اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا...... "اس وقت اکیلی...... کہاں سے آ رہی ہو"۔

نوری نے تمسخر سے اسے دیکھا اور بولی...... "اکیلی؟...... تو کیا میں تمہیں ساتھ لے جاتی"...... کامی نے خفت محسوس کی۔

لیکن

پھر بھی بولا...... "میں تمہیں کالج سے لینے گیا تھا"۔

"کیوں" اس نے تیز نظر اس پر ڈالی۔

"صبح جو چھوڑنے گیا تھا...... خیال آیا واپسی پر بھی تمہیں لیتا چلوں...... لیکن تم تھیں نہیں وہاں"۔

"اس نوازش کی ضرورت نہ تھی...... میری سہیلیاں واپسی پر مجھے چھوڑ سکتی ہیں"۔

"سہیلیاں یا دوست" کامی نے جانے کس جلتے جذبے کے تحت کہہ دیا۔

نوری نے پھر ایک تند نگاہ اس پر ڈالی...... اور بولی...... "تمہیں اس سے کیا...... سہیلیوں کے ساتھ آؤں یا دوستوں کے...... یہ میرا ذاتی معاملہ ہے اور اس میں تمہارا دخل دینا مجھے پسند نہیں سمجھے؟"۔

اس نے پاؤں زور سے زمین پر پٹخا اور زہریلی سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی...... "کامی

تم مجھے کالج چھوڑنے کیا گئے...... حق ہی جما بیٹھے مجھ پر...... دخل اندازی میں اپنے ماں باپ کی کم ہی برداشت کرتی ہوں...... تم......" وہ بات ادھوری چھوڑ کر آگے بڑھ گئی۔

کاشی سخت دل برداشتہ ہو گیا...... بوجھل قدموں سے وہ دروازے سے باہر نکل گیا۔

اسے نوری کی باتوں اور رویے سے سخت دکھ ہوا تھا۔

نوری صحن پار کر کے برآمدے میں پہنچی...... زری اس کے انتظار ہی میں بیٹھی تھی۔

"ہیلو مام" اس نے سلام کرنے کی بجائے ہنس کر ماں کو دیکھا...... کتابیں اور بیگ اس نے پلنگ پر ڈال دیا...... زری نے اس کے سراپا پر نگاہ ڈالی۔

"اے ہے...... یہ اتنے خوبصورت کپڑے کہاں سے لئے"۔

"اماں...... اچھی لگ رہی ہوں نا ان کپڑوں میں" اس نے لاڈ سے ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

"اچھی تو بہت لگ رہی ہو...... لیکن یہ ہیں کس کے"۔

"بس میرے ہی سمجھیں"۔

"کیسے سمجھوں...... تیرے پاس اتنے پیسے کہاں سے آگئے"۔

"مما ڈارلنگ...... یہ کپڑے ہنی کے ہیں...... آج ان کے ہاں بڑا شاندار ڈنر تھا...... بہت بڑے بڑے لوگ آئے ہوئے تھے...... میں تو کالج کے یونیفارم میں تھی...... ہنی نے مجھے اپنے یہ کپڑے دیئے پہننے کو...... صرف آج پہننے کو نہیں...... بلکہ دے ہی دیئے مجھے......" اس نے کہانی گھڑی۔

"پہلے بھی تو کسی سہیلی کا جوڑا لائی تھی...... ابھی تک یہاں ہی پڑا ہے...... وہ بھی واپس نہیں کرنا"۔

"اسے یاد ہی نہیں کیا واپس کرنا ماں"۔

"بری بات ہے نوری"۔

"تو اچھی بات یہ ہے ممی جان...... کہ آپ خود ہی مجھے بوتیک سے ایسے ایسے کپڑے لے دیا کریں" وہ ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر جھول گئی۔

ماں اس کے بازو گلے سے نکالتے ہوئے بولی...... "نوری تم نے اپنا سٹینڈرڈ بہت ہی اونچا

کر لیا ہے...... جانتی ہے...... تیرے باپ کی تنخواہ میں یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا"۔

"جانتی ہوں...... اسی لئے تو یہ تحفے تحائف قبول کر لیتی ہوں......" وہ ہنس کر بولی......

"ابھی تو ایک جوڑا مجھے اور ملے گا"۔

"کہاں سے"۔

"بس جہاں سے یہ ملے ہیں...... میری سہیلیاں جینز اور بلاؤز بھی پہنتی ہیں...... ان کی خواہش ہے میں بھی پہنوں"۔

"ہائے ہائے موا لڑکوں والا لباس...... گھر میں مت پہن کر آنا...... تیرے ابو"۔

نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی...... پھر اٹھتے ہوئے بولی...... "ہائے ہائے باتوں میں ابو کا خیال ہی نہیں آیا...... کیسے ہیں وہ اب...... سو گئے ہیں"۔

"نہیں"

"تو کہاں ہیں" وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"تیرے حیدر چچا ساتھ لے گئے تھے" زری بیٹی کے خوبصورت سراپا پر نگاہ ڈالتے ہوئے بولی...... جس کے سراپا پہ کالے اور فان کلر کا خوبصورت کڑھائی والا کلف لگا جوڑا بڑا سج رہا تھا۔

"یہ جوڑا ہنی نے تجھے دے دیا ہے" زری بولی۔

"ہاں"

"بھلا کتنے کا ہو گا"۔

"ہو گا سترہ اٹھارہ سو کا...... لیکن مجھے کیا...... مجھے تو آم کھانے سے غرض ہے...... پیڑ گننے سے نہیں...... ہاں ای ابو ابھی تک آئے کیوں نہیں"۔

"پتہ نہیں...... بتایا تو کچھ نہیں...... فون بھی نہیں کیا"۔

"طبیعت کیسی تھی"۔

"صبح ہی جیسی تھی...... شاید وہ کسی ڈاکٹر کو دکھانے لے گیا ہے"۔

"فون کر کے پتہ کروں"۔

"کر لو"۔

وہ دوپٹہ پلنگ پر ہی ڈال کر اندر گئی اور کونے میں میز پر رکھا فون اٹھایا۔

ابو حیدر کے ہاں ہی تھے...... کھانا کھا رہے تھے...... انہوں نے بتایا کہ ایک گھنٹے تک وہ آجائیں گے...... ڈاکٹر کے پاس وہ نہیں گئے تھے۔

"ابو جلدی سے گھر آجائیں...... مجھے اور ممی کو تشویش ہو رہی ہے...... اور ہاں پیٹ کی تکلیف اب کیسی ہے" اس نے بڑے پیار سے پوچھا۔

"کچھ افاقہ ہے...... تمہاری چچی نے نرم سی کھچڑی بنادی تھی وہی کھا رہا ہوں...... دہی کے ساتھ بڑا مزہ دے رہی ہے" ابو کا جواب محبت بھرا تھا۔

"آپ کھچڑی کا مزہ لیتے رہیں اور میں اور امی آپ کے انتظار میں بھوکے بیٹھے رہیں" اس نے کہا...... حالانکہ وہ بھوکی نہیں تھی...... ہوٹل میں بڑے لوازمات کے ساتھ چائے پی تھی...... کاظم تو اسے ڈنر بھی کروانے پر مصر تھا...... لیکن وہ نہیں مانی تھی...... ایک تو بھوک ہی نہ تھی...... دوسرے گھر پہنچنے کی بھی جلدی تھی۔

"تو ابو" اس نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

"جی بیٹے"۔

"ہم بھی کھانا کھالیں"۔

"ضرور...... ضرور...... ماں بیٹی اب تک بھوکی بیٹھی ہو"۔

"آپ کی خاطر"۔

"چلو اسی خوشی میں واپسی پر میں تمہارے لئے رس ملائی لیتا آؤں گا"۔

"آہا...... ابو دل خوش کردیا"۔

"بس صرف رس ملائی ہی سے خوش ہو گئیں...... کچھ اور چاہئے تو بتا دو لیتا آؤں گا"۔

"نہیں ڈیڈ ڈیئر...... بس آپ خود ہی آجائیں...... بے شک رس ملائی بھی نہ لائیں"۔

ابو اس کی بات پر ہنس پڑے اور بولے...... نہیں رس ملائی تو اب ضرور لاؤں گا...... اپنی پیاری سی بٹیا کے لئے...... جو ابھی تک میرے آنے کے انتظار میں بھوکی بیٹھی ہے"۔

"اکیلی میں نہیں پپا...... ممی بھی" وہ ہنس پڑی تو عزیز احمد بھی ہنس پڑے۔

نوری کی تو اب عادت بن چکی تھی...... ماں باپ کو اس طرح مخاطب کرنے کی...... کبھی

اماں ابو بنا لیتی کبھی ڈیڈی اور کبھی پپا اور موم...... جس طرح اس کا دل چاہتا مخاطب کرتی......

فون بند کر کے وہ باہر آئی...... تو زری باورچی خانے کی طرف جا رہی تھی۔

"امی......" نوری نے کہا...... "پپا کھانا کھا کر آئیں گے...... ہم بھی کھا لیتے ہیں"۔

نوری نے منہ بنا کر کہا...... "کھانا وہیں کھانے بیٹھ گئے...... سینہ نے کیا مرغ پلاؤ پکا رکھے تھے"۔

"کھچڑی اور دہی مما" نوری بولی...... "چلیں اب طنز نہ کریں آپ نے جو مرغ پلاؤ بنا رکھا ہے نا وہ جلدی سے گرم کرلیں...... مجھے تو زیادہ بھوک نہیں...... آپ تو کھائیں"۔

زری باورچی خانے میں چلی گئی...... اس نے آلو بھون رکھے تھے...... پھلکے ڈالنا تھے......

نوری اپنے کمرے میں کپڑے تبدیل کرنے چلی گئی۔

شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر اس نے قیمتی جوڑا جی بھر کر دیکھا...... کتنا سج رہا تھا اس پر...... اگلے ہفتے مہیلہ کے ہاں کوئی تقریب تھی...... یہ جوڑا اس نے سوچا وہاں پہن کر جائے گی...... کیا ٹھاٹھ ہوں گے...... اتنے مہنگے کپڑے تو نہ کبھی مہیلہ نے پہنے تھے نہ ہی ہنی نے۔

کپڑے دیکھ دیکھ کر وہ نہال ہونے لگی...... لڑکیوں میں اپنی شان کا سوچ سوچ کر اس کے لب متبسم ہونے لگے۔

کاظم نے تو اسے جینز اور چائینیز بلاؤز بھی لے کر دینے کا وعدہ کیا تھا...... یہ لباس پہننے کی اسے بڑی تمنا تھی۔

جوڑا ہینگر میں ڈال کر اپنی چھوٹی سی الماری میں لٹکا کر وہ کمرے سے باہر نکل آئی......

اماں نے پھلکا توے پر ڈال دیا تھا...... وہ باورچی خانے ہی میں چلی آئی...... چوکی پر بیٹھ کر وہ ماں کے ساتھ کھانا کھانے کا انتظار کرنے لگی۔

آج وہ بہت خوش تھی...... اسے احساس ہو گیا تھا کہ کاظم اس سے دوستی ہی نہیں محبت کرتا ہے...... محبت کا بھرپور نشہ اس کے حواس پر چھایا ہوا تھا...... کسی ایسے ہی امیر زادے کی محبت کے خواب اس کی آنکھوں میں ہمیشہ اترا کرتے تھے۔

رات جب وہ بستر میں سونے کے لئے لیٹی تو نیند کی بجائے اس کی آنکھیں محبت کے رنگوں سے نشیلی ہو رہی تھیں...... وہ مستقبل کے سنہری روپہلے خواب جاگتی آنکھوں سے دیکھ

رہی تھی...... کاظم اس کے حواس پر چھایا تھا۔

لیکن

پتہ نہیں کب اور کیسے کاظم کی بجائے اس کی سوچیں کامی کی طرف مڑ گئیں...... اسے کامی ایک دیوار بن کر کاظم کے سامنے کھڑا ہو گیا ہے...... وہ کاظم کی بجائے کامی کو دیکھ رہی ہے...... اس کو محسوس کر رہی ہے...... اپنے رویئے پر پچھتا رہی ہے...... کتنا روکھا اور اذیت رویہ اس نے اس کے ساتھ اپنایا تھا...... رات جب گھر لوٹی تھی...... اسے دکھ ہونے لگا...... چاہنے کے باوجود بھی دکھ ہونے لگا۔

آخر کامی اس کا کون تھا؟ اس کا سب کچھ تو کاظم تھا۔

وہ سوچنے لگی۔

اور

آخر اس کی سوچیں اس نقطہ پر جا پہنچیں...... جو جذباتیت اور محبت کے جذبوں درمیان میں آ کر انہیں الگ الگ کرتا تھا۔

اسے لگا کاظم تو اک نازک سا ناپائیدار سا خول ہے...... جو اس کی ہستی کے گرد چڑھا ہے۔

لیکن

کامی تو خون ہے جو اس کی رگوں میں بہہ رہا ہے...... اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ ہمیشہ سے۔

ان سوچوں سے وہ خود ہی گھبرا گئی...... اس نے کامی کا خیال ذہن سے جھٹک دینے پوری کوشش کی...... اس کا سب کچھ تو کاظم تھا...... ایک خوبرو امیر زادہ...... جس کے پاس سب کچھ تھا جو وہ چاہتی تھی...... وہ اپنے بکھرے خیال مجتمع کر کے کاظم کے متعلق سوچنے لگی۔

اور

اسی کے متعلق سوچتے سوچتے نیند کی وادیوں میں اتر گئی۔

☆☆☆

رات کے اونگھتے اندھیرے سو گئے تھے...... ہر طرف گھٹا ٹوپ اندھیرا بے حسی سے پھیلا ہوا تھا...... چاند پہلی تاریخوں کے چکر میں تھا...... اجالوں ہی میں غروب ہو چکا تھا...... ستارے مدہم روشنیاں پھیلا رہے تھے...... لیکن یہ روشنیاں جیسے اندھی ہو چکی تھیں...... من اندھیرا ہو...... تو یہ رات کے اندھیرے کچھ زیادہ ہی گہرے ہو جاتے ہیں...... بصارت پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں...... آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھی دیکھو تو کچھ نظر نہیں آتا...... تاریکی عجیب و غریب ڈراؤنے روپ دھار لیتی ہے...... کالے کالے بت...... ہیبت ناک تودے...... دل دہلا دینے والے مناظر نظر آتے ہیں...... ہاتھ سے چھو کر دیکھو تو کچھ بھی نہیں ہوتا...... یہ سب تاریکی کے سحر ہوتے ہیں۔

کامی اس اندھیری اندھی رات میں کافی دیر تک چھت پر ٹہلتا رہا تھا...... سب کچھ تاریکی میں ڈوبا تھا...... ساتھ والے گھر کی اونچی مٹی اندھیرے میں بڑی ہیبت ناک لگ رہی تھی...... چھت کے بنیرے خوفناک نظر آ رہے تھے...... کبھی کونوں میں بڑے بڑے سیاہ تودے نظر آنے لگتے...... کبھی چھوٹے بڑے بت ایستادہ نظر آتے...... آسمان پر نگاہ ڈالتا تو روشن ستارے اندھیرے کی دلدل میں پھنسے نظر آتے۔

وہ ان سب مناظر پر بے معنی سی نگاہیں ڈال رہا تھا...... نہ خوف آ رہا تھا نہ ڈر لگ رہا تھا...... ڈر اور خوف تو اس کے اندر چھپے ہوئے تھے...... جو اسے مضمحل اور بے چین کر رہے تھے...... کھانا کھا کر اوپر آیا تھا...... تو دیر تک میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا...... پرانے میز کی جگہ اب چمکدار سطح والا میز تھا...... لیکن اس میز پر نئی چیزوں کے ساتھ ایک بہت پرانی چیز اب بھی پڑی تھی...... نوری کے ڈرامے پر کھینچی ہوئی گروپ فوٹو...... جس میں نوری اس کے

ہاتھ کا منا تاج پہنے شان اور استغنا سے کھڑی تھی...... معصوم اور خوبصورت چہرہ ہو
مسکراہٹ لئے تھا...... اس تصویر کے ساتھ کامی کی یادیں وابستہ تھیں...... یہ یادیں ا
تر و تازہ تھیں...... بلکہ خاصی تنومند ہو گئی تھیں۔

مضبوط

مستحکم

اور

تنومند

ان یادوں کے سہارے اس نے کتنی حسین کہانیاں تراشی تھیں...... کتنے خوا
افسانے گھڑے تھے...... کتنی پیاری خواہش پالی تھیں...... نوری کو اس نے اتنا قریب
کہ وہ ذہن کا ایک حصہ ہی بن چکی تھی...... اس نے اسے اپنے سے جدا کبھی سمجھا ہ
تھا...... اسے اپنی زندگی میں اس طرح شامل کر لیا تھا کہ اپنے اور اس کے دو ہونے پ
شبہ ہونے لگتا تھا۔

نوری کے کیا خیالات تھے...... وہ اس کے متعلق کس انداز، کس رنگ میں
تھی؟ اسے کیا سمجھتی تھی اس نے کبھی سوچا ہی نہ تھا...... سوچنے کی ضرورت ہی
تھی...... اسے اپنا جو سمجھ لیا ہوا تھا اور کچھ سمجھنے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی تھی۔
اس بات کا عادی ہو چکا تھا...... نہ نوری کو ایسا کرتے کوئی جھجک محسوس ہوتی نہ ہی
مانتا...... دونوں میں تکلف نامی کوئی چیز ہی نہ تھی...... یہ بے تکلفی ہی تھی جس کے
کامی نے سنہری جال بنے تھے...... جوانی کی آمد نے ان کا سنہرا پن اتنا زیادہ کر دیا تھا کہ
چندھیا جاتی تھیں۔

لیکن

آج

آج

کامی کو لگ رہا تھا ساری چمک دمک ماند پڑ گئی ہے...... ماند کیا امٹ ہی گئی ہے
سے کہیں گہرا اندھیرا اس کے اندر اتر گیا ہے...... وہ دیر تک ٹیرس پر ٹہلتا رہا......

طراب اس کے رگ و پے میں ہلچل مچائے تھا...... نوری کا رات کا رویہ اس کے لہجے اور
ظ کی کاٹ چھری کی طرح اس کے دل میں اتر گئی تھی...... قطرہ قطرہ لہو رس رہا تھا......
لے ایسا کبھی نہیں ہوا تھا...... بے شک نوری اس سے لڑ لیا کرتی تھی...... ڈنڈا مار انداز میں
ت ڈو بھی کرتی تھی۔

لیکن

ایسا تلخی اور بیگانگی کے زہر میں ڈوبا نشتر تو اس نے کبھی نہیں چبھویا تھا۔

نوری کیا ہے؟

اور

اپنی سہیلیوں اور دوستوں کو اس نے کیا تاثر دے رکھا ہے...... وہ جانتا تھا...... اس کی
ی بے وقوفانہ سوچ اور مصنوعی معیار پر وہ کبھی کبھی اس سے بات بھی کیا کرتا تھا...... نوری
ے کبھی برا نہیں مانا تھا...... بلکہ ہنس ہنس کر اسے بتایا کرتی تھی...... کہ لوگ اسے کیا سمجھتے
ں...... سہیلیوں اور دوستوں کو اس نے اپنی جعلی امارت سے مرعوب کر رکھا تھا...... کئی من
ڑت اور جھوٹی کہانیاں سچ کے انداز میں انہیں سنا رکھی تھیں...... کامی کو یہ باتیں اچھی تو نہ
ی تھیں...... لیکن اگر ان باتوں سے نوری خوش تھی...... تو وہ بھی زیادہ معترض نہیں ہوتا
ا...... وہ سمجھتا تھا ابھی نوری میچور نہیں کم فہم ہے...... اپنے ارد گرد شیشے کا خول چڑھا رکھا
ہے...... وقت کے ساتھ جب وہ سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنے کے قابل ہو جائے گی...... یہ
سب کچھ چھوڑ دے گی...... تب وہ اسے ہنس ہنس کر کہا کرے گی...... "ہائے کامی میں کتنی
پگلی اور بے وقوفانہ حرکتیں کیا کرتی تھی...... کوا تھی...... لیکن ہنس کی چال چلنے کی خواہش میں
ری جاتی تھی...... دیکھو نا میں اب اپنے آپ میں لوٹ آئی ہوں"۔

لیکن

رات اس نے بوتیک کے مہنگے جوڑے پر اتراتے ہوئے کامی کے استفسار پر جس طرح
ر چلائے تھے...... کامی کی تو دنیا ہی تہس نہس ہو گئی تھی...... اسے لگا تھا وہ ملبے کے ڈھیر
تلے دب گیا ہے...... جہاں وہ سانس بھی لینے میں سخت دشواری محسوس کر رہا ہے۔

"نوری"

"نوری"

"نوری"

یہ چیخیں ملبے تلے دبے وجود سے نکل رہی تھیں۔

ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے بھی اسے کسی کل چین نہ پڑا۔

وہ اپنے گڈ مڈ خیالات اور مجروح جذبات کی اذیت سے تنگ آکر کمرے م
کمرے کی روشنی جلادی..... اس نے سمجھا وہ اندھیروں سے گھبرا رہا تھا..... روشنی
سکون دے گی..... ہلچل میں کچھ تو سکون آئے گا۔

لیکن

جب سکون طمانیت اور آسودگی ہی انسان کو میسر نہ ہو..... تو اندھے
ہوں..... یا چکاچوند روشنیاں کچھ فرق نہیں پڑتا..... یہ انسانی من بھی جانے کیا
خوش ہو تو لگتا ہے..... ساری دنیا' ساری کائنات ہی جھوم رہی ہے..... ترنم ک
برس رہا ہے..... ہر طرف ہر سمت گیتوں اور نغموں کا سحر پھیلا ہوا ہے..... غم ایا
لگتا ہے کوئی ہے ہی نہیں..... ترنگ ہی ترنگ..... امنگ ہی امنگ..... رنگ ہی رنگ
آتے ہیں..... حد نگاہ پھولوں کے رنگوں سے معمور ہوتی ہے..... خوشبو کی لپٹیں
محسوس ہوتی ہیں۔

اور

اگر

من غم سے دوچار ہو تو اندر باہر اندھیرے ہی اندھیرے ہوتے ہیں۔
رمق کی جھلک نظر نہیں آتی..... دنیا حسین و رنگین نہیں..... اجڑی ویران ا
بھری لگتی ہے..... نہ تو کوئی سکون کی لہر اٹھتی ہے نہ ہی کوئی خوشگوار تاثر ابھر
ڈوبتا ہی چلا جاتا ہے..... اندھیروں میں ویرانیوں میں غموں اور ناخوشگواریوں
اتنا عادی ہو جاتا ہے..... کہ سکھ کے معنی ہی بھول جاتا ہے۔

کاشی کو کمرے میں آکر بھی سکون نہ ملا..... اس نے بتی گل کر دی
پڑ گیا..... اس نے گھڑی دیکھنے کی بھی زحمت نہ کی..... وقت کی قید اس کے لئے

نہ رہتی تھی..... وہ بڑی دیر بستر پر کروٹیں بدلتا رہا..... کسی پہلو قرار نہ آتا تھا۔

نوری اتنی ترش روئی سے اس سے کیوں پیش آئی؟

وہ اتنی دیر کہاں رہتی تھی؟

اس نے اتنے خوبصورت کپڑے کہاں سے لئے تھے..... گھر سے تو وہ کوئی کپڑا لے کر نہ
ی..... وہ خود ہی تو اسے چھوڑ کر آیا تھا..... اس کے ہاتھ میں صرف کتابیں تھیں؟

کسی پارٹی سے ہو کر آئی تھی؟

اپنے بنائے ہوئے گروپ کی ہلا گلا میں شریک ہو کر لوٹی تھی۔

جو کچھ بھی تھا۔

اس کے صرف استفسار پر ہی وہ اس طرح شعلہ پا ہو گئی تھی۔

کیوں؟

کیا اسے احساس نہ ہوا تھا..... کہ مجھے اس کی ایسی باتوں سے دکھ ہوگا۔

اس کے بیگانہ رویئے اور ترش لہجے میں میرا دل مجروح ہوگا۔

کیا

وہ نہیں جانتی کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔

اسے کتنا چاہتا ہوں۔

کتنی شدت سے پیار کرتا ہوں..... اب سے نہیں تب سے جب میں محبت کے مفہوم
شنا بھی نہیں تھا..... نہیں جانتا تھا..... کہ پیار کیا ہوتا ہے کیسے ہوتا ہے..... کیوں ہوتا

سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا..... وہ کروٹیں بدل بدل کر بھی تھک گیا.....
نے کئی بار سوچیں ذہن سے جھٹک کر سونے کی بھی کوشش کی..... نوری کا خیال ذہن سے
کے لئے اپنے کاروبار کے متعلق سوچا..... لیکن اس کی سوچیں گھوم پھر کر ایک ہی مرکز
رجوع ہو جاتی تھیں..... نوری کے خیال سے پیچھا چھڑانا ممکن ہی نہ تھا..... وہ اذیت سے
ہا تھا..... دکھ اور درد سے تڑپ رہا تھا..... نوری نے کتنا ناروا رویہ اختیار کیا تھا..... بالکل
بن گئی تھی۔

وہ بستر میں اٹھ کر بیٹھ گیا...... دونوں تکیئے بیڈ کے چوبی تختے سے لگا کر اس ...
سے ٹکا دی...... سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کیا...... روشنی پھیلتے ہی اسے ایکا ایکی احساس ...
وہ اندھیروں سے نکل آیا ہے...... اب اس کی سوچوں کا رخ دوسری طرف مڑ گیا تھا ...
نے ارادہ کر لیا کہ صبح وہ نوری سے ملے گا...... اور اس سے اس کے بھیانہ رویے ...
پوچھے گا...... ان میں کوئی تکلف تو تھا ہی نہیں...... پوچھ لینے میں حرج ہی کیا تھا......
نے بلاوجہ ہی ایسا رویہ اختیار کر لیا تھا...... تو وہ اس کو معاف کر دے گا...... ہاں اگر ...
واقعی بیگانہ ہو گئی تھی...... یا ہونا چاہتی تھی...... تب وہ سوچے گا کہ اسے کیا کرنا چاہئے ...

اپنے آپ کو مطمئن کرنے کے لئے اس نے کئی بے سروپا پلان بنائے ...
کیں...... تب اس کے دل سے بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔

صبح نوری سے ملنے اور اس سلسلہ میں بات کرنے کا مصمم ارادہ کر کے اس نے ...
چوبی تختے پر ڈال کر آنکھیں بند کر لیں...... اور پتہ نہیں کب ان بند آنکھوں میں نیند ...
آئی۔

کہتے ہیں نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے...... یہ تو اس کا بیڈ تھا...... جس پر نرم ...
کے سہارے وہ نیم دراز تھا...... جذبات کی سولی پر وہ بھی چڑھا ہوا تھا...... پھر بھی نیند ...
عمل ہے آ ہی جاتی ہے۔

وہ اسی طرح نیم دراز سو گیا...... پھر جانے کب اور کیسے پھسل کر بیڈ پر سیدھا ...
صبح وہ دیر تک سوتا رہا۔

وہ کچھ زیادہ سویرے اٹھنے کا عادی بھی نہیں تھا...... ابو کام پر جلدی چلے جا ...
بعد میں آرام سے تیار ہو کر جایا کرتا تھا۔

لیکن آج اس نے اٹھنے میں کچھ زیادہ ہی دیر لگا دی تو زبیدہ نے فیروز سے کہا ...
جا کر بھائی کو جگاؤ...... اتنی لمبی تان کر سویا ہے...... آفس نہیں جانا اس نے"۔

فیروز "اچھا امی" کہہ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھا...... پھر اوپر آ گیا......
دروازے پر اس نے ہولے سے دستک دی۔

کوئی جواب نہ ملا...... تو اس نے زور سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے کہا...... "

...یے نا...... آج کیا ہو گیا...... آفس نہیں جانا کیا"۔

"ہوں" کاشی گہری نیند سے چونک کر بیدار ہوتے ہوئے بولا۔

"بھائی جان اٹھ جائیے" فیروز نے کہا۔

"آں...... اوہ" کاشی بستر میں اٹھ بیٹھا...... بوجھل آنکھیں کھولنے کی کوشش کی......
...ں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے وال کلاک پر نگاہ ڈالی...... بہت وقت ہو گیا تھا...... دن پوری
...ج جاگ چکا تھا...... زندگی کے ہنگامے پوری توانائی سے شروع ہو چکے تھے...... دوڑ
...وپ جدوجہد اپنے معمول کے مطابق کب کی شروع ہو چکی تھی۔

"اٹھ گئے نا بھائی جان...... فیروز نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا۔

"ہاں ہاں اٹھ چکا ہوں" وہ بیڈ کی پٹی سے پاؤں لٹکا کر چپل پہنتے ہوئے بولا۔

"پھر تو نہیں سو جائیں گے؟" فیروز ہنسا...... "جلدی سے نیچے آ جائیں...... امی بلا رہی
...ں...... آپ کو ناشتہ دینے کے لئے باورچی خانے ہی میں بیٹھی ہیں"۔

"تم چلو میں آتا ہوں" وہ اٹھ کھڑا ہوا کپڑے ٹھیک کرتے ہوئے بولا...... "آج پتہ نہیں
...لو وقت پر کیوں نہیں کھلی"۔

فیروز مسکرا کر بولا...... "آپ کی آواز سے تو لگتا ہے کہ ابھی تک سوئے ہوئے ہیں"۔

"چل شریر کہیں کا" کاشی نے دروازہ کھول کر بھائی کو دیکھا...... پھر بولا...... "جناب
...لی تک گھر پر کیوں ہیں...... سکول کیوں نہیں گئے"۔

فیروز خوش دلی سے بولا...... "بھائی جان آپ کو لگتا ہے اپنے کاروبار کے سوا اور کوئی بات
...ہا نہیں رہتی"۔

"کیوں؟"

"بھائی جان ہمارے امتحان کی تیاری کی چھٹیاں شروع ہو چکی ہیں"۔

"اوہ"۔

"یہ بھی بتا دوں...... میں اس دفعہ میٹرک کا امتحان دے رہا ہوں...... خوش رو فیروز نے
...مسکرا کر کہا۔

"چل ہٹ" کاشی نے اس کے گال پر ہلکی سی تھپکی لگائی...... اب میں اتنا بھولکڑ نہیں

ہوں...... پتہ ہے تم تیر مارنے کی تیاری کر رہے ہو"۔

"تیر ماروں یا نہیں...... لیکن آپ سے زیادہ نمبر ضرور لوں گا" وہ شوخی سے کہہ کر لو

"خدا کرے...... مجھے خوشی ہو گی......" کامی نے کہا...... فیروز سیڑھیوں کی طـ

جا چکا تھا...... کامی پلٹ کر کمرے میں آگیا...... الماری سے کپڑے نکال کر کرسی کی پشت پـ

ڈالے اور خود غسل خانے میں چلا گیا۔

شیو بناتے نہاتے دھوتے اور تیار ہوتے اسے تقریباً آدھ گھنٹہ لگ گیا...... اس دو

امی نے دو دفعہ اسے آوازیں دی تھیں...... وہ اس کا ناشتہ بنانے کے لئے واقعی ابھی تک با

خانے میں بیٹھی تھی۔

تیار ہو کر وہ نیچے آگیا...... ماں کو سلام کیا۔

جواب دیتے ہوئے زبیدہ بولی...... "آج اتنی دیر لگا دی کام پر نہیں جانا تھا؟"۔

"جانا ہے امی...... بس رات نیند ٹھیک سے نہیں آئی...... بہت دیر سے سویا تھا" وہ با

خانے کے دروازے میں کھڑے کھڑے بولا۔

زبیدہ ہنس کر بولی...... "تو بھی باپ کی طرح جمع تفریق کرتا رہتا ہے...... ابھی سے

ذہن پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالو...... کام تو سب چلتے ہی رہتے ہیں"۔

وہ ماں کی بات پر شعوری کوشش سے مسکرایا...... "اماں پیاری اماں...... میں سیکھنے

عمل سے گزر رہا ہوں...... محنت تو کرنا ہی پڑتی ہے"۔

"محنت اپنی جگہ...... آرام اپنی جگہ...... دیکھو تو آنکھیں کتنی سرخ ہو رہی ہیں...

پتہ ہوتا...... تم رات دیر تک جاگے ہو...... تو میں تمہیں آرام سے سونے دیتی"۔

"اب جگا ہی دیا ہے...... تو ناشتہ بنا دیں"۔

"کیا کھاؤ گے"۔

"صرف ٹوسٹ اور چائے"۔

"آملیٹ"

"نہیں"

"فرائی کر دوں انڈہ"۔

"نہیں امی...... انڈہ نہ بنائیں صرف چائے اور ٹوسٹ دے دیں......" وہ پلٹ کر صحن

میں بچھے تخت پر آبیٹھا"۔

امی باورچی خانے ہی سے بولیں...... "تو پھر چائے کی جگہ دودھ لے لو"۔

"دے دیں...... کچھ دے دیں"۔

زبیدہ نے جلدی سے ٹوسٹ سینکے...... دودھ چولہے پر گرم کرنے کے لئے رکھا...... اور

ساتھ والی الماری سے مگ اور پلیٹ نکال کر چھوٹی سی ٹرے میں رکھی۔

دودھ مگ میں ڈال کر اس نے دو چمچ چینی ڈالی اور سینکے ہوئے ٹوسٹ نکال کر پلیٹ میں

رکھ دیئے...... مکھن دانی بھی ساتھ رکھی اور چھری بھی...... پھر وہ ٹرے اٹھائے باورچی خانے

سے باہر نکلی۔

کامی لپک کر آیا اور ماں کے ہاتھ سے ٹرے لیتے ہوئے بولا...... "اوہ...... امی مجھے آواز

دے دیتیں...... خود کیوں ٹرے اٹھا لائیں"۔

"بڑا خیال ہے میرا" زبیدہ نے ٹرے اسے تھماتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"بیٹا ہوں...... خیال نہیں ہو گا آپ کا؟" وہ تخت کی طرف مڑتے ہوئے بولا۔

زبیدہ بھی مذاق کے موڈ میں تھی...... ہنس کر بولی...... "اتنا ہی خیال ہے...... تو لے آؤ نا

میری ذمہ داریاں اٹھانے والی...... پیاری سی بہو"۔

کامی ماں کے اس طرح چھیڑ چھاڑ کرنے سے ہمیشہ خوش ہوا کرتا تھا...... لیکن آج یہ بات

اس کے دل میں تیر کی انی کی طرح چبھ گئی...... اس کا چہرہ ناخوشگوار تاثرات تو لئے پہلے ہی

تھا...... اس بات سے دھواں دیتا چراغ بن گیا...... اس نے ماں کی بات کا جواب دیئے بغیر ٹرے

تخت پر رکھ دی...... خود بھی ایک سرے پر بیٹھ گیا۔

اس کا جی نہ ہی ٹوسٹ کھانے کو چاہا اور نہ ہی دودھ پینے کو...... حالانکہ دودھ وہ بڑی

رغبت سے پیا کرتا تھا۔

کتنی ہی دیر ناشتہ ان چھوا پڑا رہا...... تو زبیدہ جو کمرے میں چلی گئی تھی...... باہر نکلتے

ہوئے بولی...... "تو ابھی یہیں بیٹھا ہے کامی"۔

کامی کے جواب دینے سے پہلے ہی اس نے ناشتے کی ٹرے دیکھی تو کچھ پریشان سی ہو کر

بولی...... "تو نے تو ناشتہ بھی نہیں کیا؟"

"کرتا ہوں" ماں ٹرے کے دوسری طرف آبیٹھی تو وہ بولا۔

"اے کامی"

"جی امی"

"کیا بات ہے"

"کچھ نہیں"

"پریشان سا ہے...... خیر تو ہے...... ابو نے تو کچھ نہیں کہا"۔

"نہیں امی"

"پھر کیا بات ہے...... رات ٹھیک سے سویا بھی نہیں...... اٹھا بھی دیر سے ہے اور ناشتہ سامنے رکھے بیٹھا ہے...... کوئی بات تو ہے"۔

اس نے مگ اٹھا کر منہ سے لگالیا اور دودھ حلق میں انڈیل لیا...... مگ واپس ر ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"ساتھ کچھ نہیں لے گا...... آملیٹ بھی نہیں بنانے دیا...... میرے بچے کیا بات ہے، پریشان کر دیا ہے مجھے" زبیدہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یونہی پریشان ہو جاتی ہو میری ماں" اس نے ہنس کر ماں کے گلے میں باہیں دیں۔

زبیدہ نے بڑے پیار سے اس کی پیشانی چوم لی اور ممتا بھرے لہجے میں بولی...... " پریشانیاں مجھ سے نہ چھپایا کر"۔

"اوہو امی...... مجھے کوئی پریشانی نہیں...... بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں...... اچھا اب جاؤں ابو میرے انتظار میں ہوں گے"۔

"فون کر لے"۔

"نہیں فون کیا کرنا...... اب جا ہی رہا ہوں"۔

وہ صحن میں ایک طرف کھڑے اپنے موٹر سائیکل کی طرف بڑھا...... جسے فیروز صاف کر دیا تھا۔

ماں کو سلام کر کے وہ موٹر سائیکل کو ڈیوڑھی میں لے گیا...... زبیدہ پیچھے ہی آئی...... بڑے دلار سے بولی...... "کامی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو نہ جاؤ آج...... فون کر دو ابو کو"۔

"امی" اس نے گردن موڑے بغیر کہا...... "کن وہموں میں پڑ جاتی ہیں...... میں بالکل ٹھیک ہوں"۔

"جھوٹ نہ بول...... ماں کی آنکھ ٹھیک نہ ٹھیک سب دیکھ لیتی ہے" زبیدہ بولی...... "تو آج ٹھیک نہیں ہے"۔

اس نے گردن موڑی اور ہنس کر بولا...... "میری پیاری پیاری امی...... میں بالکل ٹھیک ہوں...... رات ذرا نیند گڑبڑ ہو گئی بس"۔

وہ موٹر سائیکل لے کر گلی میں نکل گیا...... زبیدہ دروازے میں کھڑی اسے دیکھتی رہی...... وہ جان گئی تھی کہ کامی کا من کچھ پریشان ہے۔

کیوں؟

یہ اسے پتہ نہ چلا۔

☆☆☆

سردیوں کی آمد آمد تھی...... سورج جلد ہی آغوش مغرب میں چھپ جاتا تھا......
کے دھندلکے پھیل جاتے تھے اور فضا دھندلاہٹ سے کچھ بوجھل سی ہو جاتی تھی۔

زری برآمدے میں پڑی چارپائی پر بیٹھی تھی...... یہ برآمدہ دو کمروں کے سامنے تھا
ایک کمرہ زری اور عزیز احمد کی خوابگاہ تھی...... دوسرا نوری کا بیڈ روم تھا...... دونوں
دروازے اسی برآمدے میں کھلتے تھے...... کھڑکیوں کا رخ بھی ادھر ہی تھا۔

زری کا سارا دن اسی برآمدے میں گزرتا تھا...... کیونکہ باورچی خانہ اسی برآمدے
دائیں ہاتھ تھا...... اسی چارپائی پر بیٹھے بیٹھے زری سبزی وغیرہ بنایا کرتی...... کوئی ملنے والی آ
وہ بھی یہیں بیٹھتی...... محلے کی زیادہ عورتیں آجاتیں تو آنگن میں پڑی دو تین کرسیاں
ہی گھسیٹ لی جاتیں...... سوئی سلائی بھی وہ یہیں بیٹھ کر کرتی تھی...... عزیز احمد دفتر چلے
اور نوری کالج تو وہ سارے کام جلدی جلدی نبٹا کر اسی چارپائی پر آبیٹھتی...... چارپائی پر
دھاری دار دری پڑی ہوتی یا چار خانی کھیس...... کھری چارپائی کبھی نہ ہوتی۔

اب بھی وہ اسی چارپائی پر بیٹھی تھی...... نوری آج پھر کالج سے وقت پر نہیں
تھی...... فون کر دیا تھا...... کہ کچھ دیر سے آؤں گی...... زری اس کے آنے کا انتظار کر
تھی...... سہ پہر ڈھل چکی تھی...... سورج مغرب کے کناروں کو چھو رہا تھا...... سرخ
روشنیاں اب شام کے اندھیروں میں اترنے والی تھیں...... زری نوری کے روز روز دیر
آنے کی وجہ سے کچھ متفکر بھی تھی...... شکر کی بات تھی کہ عزیز احمد شام ڈھل جانے
گھر آتے تھے...... اگر کبھی وہ جلدی آجاتے اور نوری نہ آئی ہوتی...... تو وہ پریشان ہو جا
زری سے الجھ پڑتے کہ اس نے نوری کو بے جا ڈھیل دے رکھی ہے...... جوان لڑکی کا ا

سے گھر آنا معیوب بھی تھا اور خطرناک بھی۔

ابھی تین چار دن پہلے بھی جب نوری مہیلہ کے ہاں تقریب کا کہہ کر سات بجے گھر آئی
تھی...... تو عزیز احمد زری پر برسے تھے...... نوری کو وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے...... پتہ نہیں لاڈ پیار
تھا...... یا اس بات سے خوفزدہ تھے کہ کہیں نوری ان کے سامنے تن کر کھڑی نہ ہو جائے اور
منہ پر جواب ہی نہ دے دے...... آخر اسے خود سر بنانے میں ان کا بھی تو ہاتھ تھا۔

زری چارپائی سے اٹھنے ہی کو تھی کہ نوری کتابیں سینے سے لگائے ڈیوڑھی سے صحن میں
آگئی...... وہیں سے سلام کرتے ہوئے بولی...... "ہیلو ممی"۔

"ممی کی بچی" زری نے ناراضگی سے کہا...... "آج پھر اتنی دیر لگادی"۔

وہ برآمدے میں آتے ہوئے حیرانگی سے بولی...... "میں نے فون تو کر دیا تھا"۔

"دیکھ نوری" زری نے پہلو بدلا۔

"یس ممی" کتابیں کرسی پر پھینک کر وہ دھم سے ماں کے پہلو میں بیٹھ کر اس کے گلے
میں باہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"نوری...... یہ روز روز دیر سے آنے والی بات ٹھیک نہیں" زری نے بدستور ناراضگی
سے کہا۔

"کیوں ممی...... فون تو کر دیتی ہوں" وہ جھولتے ہوئے بولی۔

"اس سے کیا ہوتا ہے...... دل حلق میں اٹکا رہتا ہے...... شام ہو رہی ہے"۔

"تو کیا ہوا"۔

"تیرا روز روز دیر سے آنا ٹھیک نہیں" زری ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولی...... تو
نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی...... پھر بولی...... "کیوں...... کیا میں اب بھی چھوٹی بچی ہوں دیر سے
آئی تو کوئی اٹھا کر لے جائے گا"۔

"ہائے اللہ نہ کرے......" زری نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی۔

"ممی...... فیشن ایبل اور ماڈرن بیٹیوں کی مائیں اس ڈھنگ سے نہیں سوچا کرتیں......
ان کی سوچیں بھی کچھ کچھ ماڈرن ہونی چاہئیں"۔

"چل ہٹ...... ماڈرن بننے کا جنون تیرے سر پر سوار ہے...... اسی لئے دیر سے بھی آتی

ہے اور اکیلی بھی"۔

"امی" نوری اپنا بازو ماں کی گردن سے نکالتے ہوئے بولی۔

"کیا ہے؟" زری اب بھی ناراضگی کا اظہار کر رہی تھی۔

"آپ کو ہوا کیا ہے...... "وہ ماں کا چہرہ ہاتھوں کے پیالے میں بھر کر بولی۔

"تیرا دیر سے اور اکیلے آنا مجھے اچھا لگتا ہے نہ تیرے ابو کو"۔

"آپ کے" وہ ایک لمحہ کے لئے رکی...... پھر بولی...... "آپ کے ذہنوں میں یہ اس کامی صاحب نے تو نہیں ڈال دی"۔

"ہائے آئے" زری جلدی سے بولی...... "اس بیچارے کو کیوں دوش دے رہی ہو...... تو تین چار دن سے ہمارے ہاں آیا ہی نہیں"۔

نوری سر ہلاتے ہوئے مسکرانے لگی...... پھر دونوں ہاتھ آپس میں الجھا کر خوش ہوتے ہوئے بولی...... "اب آئے گا بھی نہیں"۔

"کیوں" زری نے جلدی سے کہا...... "کیا تو لڑ پڑی اس سے"۔

اس نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا تو زری بے چینی سے کہنے لگی...... "کیوں بھلا"۔

"ہام" وہ تمسخر سے بولی...... "وہ بھی میرے دیر سے اکیلے آنے پر اعتراض کر تا تھا"۔

"تو کیا کہا اس نے"۔

"اچھا" وہ ماں کو دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی...... "اسے کیا حق ہے...... مجھے رو ٹوکنے کا"۔

"نوری"

"میں نے اس دن اسے خوب ڈانٹ پلائی"۔

"بہت برا کیا تو نے...... اسی لئے وہ آیا ہی نہیں...... میں سمجھتی رہی وہ کاروبار کے میں کہیں گیا ہوا ہوگا...... زبیدہ سے بھی میں نہ مل سکی...... جو پتہ چل جاتا"۔

"اوہو...... امی...... فکر کی کیا بات ہے...... یہاں نہ آنے سے تو وہ رہا...... آ ضرور...... لیکن جب اس ڈانٹ کا اثر ختم ہوگا" وہ شان تفاخر سے پھر ہنس پڑی۔

زری اس کا منہ تکنے لگی...... نوری اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ بولی...... "کامی سے تمہیں ایسا برا سلوک نہیں کرنا چاہئے"۔

"اسے بھی میرے آنے جانے پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے...... اسے یہ حق کس نے دے دیا"۔

نوری نے ڈھٹائی سے کہا۔

"اس نے کوئی بری بات نہیں کی...... اگر روکا ٹوکا ہے تو کچھ حق جان کر ہی ایسا کیا ہے"

"امی مجھے کسی کی دخل اندازی بالکل پسند نہیں اپنے معاملات میں"۔

"وہ کوئی غیر نہیں ہے"۔

"تو اپنا کہاں سے ہے...... محلے داری اپنی جگہ...... لیکن"۔

"نوری...... زری نے اسے سمجھانا چاہا" ہم لوگ برسوں سے اس جگہ رہ رہے ہیں...... اپنے رشتہ داروں سے زیادہ قرابت داری ان سے ہے...... اچھے برے وقت میں یہی لوگ ہمارا ساتھ دیتے ہیں...... اور اپنا کسے کہتے ہیں"۔

نوری نے لاپرواہی سے کندھے اچکائے اور بولی...... "آپ کا اپنا ہوگا...... میرا کچھ نہیں لگتا"۔

"کیا خبر کچھ لگنے ہی لگے" زری نے مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھا...... نوری نے منہ پھلا لیا اور سخت لہجے میں بولی...... "امی مجھے ایسی باتیں پسند نہیں"۔

"کیوں" زری بھی اسے شاید قائل کرنے پر بضد تھی...... "کیا خرابی ہے اس میں...... خوبصورت جوان ہے پڑھا لکھا ہے، شریف ہے...... کوئی عیب نہیں اس میں...... کاروبار میں کتنی دلچسپی لے رہا ہے...... کسی دن لاکھوں میں کھیلنے لگے گا...... گھریلو حالات کتنی تیزی سے بدل رہے ہیں ان کے...... ہر مہینے کوئی نہ کوئی نئی چیز لے لیتے ہیں...... زبیدہ نے دس تولے کے کڑے بنوائے ہیں...... پورے دس تولے کے"۔

"تو میں کیا کروں" وہ بیزاری سے بولی حالانکہ اندر ہی اندر اس کا دل کامی کی ان کامیابیوں سے مسرور بھی ہو رہا تھا...... ایسا وہ نہیں چاہتی تھی...... بے تکلفی اور یگانگی کا اظہار

کرتی تھی۔

لیکن

دل کے کسی خفیہ گوشے میں کامی ہمیشہ ہی چھپا بیٹھا رہتا تھا...... اور اسے لگتا بھی تھا کہ ا
کی خوشیاں اور غم اسی کی شخصیت کے ارد گرد گھومتے ہیں۔

اس حقیقت کو ہمیشہ ہی شعوری کوشش سے جھٹلانے کی کوشش کرتی...... فیشن ا
امیر زادوں کو وہ اپنے اوپر حاوی کر لیتی تھی...... ان میں کاظم سرفہرست تھا۔

ماں کامی کی زیادہ ہی طرف داری کرنے لگی...... تو وہ بولی...... "بس بھی کریں امی
چائے ہی پلا دیں...... صبح کی گئی اب آئی ہوں"۔

"قصور میرا ہے کیا؟ جلدی آیا کرنا"۔

"امی...... اگلے پندرہ بیس دن میں لیٹ ہی آؤں گی"۔

"کیا کیا؟"۔

"امی"

"ہوں" زری بھی اٹھ کھڑی ہوئی...... وہ اس کے کسی کسی دن لیٹ آنے ہی سے پر
تھی...... یہ پندرہ بیس دن لیٹ آنے کی بات سن کر تو حیران ہو گئی۔

نوری نے پھر ماں کے گلے میں بانہیں ڈال دیں...... اور بولی...... "امی...... پتہ
سے آنے کی وجہ کیا ہے"۔

"کیا"

"ایک تو ہنی اور مہیلہ کے ساتھ مل کر نوٹس تیار کرتے ہیں...... اور دوسرے"۔

"دوسرے کیا"۔

نوری مسکرائی اور اتراتے ہوئے بولی...... "میں ہنی سے گاڑی چلانا سیکھ رہی ہوں"

"کیا...... گاڑی چلانا؟"

"ہاں امی" نوری پرے ہوتے ہوئے ہاتھوں سے ہوا میں سٹیرنگ گھماتے ہوئے بو

"یوں...... مام یوں...... مجھے گاڑی چلاتی عورتیں بہت اچھی لگتی ہیں"۔

"تو تو نری پاگل ہے...... نئے نئے شوق ہی پالتی ہے تو...... گاڑی چلانا ایسے سیکھ

ہے جیسے باوا کی گاڑی دروازے پر کھڑی ہے"۔

"نہیں کھڑی تو نہ سہی" نوری نے بھوئیں اچکا کر ماں کو دیکھا...... "گاڑی چلانا تو سیکھ
لوں...... شاید کبھی گاڑی مل ہی جائے"۔

"یہ خیال دل سے نکال دے...... گاڑی کیا ہم تو گاڑی کا پہیہ بھی نہیں خرید سکتے"۔

"میں کب کہتی ہوں...... کہ آپ گاڑی خریدیں...... لیکن امی...... مجھے کبھی نہ کبھی تو
گاڑی مل ہی سکتی ہے" وہ شوخ نگاہیں نچاتے ہوئے بولی۔

تو

زری کے لب بھی تبسم ہو گئے...... بولی "اللہ کرے تجھے کوئی گاڑی والا ہی بیاہ لے
جائے"۔

"گاڑی سے بغیر والے کے ساتھ میری شادی کا سوچنا بھی نہیں ممی" وہ پھر تفاخر اور
شوخی کے ملے جلے جذبوں سے بولی۔

"ہٹ پرے......" زری قدم اٹھاتے ہوئے بولی...... "تیرے مغز میں تو پتہ نہیں کہاں
سے نئی نئی باتیں گھس آتی ہیں...... اللہ تیری قسمت اچھی کرے"۔

"آمین......" نوری نے دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھائے اور پھر چہرے پر پھیر لئے...... وہ
اس وقت شوخی کے موڈ میں تھی...... زری اس کی حرکت پر مسکرا دی۔

وہ باورچی خانے کی طرف جانے لگی تو نوری بھی قدم اٹھا کر اس کی طرف آ گئی...... اور
اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی...... "تو ہو گئی نا گاڑی سیکھنے کی بات پکی"۔

"مجھے نہیں پتہ...... دیر سے آنے کی میں ذمہ داری نہیں لے سکتی...... اپنے ابو سے پوچھ
لینا...... اجازت دے دیں تو ٹھیک...... نہ دیں تو تو جان اور وہ"۔

"اچھا...... میں ابو سے پوچھ لوں گی...... لیکن آپ ہمیشہ کی طرح میری طرفداری تو
کریں گی نا"۔

نوری نے مسکراتے ہوئے ماں کے گال پر پیار سے چٹکی بھری...... پھر مسکراہٹیں
بکھیرتی پلٹ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

کمرے پر نگاہ ڈالتے ہی اسے ہمیشہ کی طرح کچھ ڈپریشن ہوئی...... برسوں سے وہ اسی

کمرے میں رہ رہی تھی..... بچپن میں یہ کمرہ خاصہ سجا ہوا ہوتا تھا..... ہر چیز پنک رنگ
تھی۔

لیکن

اب

جب

اسے سجے سجائے کمرے کی ضرورت تھی..... کمرہ اور کمرے کی ہر چیز پرانی ہو
تھی..... مہنگائی اور اخراجات کی وجہ سے کمرے کی چیزیں بدلنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا
پانچ چھ سال پہلے جب اس کے پاؤں گلابی پلنگڑی سے باہر آنے لگے تھے..... تو لکڑی کا یہ
زری نے بنوادیا تھا..... پردے بھی نئے لگائے تھے..... اور فرش کی میٹنگ بھی ڈالی تھی
اب پانچ سالوں میں یہ چیزیں فرسودہ ہو چکی تھیں..... پردے ہر سال زری دھو دھلا کر
کرتی تھی..... صفائی پسندی اس کی عادت تھی..... لیکن پرانی چیزوں کے بدلے نئی چ
خریدنا اس کے بس میں نہیں تھا۔

یونیفارم اتارے بغیر نوری پلنگ پر آڑی پڑ گئی..... وہ آج ہنی کے ہاں سے ہو آ
تھی..... ہنی کا کمرہ کتنی خوبصورتی سے آراستہ تھا..... ہنی کیا اس کی دوسری سہیلیوں
کمرے بھی خوب آراستہ پیراستہ تھے..... ممیلہ 'رعنا' جیسی سبھی امیر گھرانوں کی لڑ
تھیں..... رہائش بھی ٹھاٹھ باٹھ والی تھی..... ہنی کے کمرے میں تو سی ڈی پلیر بھی رکھا
تھا..... ممیلہ کے کمرے میں اس کا الگ ٹی وی تھا..... ڈش بھی تھی..... ہر چینل گھماتی
رہتی تھی..... نوری کا دل بھی یہی چاہتا تھا..... کہ اس کے پاس بھی ایسی چیزیں ہوں.....
نے سہیلیوں کو تاثر بھی یہی دے رکھا تھا کہ اس کے پاس یہ سب کچھ ہے..... بنتی
لڑکیوں کو بناتی خوب تھی..... لیکن جب گھر آتی تو اپنے اس کمرے میں اس کا دل
جاتا..... لیکن وہ زیادہ اثر نہ لیتی..... اپنی دنیا جو اس نے بسا رکھی تھی..... اسے سہارا اور تق
دیتی..... اسی لئے تو آج اس نے ہنی سے گاڑی چلانا سکھانے کی بات کی تھی..... ہنی ڈرائ
جانتی تھی..... چند دنوں سے تو وہ کالج بھی گاڑی ہی لے کر آ رہی تھی..... اسے گاڑی چلا
خاصی مہارت تھی۔

"ہنی" نوری نے اس سے کہا تھا۔

"ہوں"۔

"ایک بات کہوں"۔

"ہاں نوری کہو"

"مجھے گاڑی چلانا سکھا دو گی"۔

"کیوں نہیں ..... لیکن"۔

"کیا؟"

"اس کے لئے تمہیں روز میرے ہاں چلنا ہوگا..... یہاں کالج میں تو نہیں سکھا سکتی
..... ہمارے گھر کے پیچھے بہت بڑا میدان ہے..... میں نے بھی وہاں ہی سیکھی تھی..... تمہیں
شوق ہے تو میں سکھا دوں گی..... روز چار سے پانچ بجے تک ڈرائیونگ کی کلاس لے لوں گی
میں"۔

"ہنسو نہیں..... میں سنجیدہ ہوں"۔

"تو ٹھیک ہے..... آجایا کرنا..... گھر جا کر تو آنا مشکل ہی ہوگا..... کالج سے ہی میرے
ساتھ چلی جایا کرنا..... اپنی ممی سے پوچھ لینا"۔

"وہ تو پوچھ لوں گی..... یہ بتاؤ کتنے دن لگیں گے سیکھنے میں"۔

"تم جیسی ٹیلنٹڈ لڑکی دو ہفتے میں سیکھ سکتی ہے"۔

"سچ"

"ہاں"

"پھر تو میں آج ہی اپنی ممی سے پوچھوں گی..... اور کل سے تمہاری شاگردی میں آ جاؤں
گی"۔

"بڑی خوشی سے" ہنی نے انگریزی میں کہا تھا..... نوری خوش ہو گئی تھی..... شکریہ
بھی اس نے انگریزی میں پرجوش الفاظ میں ادا کیا۔

آج گھر آتے ہی اس نے امی سے بات کی تھی..... امی نے اجازت کا معاملہ ابو کی مرضی پر
چھوڑ دیا تھا۔

اور

اب

نوری بستر میں لیٹی کمرے کی حالت زار کو بھول کر ابو سے اجازت لینے کے
مصالحے دار جملے گھڑ رہی تھی...... اسے پکی امید تھی کہ ابو اجازت دے دیں گے...... کا
اس کی حرکتوں پر غصے ہوئے ہوں...... لیکن اس کی بات کبھی ٹالی بھی نہ تھی۔

اور

رات

اس نے ابو سے اجازت لے ہی لی...... پیار سے...... روٹھ کر...... لڑ کر اس نے
منا ہی لیا...... اپنی کامیابی پر وہ بہت خوش تھی...... پندرہ بیس دن کی تو ماں باپ سے اڑ
قانونی آزادی حاصل کر ہی لی تھی...... اب یہ آزادی آزادانہ طور پر کاظم سے ملنے......
ساختہ گروپ میں ہیاپا گڑی کرنے اور ہنی سے گاڑی سیکھنے میں استعمال کرنا اس کا کام تھا۔
رات وہ انہی مصروفیات کے خوش کن تصور میں ڈوبے ڈوبے سو گئی۔
صبح وہ کالج جانے کے لئے تیار ہو کر باہر آئی تو ابو ابھی تیار ہو رہے تھے...... ابھی
میں کچھ وقت تھا...... جانے نوری کے ذہن میں کیا موج آئی کہ اس نے کامی کے ہاں جا
سوچا...... وہ اس دن کی جھڑپ کے بعد آیا نہیں تھا...... یقیناً ناراض ہو گیا تھا...... "اسے
ناراض نہیں ہونے دینا چاہیے...... وہ نہیں آیا تو میں ہی چلی جاتی ہوں"۔
اس نے فیصلہ کر لیا...... اس کے فیصلے چٹکیوں میں ہی ہوا کرتے تھے...... فیصلوں
تضاد ہوتا تو بھی ان پر عمل پیرا ہو جاتی۔
وہ باورچی خانے کی طرف آئی...... جہاں زری ناشتہ بنا رہی تھی۔
"آپی"
"کیا ہے"
"ناشتہ بن گیا"
"بس بن ہی گیا ہے...... انڈے بنا لوں"۔
"ابو بھی ابھی تیار ہو رہے ہیں...... آپ ناشتہ بنائیں میں تب تک کامی کے ہاں
ہوں"۔
زری نے انڈہ فرائینگ پین میں ڈالتے ہوئے اسے حیرانگی سے دیکھا۔
نوری شوخی سے آنکھیں گھماتے ہوئے بولی...... "بچارے نے اس دن کی ڈانٹ کا کچھ
زیادہ ہی اثر لیا ہے...... سوچا معذرت ہی کر آؤں...... ویسے خالہ زبیدہ کو سلام بھی کرنے جانا
تھا...... کئی دن ہوئے میں ان کی طرف گئی ہی نہیں"۔
زری نے سر ہلایا۔
"جاؤں؟" نوری نے مسکرا کر کہا۔
"جاؤ" زری بولی...... "جلدی آجانا...... بس ناشتہ ٹرے میں لگا ہی رہی ہوں"۔
"یوں گئی اور یوں آئی" وہ لوٹتے ہوئے بولی...... اس کے جانے کے بعد زری نے ماتھے پر
ہاتھ مارا...... "اس لڑکی کا کس وقت کیا موڈ بن جائے پتہ ہی نہیں چلتا" اس نے دل ہی دل میں
کہا اور پھر ناشتے کی طرف متوجہ ہو گئی۔
نوری کامی کے گھر تیز تیز قدم اٹھاتے جا پہنچی...... کامی سے اس کا ٹکراؤ ڈیوڑھی ہی میں
ہو گیا۔
"ہیلو" وہ انتہائی خوش کن اور مسحور کر دینے والے لہجے میں اسے دیکھ کر بولی۔
کامی نے حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔
نوری نے جان بوجھ کر اپنی جادو بھری آنکھیں کھولیں اور بند کیں...... پھر بولی......
"خوش نہیں ہوئے میرے آنے سے"۔
وہ چپ رہا۔
"ناراض ہو" نوری اس کی آنکھوں میں براہ راست جھانکنے کی کوشش کرتے ہوئے
بولی...... کامی نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا۔
"کچھ بولو نا......" نوری الہڑ پنے سے بولی "اسی میں بھلائی ہے"۔
کامی کا اداس لہجہ نوری کے دل کو غیر محسوس طریق سے چھو گیا...... اس اداسی کی
ہوشربا لذت اس نے محسوس کی...... لیکن دوسرے ہی لمحے وہ نارمل ہو گئی...... آگے بڑھتے
ہوئے بولی...... "میں خالہ کو سلام کر آؤں...... اور ہاں سنو...... یہ ناراضگی وراضگی نہیں چلے

گی...... مجھے امی نے بتایا تھا...... تم تین چار دنوں سے ہمارے گھر نہیں آرہے"۔

"اس سے تمہیں کیا فرق پڑتا ہے" کامی نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

"پڑتا ہے تو آ گئی ہوں نا" نوری پلٹ کر اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

کامی نے چند لمحے اس کی حسین آنکھوں میں دیکھا...... خوشی کی لہر اس کے رگ و پے میں دوڑ گئی...... اس کے اداس و سپاٹ چہرے پر گل رنگ سویرے پھیل گئے...... ہونٹوں پر تبسم لہرا گیا اور آنکھوں میں خیرہ کن چمک بھر گئی۔

"واقعی؟ کیا واقعی نوری" وہ بے اختیارانہ کہہ اٹھا۔

نوری نے اپنی جھالروں ایسی پلکیں اٹھا کر اسے انداز دلربائی سے دیکھا...... پھر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی...... "میں خالہ کو مل آؤں...... تم جاؤ جہاں جا رہے تھے"۔

وہ بھاگنے کے انداز میں صحن میں چلی گئی...... کامی کو جیسے وہ دنیا بھر کی خوشیاں دے گئی...... پہلے تو اس کا جی چاہا...... وہ بھی اس کے پیچھے لپک کر صحن میں چلا جائے...... اس دلکش سی لڑکی کا یہ روپ جی بھر کر دیکھے۔

لیکن

اس نے ایسا نہیں کیا...... خوشیوں سے سرشار لپکتا بہکتا ڈیوڑھی سے باہر نکل گیا۔

اب

وہ

اندھیروں میں نہیں گھرا تھا...... چاروں اور روشنیوں کے سیلاب تھے۔

انسان کا دل بھی تو برقی بلب ہی کی طرح ہے...... جل اٹھے تو روشنی چار سو

ہے۔

اور

جو

بجھ جائے تو گھپ اندھیرا ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔

☆☆☆

مسز مسعود اپنے بڑے سے آراستہ پیراستہ ڈرائنگ روم میں اپنی دوست مسز عثمانی کے ساتھ بیٹھی تھیں...... چائے پی چکی تھیں...... اس لئے ٹرالی ہاتھ سے پرے ہٹا دی تھی...... اب وہ مسز عثمانی کے گلے کا چوکر دیکھ رہی تھیں...... جو اس نے نیا بنوایا تھا...... مسز عثمانی جب بھی کوئی نیا زیور بنواتی اپنی دوست کو دکھانے ضرور آتی...... دونوں کے مراسم بے تکلفانہ تھے...... مسز مسعود کو زیور پسند آتا تو وہ بھی ویسا ہی بننے کو دے دیتیں...... عورت کی عام طور پر عادت ہوتی ہے...... کہ اپنی کسی بھی اچھی چیز کو نقالی کے لئے کسی کو دینا پسند نہیں کرتی...... وہ اپنی اور اپنی چیزوں کی انفرادیت ہی پر فخر محسوس کرتی ہے...... لیکن راحیلہ مسعود اور کوثر عثمانی پرانی سہیلیاں تھیں...... اس بات کو کبھی اہمیت نہ دیتی تھیں...... ایک دوسری کی پسند سے بھی خوب واقف تھیں...... اسی لئے چاہے راحیلہ کے ہاں کوئی نئی چیز آتی...... یا کوثر کی کوئی شے بنتی ایک دوسری کو دکھائے بغیر چین نہ پڑتا...... دونوں کے گھروں کی اکثر چیزیں ایک جیسی تھیں...... کپڑوں اور زیوروں میں بھی بہت سی چیزیں ملتی جلتی تھیں۔

ڈبے میں پڑا چوکر اور کانٹے نکال کر راحیلہ نے دیکھے...... "بہت خوبصورت بالکل بہت ہی خوبصورت ہے"۔

"شکریہ" کوثر خوش ہو کر بولی...... "میں تو تمہارے لئے بھی آرڈر دینے لگی تھی"۔

"بنوانا تو ہے میں نے ہنی کے لئے" راحیلہ بولی...... "لیکن پہلے ہنی کو دکھا لوں...... اب وہ مجھ سے جھگڑنے لگتی ہے...... کہ میں اپنی مرضی ہی سے اس کے لئے زیور بنوائے جا رہی ہوں اس کی پسند ناپسند دیکھتی ہی نہیں"۔

"سویٹ" کوثر مسکرا کر بولی۔

"مجھے تو بہت اچھا لگا ہے یہ چوکر...... لیکن روبیز میں ایک سیٹ میرے پاس ہ
راحیلہ آدھی انگریزی اور آدھی اردو ملی زبان میں بولی...... "یہ زرکون یا ایمرلڈ میں سے تو
لگے ؟"

"بھئی اپنی بیٹی سے پوچھ لو...... ہو سکتا ہے چوکر ہی اسے پسند نہ آئے...... گینز
سوال تو بعد میں اٹھے گا"۔

"ہاں ٹھیک ہے"

راحیلہ چوکر واپس ڈبے میں احتیاط سے رکھنے لگی...... اتنے میں ملازم ٹرالی لینے اند
اس نے پوچھا...... "ہنی بی بی آ گئی ہیں"۔

"جی دونوں آ گئی ہیں...... ہنی بی بی بھی اور رائمہ بی بی بھی"۔

"جاؤ ذرا انہیں ادھر بھیج دو"۔

"اچھا جی"

نوکر کے جانے کے بعد کوثر نے پوچھا...... "کہاں گئی ہوئی تھی ہنی...... اور یہ
کون ہے"۔

"ہنی کی دوست ہے رائمہ...... ہنی آج کل اسے گاڑی چلانا سکھا رہی ہے...... دو
سے پانچ بجے تک ہماری پچھلی گراؤنڈ میں پریکٹس کرتی ہیں...... رائمہ بہت پیاری اور
بچی ہے"۔

"اچھا" کوثر بولی...... "تم نے پہلے تو کبھی بتایا نہیں"۔

"دو تین دن سے ہی آ رہی ہے...... ہنی کے ساتھ...... گاڑی چلانا سیکھ رہی
ہے"۔

"ہائے ہائے مجھ سے بھی متعارف کرواؤ...... میں اپنے ظفر کے لئے لڑکیاں د
ہوں"۔

"ایسی لڑکی تم نے نہ دیکھی ہو گی"۔

"واقعی ؟"

"ہاں مجھے تو بہت پیاری لگتی ہے...... اپنے طلال کی میں نے منگنی [illegible] کی ہوتی تو

کوثر بے تابی سے اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی...... "میرے ظفر کی تو صرف ایک ہی ڈیمانڈ ہے...... لڑکی خوبصورت ہو...... جہیز کا تو وہ نام ہی نہیں لینے دیتا"۔

"اے ہے وہ کوئی گری پڑی نہیں...... ایکسین کی بیٹی ہے...... ایک اکلوتی...... اور بیٹا نہ بیٹی...... چار کنال کی کوٹھی کرائے پر دے رکھی ہے...... شہر کے اندرون ایک بہت بڑی حویلی بھی ہے ان کی...... خاصی آسامی ہے" راحیلہ نے مخصوص سی مسکراہٹ سے اسے دیکھا...... "اب یہ نہ ہو...... کہ اس کی بات کہیں ٹھہر چکی ہو...... ایسی چاند چہرہ بچیاں لوگوں کی نظر میں جلدی آ جاتی ہیں"۔

"تم تو اس سے پہلے ہی مجھے یاس میں مبتلا کر رہی ہو...... دیکھنے تو دو اسے"۔

وہ یہی باتیں کر رہی تھیں کہ بغلی دروازے سے ہنی اور نوری اندر آئیں...... دونوں نے سلام کیا...... راحیلہ نے جواب دیا...... لیکن کوثر تو رائمہ کو تکتی کی تکتی ہی رہ گئی...... واقعی ایسی چاند چہرہ لڑکی اس نے اب تک نہ دیکھی تھی...... وہ کالج کے یونیفارم ہی میں تھی...... لیکن پرکشش چہرہ اور مقناطیسی کشش والا فگر کسی آرائش و زیبائش کا شاید محتاج ہی نہیں تھا۔

"کیسی ہے تمہاری شاگرد کی کارکردگی" راحیلہ نے بیٹی سے پوچھا...... تو ہنی نے مسکرا کر نوری کو دیکھتے ہوئے کہا...... "ممی پتہ نہیں کیا بلا ہے یہ...... ابھی دو تین دن ہوئے ہیں...... سب کچھ سمجھ گئی ہے" نوری نے کورنش بجا لانے کے انداز میں دو تین بار ہاتھ نیچے لا کر لہراتے ہوئے ماتھے سے لگایا...... تو اس کی اس ادا پر تینوں مسکرانے لگیں۔

راحیلہ نے رائمہ کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا...... کوثر کی نظر اس کے لانبے بالوں پر پڑی تو بے اختیارانہ وہ اس کے بالوں پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگی...... نوری کے اندر اپنی اہمیت کا احساس ہر وقت جاگتا رہتا تھا...... اس لئے کوثر کی حرکت پر وہ مسکراتے ہوئے بولی...... "آنٹی یہ لمبے بال میرے لئے خاصہ جنجال ہیں...... کٹوا نہ دوں انہیں"۔

"ہائے نہ بیٹی" کوثر نے جلدی سے کہا...... "ایسا ظلم کبھی نہ کرنا"۔

نوری ہنس پڑی...... اسکے موتیوں ایسے چمکیلے دانت بے حد خوبصورت لگ رہے تھے۔

کچھ لمحے ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں...... پھر ہنی نے پوچھا...... "ممی کیوں بلایا تھا

بیگم شو

"کچھ دکھانے کے لئے" راحیلہ نے پہلو میں پڑا نیلا مخملیں ڈبہ اٹھاتے ہوئے کہا۔

"آنٹی کیا ہے اس میں"۔ کوثر اور راحیلہ کے درمیان بیٹھی نوری نے تجسس سے پو

"چوکر سیٹ" راحیلہ نے جواب دیا...... نوری سمجھ تو گئی...... یہ کوئی زیور ہی ہے لیکن چوکر کیا ہوتا ہے...... اسے پتہ نہ تھا...... اسی لئے مزید کوئی استفسار نہ کیا۔

راحیلہ نے ڈبہ کھولا...... اور دونوں کو دکھاتے ہوئے بولی...... "یہ تمہاری آنٹی کوثر بنوایا ہے...... ہنی دیکھو کیسا ہے"۔

"بہت خوبصورت" نوری نے للچائی ہوئی نظروں سے لال نگوں والے سونے کے سیٹ کو دیکھا۔

ہنی کو بھی پسند آیا...... لیکن بولی...... "ممی اب بس بھی کریں...... ایسے سیٹ تو آپ پاس ہیں بھی"۔

"چوکر نہیں ہے...... روبیز میں تین لڑا ہار ہے میرے پاس...... اس میں اسمرلڈ لگ سکتے ہیں...... ملٹی کلر بھی بن سکتا ہے"۔

"لیکن راحیلہ اس کی خوبصورتی ریڈ رنگ ہی میں ہے" کوثر بولی۔

نوری نے بھی بات کرنا مناسب سمجھی بولی...... "جی آنٹی ریڈ میں بہت خوبصورت ل ہے"۔

"تم بھی اپنی ممی کو دکھا لینا" ہنی نے کہا۔

"توبہ" نوری نے کندھے اچکائے اور کانوں کو چھوا...... "میری ممی کو تو کریز ہے جانے کیا کچھ بنواتی رہتی ہیں"۔

دونوں ہنس پڑیں...... پھر راحیلہ نے کہا...... "بھئی تم ایک اکیلی تو ہو...... چاہے بنوائیں"۔

"ایسا سیٹ بھی میرے خیال میں ممی نے بنوالیا ہے" وہ بولی...... پھر کہانی کو بناتے ہوئے کہنے لگی...... "دادی اماں کا صندوقچی بھرا پرانا زیور بھی پڑا ہے...... بھاری کڑے...... بڑے بڑے ہار...... کندن کا سیٹ" نوری کو جتنا بھی زیورات کے متعلق استعمال میں لاتے ہوئے ان دونوں آنٹیوں کو مرعوب کر دیا۔

"تمہارے لئے تو تمہاری ممی نئے پرانے سبھی قسم کے زیورات جمع کر رہی ہوں گی" کوثر نے مرعوبیت سے کہا۔

"جی آنٹی" وہ اترانے کی اداکاری کرتے ہوئے بولی...... "ممی کو جتنا شوق ہے...... مجھے اتنا ہی زیور سے لگاؤ نہیں"۔

"ہاں جی...... دل ٹھنڈا ہے نا...... کہ بے شمار زیور پاس ہے......" ہنی بولی۔

"تمہارے پاس کم تو نہیں ہوگا" نوری نے ہنس کر کہا۔

"بھئی ہنی کے دو حصہ دار بھائی بھی ہیں نا...... جتنا بھی زیور ہوگا...... تینوں میں تقسیم ہوگا"۔

"میرے تو چار بچے ہیں" کوثر بولی...... "چار حصوں میں بٹے گا"۔

کچھ دیر یہی باتیں ہوتی رہیں۔

پھر

ہنی اور نوری اٹھیں...... جانے کی اجازت لی سلام کیا اور کمرے میں واپس آگئیں۔

ہنی دھم سے بیڈ میں آڑی لیٹ گئی...... نوری دیوار گیر آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا سراپا دیکھنے لگی۔

"کیا دیکھ رہی ہو" ہنی نے سر اٹھاتے ہوئے اسے دیکھا...... "خوبصورت لوگ سب کو پسند آجاتے ہیں...... آنٹی کوثر تو تمہیں بڑی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی"۔

"کیوں" نوری پلکیں جھپکاتے ہوئے حیرانگی کا انداز اختیار کرتے ہوئے بولی۔

"وہ آج کل اپنے بیٹے کے لئے خوبصورت سی لڑکی تلاش کر رہی ہیں...... بس آگیا ان کا دل تم پر"۔

"اوں ہوں" نوری بھی بیڈ پر جمپ لگاتے ہوئے الٹی پڑ کر بولی...... "تمہیں پتہ ہے"۔

"کیا؟" وہ جان بوجھ کر انجان بن گئی۔

"میرا انتخاب"۔

"کاظم"۔

"بالکل"۔

"تو لائن سیٹ ہو گئی اس کے ساتھ"۔

"جی بالکل" وہ سیدھی ہو کر دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے مسکرائی۔

"نوری" ہنی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا" وہ بھی اس کے برابر ہو بیٹھی۔

"یہ کاظم"

"ہاں ہاں"

"تم سے فلرٹ تو نہیں کر رہا"

"مت تو نہیں ماری گئی تیری...... وہ تو تن من دھن سے مجھ پر فدا ہے"۔

"شادی کرے گا تجھ سے"

"تو کیا یونہی ملاقاتیں کرتا رہے گا"

"تم ملتی رہتی ہو اس سے"

"ہاں...... آج جاؤں گی...... دو چار دن سے ہم ملے نہیں...... وہ پنڈی گیا ہوا تھا"۔

"سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا...... یہ لڑکے بڑے فریبی ہوتے ہیں"۔

"تمہیں لگتا ہے کوئی تلخ تجربہ ہو چکا ہے"۔

"خدا نہ کرے"

"کوئی ہے تمہارا بھی طلب گار"۔

"یہ میرے پیرنٹس کو پتہ ہو گا"۔

"آئے ہائے...... ارینج میرج کرو گی"۔

"خیال تو ایسا ہی ہے...... کوئی پسند آ بھی گیا...... تو ممی کو اعتماد میں ضرور لوں گی...... نوری تم نے کاظم کے متعلق اپنی ممی کو بتایا ہے"۔

نوری نے نفی میں سر ہلایا...... "ابھی نہیں"

"بتا دو بے وقوف...... رشتہ کرنے سے پہلے چھان بین تو وہ ہی کریں گے نا"۔

"ہنوز دلی دور است" نوری بیڈ سے اتر کر کھڑے ہوتے ہوئے بولی...... "کاظم نے امریکہ جانا ہے وہاں نوکری ملے گی...... تو واپس آ کر شادی کرے گا...... میں بھی تب تک

اسے کر لوں گی"۔

"نوری ہوشیار رہنا...... امریکہ جا کر وہ غائب ہی نہ ہو جائے"۔

"پاگل لڑکی...... تم کیا جانو محبت کیا ہوتی ہے...... بندہ جان سے گزر سکتا ہے...... محبت کی راہ سے نہیں ہٹ سکتا"۔

"تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے"۔

"ہاں"

"اس نے اپنے ماں باپ کو بتایا ہوا ہے تمہارے متعلق"

"پتہ نہیں"

"ہمارے ہاں کتنے ماڈ سکاڈ بھی ہو جائیں...... محبت کی شادی بھی ہو...... تب بھی والدین کو اعتماد میں لینا پڑتا ہے"۔

"اچھا اماں بی......" نوری نے ہنس کر کہا...... پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر بولی...... "اٹھو مجھے اپنا کوئی خوبصورت سا ڈریس دو"۔

"کیوں؟"

"تو کیا اس یونیفارم میں جاؤں گی کاظم سے ملنے"۔

"اسے ملنے جا رہی ہو...... واقعی؟"

"ہاں...... ہاں...... ہاں...... جلدی کرو...... میں منہ ہاتھ دھو لوں...... تم مجھے کپڑے نکال دو...... پھر مجھے چھوڑ بھی آنا"۔

"کہاں؟"

نوری نے کاظم سے جہاں ملنا تھا...... جگہ بتا دی۔

"اب اٹھو بھی نکالو کوئی فسٹ کلاس ڈریس" نوری نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہنی پھر لانبی پڑ گئی...... بولی...... "بھئی وارڈ روب کھولو...... سب کپڑے اسی میں ہیں...... جو پسند ہو نکال لو"۔

"ٹھیک" نوری ڈریسنگ روم کی طرف بڑھی...... ہنی کی لمبی سی وارڈ روب وہیں تھی...... ہنی لیٹے لیٹے سوچنے لگی...... کاظم کے ساتھ نوری کا افیئر چل رہا تھا...... یہ تو اسے پتہ

تھا لیکن اتنا نہ جانتی تھی کہ اس راہ پر وہ ماں باپ کی رضامندی کے بغیر اندھا دھند بھاگے جا رہی ہے...... وہ خود خاصی روشن خیال فیشن ایبل اور امیر گھرانے کی لڑکی تھی...... پابندی بھی اس پر عائد نہ تھی...... خاندان میں کئی جوان لڑکے تھے...... ممی ڈیڈی دوستوں کے بھی ہینڈسم اور سمارٹ بیٹے تھے...... کئی کے متعلق اس کی اچھی رائے بھی تھی لیکن

ابھی تک اس نے کسی لڑکے سے اکیلے ملنے کی جرات نہ کی تھی...... اسی لئے اسے ا پر کافی تعجب ہو رہا تھا...... اس نے اپنی ممی تک کو بھی کاظم کا نہیں بتایا ہوا تھا...... حالانکہ سے بہترین دوست تو کوئی ہوتا ہی نہیں۔

وہ حیران ہو ہو کر سوچے جا رہی تھی۔

اور

نوری ڈریسنگ روم میں بیج اور براؤن کلر کا خوبصورت ڈریس زیب تن کئے اپنے کو آئینے میں دیکھ دیکھ خود پر فدا ہوئی جا رہی تھی۔

کاظم اس کے لئے کیا تھا...... وہ خود بھی نہ جانتی تھی...... آیا وہ اس کی محبت میں گر ہے؟ یا اسے اپنے حسن سے مرعوب کر کے خوش ہوتی ہے؟

یہ بات اس پر روشن اور واضح تھی کہ کاظم ہینڈسم امیرزادہ ہے...... اس کے پا تین بڑے بڑے برینڈوں کی گاڑیاں ہیں...... اس کا مستقبل امریکہ سے وابستہ ہے...... انجینئرنگ میں ماسٹرز کر چکا ہے...... اس کی نظر میں یہ ساری خوبیاں جس نوجوان تھیں...... وہی اس کا پسندیدہ تھا۔

تیار ہو کر وہ ہنی کے کمرے میں آگئی...... "اٹھو بھئی مجھے دیر ہو رہی ہے...... سے مل کر میں نے گھر بھی جانا ہے"۔

ہنی اٹھ بیٹھی...... اس نے نوری کو دیکھا...... یہ ڈریس اس پر کس قدر سج رہا تھا...... سے میک اپ نے اس کے حسن میں چار چاند لگا دیے تھے۔

نوری اس کی نظروں کی پرواہ کئے بغیر اپنا یونیفارم نیلے بیگ میں ٹھونس رہی تھی۔

ہنی نے اٹھتے ہوئے نوری سے کہا...... "نوری تو انہی کپڑوں میں گم جائے گی؟"

"تو اور کیا پھر سے یونیفارم پہن لوں گی"۔

"تمہارے گھر والے پوچھیں گے نہیں...... کہ"۔

"کہ یہ کپڑے کہاں سے لئے؟"

"نہیں...... یہ کہ ایسے کپڑے پہن کر تم کہاں سے آ رہی ہو"۔

نوری جو بہانے بنانے کہانیاں گھڑنے میں ماہر ہو چکی تھی...... کھلکھلا کر ہنس پڑی...... اور بولی ...... "کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوگا کہ ہنی کے ہاں دعوت تھی...... اس نے اپنے کپڑے مجھے پہننے کو دے دیئے...... بہت مہمان جو آ رہے تھے"۔

"ہائے نوری...... تو اپنی ممی سے بھی جھوٹ بولتی ہے"۔

"سب چلتا ہے......" وہ بیگ اٹھاتے ہوئے مسکرائی...... "چلو تم مجھے ڈراپ کر آؤ...... میرے غم میں گھلنے کی ضرورت نہیں...... ہاں"۔

ہنی نے میز سے گاڑی کی چابی اٹھائی اور بولی...... "چلو تم...... میں ممی کو بتا آؤں......"

ہنی اندر چلی گئی اور نوری بیرونی دروازے سے نکل کر پورچ میں آگئی...... جہاں ہنی کی گاڑی کھڑی تھی۔

نوری پورچ میں ٹہلتے ہوئے کوٹھی کا سرسبز اور شاداب لان دیکھنے لگی...... مخملیں گھاس بچھی تھی...... کناروں پر رنگا رنگ کیاریوں میں موسمی پھول لہرا رہے تھے...... پھولوں سے لدی بیلیں خوبصورتی سے تراشی ہوئی بیرونی دیوار پر چڑھی تھیں...... ایک کونے میں راکری بنی تھی...... پانی ننھی سی آبشار کی صورت پتھروں اور پودوں پر گرتا بہت بھلا لگ رہا تھا...... اس کے قریب ہی دو مرمریں مجسمے پھولوں کے تھال اٹھائے لان کی خوبصورتی میں اضافے کا باعث بن رہے تھے...... ایسے سجے سجائے لان نوری کا خواب تھے...... ان خوابوں کی تعبیر کے لئے وہ اکثر مضطرب و بے چین رہتی...... وقت کی زنجیر سے وہ لمحے جلد از جلد چھین لینا چاہتی تھی...... جو اس تعبیر سے منسلک تھے...... لیکن وہ یہ بھی جانتی تھی کہ ابھی وقت کی یہ زنجیر اس کی گرفت سے دور ہے...... صبر کا دامن ہاتھوں سے نہیں چھوڑتی تھی...... اسی لئے اس بات کو جان کا روگ نہیں بنایا تھا...... وہ وقت کا انتظار کر سکتی تھی۔

ہنی نے اسے اس کی بتائی ہوئی جگہ پر چھوڑ دیا...... وہ سارا راستہ اسے سمجھاتی آئی تھی۔

"نوری کہیں دھوکہ نہ کھا جانا"۔

"لڑکوں کے چنگل میں پھنس نہ جانا"۔

"ساری باتیں اپنی ممی کو بتادو"

"کاظم اگر سنجیدہ ہے...... تو اسے کہو اپنی ممی کو تمہارے ہاں بھیجے"۔

نوری اس کی باتوں پر ہنستی رہی تھی...... ایک کان سے سنی اور دوسرے سے اڑا دی تھیں...... سنجیدگی سے ان پر غور کرنے کی اسے ضرورت تھی نہ کوئی اہمیت۔

کاظم آج اسے پھر لمبی ڈرائیو پر لے گیا...... دنیا بھر کی باتیں ہوئیں۔

"نوری" وہ لوٹتے ہوئے بولا۔

"ہوں" اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں امریکہ جا رہا ہوں"

"کب؟"

"تمہیں بتایا تو ہوا ہے"

"لیکن"

"یہی نا کہ تم میرے بغیر کیسے رہ پاؤ گی...... یہی بات سوچ سوچ کر میں پاگل ہوا جا رہا ہوں"

"ہائے کاظم مجھ سے تو یہ تین دن"

"ہاں مجھ پر بھی تین دنوں کی جدائی بھاری تھی...... لیکن کیا کروں...... مستقبل کا بھی سوچنا ہے...... میں جس کمپنی میں جاب کر رہا تھا وہاں...... انہوں ہی نے واپس بلایا ہے"۔

"واپس کب آؤ گے؟"

"کوشش تو ہوگی جلد ہی تمہیں لینے آجاؤں"

نوری کو گو یہ بات پہلے سے پتہ تھی کہ وہ امریکہ جائے گا...... نوکری کرے گا...... پھر واپس شادی کے لئے آئے گا...... لیکن آج اس کے چلے جانے کا سن کر اس کے اندر بھگدڑ سی مچ گئی۔

"نہ جاؤ کاظم" اس نے روہانسی آواز میں کہتے ہوئے سر کاظم کے کندھے سے لگا دیا۔

"پریشان نہ ہو میری جان" کاظم نے اپنے بھاری ہاتھ سے اس کا سر تھپکا...... "جانا تو تھا ہی...... میں پنڈی ویزے کے لئے ہی گیا ہوا تھا"۔

"مل گیا ویزا"۔

"ہاں میرے پاس گرین کارڈ ہے اس لئے ویزے کی کوئی پرابلم نہیں"۔

"ہائے کاظم"۔

"میری جان...... اتنی مایوسی سے مجھے نہ پکارو...... ابھی تو میرے جانے میں دو مہینے پڑے ہیں...... یہ دن ہم دونوں کو ملتے رہنا ہے...... قریب سے قریب تر ہونا ہے"۔

وہ دونوں واپس لوٹ آئے...... کھانا باہر ہی کھانا تھا...... اس لئے دونوں مطلوبہ ریسٹورنٹ میں آگئے...... نوری کی پریشانی اور اداسی دور نہ ہوئی تھی...... کاظم اسے باتیں کر کرکے تسلیاں دیتا رہا...... پھر ہنس کر بولا...... "اچھا تم کہتی ہو...... تو جانے سے پہلے منگنی کر لیتے ہیں"۔

"کیسے؟" وہ ایک دم ہی بولی...... پھر کچھ ہراساں سی ہو کر کہا...... "تمہاری ممی ہمارے...... گھر...... آئیں گی"۔

نوری کو دھچکا سا لگا...... سچا جھوٹ جو وہ اب تک بولتی آئی تھی...... کاظم کی ممی کے رشتہ لے کر آنے سے تو اس کا پول کھل جائے گا۔

لیکن!!!

وہ کنفیوز سی ہو گئی...... شادی کے راستے میں بیچ کے مرحلے بھی آتے ہیں...... یہ تو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

دونوں ٹیبل پر آمنے سامنے بیٹھے تھے...... کاظم نے کھانے کا آرڈر دے دیا تھا...... اب وہ نوری کی بدلتی حالتوں کا جائزہ لے رہا تھا۔

وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا...... "میں نے ناحق تمہیں ابھی سے بتا دیا...... جانے سے ہفتہ بھر پہلے بتانا چاہئے تھا...... تمہاری اداس اور پریشان صورت مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی"۔

کاظم نے اپنا ہاتھ نوری کے ہاتھ پر رکھ دیا...... جو برف کی طرح ٹھنڈا تھا...... نوری اس کے جانے سے زیادہ اس بات سے پریشان تھی کہ اگر اس کی ممی رشتہ لے کر آگئیں تو سارا

بھانڈہ پھوٹ جائے گا..... اس کی کس قدر کرکری ہوگی؟ اس کی مالی حیثیت کے متعلق جا
لینے کے بعد وہ یہ رشتہ کرنا پسند کریں گی؟

کتنی بے عزتی ہوگی!

پھر

اس نے سوچنے کے لئے کچھ مہلت چاہی..... رشتہ بھلے نہ ہو..... لیکن یہ بے عزتی ن
ہونی چاہئے۔

"جانم..... چھوڑو ان جھنجھٹوں کو..... ابھی بھول جاؤ کہ میں چلا جاؤں گا..... جو
گزرے اس سے زندگی کی شادمانیاں نچوڑنی چاہئیں..... ہوں..... " وہ ہنسا "تم بھی ہنسو ڈارلنگ
کتنی پیاری لگ رہی ہو اس ڈریس میں..... میں تمہارے لئے کچھ اور ڈریسز بھی خریدنا چا
ہوں..... جینز اور بلاؤز..... یاد ہے نا وعدہ پہن کر دکھاؤ گی۔

"ابھی کچھ نہ کہو کاظم..... میں بہت اپ سیٹ ہوں"۔

"اچھا مادام..... جو حکم..... چلو کھانے کا تو موڈ بناؤ تمہاری پسند کی چیزیں منگا
ہیں....." اس نے پھر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا..... نوری کے جذبات پر جمود
تھا..... ہاتھ کے لمس سے اس کے اندر کوئی ہلچل نہ ہوئی۔

☆☆☆

عزیز احمد میز پر جھکے فائلوں میں سے ایک فائل نکال کر خانہ پری کر رہے تھے۔

ڈیڑھ بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے..... یہ فائل ہٹا کر انہوں نے باس کو پیش کرنا تھی.....
وہ اپنا کام پوری ایمانداری اور دیانتداری سے کرنے کے عادی تھے..... دو بجے یہاں سے چھٹی
کرنے کے بعد وہ ایک دوسری جگہ تین چار گھنٹے فاضل کام کرتے تھے۔

لیکن

آج

صبح ہی سے طبیعت خراب ہو رہی تھی..... پیٹ میں درد معمولی تھی..... لیکن ہو رہی
تھی..... وہ دو دفعہ چائے منگوا کر پی چکے تھے..... درد کے لئے گولی بھی لی تھی..... لیکن بے کلی
سی ہو رہی تھی..... سکون نہیں ملا تھا۔

وہ اپنا کام ختم کر کے آج پچھلے پہر کی چھٹی کرنے کا ارادہ تھا..... وہ گھر جانا چاہتے تھے
تاکہ آرام کر سکیں۔

لیکن

کام ختم کر کے وہ کرسی سے اٹھے ہی تھے کہ اف کر کے پھر کرسی میں گر گئے..... پیٹ
میں ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں..... دائیں ہاتھ بیٹھے دونوں کلرک لپک کر ان کی طرف آئے۔

"عزیز صاحب"

"عزیز صاحب"

انہوں نے ان کا کندھا ہلایا۔

"کیا ہوا؟"

وہ پیٹ پکڑے کرسی پر ہی دوہرے ہو رہے تھے...... ہاتھوں میں ٹھنڈے پسینے آ رہے
تھے...... پیشانی بھی نم ہو گئی تھی...... بہت ضبط کرنے کے باوجود بھی منہ سے ہائے اور اف
کی صدائیں نکل رہی تھیں۔

"انہیں تو پیٹ میں زیادہ ہی تکلیف ہے" ایک کلرک نے دوسرے ساتھی سے کہا۔

"ہاں...... تکلیف تو پرانی ہے انہیں...... لیکن آج کچھ زیادہ ہی ہے" دوسرا بولا۔

"کیا کیا جائے"

"باس کو اطلاع دیتے ہیں"۔

"ہاں ڈاکٹر کو دکھانا چاہئے"۔

"تم انہیں دیکھو...... میں سر کو بتا کر آتا ہوں"۔

"ہاں جلدی کرو...... یہ تو تڑپ رہے ہیں...... بھئی جلدی جاؤ...... دیکھو تو ان
حالت کیا ہو رہی ہے"۔

وہ جلدی سے آفس کے اس کمرے سے نکل کر سر کے کمرے کی طرف بھاگا۔

کچھ ہی دیر میں

آفس کا تقریباً سارا عملہ عزیز احمد کے کمرے میں جمع ہو گیا...... سر بھی آ گئے...... پہلے
تجویز یہ پیش ہوئی کہ ڈاکٹر کو یہاں ہی بلا لیا جائے...... لیکن جب عزیز احمد کی حالت دیکھی
ضروری سمجھا گیا کہ انہیں کسی قریبی کلینک میں لے جایا جائے۔

چنانچہ باس نے اپنی گاڑی کی چابی شبیر کو دیتے ہوئے کہا...... "انہیں کسی کلینک
جلدی لے جاؤ...... ساتھ احمد اور ریحان کو لے جاؤ...... جلدی کرو...... بیچارے بہت تکلیف
میں ہیں...... وہاں داخل کروانے کی ضرورت پڑے تو کروا دینا"۔

"بہتر سر" شبیر نے چابی لیتے ہوئے کہا۔

احمد ریحان اور شبیر عزیز احمد کو سہارا دے کر گاڑی تک لے آئے...... ان سے قدم
نہ اٹھایا جا رہا تھا...... بڑی مشکل سے انہوں نے اسے پچھلی سیٹ پر لٹایا۔

شبیر نے سٹیرنگ سنبھالا...... اور دونوں ساتھیوں سے مشورہ کرنے کے بعد عزیز احمد
انوار کلینک لے گئے...... یہ ایک پرائیویٹ کلینک تھا...... مریض کی دیکھ بھال تو اچھی ہوتی

تھی...... لیکن کھال اتار لی جاتی تھی...... مجبوری تھی...... جو عزیز احمد کو یہاں لانا پڑا...... آفس
کے ڈاکٹر سے مل کر ان سے کسی سپیشلسٹ سے ریفر کروانے کا وقت ہی نہیں تھا۔

ڈاکٹر رضوان ڈیوٹی پر تھا...... وہ پیٹ کے امراض کا ماہر تھا...... اس نے عزیز احمد کو
ایڈمٹ کر لیا۔

پھر ان کا معائنہ کیا...... پچھلی ہسٹری پوچھی...... اور علاج سے پہلے کئی قسم کے ٹیسٹ
لکھ دیئے...... الٹراساؤنڈ...... ایکسرے وغیرہ بھی کروانے کو کہا...... وقتی آرام کے لئے اس
نے کچھ دوائیں البتہ دے دیں۔

"یہ سارے ٹیسٹ کہاں سے کروانا ہوں گے" شبیر نے پوچھا۔

"کلینک کی اپنی لیب ہے......" ڈاکٹر نے کہا...... "یہ پرچی نرس کو دے دو......" اس نے
ڈیوٹی پر حاضر نرس کے متعلق بتایا وہ مینیج کر لے گی"۔

عزیز احمد کو سٹریچر پر ڈال کر کمرے میں پہنچا دیا گیا...... جہاں دوائیوں کے اثر سے
انہیں کچھ سکون ملا۔

شبیر نے ان سے کہا...... "آپ کو یہاں ایڈمٹ کر لیا گیا ہے...... پانچ چھ ٹیسٹ ہوں
گے...... ایکسرے اور الٹراساؤنڈ بھی ہو گا"۔

عزیز احمد کراہتے ہوئے بولے...... "یہ تو پرائیویٹ ہسپتال ہے"۔

"ہاں جی...... کیا کریں...... آپ کی تکلیف کے پیش نظر یہاں ہی لانا پڑا" شبیر بولا۔

"اللہ مالک ہے عزیز صاحب...... میڈیکل بل" احمد نے کچھ کہنا چاہا تو شبیر بولا۔

"بعد میں دیکھا جائے گا...... یہاں میڈیکل کی سہولت ہے یا نہیں...... یار تم ان کی
حالت نہیں دیکھ رہے...... دو چار ہزار خرچ بھی ہو گئے...... تو کیا ہوا...... اب ان کو پہلے اپنے
ڈاکٹر کے پاس لے جاتے...... وہاں سے ریفر کرواتے...... اتنا وقت تھا"۔

عزیز احمد کے پیٹ میں پھر ٹیسیں اٹھنے لگی تھیں...... انہوں نے شبیر کی بات سن کر کچھ
نہیں کہا۔

"میرے گھر فون تو کر دو" عزیز احمد نے اف اف کرتے ہوئے گھر کا نمبر احمد کو دیا......

تکلیف بڑھتی جارہی تھی اوران کی برداشت سے باہر ہوتی جارہی تھی۔

نرس اورڈاکٹر کمرے میں آگئے...... تو احمد فون کرنے کلینک کے ریسپشن پر آگیا۔

زری کو عزیز احمد کے ہوسپٹل میں ایڈمٹ ہونے کی خبر ملی تو بے طرح گھبرا گئی۔

گھر میں کوئی بھی نہ تھا...... نوری کالج سے وقت پر نہ لوٹتی تھی...... ہنی کے ہاں سے بھی چھ بجے آتی...... جو کاظم سے ملنے گئی ہوتی...... یا اپنے گروپ کے ساتھ ہوتی تو رات کے آٹھ بھی بج جاتے۔

گھبراہٹ اور پریشانی میں زری کو کچھ سوجھ بوجھ ہی نہ رہا تھا...... کیا کرے کچھ سمجھ نہ پارہی تھی...... اسی گھبراہٹ میں اس نے زبیدہ کو فون کیا...... اتفاق ہی کی بات کامی گھر آیا ہوا تھا۔

ماں بیٹا بھاگم بھاگ زری کے ہاں پہنچے۔

"ہائے ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں...... مجھے تو پتہ ہی نہیں انوار کلینک کہاں ہے"

زری روہانسی ہو کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولی۔

"خالہ مجھے پتہ ہے آپ تیار ہو جائیے...... چلئے میں آپ کو لے چلتا ہوں" کامی نے کہا...... "انکل کے دفتر ہی کی طرف ہے یہ چھوٹا سا ہوسپٹل"۔

"زری ہمت سے کام لو" زبیدہ نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"اب میں نوری کو کہاں خبر کروں؟" زری اسی بے چینی سے بولی۔

"وہ...... کالج سے آنے والی ہی ہوگی' کامی نے گھڑی دیکھی۔

"اے کہاں" زری نے سر نفی میں ادھر ادھر ہلاتے ہوئے کہا" وہ تو دیر سے آئے شام کو یارات کو"۔

"کیوں؟" زبیدہ نے حیرانگی سے کہا...... کامی بھی زری کا منہ تکنے لگا۔

"آج کل اس سر پھری کو گاڑی سیکھنے کا شوق چڑھا ہوا ہے...... کسی سہیلی کے ہاں جاتی ہے...... وہ اسے گاڑی چلانا سکھاتی ہے...... اس لئے دیر سے گھر لوٹتی ہے......" زری بدحواس سی ہو رہی تھی...... کامی اس کی بات سن کر متعجب ہو کر اسے تکنے لگا...... لیکن منہ سے بولا نہیں۔

زبیدہ بولی...... "تم تو جاؤ کامی لے جاتا ہے تمہیں...... جا کے دیکھو تو سہی بھائی صاحب کیسے ہیں...... نوری کو میں دیکھ لوں گی...... گھر کی چابی مجھے دے جانا"۔

"خالہ آپ نے کھانا کھالیا" کامی بولا...... "نہیں کھایا تو کھالیں اور ساتھ اپنا اور انکل کا ایک جوڑا...... تولیہ...... رومال وغیرہ بھی رکھ لیں ہو سکتا ہے رات وہاں ہی رہنا پڑے"۔

"ہائے میں کیا کروں" زری بہت پریشان تھی۔

زبیدہ بولی...... "کوئی پلیٹ گلاس چھری چمچ بھی ساتھ لے لو...... نہ ضرورت پڑی تو واپس آجائیں گی چیزیں"۔

"ہاں خالہ......" کامی بولا "یہ کلینک یہاں سے خاصا دور ہے...... یہ ضروری ضروری چیزیں ساتھ لے ہی چلیں"۔

"نوری کا کیا کروں" زری بولی۔

زبیدہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی...... "اس کی فکر نہ کرو...... رات میں اس کے پاس رہ جاؤں گی...... بچی کو اکیلا تو نہیں چھوڑیں گے...... تم تیار ہو کر جلدی جاؤ...... پتہ نہیں بھائی صاحب کا کیا حال ہے"۔

"ہاں میں چیزیں اکٹھی کرتی ہوں" زری اندر گئی۔

"امی آپ خالہ کو کھانا بھی کھلا دیں' کامی بولا...... "میں بھی گھر سے کچھ کھا آؤں"۔

کامی گھر کی طرف گیا...... اس کے ذہن میں بے چینی تھی...... یہ بے چینی عزیز احمد کی وجہ سے نہیں تھی۔

بلکہ

نوری کی وجہ سے تھی...... جو بقول خالہ آج کل گاڑی چلانا سیکھ رہی تھی...... روز دیر سے گھر لوٹتی تھی...... کبھی شام اور کبھی رات ہو جاتی تھی۔

نوری کن راہوں پر پھسلتی چلی جارہی تھی؟ اور ماں باپ نے اسے کتنی ڈھیل دے رکھی تھی...... تعجب کے ساتھ اسے کچھ غیر محسوس سا دکھ بھی ہو رہا تھا...... وہ کئی دنوں سے نوری سے مل نہیں سکا تھا...... کام کے سلسلے میں اسے کبھی فیصل آباد اور کبھی سیالکوٹ جانا پڑتا تھا...... ان دنوں باپ بیٹا ایک بہت بڑا آرڈر نپٹانے میں مصروف تھے...... اس لئے وقت ہی نہیں ملتا تھا

نوری سے ملنے کو...... ویسے بھی اس دن جب وہ اس سے ڈیوڑھی میں ملی تھی...... اسے غلط
فہمی میں مبتلا کر گئی تھی...... وہ تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ نوری نے یہ باتیں سنجیدگی سے کہی
کی تھیں...... وہ بیک وقت دو کشتیوں میں پیر رکھنے کی کوشش کر رہی تھی...... یہ باتیں اس کے
وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔

وہ کچھ بجھ سا گیا...... گھر جا کر خود ہی سالن پلیٹ میں نکالا...... اور دستر خوان میں سے
روٹی نکال کر زہر مار کی...... فیروز کو دروازہ بند کر لینے کا کہہ کر وہ نوری کے گھر آ گیا...... زری کا
دل کھانے کو کہاں چاہ رہا تھا...... زبیدہ نے زبردستی چند لقمے کھلائے...... اس نے جو
چیز ساتھ لے جانا ضروری تھی...... پلاسٹک کی لال ٹوکری میں ڈال لی تھی۔

دروازے پر تالہ ڈال کر زری نے چابی زبیدہ کو دے دی...... "نوری کا خیال رکھنا وہ
دیکھنے کے لئے بے چینی ہو جائے گی"۔

"میں شام کو چکر لگا لوں گا خالہ...... ابھی آپ تو چلیں"۔

"چلتی ہوں...... اچھا زبیدہ دعا کرنا...... مجھے تو پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے" وہ بولی۔

"حوصلے سے کام لو...... اس طرح دل مت چھوڑو...... خدا خیر کرے گا" زبیدہ نے کہا

"خالہ آپ میرے ساتھ سکوٹر پر بیٹھ جائیں گی...... یا رکشہ لے لوں" کامی نے پوچھا

"بیٹھ جاؤں گی...... تم لے آؤ سکوٹر...... شاید وہاں بھی ضرورت پڑے" زری نے
ٹوکری پکڑتے ہوئے کہا۔

"ٹھہریں پھر...... میں سکوٹر لے آؤں"۔

دونوں کو دروازے پر چھوڑ کر وہ گھر کی جانب تیز تیز قدم اٹھاتے چلا گیا...... تھوڑی
دیر بعد سکوٹر زری کے قریب کھڑا تھا...... وہ زبیدہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے سکوٹر پر کامی کے
پیچھے بیٹھ گئی...... کامی نے ماں کو سلام کیا اور کہا...... "نوری کے آنے کا پتہ کرتی رہنا اماں
میرے خیال میں تو فیروز کو ادھر ہی بھیج دو"۔

"تم فکر نہ کرو" زبیدہ اس کی بات پر زیر لب مسکرائی...... "تم خالہ کو لے جاؤ...... فون
کر دینا کیا حال ہے بھائی صاحب کا...... نوری کو میں دیکھ لوں گی"۔

"اچھا" کامی نے کہا...... ماں کو پھر سلام کرنے کے بعد اس نے سکوٹر سٹارٹ کیا......
تیزی سے گلی سے نکل گیا۔

زبیدہ نے دونوں بیٹوں فیروز اور سلیم کو نوری کے ہاں ہی بھیج دیا...... تاکہ بند دروازہ
دیکھ کر نوری گھبرا ہی نہ جائے...... فیروز تو اپنی کتابیں لے کر اندر جا بیٹھا...... سلیم اپنے
دوستوں کو یہیں بلا لایا اور صحن میں کرکٹ میچ ہونے لگا۔

نوری آج ساڑھے پانچ ہی واپس آ گئی...... ہنی کے ہاں گئی تو ضرور لیکن آدھا گھنٹہ ہی گاڑی
چلانے کے بعد طبیعت اچاٹ سی ہو گئی۔

"بس آج اتنا ہی کافی ہے" اس نے ہنی سے کہا۔

"کیوں...... آج تو میرا ارادہ تمہیں سامنے والی سڑک پر مشق کرانے کا تھا" ہنی بولی۔

"کل سہی"

"آج کیوں نہیں"

"بس جی نہیں چاہ رہا"

"پریشان ہو؟"

"کچھ ہوں تو"

"کیوں"

"پھر بتاؤں گی...... ابھی تو مجھے گھر جانے دو"۔

"چائے آ رہی ہے...... پہلے پی لو...... پھر میں تمہیں بازار کے سرے تک چھوڑ آؤں
گی"۔

"ٹھیک ہے" نوری صوفے پر پڑ گئی۔

"نوری"

"ہوں"

"کچھ بات تو ہے چھپا رہی ہو مجھ سے"

"نہیں چھپاؤں گی کیا...... بتا دوں گی...... لیکن ابھی نہیں"۔

"تمہاری مرضی"

نوکر چائے کی ٹرے لے آیا...... دو پیالیوں میں چائے اور ایک پلیٹ میں بسکٹ رکھے

تھے..... اس نے ٹرے میز پر رکھ دی اور کمرے سے نکل گیا۔

"چائے لے لو نوری ٹھنڈی ہو جائے گی" ہنی نے پیالی اس کی طرف بڑھا دی۔

نوری نے سر اٹھایا..... پیالی پکڑی۔

اور تھینکس کہتے ہوئے دو بسکٹ بھی لے لئے..... اس نے ہنی کی طرف دیکھا..... وہ کتنی مطمئن اور پر اعتماد لڑکی تھی..... شکل و صورت واجبی سی تھی..... لیکن چہرے پر طمانیت حسن بن کر چھائی تھی..... لباس اچھا اور سلیقے سے پہنتی تھی..... سمارٹ تھی..... لیکن وہ جاذبیت اور مقناطیسی کشش صرف اس لئے رکھتی تھی..... کہ اس نے کوئی پریشانیاں جھنجھٹ اور غم نہیں پال رکھے تھے۔

نوری کو اس پر رشک آیا..... جانے کیوں پوچھ بیٹھی..... "ہنی تمہیں کوئی پریشانی نہیں؟"

ہنی ہنس پڑی..... بولی..... "یہ کیا خیال آیا تمہیں..... ویسے اللہ مجھے ہر پریشانی سے بچائے رکھے اور کوئی ایسا فعل مجھ سے سرزد نہ ہو..... جس کے لئے مجھے پشیمانی آگھیرے"۔

"خوش قسمت ہو" نوری نے چائے کا سپ لیا۔

"تمہیں کیا تکلیف ہے" ہنی بسکٹ دانتوں سے کاٹتے ہوئے بولی..... "تمہیں تو ان چیزوں کے علاوہ اللہ نے حسن کی دولت سے بھی مالا مال کیا ہے"۔

پھر اس نے شوخی سے کہا..... "تمہارے تو دیوانوں، پروانوں ہی کی گنتی نہیں..... اس دن آنٹی کوثر نے تمہیں دیکھا..... تو اپنے بیٹے کے لئے پسند کر گئیں"۔

"ہائے اللہ" نوری خوش نہیں ہوئی۔

"فکر نہ کرو میں نے انہیں کہہ دیا تھا..... کہ نوری بک ہو چکی ہے"۔

"ایویں ای"

"کیوں وہ کاظم"

"وہ جا رہا ہے امریکہ"

"اچھا..... اور تمہارے متعلق کیا سوچا اس نے"

"سوچنا اس نے نہیں میں نے ہے..... اسی لئے تو پریشان ہوں دو تین دن سے"۔

"تم نے کیا سوچنا ہے"۔

نوری چائے کی آدھی پیالی واپس میز پر رکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی..... "کسی وقت بتاؤں گی..... ابھی تو چلو مجھے ڈراپ کر آؤ..... نہیں جا سکتیں تو میں رکشہ لے لوں گی"۔

"چھوڑ آتی ہوں بھئی چائے تو پی لینے دو" وہ جلدی جلدی گھونٹ بھر کر پیالی خالی کرنے لگی۔

نوری اسی دن سے پریشان تھی جس دن کاظم نے امریکہ جانے کا بتایا تھا..... پریشانی بچھڑنے کے خیال سے نہ تھی..... اس خیال سے تھی کہ وہ جانے سے پہلے منگنی کا اصرار نہ کرے..... اس کے جھوٹے پول نہ کھل جائیں! اپنی بے عزتی اور رسوائی کے خوف نے پریشان کر رکھا تھا۔

ان دنوں وہ سخت تذبذب اور کشش و پیچ میں تھی..... ہنی، مہیلہ، رعنا وغیرہ اس کی سہیلیاں تھیں..... لیکن ان سے بھی رائے نہ لے سکتی تھی..... کامی تو تھا..... جو اس کے حالات اور تصوراتی دنیا سے آگاہ تھا۔

لیکن

اس سلسلے میں اس سے بھی کوئی مشورہ نہ لے سکتی تھی..... اس سے ڈرتی تھی..... یا اعتماد میں نہیں لینا چاہتی تھی؟ کوئی بات تھی ضرور..... جس کا خود اسے بھی شاید شعور نہ تھا۔

وہ خود ہی سوچتی اور پریشان ہوتی تھی..... کوئی فیصلہ کرتی..... تو اس میں کمزوری نظر آتی..... پھر فیصلہ توڑ دیتی..... یوں اس نے کئی مرتبہ فیصلے جوڑے اور توڑے..... لیکن کسی حتمی اور واضح نقطے پر نہ پہنچ سکی۔

اپنی بے عزتی بہر حال اسے کسی طور منظور نہ تھی..... اس نے ایک راہ اختیار کرنے کا سوچ لیا تھا..... ابھی کاظم کے جانے میں وقت تھا..... وہ اس دوران اپنا دامن ہولے ہولے سمیٹ سکتی تھی..... کاظم کو جانے سے پہلے ہی چھوڑ سکتی تھی..... اس بات کا اسے افسوس تو تھا..... لیکن دکھ نہیں تھا..... شاید کاظم کی امارت سے مرعوب ہو کر وہ اس سے اپنے آپ کو بندھا پاتی تھی..... خیالی اور تصوراتی دنیا کی منزل اسی کی ذات میں نظر آتی تھی..... اس سے دلی

ذہنی اور جذباتی ہمہ حسن شاید ہمہ حال ہی نہیں تھا۔

وہ اس فیصلے پر سنجیدگی سے سوچ رہی تھی..... لیکن حتمی نتیجہ ابھی نکال نہ پائی تھی۔

ہنی نے اسے بازار کے سرے پر اتار دیا..... جہاں سے وہ دو فرلانگ پیدل چلتی بازار کے پہلو میں اترنے والی چوڑی گلی میں آگئی..... تھوڑے ہی فاصلے پر بائیں ہاتھ اس کے گھر کو جانے والی پختہ اینٹوں کی قدرے تنگ گلی تھی..... بازار بھرا پڑا تھا..... گلی میں بھی لوگ آجا رہے تھے..... شام کے دھندلکے اترنے والے تھے..... سورج کی روشنی گل ہونے والی تھی..... پچھلے پہر اور شام کے بین بین اندھیروں ' اجالوں کا کھیل تھا..... جب وہ گھر پہنچی تھی۔

صحن میں آتے ہی سلیم اور اس کے دونوں دوستوں نے کرکٹ ختم کرتے ہوئے سلام کیا۔

"نوری آپا" سلیم جلدی سے بولا..... "ابو بیمار ہو گئے ہیں..... وہ ہسپتال میں داخل ہوئے ہیں"۔

"کیا؟" نوری کے ہاتھ سے کتابیں گرنے لگیں..... جلدی سے آگے بڑھ کر وہ پلنگ پر بیٹھ کر سلیم سے مخاطب ہوئی۔

"کون؟ ابو بیمار ہو گئے ہیں"۔

"ہاں نوری آپا" فیروز اس کی آواز سن کر کمرے سے نکل آیا..... اور ساری بات اسے تفصیل سے بتائی..... "خالہ اور کامی بھائی ان کے پاس ہیں..... آپ کے چچا حیدر اور چچی سینہ بھی وہاں پہنچ گئے ہیں"۔

نوری کا رنگ پیلا پڑ گیا..... ہاتھ پیروں سے جان ہی جیسے نکل گئی..... ابو سے اسے کتنا پیار تھا اس کا احساس اب ہوا۔

"ابو..... جی" وہ ہاتھوں پر سر گرا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

وہ رو رہی تھی..... جب سکوٹر رکنے کی آواز آئی..... خالہ کئی چیزیں ساتھ لے جانا بھول گئی تھیں..... کامی اب لینے آیا تھا۔

"نوری آپا آگئی ہیں" فیروز نے ڈیوڑھی ہی میں کامی کو بتایا..... وہ شاید امی کو بلانے گھر جا رہا تھا۔

"اچھا..... آج جلدی کیسے آگئی' کامی نے قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

فیروز بغیر کچھ کہے باہر نکل گیا۔

کامی صحن میں آیا..... تو اس کی نظر نوری پر پڑی..... وہ رو رہی تھی..... روتے روتے سر اٹھا کر کامی کو دیکھا اور فریاد کناں بولی..... "ابو؟"

کامی پلنگ کے چوبی تکئے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے بغور دیکھتے ہوئے بولا..... "ہوسپٹل میں ہیں..... تکلیف زیادہ بڑھ گئی تھی..... شاید ان کا آپریشن ہو..... کل ٹیسٹ رپورٹس ملیں گی..... تو پورا پتہ چلے گا"۔

نوری کے آنسو تیزی سے بہنے لگے..... بے اختیارانہ اس کے منہ سے کامی نکلا اور اس نے اپنا ہاتھ کامی کے ہاتھوں پر رکھ دیا۔

اس کے آنسوؤں سے کامی کی الٹی ہتھیلیاں اور انگلیوں کی پوریں بھیگنے لگیں۔

چند لمحے کامی جذباتی تلاطم سے دوچار رہا..... پھر اس نے آہستگی سے اپنے ہاتھ کھینچ لئے..... اور بولا..... "ہوسپٹل چلنا ہے تو چلو..... میں واپس وہیں جا رہا ہوں..... کچھ چیزیں خالہ نے لانے کے لئے کہا تھا اکٹھی کر لو"۔

نوری نے آنسو پونچھے..... اور اٹھ کھڑی ہوئی..... کامی نے اسے چیزیں بتائیں۔

"ابو کو کیا ہوا؟"

"کیسے ہسپتال پہنچے؟"

"گھر کیسے اطلاع ملی؟"

"امی کو کون وہاں لے گیا؟"

وہ چیزیں اکٹھی کر کے ٹوکری میں ڈالتے ہوئے کامی سے سوال کئے گئی..... وہ اس کے سوالوں کا جواب دلجمعی سے دیتا گیا۔

سب چیزیں رکھ لی گئیں..... تو کامی نے گھر بند کرنے کو کہا..... "تم گھر بند کرو..... میں امی کو بتا آؤں" وہ واپس آیا..... تو نوری دروازے پر ٹوکری پکڑے کھڑی تھی..... پریشان حال نوری کو سکوٹر پر بٹھانے کی بجائے کامی کا جی بے اختیار چاہا کہ اسے بازوؤں میں بھر کر سینے

میں چھپالے..... اسے رنج و غم سے محفوظ کرلے..... اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند لکے نہیں..... خوشیوں کی چمک دیکھنے کا وہ خواہش مند تھا۔

لیکن اس نے کسی جذباتیت کا مظاہرہ نہیں کیا..... صرف اسے دیکھتے ہوئے کچھ شاکی سے انداز میں بولا..... "نوری اگر تم کچھ دنوں کے لئے اپنی امیرانہ سرگرمیاں چھوڑ کر گھر سیدھی کالج ہی سے آجایا کرو..... تو اچھا ہوگا"۔

نوری نے سر جھکالیا.....اور آہستگی سے اس کے سکوٹر کی پچھلی سیٹ پر آبیٹھی۔

"برا نہیں منانا نوری" وہ اپنی سیٹ پر بیٹھتے ہوئے پیڈل پر پیر رکھ کر بولا۔

"میرا گاڑی چلانے کے سیکھنے کا تمہیں پتہ چل گیا ہے؟" نوری آہستگی سے بولی۔

"تم ہی مجھ سے بے خبر ہو جاتی ہو..... میں تم سے باخبر رہنے کی پوری کوشش کرتا ہوں" وہ بائیک چلاتے ہوئے بولا۔

نوری نے کوئی جواب نہ دیا..... ہاں اپنا بازو اس کی کمر کے گرد ڈال دیا..... پتہ نہیں کسی جذباتی ریلے کے تحت۔

یا

سکوٹر پر پیچھے بیٹھنے پر لگنے والے دھچکوں سے بچنے کے لئے۔

☆☆☆

وقت کا پہیہ اپنی مخصوص رفتار سے چلتا رہتا ہے.....آہستہ ہوتا ہے نہ تیز.....ایک ہی رفتار رہتی ہے..... پہاڑوں کی اونچائیاں راہ میں آجائیں یا ڈھلانیں..... گڑھے ہوں یا صاف میدان..... سمندر ہوں یا دریا' وادیاں ہوں یا گھاٹیاں..... یہ پہیہ چلتا رہتا ہے.....اپنی رفتار نہیں بدلتا.....رکتا نہیں..... ٹھہرتا نہیں بس چلے جاتا ہے..... یہ بھی اچھی بات ہے جو اس کی رفتار میں کمی بیشی نہیں آتی..... نہ ہی لمحوں کی زنجیر میں کسی اچھے برے لمحے سے ٹکرا کر رکتا ہے.....رک جائے تو یقیناً زندگی بوریت کی نظر ہو جائے..... خوشی یا غم کے لمحے بہت طویل ہو جائیں..... تو یکسانیت زندگی کا سارا حسن چھین لیتی ہے۔

شب و روز کے پندرہ چکروں کے بعد عزیز احمد ہسپتال سے گھر آگئے..... علاج تو ہوا..... افاقہ بھی..... لیکن وقت کی لپیٹ میں زری کی جمع پونجی آگئی.....اخراجات بھاری تھے.....اس کے لئے اسے اپنی کچھ جیولری بھی بیچنا پڑی..... شادی کے لمبے لمبے سے آویزے جو بڑے سے ہار کے ساتھ تھے.....وہ اس بیماری کی نظر ہو گئے.....اب یہ بڑا سا ہار ہی باقی رہ گیا تھا..... زری کا دل سوچ سوچ کر ہول جاتا..... کہ خدانخواستہ عزیز احمد پھر بیمار پڑ گئے..... تو یہ ہار بھی بیماری کی نظر ہو جائے گا..... یہ زیور اس نے نوری کے جہیز کے لئے رکھا ہوا تھا..... اور نوری دوسروں کے سامنے اسی ہار کی بنیاد پر ہی کئی کئی سیٹ زیورات کا ذکر تفاخر سے کیا کرتی تھی۔

عزیز احمد کی بڑی آنت میں زخم تھے..... وقتی علاج تو ہو گیا تھا..... لیکن پوری طرح صحت یاب نہیں ہوئے تھے..... قیمتی دوائیوں کے مسلسل کورس جاری تھے..... دفتر سے چھٹی لے لی تھی۔

زری ان کی وجہ سے فکر مند اور پریشان تھی..... اس پر مالی بوجھ..... پتہ نہ چلتا تھا.....

کیا کرے..... اس دفعہ تو کچھ مدد عزیز احمد کے بھائی حیدر نے بھی کی تھی..... زری کی ماں
بھائی بھی احوال پرسی کو آئے تو کچھ دے دلا گئے تھے..... لیکن زری کی چھٹی حس اسے ہر پل
خبر دار کرتی رہتی کہ اس سے بڑھ کر بھی کچھ ہونے والا ہے۔

بیماری کے دوران سب سے زیادہ جو زری کے کام آیا وہ کامی تھا..... جتنی دوڑ دھوپ اس
نے کی حیدر یا زری کے بھائی عظمت نے بھی نہ کی..... زبیدہ اور فاروق بھی پیش پیش تھے۔
ہسپتال کھانا زبیدہ ہی بنا کر بھیجتی تھی..... زری اور نوری کے لئے بھی کھانا اسی کے ہاں سے
آتا۔

زری رات گھر آجاتی تھی..... تو زبیدہ ماں بیٹی کے لئے کھانا ٹرے میں لگا کر بھجوا دیتی
تھی۔

اپناپن..... جو مصیبت میں کام آنے والی بات تھی..... زری اور زبیدہ میں ان حالات میں
اپنائیت اور مفاہمت زیادہ ہی بڑھ گئی تھی۔

انہی جذبوں کے سہارے زبیدہ نے فاروق سے کامی کے رشتے کی بات کی۔

اس رات سونے سے قبل وہ اپنے پلنگ میں لیٹے فاروق کی طرف منہ کر کے بولی۔

"عزیز بھائی شکر ہے گھر آگئے ہیں"۔

"ہاں" وہ تکیے پر سر اونچا کرتے ہوئے بولے..... "آتو گئے ہیں..... لیکن ان کی صحت
بحال نہیں ہوئی"۔

"ہوں..... کمزور بہت ہو گئے ہیں..... زری بیچاری بہت پریشان رہتی ہے"۔

"وہ تو قدرتی بات ہے" فاروق نے گہری سانس لی..... "ان کی مالی حالت بھی کچھ اتنی
اچھی نہیں..... رشتہ دار بھی گنے چنے ہیں"۔

"اجی چھوڑیں رشتہ داروں کو..... عزیز صاحب کا بھائی حیدر معمولی تنخواہ یافتہ ہے۔
زری کی ماں سگی ہے نہ بھائی..... ان کا تو آسرا لینے کا سوال ہی نہیں" پھر وہ چند لمحے چپ رہنے
کے بعد مسکرا کر بولی..... "کیوں نہ ہم ان کے اصلی رشتہ دار بن جائیں"۔

"دوستی رشتوں سے زیادہ قریب کر دیتی ہے"۔

"لیکن رشتہ ہونا ضروری ہے"۔

زبیدہ نے مسکرا کر کہا تو فاروق اس کی بات سمجھ کر مسکراتے ہوئے بولے..... "تو بن
جاؤ رشتہ دار نیکی اور پوچھ پوچھ"۔

"تو میں کامی کے لئے جھولی پھیلاؤں زری اور عزیز بھائی کے سامنے"۔

"بالکل..... اس رشتے کی خواہش تو میرے دل میں برسوں سے پل رہی ہے"۔

"میرے دل میں بھی یہ تمنا مدت سے ہے..... بہت پیاری بچی ہے..... اپنے کامی کے
لئے اس سے اچھی لڑکی ہمیں کہاں سے مل سکتی ہے"۔

"کامی سے بھی پوچھ لو پہلے"۔

"آئے ہائے..... کیا بات کرتے ہیں آپ..... کامی کی خواہش تو اس کی آنکھوں میں
پڑھتی رہتی ہوں میں"۔

"تو ٹھیک ہے..... پھیلا دیتے ہیں اپنا دامن..... ان کے سامنے..... یقیناً انہیں بھی کوئی
اعتراض نہ ہوگا"۔

"اعتراض؟" زبیدہ ہنس پڑی..... "وہ تو اللہ سے چاہتے ہیں کہ یہ رشتہ ہو..... کئی دفعہ
میں نے زری کو ٹٹولا ہے..... اب تو زری کامی کی اتنی احسان مند ہے کہ اٹھتے بیٹھتے اس کی
تعریفیں کرتی رہتی ہے..... جو کوئی بھی احوال پرسی کے لئے آتا ہے..... اس سے کامی ہی کی
دوڑ دھوپ کی باتیں کرتی ہے"۔

"اچھی بات ہے"۔

"کامی ماشاء اللہ..... لاکھوں میں ایک ہے..... ہمدرد مخلص پیار کرنے والا..... نوجوانی
کی کوئی بری لت نہیں خدا کے فضل سے"۔

"اپنے بچوں کی تو سبھی ماں باپ تعریف کرتے ہیں..... لیکن واقعی اپنے کامی کی جتنی
تعریف بھی کریں کم ہے..... بہت محنتی ہے..... ایمانداری سے کام کرتا ہے..... آفس کے
ملازموں سے اتنا محبت بھرا سلوک ہے اس کا..... کہ سب ہمہ وقت اس کی تعریفیں کرتے
ہیں"۔

"اللہ میرے بچے کو نظر بد سے بچائے"۔

"آمین"۔

دونوں میاں بیوی رات گئے تک ایسی ہی باتیں کرتے رہے...... دونوں نوری کو
لینے کے دل سے خواہشمند تھے...... سونے سے پہلے انہوں نے مستحکم ارادہ کر لیا
ارادے پر ہی دونوں نے خوشی کے جذبوں سے بے حال ہو کر ایک دوسرے کو مبارکباد
صبح فاروق تو حسب معمول جلدی ناشتہ کر کے آفس چلے گئے۔

"میں جلدی آجاؤں گا" وہ جانے سے پہلے زبیدہ سے مخاطب ہوئے...... "چار بجے
قریب جائیں گے عزیز بھائی کی طرف"۔

"ٹھیک ہے"۔

"کوئی مٹھائی"۔

"نہیں ابھی نہیں...... ابھی تو ہم نے صرف سوال کرنا ہے...... پھر مٹھائیاں
مٹھائیاں" وہ خوشی سے سرشار لہجے میں بولی۔

"میرا تو خیال ہے...... منہ میٹھا کرنے کے لئے مٹھائی لے جانا ضروری ہے"۔

"پھلی کہا نا ابھی نہیں...... وہ لوگ چاہے رسمی طور پر سہی...... سوچنے کے لئے
وقت تو مانگیں گے ہی"۔

فاروق نے سر ہلایا پھر بولے...... "جیسے تم مناسب سمجھو...... خیر میں آجاؤں گا
تک"۔

"اچھا جی"۔

فاروق چلے گئے...... زبیدہ باورچی خانے ہی میں بیٹھی رہی...... ابھی سلیم نے نکلا
تھا وہ اور فیروز اکٹھے ہی ناشتہ کرتے تھے...... ان کے بعد کامی تیار ہو کر اوپر سے اترتا تھا
ناشتے کی ٹرے لگا کر اسے دیتی تھی۔

اب گھر میں ملازم لڑکا ہوتا تھا...... وہ ناشتہ وغیرہ بنا سکتا تھا...... لیکن زبیدہ اپنے
سے نہ ہٹی تھی...... بچوں اور شوہر کو ناشتہ اپنے ہاتھ ہی سے کرواتی تھی...... اوپر کا سارا
ملازم کر لیتا تھا۔

کامی نیچے آیا...... وہ آفس جانے کے لئے تیار تھا...... گرے پینٹ اور گرے کلر
ساتھ اس نے سفید شرٹ پہن رکھی تھی...... جوانی بذات خود حسن ہے...... چہرے
بدن سے مسحور کر دینے والی شعاعیں از خود پھوٹتی ہیں...... معمولی خدوخال بھی پرکشش لگنے
لگتے ہیں...... کامی تو خوبصورت اور سمارٹ نوجوان تھا...... زبیدہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اس
کی بلائیں لیں۔

وہ باورچی خانے کے دروازے میں آکر کھڑا ہو گیا۔

"امی" اس نے پکارا۔

"جی میرے بچے" زبیدہ دلار سے بولی۔

"یہ جو ملازم رکھا ہے وہ کس مرض کی دوا ہے...... آپ کیوں باورچی خانے میں گھسی
رہتی ہیں"۔

زبیدہ مسکرائی اور اسے دیکھ کر بولی...... "یہ میری خوشی ہے بیٹے...... تم کیا جانو تم لوگوں
کو کھلا پلا کر مجھے کتنی خوشی ہوتی ہے"۔

"مجھے آپ کو آرام کرتے دیکھ کر خوشی ہوتی ہے امی"۔

"آرام بھی کر لوں گی" وہ کھل کر مسکرائی۔

"کب؟"

"جب اس گھر میں چاند چہرہ بہو آجائے گی"۔

وہ ہنس پڑا...... پھر بولا...... "آج کل کی بہوئیں کام وام نہیں کرتیں امی"۔

"نہ کریں...... اللہ کرے میری بہو کے لئے تم وہ دو نوکر رکھ سکو"۔

"بہو کے آرام کا اتنا خیال ہے اور اپنا؟"

"چلو بیٹھو تخت پر...... ناشتہ بناتی ہوں میں" زبیدہ نے کہا...... "آج میں بہت خوش
ہوں...... بڑے چاؤ سے ناشتہ بناؤں گی"۔

"کیوں آج کیا بات ہے اماں جان" وہ بھی ہنس کر بولا۔

"بس"

"پھر بھی"

"سن"

"جی فرمائیے"

"آج میں اور تمہارے ابو...... تمہارا رشتہ مانگنے جا رہے ہیں"۔

"کیا؟"

کامی واقعی حیران سا ہوا...... امی کو دیکھا ان کی مسکراہٹیں چھلکی جا رہی تھیں۔ سو
تو گیا...... ویسے بھی پچھلے دنوں انکل کی بیماری کی وجہ سے وہ زری اور عزیز احمد کے کافی قر
آ گیا تھا...... نوری سے بھی روز ہی ملتا تھا...... شام کو اسے سکوٹر پر بٹھا کر ہسپتال بھی لے
جاتا رہا تھا...... اب تو اس کے اندر محبت کا پودا نہیں تناور درخت تھا...... جو خوب پھل
چکا تھا...... نوری اس کی منزل تھی...... جسے اس نے چھو لیا تھا۔

ماں نے پھر مسکراہٹ اچھالی تو وہ جان بوجھ کر انجان بنتے ہوئے بولا...... "امی کیا
رہی ہیں آپ"۔

"یہی کہ تمہارا رشتہ لے جا رہے ہیں ہم"۔

"کہاں"

"چل...... بن نہیں...... جیسے جانتا نہیں"۔

"پھر بھی امی" وہ انجان ہی بنا رہا۔

"زری کے ہاں...... نوری کے لئے" ماں نے بڑے فخر سے کہا...... کامی کی آنکھوں
دیئے سے جل اٹھے...... ہونٹوں پر مسکان پھیل گئی۔

"منظور ہے نا" زبیدہ نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"جو جی چاہے کریں...... مجھے تو ابھی ناشتہ چاہئے"۔

زبیدہ انڈہ تلتے ہوئے بولی...... "عزیز بھائی پوری طرح صحت یاب نہیں ہیں......
بیچاری کا اور کون ہے...... ہم ہی رشتہ داری کا بندھن باندھ کر اس کی پوری پوری ذمہ دا
لے سکتے ہیں"۔

کامی پلٹتے ہوئے بولا...... "ابو کی کیا مرضی ہے"۔

"سو فیصد رضامند ہیں" وہ اترا کر بولی۔

"اچھا ناشتہ تو دیں......" وہ مسکراتے ہوئے تخت کی طرف بڑھا...... اس کے
خوشیوں کا ایسا پھیلاؤ تھا کہ سانس لینا جیسے مشکل ہو رہا تھا۔

کامی گھر سے نکلا تو نوری کے گھر کے سامنے وہ از خود رک گیا...... ویسے بھی انکل کو
ے جایا کرتا تھا...... آج یہ بھی خیال آیا کہ شاید نوری نے کالج جانا ہو...... اسے ساتھ لے
ے گا۔

لیکن

آج نوری نے چھٹی کی ہوئی تھی...... وہ برآمدے میں پلنگ پر بیٹھی...... سامنے ٹرے
ی ناشتہ کر رہی تھی...... چائے کی پیالی ہاتھ میں تھی اور آدھا ٹوسٹ پلیٹ میں...... کامی کا
اسے دیکھ کر بے اختیارانہ دھڑکا...... گھر کے عام سے کپڑوں میں بکھرے بالوں کے ساتھ
یک اپ کے چہرے میں وہ منفرد انداز لئے ہوئے تھی...... حسین اور من موہ لینے والی
بڑی آنکھوں میں ادھوری نیند کا خمار تھا۔

کامی نے چند لمحے اسے آنکھوں سے دل میں اتارا...... پھر سلام کیا۔

"ہے ہائے" نوری خالص انگریزی لہجے میں بولی۔

وہ چند قدم اٹھا کر اس کے قریب آتے ہوئے مسکرا کر بولا...... "السلام علیکم کا یہ جواب
ہوتا...... وعلیکم السلام ہوتا ہے"۔

"اچھا جی" وہ شوخی سے بولی۔

"ہاں جی" وہ بھی اسی کی نقل اتارتے ہوئے مسکرایا۔

"چائے پیو گے؟" نوری نے پیالی پلیٹ میں رکھی۔

"نہیں، میں ناشتہ کر کے آیا ہوں"۔

"خالہ کے ہاتھ کے تلے ہوئے خستہ خستہ پراٹھے کھائے ہوں گے"۔

"میں صرف چھٹی کے دن پراٹھے کی فرمائش کرتا ہوں...... ہاں تو انکل کیسے ہیں؟
ٹھیک ہیں...... اور تم کالج نہیں گئیں؟"۔

"توبہ توبہ اتنے سوال اکٹھے ہی داغ دیئے...... بہت جلدی میں ہو کیا"۔

"کوئی ایسی جلدی بھی نہیں...... آفس جا رہا تھا...... انکل کو دیکھنے آ گیا"۔

"وہ تو ابھی سو رہے ہیں" نوری نے اک توبہ شکن انگڑائی لی...... "رات ان کی طبیعت
تھی...... کافی دیر تک جاگتے رہے تھے...... امی نانی کے ہاں گئی ہیں"۔

"خیریت...... سویرے سویرے ہی"۔

"ہاں...... ان سے کام تھا"۔

"ویسے یار" کامی کے منہ سے بے اختیارانہ نکل گیا۔

نوری ہنس پڑی اور بولی...... "بہت بے تکلف ہو رہے ہو"۔

وہ مسکرا کر بولا...... "تمہارا تو تکیہ کلام ہی یہی تھا"۔

"اب میں محتاط رہتی ہوں"۔

"چلو آئندہ میں بھی محتاط رہوں گا...... ہاں کب تک آئیں گی"۔

"دوپہر تک شاید آجائیں...... پتہ ہے نا میری نانی کا گھر شہر کے دوسرے سرے پر ہے"۔

"میری نانی نہیں صرف نانی کہہ سکتی ہیں"۔

"ہاں...... بات تو ٹھیک ہے...... اپنی نانی تو نہیں...... سگی سوتیلی میں بڑا فرق ہے"۔

"تمہارے نانی ماموں ویسے عجیب بے مروت سے لوگ ہیں...... انکل کی بیماری کے دوران ان کی بے حسی دیکھی"۔

"ہائے کامی کیا کریں" نوری لمبی سانس کھینچ کر بولی" ہر پھر کر انہی سے کام پڑتا ہے مجبوری ہے...... حیدر چچا تو خود مدد کے قابل ہیں...... اور کوئی قریبی عزیز ہے ہی نہیں"۔

کامی نے غور سے نوری کو دیکھا...... یہ نوری کا اصلی روپ تھا...... ورنہ ہر دم امارت کی قلعہ بند تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو" نوری اسے اس طرح دیکھتے دیکھ کر بولی۔

"تمہیں دیکھ رہا ہوں" وہ بے تکلفی سے بولا۔

"کیوں میرے کیا سینگ نکل آئے ہیں" وہ اس کی نظروں سے پناہ ڈھونڈتی ہنسی۔

"یہی تو دیکھ رہا ہوں کہ اس وقت تمہارے سینگ نہیں نکلے ہوئے......" وہ ہنس پڑا۔

"یعنی میرے سینگ نکلتے ہیں؟" وہ تمسخرانہ انداز میں بولی۔

"گھر سے باہر ہوتی ہو تو" اس نے بے ساختہ کہا...... "کالج جاتی ہو...... سہیلیوں سے ملتی ہو...... اپنے گروپ کے لڑکے لڑکیوں کے درمیان ہوتی ہو...... تو تمہارے کافی لمبے لمبے سینگ نکلے ہوتے ہیں......" اس نے ہنستے ہوئے طنز کیا۔

نوری نے گھور کر اسے دیکھا تو وہ خوش دلی سے بولا...... "ایسی ہی باہر بھی رہا کرو...... تو کتنی اچھی بات ہے"۔

نوری نے کندھے اچکائے...... پھر بولی "آفس نہیں جانا؟"۔

"جا رہا ہوں...... انکل تو سو رہے ہیں"۔

"ہاں...... سحری کے وقت ہی سوئے ہیں...... ڈاکٹر کو دکھانے لے جانا ہے"۔

"کب؟ مجھے فون کر دینا...... میں گاڑی لے کر آجاؤں گا...... آرام سے چلے جائیں گے"۔

"گاڑی؟"۔

"ہاں...... ہم نے گاڑی خرید لی ہے"۔

"اچھا؟ مجھے تو پتہ ہی نہیں"۔

"فی الحال سیکنڈ ہینڈ لی ہے...... آفس کا کام بہت ہوتا ہے...... پھر سیالکوٹ، شیخوپورہ اور کبھی کبھی فیصل آباد بھی جانا پڑتا ہے...... اس لئے ابو نے خرید لی...... گھر تو گلی کی وجہ سے لا نہیں سکتے...... آفس ہی میں رکھتے ہیں"۔

نوری آنکھیں مٹکاتے ہوئے ہنس کر بولی...... "تم آہستہ آہستہ بڑے ہوتے جا رہے ہو"۔

کامی جلدی سے بولا...... "سب آہستہ آہستہ ہی بڑے ہوتے ہیں...... کوئی پیدا ہوتے ہی چھ فٹ کا تو نہیں ہوتا"۔

وہ ہنس پڑی...... پھر سنجیدگی سے بولی...... "بعض لوگ پیدا ہوتے ہی بڑے ہوتے ہیں کامی صاحب...... ان میں سے ہم تم نہیں"۔

"نہ سہی...... بقول تمہارے آہستہ آہستہ تو بڑے ہو رہے ہیں"۔

"ہاں...... تم لوگ"۔

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو...... انکل کو جب ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہو فون کر دینا...... میں آجاؤں گا"۔

"ابو اٹھ تو جائیں...... اور امی بھی آلیں"۔

"دوپہر تک تو آہی جائیں گی"۔

"کہہ کر تو یہی گئی تھیں...... نانی سے کچھ پیسے مانگنے گئی ہیں"۔

"اوہو...... انہوں نے اتنی دور جانے کا ناحق تردد کیا...... امی سے لے لیتیں"۔

وہ ردکھی سی مسکراہٹ سے بولی...... "خالہ سے لیتیں تو وہ قرض ہوتا...... قرض ادا بھی کرنا ہوتا ہے...... ماں سے لیں گی تو واپس کرنے کی ضرورت نہ ہو گی"۔

"ہمیں غیر سمجھتی ہو؟" کامی نے خوبصورت سا شکوہ کیا۔

نوری اٹھتے ہوئے بولی...... "تم تو بڑے حقیقت پسند ہو...... مجھے اور کیا چاہئے...... رشتہ دار تو ہم ہیں نہیں"۔

وہ دبلی دبلی مسکراہٹ اور شوخ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ہولے سے بولا...... "بن تو سکتے ہیں"۔

نوری پتہ نہیں سمجھی نہیں یا بات سنی ہی نہیں...... پیالی اور پلیٹ اٹھا کر باورچی خانے کی طرف جانے لگی...... تو کامی نے انکل کو ڈاکٹر کے پاس لے جانے کی پھر آفر دیتے ہوئے کہا...... "فون ضرور کر دینا"۔

"اچھا......" نوری نے گردن موڑ کر کہا...... "کر دوں گی...... اچھا ہے گاڑی میں جانا آرام سے چلے جائیں گے"۔

"خدا حافظ" کامی نے مڑتے ہوئے کہا۔

نوری باورچی خانے میں چلی گئی...... اور کامی صحن پار کرتے ہوئے باہر نکل آیا...... وہ بے حد خوش تھا۔

☆☆☆

متفرق اور متضاد سوچیں جب انسانی ذہن کا گھیراؤ کر لیں...... تو لگتا ہے انسان منجدھار میں ڈانواڈول ہے...... کبھی آس اور کبھی یاس کا دامن ہاتھ آتا ہے...... صحیح سمت قدم اٹھانے یا فیصلہ کرنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی...... ارادے باندھنے ' توڑنے اور چھوڑ دینے والی کیفیت ہوتی ہے...... دل ڈرتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے ' کہیں ویسا نہ ہو جائے۔

نوری کچھ ایسی ہی سوچوں سے دوچار تھی...... شخصیت کو دوہرا لبادہ اوڑھا کر اس نے زندگی کو سہل نہیں رہنے دیا تھا...... بلکہ پر پیچ بنا لیا تھا...... جو وہ تھی...... وہ سب کے سامنے نہیں تھی...... باہر کے لوگوں ' کالج کی لڑکیوں ' سہیلیوں اور گروپ کے دوست لڑکے اور لڑکیوں کی نظر میں وہ ایک امیر کبیر لڑکی تھی...... آزاد خیال خاندان کی ماڈرن لڑکی تھی...... اپنی قریبی سہیلیوں کو بھی اس نے جھوٹ کے الجھاؤ میں بڑی سچائی سے لپیٹ رکھا تھا...... کاظم کو بھی اسی طرح مرعوب کر رکھا تھا...... اسی حوالے سے وہ اس امیر زادے کے بہت قریب آگئی تھی...... اس سے وہ واقعی محبت کرتی تھی یا صرف قربت کی سرشاری تھی...... جنسی نزدیکیاں تھیں...... اس نے اس بارے میں کبھی سنجیدگی سے سوچا نہیں تھا...... ہاں اس کی امارت سے مرعوب تھی...... اس کے تصرف میں تین عدد گرینڈ سی گاڑیاں مقناطیسی کشش تھیں...... ہوٹلنگ کرنا...... لمبی ڈرائیو پر جانا اچھے اچھے ڈریس اس سے تحفتاً لینا...... اپنی تعریفیں سننا یہ سب اسے بڑا مرغوب تھا...... یہ خواہش شاید اس کے ساتھ ہی پیدا ہوئی تھی...... وہ جتنی بڑی ہو رہی تھی...... یہ اور ایسی ایسی بے شمار خواہشیں اس کے اندر پل رہی تھیں...... وہ گھر سے باہر ہوتی تو قطعاً بھول جاتی کہ اس کا تعلق ایک ایسے متوسط طبقے کے گھرانے سے ہے...... جس کا دامن روز بروز بڑھتی مہنگائی اور وسائل کم مسائل زیادہ کی وجہ

سے تنگ ہوتا جارہا ہے..... باپ کی بیماری محدود وسائل کے سر پر تلوار کی طرح لٹک رہی
ہے..... مسائل دن بدن بڑھتے جارہے ہیں..... ماں ہر وقت پریشان رہتی ہے..... اس کا
ختم ہو رہا ہے اور نوبت قرضوں تک آرہی ہے۔

گھر آتی تو فضا یکسر مختلف ہوتی..... تب اسے اپنے حالات کا احساس بھی ہوتا..... لیکن
اب وہ ان متضاد حالات کی اتنی عادی ہو چکی تھی کہ شاید اپنے آپ کو بدلنا اس کی ہمت سے باہر
تھا۔

شاید وہ اسی دوغلی روش کو اسی طرح اپنائے رہتی، لیکن اب اندر اور باہر کے حالات کے
ٹکراؤ کی نوبت سامنے آرہی تھی..... کاظم امریکہ جارہا تھا، جانے سے پہلے اس نے منگنی کا
بھی کر دی تھی..... اسے دھڑکا تھا کہ اب جھوٹ سچ کا پول کھلنے کی نوبت آرہی ہے..... اسے کیا
کرنا چاہئے..... وہ اپنی کسی سہیلی سے مشورہ بھی تو نہ کر سکتی تھی..... کیونکہ اصلیت سے وہ
آگاہ نہ تھیں۔

انہی دنوں جب وہ کیا کرے کیا نہ کرے کے چکروں میں تھی..... منگنی کا تو وہ سوچ بھی
نہ سکتی تھی..... کاظم کے امریکہ جانے تک ہی اس سے دوستی رکھنے کا ارادہ کر لیتی تھی۔
تک یہاں تھا ملنا ملانا چلے گا' اس نے سوچ لیا تھا..... لیکن افسوس بھی تھا..... ایک ایسا ہی امیر
زادہ تو اس کا آئیڈیل تھا..... اس کا خواب تھا..... اس کی خواہش تھا۔

متفرق اور متضاد سوچوں کے گھیراؤ میں اس کا ذہن کسی فیصلے پر رکتا ہی نہیں تھا۔
اس کے الجھاؤ بڑھتے ہی جارہے تھے..... انہیں پر پیچ سوچوں میں وہ گھری تھی کہ اس کی
دوست راشدہ نے کاظم کے متعلق کچھ انکشافات کیے..... راشدہ پہلے اس بات سے بے خبر
تھی کہ نوری کاظم کے دام فریب میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے..... جب ہنی اور مہلہ نے
اسے بتایا تو وہ پریشان ہو گئی..... کاظم اور اس کے خاندان کو وہ بہت اچھی طرح جانتی تھی۔
وہ بلاشبہ ایک بے حد امیر خاندان کا لڑکا تھا..... لیکن انتہائی قسم کا عیاش تھا..... اس نے
نہیں کئی لڑکیوں سے دوستی لگا رکھی تھی..... گرین کارڈ اس کے پاس ضرور تھا، لیکن نہ تو اس
نے انجینئرنگ مکمل کی تھی..... نہ ہی ایم ایس کیا تھا۔

"میری خالہ" راشدہ نے ہنی کو بتایا "امریکہ میں ہے..... وہ کاظم کو بہت اچھی طرح
جانتی ہے..... وہاں اس کے افیئر گوریوں سے چلتے ہیں..... یہاں آئے تو ادھر کی لڑکیوں
کو پھانس لیتا ہے..... حالانکہ اس کی منگنی اپنی چچازاد ثمرانہ سے ہو چکی ہے..... ثمرانہ سے بھی
محبت کے اظہار میں غفلت نہیں برتتا..... اسے بھی لئے پھرتا ہے..... یہ نوری اس کے دام
میں کیسے پھنس گئی..... بھئی وہ ہماری دوست ہے ہمیں اسے خبردار کرنا چاہئے"۔

ہنی نے سنجیدگی سے کہا..... "بھئی مجھے تو ویسے ہی اس کی اتنی آزادی اچھی نہیں
لگی..... اکثر اس سے ملنے جاتی ہے..... میں نے تو کئی دفعہ کہا ہے کہ وہ تم سے کہیں فلرٹ نہ
کر رہا ہو..... لیکن وہ ہنس کر بات ٹال دیتی ہے..... وہ چھپ چھپ کر اس سے ملتی ہے..... اپنی
ممی تک کو اس کے متعلق نہیں بتایا ہوا..... میں نے اسے کئی بار کہا ہے..... کہ ممی تو بیٹیوں کی
دوست ہوتی ہیں..... ان سے کچھ بھی نہیں چھپانا چاہئے"۔

"کتنی بری بات ہے" راشدہ بولی..... "بھئی میں نے تو عابد کے متعلق اپنی ممی کو سب
کچھ بتایا ہے..... عابد نے بھی اپنے ممی ڈیڈی سے میرے بارے میں بات کر لی ہے..... اب
دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے..... جو کچھ پیرنٹس کریں گے وہی ہوگا..... خیال تو ہے وہ ہماری پسند
کو بھی ضرور دیکھیں گے"۔

"بالکل..... آج کل ماں باپ پرانے زمانوں کے ماں باپ نہیں کہ جو اولاد کہے اس کے
برعکس ہی قدم اٹھائیں گے..... اکثر کیا نوے فیصد رشتے ماں باپ بچوں کی پسند ہی سے کر رہے
ہیں"۔

راشدہ نے سر نفی میں ہلاتے ہوئے کہا..... "کاظم بڑا غلط آدمی چنا نوری نے..... اس کی
شادی تو بالآخر ثمرانہ ہی سے ہوگی"۔

"نوری ہماری پکی دوست ہے..... بہتر ہے اسے ان حالات سے باخبر کر دیا جائے" ہنی
نے سوچتے ہوئے کہا..... "ویسے بھی اسے کاظم سے چوری چھپے ملنے پر روکنا چاہئے..... یا تو
اپنے ممی ڈیڈی کو اعتماد میں لے..... یا اس سے ملنا چھوڑ دے"۔

"ویسے بھی وہ امریکہ جارہا ہے..... وہاں جا کر اسے دیکھ لینا بالکل بھول جائے گا..... اگلی
دفعہ آیا تو اس کی شادی ہو جائے گی..... نوری کے ہاتھ سوائے دکھ اور رسوائی کے کچھ نہیں
آئے گا..... ابھی بھی وقت ہے ہم اسے روک سکتی ہیں"۔

"بالکل..... مہیلہ کو بھی سارا قصہ بتا دیں..... وہ نوری کو بڑی اچھی طرح ہینڈل کر[illegible] ہے"۔

"ٹھیک ہے"۔

دونوں کچھ دیر یہی باتیں کرتی رہیں..... کاظم کی جو جو سرگرمیاں راشدہ نے ہنی کو بتائیں..... وہ تو کانپ کانپ گئی۔

"ہائے کہیں یہ لوفر بندہ نوری کو لے ہی نہ ڈوبے" ہنی نے خوفزدہ ہو کر کہا۔

"اسے ڈبوئے گا..... خود کیا ڈوبنا ہے اسے" راشدہ نے کہا..... حالانکہ خود اس کا بھی [illegible] سے افیئر چل رہا تھا..... لیکن دونوں مطمئن تھے کہ وہ ایک دوسرے سے فریب نہیں کر رہے..... دونوں سنجیدہ تھے..... اسی لئے والدین کو اپنی اپنی پسند سے آگاہ کر دیا تھا۔ دونوں ملتے بھی تھے تو والدین اس سے آگاہ ہوتے تھے..... ان کے اور والدین کے درمیان بھروسے اور اعتماد کی مضبوط کڑیاں تھیں۔

دوسرے ہی دن راشدہ ہنی اور مہیلہ نے نوری کو گھیر لیا..... رعنا نے اسے وہ سب کچھ بتایا جو وہ جانتی تھی..... اور جس کی سچائی سو فیصد تھی..... نوری کو دھچکا تو لگا لیکن وہ بڑی حد تک مطمئن بھی ہو گئی۔

"وہ تم سے کبھی شادی نہیں کرے گا نوری..... " راشدہ نے کہا "اس کی منگیتر اس کی [illegible] زاد ہے..... باقاعدہ منگنی ہو چکی ہے..... پیسے کی دونوں خاندان میں کمی نہیں..... اس لئے اس کی ادھوری انجینئرنگ کی تعلیم پر بھی کسی کو اعتراض نہیں..... امریکہ آنا جانا اس کے لئے کوئی مسئلہ نہیں..... وہاں جاتا ہے تو نوکری کر لیتا ہے..... یہاں آتا ہے تو باپ کی دولت پر عیش کرتا ہے"۔

نوری پریشان ہونے کی بجائے ہنس کر بولی..... "واہ..... کیا ٹھاٹھ ہیں"۔

تینوں نے حیرانگی سے اسے دیکھا..... مہیلہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی..... "تم یہ سب مذاق سمجھتی ہو"۔

"مذاق ہی تو ہے" اس نے ہاتھ میں پکڑی کتاب اچھالی۔

"تم سے محبت کرنے میں وہ سنجیدہ نہیں ہے" راشدہ نے زور دے کر کہا۔

"نہ ہو..... میں بھی کب ہوں" وہ پھر کتاب اچھالنے لگی۔

"تو پھر اس سے ملتی کیوں ہو" ہنی نے جھنجھلا کر کہا۔

"دل لگی..... وقت گزاری" وہ بے پرواہی سے بولی۔

"ہائے ہائے..... کتنی بے باکانہ جرات ہے تم میں" ہنی پریشان سی ہو گئی۔

"تم لوگ میری فکر میں مت مرو..... اچھی بات ہے تم نے اصلیت سے مجھے آگاہ کر دیا۔ میں کاظم کے متعلق واقعی یہ سب نہ جانتی تھی..... آئندہ محتاط رہوں گی..... شکریہ" وہ تمسخر سے بولی۔

"تم اب اس سے نہیں ملو گی" مہیلہ نے تحکمانہ انداز میں کہا۔

"یہ پابندی میں قبول نہیں کرتی..... جب تک وہ یہاں ہے..... میں ضرور ملوں گی..... چلا جائے گا تو دیکھا جائے گا" اس نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

تینوں نے ایک دوسری کو دیکھا..... تو نوری کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

دراصل

وہ نہیں جانتی تھیں کہ ان کی باتوں نے نوری کے ذہن کا کتنا بوجھ جھٹک دیا تھا..... اب یقیناً کاظم منگنی نہیں کرے گا..... اس کی ممی نوری کے ہاں رشتہ لینے نہیں آئے گی اور نوری کا بھرم نہیں کھلے گا۔

رہا اس سے ملنا جلنا

تو

جب تک وہ اس امیر زادے کی دولت سے استفادہ کر سکتی تھی..... اپنی خواہشوں کی سیرابی ممکن تھی..... تب تک اس کے خیال میں اس سے ملتے جلتے رہنا؟ کیا برا تھا۔

نوری کا ذہنی خوف تو دور ہو گیا..... لیکن حقیقت یہ تھی کہ یہ خوف بے معنی تھا..... کاظم منگنی کے سلسلے میں سنجیدہ ہی کب تھا..... اس کے ہاتھ تو ایک لڑکی آئی ہوئی تھی..... جو حسن کا نمونہ تھی اور جو اس کی ذات سے بے طرح مرعوب تھی..... وہ موقعے کے انتظار میں تھا کہ اس کی قربتوں سے اپنے جذبات کی تشنگی دور کرے..... بس اور اس کا مقصد کچھ تھا ہی نہیں۔

دونوں تقریباً ایک جیسے ہی تھے ..... ایک دوسرے سے محبت نہیں کرتے
تھے ..... سنجیدہ تھے ہی نہیں ..... لیکن مظاہرہ یہی کرتے تھے ..... کہ ایک دوسرے کو دل و
جان سے چاہتے تھے ..... ایک دوسرے کے لئے مر مٹنے کے جذبے سے سرشار ہیں .....
دونوں صرف قربتوں سے مسحور تھے ..... کاظم اس کی کافر جوانی کا خریدار تھا ..... اور نوری اس
کی قوت خرید سے مرعوب تھی ..... دولت کے حصول کی دیوانی لڑکی ان باتوں کے مضمرات
سے واقف تھوڑا ہی تھی ..... ساڑھے سترہ برس کی لاابالی عمر تھی ..... اپنے آپ کو سمجھتی تو
بہت عقلمند اور دور اندیش تھی، لیکن وہ بالکل میچور نہ تھی ..... اس کی سہیلیاں بھی اس کی ہم
عمر ہی تھیں ..... لیکن اس سے کہیں زیادہ ہوشمند اور سوجھ بوجھ رکھتی تھیں۔

اسی لئے تو تینوں نے اسے صورت حال سے مطلع کر دیا تھا ..... اور قدم جہاں تک
بڑھے تھے وہیں روک کر پلٹ آنے کے لئے کہا تھا ..... نوری نے ان باتوں کو سنا ضرور تھا .....
کچھ اندر ہلچل بھی ہوئی تھی ..... لیکن پھر ایک کان سے سنا اور دوسرے سے اڑا دینے والی بات
تھی ..... ہاں اس شام وہ کاظم سے ملی تو بظاہر تو ویسی ہی تھی ..... جیسی ہمیشہ ہوتی تھی۔

لیکن

اندر سے

اس کے انداز اور تھے ..... پتہ نہیں کیوں وہ بار بار اس کا موازنہ کامی سے کر رہی تھی۔

کامی

جو

سچا اور کھرا انسان تھا ..... اس سے کسی برائی کو وابستہ کیا ہی نہ جا سکتا تھا ..... لیکن یہ
دوسری بات تھی کہ وہ ہمیشہ اسے نظر انداز کرتی رہتی تھی۔

اس کے اندر متفرق سوچوں اور متضاد خیالات کی کشمکش میں لاشعوری عنصر کامی کی
ذات بھی تھا۔

وہ ابھی اپنی سوچوں کے الجھاؤ سے نکل نہ پائی تھی کہ اس رات امی نے اک دھماکہ خیز
خبر اسے سنائی ..... نوری سمجھ نہ پائی ..... اس خبر سے اسے خوشی ہوئی ہے یا اپنے تصوراتی
محلات کے بھک سے اڑ جانے کی وجہ سے دکھ ہوا ہے۔

اس دن عزیز احمد کی طبیعت کچھ بہتر تھی ..... کھانا کھانے کے آدھ گھنٹے ہی کے بعد وہ
سکون کی نیند سو گئے تھے ..... نوری کا کل ٹیسٹ تھا ..... اس لئے کتابیں کھولے بیڈ پر ہی بیٹھی
تھی ..... لیمپ روشن تھا اور وہ دو تکیے پلنگ کے چوبی تکیے کے ساتھ لگائے رخ لیمپ کی طرف
کئے کتاب پڑھ رہی تھی ..... کمرے میں خاصی ٹھنڈک تھی۔

"نوری" زری نے کمرے میں آتے ہی ٹیوب لائٹ آن کر دی۔

"امی ..... میں پڑھ رہی ہوں ..... صبح ٹیسٹ ہے"۔

"پڑھتی رہنا" وہ مسکراتے ہوئے آکر اس کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی ..... وہ بڑی خوش نظر
آرہی تھیں ..... نوری نے کتاب بند کرتے ہوئے اس کی طرف دیکھا ..... "بہت خوش نظر
آرہی ہیں مام ..... ڈیڈی آج سکون سے سو رہے ہیں اس لئے"۔

"ہاں یہ بات بھی ہے" ماں نے پیار سے اسے دیکھا۔

"تو اس کا مطلب ہے کوئی اور بات بھی ہے؟" وہ بھی مسکرائی۔

"ہاں" ماں کا جی چاہ رہا تھا اسے لپٹا لے۔

"مام ..... کوئی انوکھی ہی بات لگتی ہے" نوری نے ماں کے چہرے پر نگاہیں ڈالیں۔

"ہوں" زری پھر ہنسی۔

"اب بتا بھی دیجئے نا ..... مجھے پورا چیپٹر یاد کرنا ہے ابھی"۔

"نوری"

"ہوں"

"آج تیری خالہ زبیدہ اور بھائی فاروق آئے تھے"۔

"وہ تو آتے ہی رہتے ہیں"۔

"آج خاص مقصد کے لئے آئے تھے"۔

"یعنی"۔

"آنا تو انہوں نے پچھلے ہفتے ہی تھا ..... لیکن تیرے ابو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی .....
آج آگئے ہیں"۔

"لو ہو امی آئے ہیں تو ایسی بڑی کیا بات ہے ..... ابو کی احوال پرسی کو وہ اکثر ہی آتے

ہیں"۔

زری نے مسکراہٹ لبوں میں دباتے ہوئے اسے دیکھا اور بولی...... "پتہ ہے آج کیا آئے تھے"۔

نوری نے سر ہلایا اور بولی...... "بتائیں گی تو پتہ چلے گا نا"۔

"تجھے مانگنے آئے تھے......" زری خوشی سے بہکتے ہوئے نوری کے گھٹنے پر ہاتھ مارتے ہوئے ہنسی۔

"کیا؟" نوری جیسے کچھ جان ہی نہ پائی۔

"کامی کا رشتہ لائے ہیں تیرے لئے...... ہائے نوری انہوں نے تو میرے اور تمہارے ابو کی دل کی بات کہہ دی"۔

"امی!"۔

"کیوں...... حیران کیوں ہو رہی ہے...... کامی تو تیرا بچپن کا ساتھی ہے...... بہت پیارا لڑکا ہے...... خوبصورت سمارٹ کماؤ لڑکا ہمیں کہاں سے ملنا تھا"۔

نوری گنگ سی ہو گئی...... زری 'زبیدہ' 'فاروق' کامی کی تعریفیں کرتی رہی...... چپ ہوئی تو نوری بولی...... "امی خوش ہونے کی کیا بات ہے...... ان لوگوں کو پتہ نہیں! ابھی پڑھ رہی ہوں...... بی اے کرنا ہے مجھے"۔

"اے ہے" زری خوش دلی سے بولی...... "تو وہ کون سا تجھے منع کریں گے...... پڑھتی رہنا جب تک شادی"۔

"امی" وہ چیخی...... کتاب پٹخ کر بولی...... "مت کریں ایسی باتیں...... نہیں کرنی شادی وادی...... اور پھر...... یہی رہ گیا ہے میرے لئے"۔

"ہائے ہائے رائمہ بی بی" زری نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا...... "اس جیسا لڑکا تو چراغ لے کر ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گا"۔

"جائیں آپ یہاں سے اٹھ جائیں...... مجھے پڑھنے دیں...... میں آپ کو کہہ رہی ہوں...... مجھے ابھی شادی کرنا ہے نہ منگنی...... جواب دے دیں ان کو"۔

"تو تو سر پھری ہے...... ہماری بے جا نرمی نے تجھے پتہ نہیں کیا بنا دیا ہے...... ہم جو

کریں گے تیرے مشورے کی ضرورت نہیں ہو گی...... سمجھیں...... دماغ ٹھکانے پہ رکھو"

زری بڑبڑ کرتی وہاں سے اٹھ گئی...... ٹیوب لائٹ بند کر کے وہ کمرے سے نکل گئی۔

نوری کا پارہ چڑھتا گیا...... اس نے بستر سے کتابیں فائل پن وغیرہ فرش پر پھینک دیئے...... لیمپ آف کیا...... اور کھسک کر بیڈ میں لیٹ گئی...... آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔

لیکن جب انسان کے اندر بیداری ہو تو آنکھیں بند کرنے سے کیا ہوتا ہے...... وہ بار بار کروٹیں بدلنے لگی...... صحیح طور پر کچھ سوچنے کی اس میں سوجھ بوجھ ہی نہ رہی تھی...... کامی نے اس کے لئے رشتہ بھجوایا تھا...... یقیناً خالہ زبیدہ اس کی مرضی بنا تو نہ آئی ہوں گی۔

کامی!

کامی سے اسے کوئی رنجش نہ تھی...... وہ اس کا بچپن کا ساتھی تھا...... دوست تھا...... اس سے وہ بہت بے تکلف بھی تھی...... اس کی ہر خوبی اور خامی کا اسے پتہ تھا...... اپنے سے زیادہ وہ اسے جانتی تھی۔

لیکن

کیا وہ اسے ناپسند کرتی تھی۔

ہرگز نہیں۔

ایسی کوئی بات نہ تھی...... وہ اس کے قریب تھی...... لیکن وہ اس سے پیار کرتی تھی یا صرف دوستی ہی کا رشتہ تھا...... جو صرف خلوص کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے...... وہ کنفیوز تھی...... دراصل اس نے اونچے اونچے خیالی محل تعمیر کر رکھے تھے...... چمکتی گاڑیاں جہازی سائز کوٹھیاں بے پناہ پیسہ اس معیار پر اترنے والا ہی اس کا ہاتھ تھام سکتا تھا...... وہ کون تھا۔

کاظم

یا

کوئی اور

بہر حال کوئی ایسا ہی تھا...... کامی اس معیار پر کہاں پورا اترتا تھا...... سیکنڈ ہینڈ سوزوکی بھی اس کے تصرف میں ابھی ابھی آئی تھی...... چھ مرلے کے پرانی طرز کے مکان میں رہتا تھا......

اسے وہ کیونکر قبول کر سکتی تھی۔

وہ ساری رات سوچوں کے بھور میں پھنسی رہی..... وہ سب کچھ دماغ سے سوچ رہی
تھی..... اپنی خواہشوں کے مطابق فیصلہ کر رہی تھی۔

لیکن

اس کا دل جانے کیوں مضطرب اور بے چین تھا..... وہ کامی کی طرف جھک رہا تھا
جسے وہ دماغی روشنی میں ٹھکرا رہی تھی۔

ساری رات کی بے چینی بے خوابی اور اضطراب کی کیفیات جن نتائج پر منتج ہوئیں وہ
تھیں کہ وہ خود کامی سے مل کر اسے آگاہ کر دے گی..... کہ وہ اس سے ایسی توقعات نہ
رکھے..... دوستی کی حد سے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں..... محبت کی وہ قائل نہیں
سب فرسودہ اور بے ہودہ باتیں تھیں اس کی نظر میں..... دل کی ساری دلیلیں وہ اس نظریہ
کے تحت کاٹ چکی تھی۔

☆☆☆

نوری نے کالج سے چھٹی کر لی..... زندگی کا وہ فیصلہ جو ماں باپ اور کامی کرنا چاہتا تھا.....
اس پر سیاہ لکیر پھیر دینی تھی..... یہ اس کے دل کا فیصلہ اب بھی نہیں تھا..... لیکن وہ دماغ کی
قائل تھی..... اسے وہ سب کچھ جو چاہئے تھا..... جس طرح کی زندگی گزارنے کی وہ
متمنی تھی..... بچپن سے جو فضا اور ماحول اس کے ذہن میں پل رہا تھا..... دولت کی چمک دمک
اور ریل پیل جس کے لئے اس نے دوہری شخصیت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

وہ

اسے کامی کہاں دے سکتا تھا۔

گو وہ مالی لحاظ سے اس سے بہت ہی بہتر تھا..... لیکن اتنا نہیں جتنا وہ چاہتی تھی..... اس
بدلے میں کامی آہستہ آہستہ ابھر ضرور رہا تھا..... لیکن جب تک وہ اس کے ساختہ معیار پر پہنچتا
نجانے کتنے سال بیت جاتے..... بڑھاپے میں تو اسے ان ساری چیزوں کی ضرورت نہ تھی۔

وہ کالج جانے کے لئے تیار نہ ہوئی تو زری نے پوچھا..... "کالج نہیں جا رہیں"۔

"نہیں" اس نے ناشتہ کرتے ہوئے سپاٹ سا جواب دیا۔

"کیوں..... تم تو کہہ رہی تھیں آج تمہارا ٹیسٹ ہے" زری نے پیالی میں چائے ڈال کر
اس کے سامنے رکھ دی..... وہ باورچی خانے ہی میں چوکی پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔

ماں کی بات پر اس نے لمبی لمبی پلکوں کو اوپر اٹھایا اور خفگی سے ماں کو دیکھ کر بولی..... "آپ
نے رات پڑھنے دیا؟"۔

"کیوں میں نے کیا کہا؟"

"اچھا..... ابھی کچھ کہا ہی نہیں"۔

"اے ہے ناراض کیوں ہو رہی ہے"۔

"اور خوش ہوؤں"۔

زری ہنس پڑی...... خود بھی چائے پی رہی تھی...... پیالی واپس پلیٹ میں رکھ کر بولی

"اچھا تو رشتے کی بات سے خفا ہے"۔

"ہونھ"

"پگلی...... ابھی تو صرف رشتے کی بات ہی ہوئی ہے...... ہم نے انہیں کوئی جواب ابھی نہیں دیا...... سوچنے کی مہلت مانگی ہے"۔

"کیوں مہلت مانگی ہے"۔

"بے وقوف...... ایسی باتوں کا تجھے کیا پتہ...... اسی طرح ہوتا ہے...... اور پھر ابھی صرف رشتہ ہی طے ہوگا...... منگنی کریں گے...... شادی کے لئے مہلت لے لیں گے منگنی بھی شاید دو چار ماہ بعد ہی ہو...... کامی تو ابھی بزنس کے سلسلے میں یورپ جا رہا ہے واپس آئے گا تو منگنی کریں گے"۔

"امی" وہ پیالی چوکی پر پٹخنے کے انداز میں رکھتے ہوئے اٹھتے ہوئے بولی "...... بڑھانے کی ضرورت نہیں ہے"۔

"اے لڑکی کیا ہوگیا ہے تجھے...... بھڑک کیوں رہی ہے" زری کو بھی غصہ آگیا بولی...... "کوئی اور پسند کر لیا ہے؟"

"کر لیا ہے یا نہیں...... لیکن یہ بتا دوں کہ کامی کو میں نے پسند نہیں کیا"۔

"نوری"

"میں خود اس سے بات کر لوں گی" وہ کچن سے نکلی تو زری بھی لپک کر پیچھے آئی کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولی...... "یہ رشتہ مجھے پسند ہے تیرے باپ کو پسند ہے شکر نہیں کرتی...... کہ باپ کی زندگی میں تو ٹھکانے لگ جائے گی"۔

نوری نے ماں کا ہاتھ کندھے سے جھٹک کر ہٹایا...... "صرف آپ لوگوں کی پسند چلے گی میں بھی کچھ ہوں"۔

وہ تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی...... زری چند لمحے وہیں ہراساں کھڑی رہی...... اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نوری کا ردعمل ایسا ہوگا...... وہ تو سمجھ رہی تھی...... نوری خوشی سے کھل اٹھے گی۔

پریشان پریشان سی وہ چند لمحے وہیں کھڑی رہی...... پھر آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی...... باورچی خانے میں آگئی...... وہ کام میں لگ گئی۔

اور

اسے

پتہ ہی نہ چلا...... کہ نوری کب کمرے سے نکلی اور کب صحن پار کر کے باہر چلی گئی۔

نوری کامی کے گھر کی طرف چل دی...... گلی میں لوگ آجا رہے تھے...... کوئی کوئی بچہ بستہ کندھے پر لٹکائے جا رہا تھا...... سکول کالج جانے والے جا چکے تھے...... کاروباری لوگ بھی گھروں سے نکل رہے تھے۔

نوری کامی کے گھر میں داخل ہوئی...... تو اندر ہی اندر دل ڈول سا گیا...... لیکن وہ ہمت کر کے آگے بڑھی...... خالہ زبیدہ صحن میں کھڑی تھی...... اس کے ہاتھ میں کوئی کپڑا تھا...... جسے تہہ کر رہی تھی۔

نوری نے اسے سلام کیا۔

زبیدہ نے پیار بھری نظر اس پر ڈالی...... نوری اس نگاہ میں پیار کی شدت کو محسوس کر کے ایک بار پھر ڈول گئی۔

لیکن

ذہن پر جو بھوت سوار تھا...... اس نے جلد ہی اسے سہارا دیا...... زبیدہ نے اس کے سلام کا بھرپور محبت سے جواب دیا۔

"خالہ کامی چلا گیا دفتر" اس نے جلدی سے کہا۔

"نہیں...... ابھی اوپر ہے اپنے کمرے میں" زبیدہ کے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں چمک آگئی۔

نوری سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی...... اس نے زبیدہ کی طرف دیکھا ہی نہیں...... وہ تو اس لمحے جوش میں تھی...... کامی سے دوٹوک بات کرنے آئی تھی۔

وہ اوپر آ گئی۔

کامی کے کمرے کے دروازے کا ایک پٹ کھلا تھا...... چھت پر آتی سردیوں کی
اور ٹھنڈی دھوپ بکھری تھی...... فضا میں ہلکی ہلکی خنکی تھی...... جو دھوپ کی تمازت
بڑھنے نہیں دے رہی تھی۔

نوری چند لمحے چھت پر کھلنے والے سیڑھیوں کے دروازے میں کھڑی رہی...
قدم ہی نہیں اٹھ رہے...... ذہن میں کیا کچھ تھا...... اس وقت یہ احساس بھی مجموع
تھا...... ہونٹ بھی خشک ہو رہے تھے...... خوف کی اک لہر ریڑھ کی ہڈی میں دوڑ رہی تھی
لیکن اس نے زیادہ وقت اس کیفیت کی نظر نہیں کیا...... جھٹکے سے قدم یوں اٹھا
جیسے زمین میں دھنس جانے والے پاؤں پوری قوت سے باہر نکال لئے ہوں...... وہ
بڑھی...... فاصلہ طے کیا اور ادھ کھلے دروازے تک پہنچ گئی...... دروازہ کھٹکھٹانے کی نوبت
آئی...... کامی خود ہی پلٹ کر دروازے کی طرف آ گیا...... نوری کو دیکھ کر آج اسے جو
ہوئی؟...... اس طرح کا احساس پہلے کبھی نہ ہوا تھا...... آج آنکھیں اسے اک نئے دائمی اور
کن ناطے اور بندھن کے رابطے سے دیکھ رہی تھیں۔

"آؤ" اس نے لودیتی مسکراہٹ سے دروازے کا دوسرا پٹ بھی کھول دیا۔

نوری کے قدم ایک بار پھر رک گئے...... پاؤں جیسے پھر زمین میں دھنس گئے۔

وہ وہیں کھڑی کی کھڑی رہ گئی...... اس کا دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔

"آ جاؤ نا دروازے میں کیوں کھڑی ہو" کامی نے قدرے پیچھے ہٹ کر اس کے
آنے کے لئے جگہ بنائی۔

وہ دم بخود سی تھی...... کامی نے پھر اندر آنے کو کہا...... تو اس نے ہمت کر کے
پیروں کو زمین سے نکالا۔

"کیسے آنا ہوا؟" کامی نے قمیض کا کالر ٹھیک کرتے ہوئے اسے ہوشربا نظروں
دیکھا۔

وہ چپ رہی...... اس کا چہرہ ہشاش بشاش نہیں تھا...... بے خوابی کا اثر
سے مترشح تھا...... بال بھی کچھ بکھرے بکھرے سے تھے...... اس نے کالج کا یونیفارم
نہیں پہنا ہوا تھا...... فیروزی اور جامنی پرنٹ کے کپڑے پہن رکھے تھے...... ململ کا پرنٹڈ
دوپٹہ کندھوں پر ڈالا ہوا تھا۔ کامی کچھ پریشان سا ہو کر بولا...... "آج کالج نہیں جا رہیں......
انکل تو ٹھیک ہیں نا"

"ٹھیک ہیں" اس نے سپاٹ لہجے میں جیسے ڈنڈہ کھینچ مارا۔

"تو...... تو پھر...... پریشان کیوں...... ہو" اس نے ہچکچاتے ہوئے پوچھا" خیریت تو ہے"

"دیکھو کامی" اس نے ہمت کر کے لہجہ مضبوط کیا...... "میں تم سے بات کرنے آئی
ہوں"۔

"بات؟" وہ حیران ہو کر اسے دیکھنے لگا...... پھر چھٹی حس نے اسے آنے والے لمحوں کی
سنگینی سے آگاہ کر دیا...... آہستگی سے کرسی کا رخ اس کی طرف موڑتے ہوئے بولا...... "بیٹھو" وہ
کھڑی رہی۔

تو

وہ پھیکے سے لہجے میں بولا...... "بیٹھ جاؤ...... لگتا ہے کوئی سنجیدہ ہی بات ہے...... ممکن
ہے کھڑے کھڑے ٹھیک سے کچھ کہہ نہ سکو"۔

وہ کرسی پر بیٹھی تو نہیں...... ہاں اس کی پشت پکڑ کر بولی...... "کامی"۔

"ہوں" وہ ہمہ تن گوش تھا۔

"خالہ اور انکل کو تم نے ہمارے گھر بھیجا تھا" وہ قدرے تلخ لہجے میں بولی۔

"کب؟" اس نے سب کچھ ایک دم ہی سمجھ لیا...... لیکن انجان بنتے ہوئے بولا۔

"کل" نوری نے چمک کر کہا...... "ہو نہیں تم سب جانتے ہو...... نہیں جانتے تو بتاتی
ہوں...... کل وہ دونوں تمہارا رشتہ لے کر آئے تھے ہمارے ہاں"۔

کامی کے ہونٹوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی مسکراہٹ پھیل گئی...... شوخ نظروں سے
اسے دیکھ کر بولا...... "تم نے تو اتنی لمبی چوڑی تمہید باندھ کر مجھے پریشان ہی کر دیا...... وہ یقیناً
تمہارے ہاں اسی نیت سے گئے ہوں گے...... جہاں لڑکی ہو...... وہاں لڑکے والے جاتے ہی
ہیں"۔

وہ ہنس پڑا..... نوری نے گھور کر اسے دیکھا..... وہ ایک دم سنجیدہ ہو گیا..... چند لمحے
اسے دیکھتا رہا..... پھر آہستگی سے بولا..... "کیا تمہیں اچھا نہیں لگا"۔

"نہیں" وہ جھٹ سے بولی۔

"نوری" کامی کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی..... اس نے بیڈ کے تکیے کو مضبوطی
سے پکڑ لیا۔

"دیکھو کامی..... میری تمہاری دوستی ضرور ہے..... لیکن" وہ رکی۔

"لیکن کیا؟" وہ جلدی سے بولا۔

"اس دوستی کو دوستی تک ہی محدود رہنا چاہئے" وہ اب اپنے آپ کو پوری طرح اپنے
کنٹرول میں لے چکی تھی۔

"یعنی..... تم" وہ ڈوبتے سانسوں میں بولا۔

"میں تم سے شادی نہیں کروں گی..... تم نے دوستی کا غلط مطلب لیا..... میں تم سے
یہی کہنے آئی تھی..... زبیدہ خالہ اور انکل کو بھی بتا دینا"۔

کامی کا چہرہ سپید پڑ گیا..... آنکھوں کی چمک غائب ہو گئی..... ایک لمحہ کو تو اس کی آنکھوں
میں تاریکی پھیل گئی۔

"نوری" اس نے یوں کہا..... جیسے وہ اس کی بات ہی نہ سمجھا ہو "تم کیا کہہ رہی ہو"۔

"جو تم سن رہے ہو..... تم اچھی طرح جانتے ہو..... کہ شادی کے لئے میرا معیار کیا
ہے؟ میں کیا چاہتی ہوں؟ تم اس معیار پر پورے نہیں اترتے..... سمجھے"۔

وہ ہکا بکا اسے تکے جا رہا تھا..... کوئی لڑکی اتنی بے باکی سے بھی ایسی باتیں کر سکتی ہے!

وہ چند لمحے اسی کیفیت سے دوچار رہا۔

نوری نے یہ سب کچھ کہہ تو دیا تھا..... لیکن وہ کامی سے آنکھیں دوچار نہیں کر پائی
پلٹتے ہوئے بولی..... "میں نے یہی بات کرنا تھی"۔

کامی ڈوبتے دل سے بولا..... "بہت چھوٹی سی بات کرنا تھی..... اتنی لمبی چوڑی تمہید کی
ضرورت تو نہ تھی..... مجھے افسوس ہے میں اب تک غلط فہمی بلکہ خوش فہمی میں مبتلا رہا"۔

اس نے ایک گہری ٹھنڈی سانس روکنے کی کوشش کی..... اس کی آنکھیں کرب والی

سے جیسے پھٹ جانے کو تھیں۔

نوری نے بات تو بڑی جرات سے کی تھی..... لیکن کامی کی یہ حالت دیکھ کر جیسے اس کا
دم گھٹنے لگا..... اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبا لیا..... اس کا رنگ بھی متغیر ہونے لگا.....
اسے لگا اس نے کوئی بہت ہی غلط بات کہہ دی ہے..... اس کے دماغ نے دل کے خلاف الٹ
فیصلہ دے دیا ہے..... اس کا جی چاہا وہاں سے بھاگ جائے۔

لیکن

کامی اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا..... دونوں بازو چھاتی پر باندھتے ہوئے اس نے
گہری نظروں سے نوری کو دیکھا۔

"نوری" وہ گھمبیر دکھ سے بولا "تم نے..... اچھا کیا..... اپنے دل کی بات..... یوں کھل
کر کہہ دی..... کوئی تکلف نہیں برتا..... سچائی کو چھپانے کی کوشش نہیں کی..... جھوٹ
نہیں بولا"۔

"کامی" وہ جلدی سے بولی..... "مجھے جانے دو"

"نہیں" وہ مضبوط لہجے میں بولا..... "تم نے تو سچ کہہ دیا..... اب مجھے..... بھی سچ کہہ
لینے دو"۔

نوری نے اپنی خوبصورت لیکن ہراساں آنکھوں سے اسے دیکھا..... لبوں پر زبان پھیر لی
اور بولی..... "تم..... کیا کہنا چاہتے ہو"۔

"سچ" وہ بولا۔

"کہہ دو" نوری کی سانسیں تیز ہو رہی تھیں۔

"نوری..... میں کہہ دینا چاہتا ہوں..... کہ میں شروع ہی سے دوستی کی حدود پھلانگ
گیا تھا..... جب سے میں نے ہوش سنبھالا..... تمہیں اپنے آپ میں پایا..... میری تم سے دوستی
نہیں تھی..... محبت تھی..... پیار تھا..... جو میرے اندر نور بن کر پھیلا ہوا تھا..... یہ میرے
ساتھ ہی پلا بڑھا..... جوان ہوا..... تم میرے لئے کیا ہو..... تم جان نہ پاؤ گی..... اس لئے کہ
تم مجھے پسند نہیں کرتیں..... یہ انکشاف میری زندگی کو تہس نہس کر دینے والا ہے۔

لیکن

وہ چند لمحے رکا۔

نوری مبہوت سی کھڑی رہی۔

وہ بولا ..... "لیکن نوری ..... میں بکھروں گا نہیں ..... میں اپنے آپ کو سنبھالوں گا۔ کیونکہ تمہارے اس انکشاف سے نہ تو میری محبت میں کمی آئے گی ..... نہ ہی پیار ٹوٹے گا۔ تم میرے لئے وہی رہو گی جو ہمیشہ سے ہو ..... میں اندھا بہرہ بن کر تمہیں اسی طرح چاہتا رہوں گا ..... میں جس راستے پر چل رہا ہوں ..... اسی ثابت قدمی سے چلتا رہوں گا ..... نہیں بدلوں گا ..... میں جانتا ہوں تم کیا چاہتی ہو ..... تمہارا معیار کیا ہے ..... شاید اس معیار پر آنے کے لئے میں نے بزنس کا راستہ اپنایا تھا ..... میں دن رات محنت بھی تمہارے ہی لئے کر رہا تھا ..... خیر تم نے شاید کسی دوسرے راستے کا انتخاب کر لیا ہے ..... بچ کر چلنا ..... کہیں تمہارے قدم صحیح سمت اٹھنے کی بجائے غلط سمت نہ اٹھ جائیں"۔

وہ پھر رکا۔

سر جھکائے چند لمحے کھڑا رہا ..... پھر حلق میں اٹکتی آواز میں بولا ..... "میری دعا ہوگی کہ تم جہاں بھی رہو خوش رہو ..... جسے بھی چاہو جسے بھی پاؤ وہ تم پر صرف دولت ہی نچھاور نہ کرے ..... دل کی دولت سے بھی تمہیں مالا مال کر دے ..... میں ..... اپنی امی ابو سے کہہ دوں گا ..... اس بات کو یہیں ختم کر دیں ..... میں تمہاری راہ میں نہیں آؤں گا ..... میں اپنی ..... ناکام محبت کے سہارے ..... جی لوں گا نوری"۔

وہ پیچھے ہٹ گیا ..... نوری کو لگا فضا میں بین گھل گئے ہیں ..... وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکی ..... اس کا دل لہولہان ہو رہا تھا ..... پتہ نہیں کیوں اس کا جی چاہنے لگا کہ چیخ چیخ کر رو دے ..... اسے لگ رہا تھا ..... اس نے کامی کو قتل کر دیا ہے ..... مار ڈالا ہے۔

"جاؤ ..... نوری" کامی نے بن آنسوؤں کے روتے ہوئے کہا ..... اس نے آنکھیں بند کر لیں جیسے نوری کو جاتے نہ دیکھ سکتا ہو۔

نوری ایک جھٹکے سے وہاں سے ہلی پھر تیز رفتار آندھی کی طرح دروازے سے نکل کر سیڑھیوں کی طرف بھاگی ..... سیڑھیاں اتر کر وہ لپک کر ڈیوڑھی کی طرف گئی۔

اور

اسی تیز رفتاری سے اپنے گھر کی طرف دوڑی ..... وہ سیدھی اپنے کمرے میں گئی ..... بیڈ پر اوندھی گر کر اس نے منہ تکیئے میں چھپا لیا ..... تکیہ آہستہ آہستہ آنسوؤں سے بھیگنے لگا ..... اسے خود بھی پتہ نہیں چل رہا تھا ..... اسے کیا ہو رہا ہے ..... وہ ..... شاید ..... ابھی میچور نہ تھی ..... دولت کی چمک نے اس کی آنکھوں کو خیرہ کر رکھا تھا ..... زندگی کیا ہے؟

اور

اس کی اصلی قدریں کیا ہیں؟

اس کا اسے علم ہی نہ تھا ..... اسی کم فہمی کی وجہ سے اس نے ایک پیارا محبت بھرا اور پر خلوص دل توڑ دیا تھا ..... اپنی حرکت پر اب آپ ہی پشیمان ہو رہی تھی۔

ادھر

کامی چند لمحے تو بے حس و حرکت کھڑا ہی رہا ..... دماغ ماؤف سا ہو گیا تھا ..... چوٹ لگے تو اس وقت درد کا احساس اتنا شدید نہیں ہوتا ..... سوچ صرف یہیں تک ہی محدود ہوتی ہے کہ چوٹ لگی ہے۔

لیکن

جب کچھ وقت گزرتا ہے ..... چوٹ ٹھنڈی پڑنے لگتی ہے ..... تو درد کا احساس جاگ اٹھتا ہے ..... چوٹ کی نوعیت اور درد کی اذیت کا پتہ چلتا ہے ..... پھر تو بعض اوقات تکلیف برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔

کامی سے کھڑا نہ رہا گیا ..... وہ جلدی سے میز کے سامنے رکھی کرسی پر بیٹھ گیا ..... کہنیاں میز پر ٹکا کر اس نے سر ہاتھوں پر گرا لیا ..... اسے یوں لگ رہا تھا جیسے کئی منزلہ عمارت دھڑام سے اس پر آن گری ہے ..... وہ ملبے کے نیچے دب گیا ہے ..... ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو گیا ہے ..... بول سکتا ہے نہ چیخ سکتا ہے ..... کامی نہیں رہا ..... کامی کا لاشہ بن گیا ہے۔

بڑی دیر وہ ویسے ہی بیٹھا رہا۔

پھر

اس نے سر اٹھایا ..... اس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا ..... آنکھوں کے کنارے لال ہو رہے تھے ..... اتنی تھکن محسوس ہو رہی تھی کہ کرسی سے اٹھا نہ جا رہا تھا ..... میلوں دوڑتا بھاگتا

گرتا پڑتا اس جگہ آن پہنچا ہے جہاں چاروں طرف ویرانی ہی ویرانی ہے۔

یہ سب کیا ہو گیا تھا؟

کیوں ہو گیا تھا؟

اس کی امیدوں کے پھول کھلنے سے پہلے ہی کیوں مرجھا گئے تھے؟

وہ اب کیا کرے گا؟

نوری تو اس کی روح تھی۔

اس کی جان تھی۔

اس کا اپنا آپ تھی۔

اس کے ماوہ کیسے رہ پائے گا۔

اک درد کو دل میں چھپا کر بسا کر...... غم سے رشتہ جوڑ کر...... ہجر و فراق کی کیفیتوں سے گزر گزر کر کیا وہ نارمل زندگی گزار پائے گا؟؟؟

وہ جتنا سوچتا گیا اس کا دماغ اتنا ہی ماؤف ہوتا گیا۔

☆☆☆

غم یا خوشی جب اپنی انتہاؤں کے ساتھ وارد ہوتے ہیں...... تو لگتا ہے کہ ان کی شدتیں ہمیشہ ایسی ہی رہیں گی...... لیکن ایسا نہیں ہوتا...... ان کی شدتوں میں آہستہ آہستہ کمی آنا شروع ہو جاتی ہے...... جو بات برداشت کی حدوں سے نکلتی لگتی ہے...... وہ معمول پر آنے لگتی ہے...... غم کا احساس کم ہو جاتا ہے...... خوشی کے جذبوں کی کیفیت بدل جاتی ہے...... غم ہو تو وہ اندر اندھیرے کی طرح پھیل جاتا ہے...... خوشی ہو تو من میں اجالا اجالا ہوتا ہے...... ان اندھیروں اور اجالوں کی کیفیت بھی وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہے...... غم دل میں بس جاتے ہیں...... خوشی چہرے پر کھلی رہتی ہے۔

کامی نے زندگی میں پہلا شدید ترین دھچکا کھایا تھا...... اس کی دنیا لٹ گئی تھی...... اندھیر ہو گئی تھی...... نوری کسی اور مجبوری کا شکار ہوئی ہوتی...... ماں باپ نے کہیں اور زبردستی بندھن باندھ دیا ہوتا...... تو بات اور تھی...... لیکن یہاں تو اس نے بڑی بے رحمی سے اس کا دل کچل دیا تھا...... صاف دو ٹوک اور کھرا جواب دے دیا تھا...... وہ کس کس بات کا ماتم کرتا...... کس کس بات کو روتا...... کوئی گنجائش تو اس بے درد نے چھوڑی ہی نہ تھی...... گلہ کیسے کرتا کیونکر کرتا۔

ہاں

جہاں تک اس کی محبت کا تعلق تھا...... نوری کے اس طرح دامن جھٹک لینے سے کسی طور کم نہ ہوئی تھی...... بلکہ کچھ اور گھمبیر اور جاندار ہو گئی تھی...... اسے تو اب جب وہ مایوس ہو گیا تھا...... پتہ چلا تھا کہ وہ محبت کی کن گہرائیوں میں ڈوب چکا ہے...... محبت ایک الوہی جذبہ ایک آفاقی قدر ہوتی ہے...... ہجر ہو یا وصال ان جذبوں کا اپنا ہی لطف و سرور ہے......

محبوب مادی طور پر اگر نہیں ملتا لیکن وہ محبت کو مجبور بھی تو نہیں کر سکتا..... کہ وہ اس سے پیار نہ کرے..... کائی نے اپنے قدم اس راستے پر جس پر بڑی مدت سے بے فکری سے چل رہا تھا..... روک لیے..... اب اس نے اپنا الگ ہی راستہ بنا لیا تھا..... اس پر چلنے سے اسے کوئی نہیں کر سکتا تھا۔

یہ تھا۔

محبتوں کے سرشار جذبوں کا راستہ۔

نوری اس کی نہیں تھی۔

لیکن

نوری کا پیار..... نوری کی محبت تو اس کی تھی۔

گو یہ طریق اپنانا اور زندگی کا منتہائے مقصود بنا لینا آسان نہیں تھا..... پھر بھی اس نے شعوری کوششیں شروع کر دی تھیں..... اپنے بے لوث سچے اور کھرے پیار پر وہ کوئی آنچ آنے دے گا..... اس کا اس نے مصمم ارادہ کر لیا تھا..... اس کی محبت محبوب کے حصول کے مقصد سے کہیں زیادہ بلند اور ارفع ہو گئی تھی۔

کئی دن وہ پریشان ضرور رہا..... اور اس کی پریشانی والدین کی نظروں سے چھپی نہ رہ سکی۔

اس دن آفس میں وہ اپنے آپ میں گم بیٹھا تھا..... کہ ابو نے جو پچھلے چند دنوں سے اسے کھویا کھویا دیکھ رہے تھے بولے..... "کیا بات ہے بیٹا..... بڑے کھوئے کھوئے سے رہتے ہو کام سے جی تو نہیں بھر گیا..... اتنے دنوں سے کوئی پروگریس بھی تم نے نہیں دکھائی خیریت ہے؟"

"جی ابو....." وہ چونک کر بولا..... اس کی آنکھوں کی ویرانی ابو سے چھپی نہ رہ سکی اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھے..... اور پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے..... "کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں"

"تم تو یوروپ کے ٹرپ پر جانے کی تیاری کر رہے تھے..... کیا ہو گیا ہے..... جو

دنوں سے نام بھی نہیں لیا..... یہ بزنس ٹرپ"۔

"ابو جی میں ضرور جاؤں گا..... میں سیمپل اکٹھے کر رہا ہوں"۔

"اتنے بجھے دل سے؟ مجھے بتاؤ گے نہیں کیا بات ہے..... ہم نے تو تمہاری خوشی کی خاطر تمہارے جانے سے پہلے تمہارا رشتہ بھی"۔

"بس ابو" اس نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے سر جھکا لیا..... فاروق اس کی حرکت پر ٹھہر کر بولے..... "یہ کیا بات ہوئی..... نوری بیٹی سے لڑائی تو نہیں ہو گئی"۔

اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"تو؟؟....." ابو نے اس کے کندھے پر پھر ہاتھ رکھ دیا۔

"کوئی بھی بات نہیں..... بس ویسے ہی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں" وہ ہاتھوں پر سر گراتے ہوئے بولا۔

"بات تو ضرور ہے....." فاروق پھر اپنی آفس چیئر پر جا بیٹھے "رات تمہاری امی بھی یہی ذکر کر رہی تھی..... تم پریشان ہو..... اور اس پریشانی کی وجہ بھی ضرور ہے"۔

اس نے سر اٹھا کر ابو کو دیکھا..... پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا..... "میرا پروگرام آپ نے طے کر لیا؟"۔

"وہ تو طے ہی ہے..... تم کوئی دلچسپی لو..... تو تب نا"۔

"میں پوری دلچسپی لے رہا ہوں ابو..... جرمنی، ہالینڈ اور فرانس کے علاوہ انگلینڈ بھی جاؤں گا..... اور اپنی فرم کے لئے اتنی بزنس لاؤں گا کہ آپ حیران رہ جائیں گے"۔

"اوہ..... ویری گڈ" فاروق خوش ہو گئے۔

اب وہ دونوں بزنس ہی کی باتیں کرنے لگے..... کائی اٹھ کر ابو کے میز کے دوسری طرف رکھی کرسی پر بیٹھ گیا..... دونوں کے سامنے فائلیں کھل گئیں..... فاروق نے گھنٹی بجائی..... ملازم آ گیا۔

"سلام سر" اس نے دونوں کو سلام کیا۔

"کافی بنا لاؤ" فاروق نے کہا۔

"جی بہتر" وہ سلام کر کے واپس چلا گیا۔

دونوں پھر سنجیدگی سے بزنس کی باتیں کرنے لگے۔۔۔۔ان کا کاروبار دن بدن بڑی تیزی
سے پھل پھول رہا تھا۔۔۔۔ فاروق بڑی خوشی سے کامی کو کام کی پروگریس سے مطلع کر رہے
تھے۔

"کراچی کی ایک بہت بڑی پارٹی سے میری بہت بڑی ڈیل ہو رہی ہے۔۔۔۔اگر یہ ہو گئی
تو جانتے ہو چھ ماہ میں ہماری فرم کو کتنا پرافٹ ملے گا"۔

کامی نے ٹھنڈی سانس روکتے ہوئے چہرے پر بشاشت لانے کی کوشش کرتے ہوئے
کہا۔

"ابو آپ کی محنت انشاء اللہ رنگ لائے گی"۔

"انشاء اللہ"۔

کامی نے مسکرا کر انہیں دیکھا اور بولا۔۔۔۔ "ایک بات کہوں ابو"۔

"تم ایک کیا ہزار بات کہہ سکتے ہو کامی بیٹے"۔

"ابو۔۔۔۔ ذرا اس آفس پر کچھ پیسہ خرچ کیجئے۔۔۔۔ کارپٹ اور فرنیچر نیا ڈلوالیں۔۔۔۔ اب
بڑی بڑی پارٹیاں اب آتی ہیں"۔

فاروق ہنس پڑے۔۔۔۔ "بیٹا۔۔۔۔ یہ سب بھی ہو جائے گا۔۔۔۔ پہلے تو میں تمہارے لئے
الگ اور نیا آفس بناؤں گا۔۔۔۔ تم یورپ سے واپس آؤ گے تو تمہارا آفس تیار ہوگا۔۔۔۔انشاء اللہ"

کامی کے اندر دکھ کی لہر اذیت دیتی ہوئی گزر گئی۔۔۔۔ یہ سب کچھ تو اسے نوری کی خوشنودی
کے لئے چاہئے تھا۔۔۔۔اب کیا تھا۔۔۔۔ وہ ابو کے ساتھ اسی آفس میں کام کر سکتا تھا۔۔۔۔ اونچا
اڑنے اور دنوں میں زیادہ سے زیادہ کمانے کی لگن تو اس کے اندر جیسے رہی ہی نہ تھی۔

پھر بھی

وہ ابو کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولا۔۔۔۔ "ابو میرے لئے ابھی نئے آفس کی کیا ضرورت
ہے یہیں کام چل رہا ہے۔۔۔۔ آپ پہلے اس آفس کی رینوویشن کریں"۔

"وہ بھی کر لیں گے" فاروق خوش نظر آرہے تھے۔۔۔۔ "دراصل میں اندرون ملک
بزنس اور امپورٹ ایکسپورٹ کو الگ الگ کرنا چاہتا ہوں۔۔۔۔ ایک شعبہ تمہارے حوالے
ہوگا۔۔۔۔دوسرا میں سنبھالوں گا"۔

ملازم کافی کی ٹرے لے کر آگیا۔۔۔۔ فاروق بولے۔۔۔۔ "چائے کی جگہ میں تو کافی پینے کا
عادی ہو گیا ہوں۔۔۔۔ جو گیسٹ یا پارٹی آتی ہے کافی ہی منگواتا ہوں"۔

"اچھی بات ہے" کامی نے ٹرے اپنے سامنے کر لی اور پھر کافی کا مگ اٹھا کر ابو کو پیش
کیا۔

کافی کے سپ لیتے ہوئے فاروق کامی سے بزنس ہی کی باتیں کرتے رہے۔۔۔۔ کامی بظاہر
ان کی باتیں دلچسپی سے سن رہا تھا۔۔۔۔ لیکن پورا دھیان ان کی طرف نہیں تھا۔۔۔۔ خیالوں کی
پرواز کا رخ کسی اور ہی طرف تھا۔۔۔۔ کاش یہ خوش کن باتیں سننے کے لئے اس کے اندر بھی
سکون و اطمینان ہوتا۔

کچھ دیر بعد کامی اٹھا۔۔۔۔ "ابو۔۔۔۔ میں کچھ دیر کے لئے گھر جاؤں"۔

"کام کوئی نہیں ہے تو ضرور جاؤ"۔

"کام ہی سے جا رہا ہوں ابو۔۔۔۔ دستانوں کی فروالی جوڑی گھر پر رکھی ہے۔۔۔۔ وہ لا کر
ڈیزائنر کو دینی ہے"۔

"پھر تو ضرور جاؤ۔۔۔۔ تمہارے جانے سے پہلے یہ سیمپل تیار ہو جانا چاہئے"۔

"ابھی تو دو تین ہفتے ہیں جانے میں۔۔۔۔ تیار ہو جائیں گے"۔

کامی سلام کر کے باہر جانے لگا۔۔۔۔ دروازہ کھولنے سے پہلے ہی ابو نے کہا۔۔۔۔ "سنو"۔

"جی۔۔۔۔" وہ پٹ پکڑے پکڑے ان کی طرف دیکھنے لگا۔

"اس طرح پریشان حال رہنا چھوڑ دو" وہ مسکرا کر بولے۔۔۔۔ "لڑائی ہو گئی ہے تو جا کر
صلح کر لو"۔

کامی بغیر کچھ کہے آفس کا دروازہ کھول کر باہر آگیا۔۔۔۔ کچھ لمحے وہ دوسرے کمرے میں
بیٹھے دونوں کلرکوں اور ایجنٹوں کے پاس ٹھہرا۔۔۔۔ احوال پرسی کی۔۔۔۔ کام کا پوچھا۔۔۔۔ پھر باہر
نکل گیا۔

وہ اپنی بائیک لے کر گھر کی طرف چل دیا۔۔۔۔ اکثر کھانا کھانے وہ گھر آجاتا تھا۔۔۔۔ آج
دستانے بھی لانے تھے۔۔۔۔ کچھ دیر وہ اپنا کمرہ بند کر کے لیٹنا بھی چاہتا تھا۔۔۔۔ طبیعت بے حد
بوجھل ہو رہی تھی۔۔۔۔ ابو نے بھی اس کی اداسی محسوس کر لی تھی۔۔۔۔ یقیناً امی نے بھی۔۔۔۔ وہ ان

دونوں کو اپنے دکھ سے آگاہ ہونے نہیں دینا چاہتا تھا۔۔۔۔ اسی لئے دلجمعی سے سوچنا چاہتا تھا
اگر امی بھی پوچھنے پر مصر ہوں۔۔۔۔ تو اسے کیا بہانہ بنانا چاہئے۔

وہ

گھر آیا

بائیک ڈیوڑھی ہی میں کھڑی کر کے اندر آ گیا۔

صحن میں

امی تخت پر بیٹھی تھیں۔۔۔۔ اس کے پاس نوری کی امی بیٹھی تھیں۔۔۔۔ دونوں با[…] کر رہی تھیں۔۔۔۔ ان کے چہرے کسی طور خوشگواری کا تاثر نہ دے رہے تھے۔۔۔۔ دونوں […] کسی سنگین مسئلے پر بات کر رہی تھیں۔

اس نے آگے بڑھ کر دونوں کو سلام کیا۔

"کیسے ہو کامی بیٹے" زری نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے محبت سے پوچھا

"ٹھیک ہوں" اس نے بشاش لہجہ بنانے کی کوشش کی۔

"ٹھیک خاک ہو" زبیدہ نے پریشانی سے بیٹے کو دیکھا۔۔۔۔ "میں تمہیں پریشان دیکھ[…] ہوں۔۔۔۔ رات تمہارے ابو سے بھی ذکر کیا تھا۔۔۔۔ اتنی بڑی بات ہو گئی اور تم نے مجھے بتا[…] نہیں"۔

وہ بات سمجھتے ہوئے روکھی پھیکی ہنسی لبوں پر لاتے ہوئے انجان لہجے میں بولا۔۔۔۔ "ک[…] سی بات؟"

"نوری نے تمہیں جواب دے دیا۔۔۔۔ رشتہ" زبیدہ کے لہجے میں غصہ بھی تھا۔

اس نے ماں کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر ٹھوڑی ان کے […] پر ٹکاتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "آپ سے کس نے کہا"۔

"میں نے۔۔۔۔" زری نے زبیدہ کی جگہ جواب دیا۔

"ہوں" وہ سیدھا کھڑا ہو کر بولا۔۔۔۔ پھر بات بدلنے کی غرض سے بولا۔۔۔۔ "[…] کھانا کھاؤں گا۔۔۔۔ کچھ تیار ہے۔۔۔۔ مجھے واپس بھی جانا ہے"۔

"ادھر بیٹھو تو سہی" ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر تخت پر بٹھاتے ہوئے کہا۔۔۔۔ وہ […]

زری کے درمیان بیٹھ گیا۔

زری کو آئے کافی دیر ہو چکی تھی۔۔۔۔ اسے نوری نے خود ہی بتا دیا تھا کہ وہ کامی کو جواب دے آئی ہے۔

دو تین دن تو نوری خود بھی پریشان رہی تھی۔۔۔۔ راتوں کو روتی بھی تھی۔۔۔۔ کالج سے چھٹی بھی کر لی تھی۔۔۔۔ کامی سے بچھڑنے کے دکھ نے اسے ذہنی اذیت بھی دی تھی۔۔۔۔ لیکن پھر اس نے ذہن سے سب پریشانیاں جھٹک دی تھیں۔۔۔۔ اس کے سامنے صرف شادی ہی کا راستہ نہیں تھا۔۔۔۔ ابھی تو اس نے دوستیاں اور محبتیں نبھانی تھیں۔۔۔۔ یہ دنیا صرف انہی رشتوں سے اسے حسین لگتی تھی۔۔۔۔ وہ اپنے آپ کو صرف کامی کا پابند بنا کر نہیں رکھ سکتی تھی۔

کامی

جو

اسے اچھا بے شک لگتا تھا۔

لیکن

اس کے اونچے معیار پر پورا نہیں اترتا تھا۔

کاظم کی طرح نہ تو وہ اسے بڑی بڑی چمک دار گاڑیوں میں گھما سکتا تھا۔۔۔۔ نہ ہی قیمتی ڈریسز خرید کر دے سکتا تھا۔۔۔۔ ہر چند کہ وہ کاظم کے متعلق بہت کچھ جان گئی تھی۔۔۔۔ پھر بھی جب تک اس کے ساتھ اچھا وقت گزر سکتا تھا۔۔۔۔ گزارنے میں وہ کوئی حرج نہ سمجھتی تھی۔

کاظم چلا بھی گیا۔۔۔۔ تو اس کے اور دوست بھی تھے۔۔۔۔ سعود ان میں سرفہرست تھا۔۔۔۔ وہ ان کے گروپ کا ممبر تھا۔۔۔۔ دولت مند باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔۔۔۔ سمارٹ اور خوبرو بھی تھا۔۔۔۔ ڈانس بہت اچھا کرتا تھا۔۔۔۔ گٹار بھی بجاتا تھا۔۔۔۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ نوری کی زلفوں کے لئے مرتا تھا۔۔۔۔ نوری کاظم کے چکروں میں اسے نظرانداز کر رہی تھی۔۔۔۔ لیکن یہ بھی سوچ رکھا تھا۔۔۔۔ اگر کاظم چلا گیا۔۔۔۔ تو وہ سعود سے دوستی بڑھا لے گی۔۔۔۔ نادان لڑکی شاید ابھی محبت کے مفہوم سے آشنا ہی نہ تھی۔۔۔۔ جذباتی آسودگی کا بھی پتہ نہ تھا۔۔۔۔ اسے تو صرف فن اور صرف دولت کی چمک مرعوب کرتی تھی۔

نوری نے امی کو بھی بتا دیا۔

زری کو اس کی باتوں سے سخت دھچکا لگا۔

"تو کیا کہہ رہی ہے" اس نے پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

"جو آپ نے سنا ممی" وہ لاپرواہی سے بولی۔

"تیرا دماغ تو ٹھیک ہے"۔

"بالکل..... ہوش و حواس میں میں نے کاشی کو جواب دیا ہے..... آپ سے پہلے بھی کہہ دیا تھا..... لیکن آپ نے میری بات سنی ہی نہیں..... میں اس سے شادی نہیں کر سکتی ممی۔ نہیں کر سکتی"۔

"تیرے لئے آسمانوں سے کوئی شہزادہ اترے گا نا"۔

وہ ہنس کر بولی..... "ضرور اترے گا..... فکر نہ کریں"۔

ماں نے سرزنش کی..... "ہواؤں میں اڑنا چھوڑ دے"۔

"کیوں"

"منہ کے بل گرے گی"۔

وہ ماں کی بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

ماں بیٹی میں بڑی دیر بحث و تکرار ہوتی رہی..... ماں نے پیار سے بھی سمجھایا..... غصے سے بھی ڈانٹا..... برا بھلا بھی کہا..... اپنی حیثیت اور گھریلو حالات کا احساس دلانے کی کوشش کی..... باپ کی بیماری کا بھی کہا۔

لیکن

وہ بھلا کہاں ماننے والی تھی..... اپنی بات پر اڑی رہی۔

زری پریشان ہو گئی..... سمجھ نہ پا رہی تھی کہ اس بے لگام لڑکی کا کیا کرے..... اسے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا..... جو نوری کو شروع ہی سے اپنے حالات سے متضاد راہ پر چلنے کی چھوٹ دی تھی..... اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگائی تھی..... اپنی مجبوریوں کا احساس نہیں دلایا تھا..... اسے اپنے ماحول سے مطابقت کرنے کی تعلیم نہیں دی تھی۔

زری سمجھ نہ پائی کہ کیا کرے..... عزیز احمد کو ساری بات بھی بتا نہیں سکتی تھی۔

کی طبیعت تو آئے دن خراب رہتی تھی..... نوری اور کاشی کے رشتے کی بات سے وہ جتنے خوش ہوئے تھے زری کو علم تھا..... لگتا تھا ان کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہے..... بیماری نے جو مایوسی ان کے اندر پھیلا رکھی تھی..... لگتا تھا وہ بھی دور ہو گئی ہے..... طوفانوں میں کشتی اگر کنارے آ لگے تو خوشی اور طمانیت ہی کی بات ہوتی ہے نا۔

اب نوری نے ہٹ دھرمی اور اکھڑ پنے میں ماں سے بحث و تکرار کی تھی..... اس کے لہجے میں کوئی لچک نہ تھی..... ضد سے ہر بات منوانے کی عادی لڑکی ماں سے اب بھی اپنی بات منوانے پر تلی تھی۔

زری نے یہی سوچا کہ اس سلسلے میں زبیدہ سے بات کرے..... اسے ساری صورت حال سے مطلع کر کے درخواست کرے کہ وہ اس ناسمجھ اور ضدی لڑکی کو پیار سے سمجھائے۔

اسی لئے وہ زبیدہ کے پاس آئی تھی..... اور بلا کم و کاست ساری روئیداد اسے کہہ سنائی تھی..... عزیز احمد اور اپنے مالی حالات کا ذکر کرتے ہوئے وہ رو بھی پڑی..... زبیدہ سے پرانی دوستی تھی..... اسے توقع تھی..... کہ وہ نوری کے رویئے کی وجہ سے اس سے اظہار ہمدردی کرے گی۔

لیکن

زبیدہ بیٹے کی ماں تھی..... خوبرو شریف پڑھے لکھے کماؤ بیٹے کی ماں..... وہ بھلا کیسے اس کل کی لڑکی کی بات سن کر تحمل سے کام لیتی..... اسے تو نوری پر غصہ آ گیا..... چہرہ تمتما اٹھا..... بڑی مشکل سے اس نے اپنے جذبات پر قابو پایا..... اور بولی..... "زری میرے بیٹے کے لئے لڑکیوں کی کمی نہیں..... تم بھی جانتی ہو آج کل ایسے لڑکے چراغ لے کر ڈھونڈیں تب بھی نہیں ملتے..... مجھے تو کئی جگہ سے پیغام مل چکے ہیں..... وہ تو نوری کی قسمت تھی..... جو وہ ہم سب کو پسند تھی..... لڑکا لڑکی دونوں گھروں کے دیکھے بھالے تھے..... ہاتھوں میں پلے بڑے اور جوان ہوئے تھے..... سب سے بڑی بات کہ میرے بیٹے کو نوری پسند تھی..... ہم نے رشتہ مانگ لیا..... اگر وہ ہی رضامند نہیں تو میں کیا کر سکتی ہوں..... وہ خود کاشی کو جواب دے گئی ہے..... اتنی خود سر تو وہ ہے..... میرا بچہ تبھی اتنا پریشان رہتا ہے..... تم خود ہی اسے راہ راست پر لاؤ..... مان جائے تو ہم یہ سب سن کر بھی رشتہ کرنے کو تیار ہیں..... نہ مانے تو

اس کی مرضی"۔

"ہائے زبیدہ...... میں تو تمہارے پاس اس آس سے آئی تھی...... کہ تم اسے کچھ سمجھا کر راضی کر لوگی...... عزیز احمد سے میں بات نہیں کر سکتی...... بیمار آدمی ہے صدمے سے اور بیمار نہ پڑ جائیں"۔

"تمہیں ان کی بیماری کا احساس ہے...... تو بیٹی کو کیوں نہیں"۔ زبیدہ نے جل کر کہا
دونوں یہی باتیں کر رہی تھیں کہ کامی آگیا۔

وہ تخت پر بیٹھ گیا...... تو زبیدہ نے اس کا کندھا ہلاتے ہوئے کہا...... "تو نے مجھے بتایا کیوں نہیں تھا"۔

"چھوڑیں امی" وہ اٹھنے لگا...... تو زبیدہ نے پھر بٹھالیا...... وہ کچھ کہنے ہی کو تھی کہ زری بولی...... "بیٹے نوری ناسمجھ ہے...... تو اس کی بات کا برا نہ مان...... ہم اسے سمجھالیں گے...... فکر نہ کرو"۔

"خالہ" کامی نے سنجیدہ چہرے اور سنگین لہجے میں کہا...... "اس بات کو یہیں ختم کر دیں"۔

"کامی بیٹے" زری نے گھبرا کر کہا۔

وہ اٹھ کھڑا ہوا اور گھمبیر آواز میں بولا...... "وہ نہ تو ناسمجھ ہے نہ ہی نادان"۔

اس نے اپنا ایک خاص معیار وضع کر رکھا ہے...... ہم لوگ اس پر پورا نہیں اترتے۔ اس لئے پلیز اس سلسلہ کو یہیں منقطع کر دیں...... اسے مجبور مت کریں...... وہ نہیں چاہتی اس کی مرضی...... اسے اپنے معیار کا رشتہ مل جائے گا...... یہ بات اب ختم کر دیں...... سمجھیں"۔

وہ صحن عبور کرتا سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

زری تخت پر پریشان حال بیٹھی رہی...... زبیدہ اٹھتے ہوئے بولی...... "مجھے کامی کو کھانا دینا ہے...... کامی کا جواب تم نے سن لیا ہے...... بہتر ہے کہ اب ہم لوگ اسے مزید پریشان نہ کریں...... تمہاری بیٹی جو چاہتی ہے وہی کرو"۔

اتنی دل شکنی کے بعد زری کا وہاں بیٹھنا ٹھیک نہیں تھا...... بد دلی سے زبیدہ کو خدا حافظ

کہتے ہوئے ڈیوڑھی کی طرف بڑھ گئی۔

زبیدہ نے اسے روکا نہیں۔

وہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی...... حالات کی بدمزگی پورے ماحول کو کشیدہ بنا رہی تھی۔

☆☆☆

عزیز احمد کی طبیعت ایکا ایکی پھر اتنی خراب ہو گئی کہ انہیں فوری طور پر ہسپتال داخل
کروانا پڑا..... شاید انہیں ماں بیٹی کے درمیان رشتے کے سلسلے میں تو تکار اور بحث مباحثے کا
پتہ چل گیا تھا..... زری اور نوری میں روز ہی کھٹ پٹ ہوتی تھی..... ہار کر زری رونا دھونا
شروع کر دیتی تھی..... لیکن نوری پر کچھ اثر نہ ہوتا تھا..... وہ تو اپنے ہی ساختہ معیار کی چھ
کھڑی رشتوں کو پرکھ رہی تھی..... کاشی تو اس میں آتا ہی نہیں تھا..... وہ کاظم، سعود اور ضیا
کے بارے میں سوچتی رہتی تھی..... کاظم کے متعلق جانتی تھی اس نے چلے جانا ہے..... جب
تک یہاں ہے..... سیر و تفریح اور ہو ٹلنگ ہوتی رہے گی..... تحفے بھی ملتے رہیں گے..... ا
نے تو اب سعود کو بھی لفٹ دینا شروع کر دی تھی..... دو ایک دفعہ وہ بھی اسے آوارہ ملنا
کھلانے لے گیا تھا..... لینڈ کروزر میں بھی گھمایا پھرایا تھا..... ضیاء بھی سعود کا دوست تھا
سعود سے بھی زیادہ امیر باپ کا بیٹا تھا..... اتنا وجیہ و شکیل نہیں تھا..... لیکن پیسہ بڑی فراخدلی
سے خرچ کرتا تھا..... اس کی یہی بات تو نوری کو پسند تھی..... سعود کے ساتھ ساتھ وہ
سے بھی دوستی بڑھا رہی تھی..... بلکہ جب سے ضیاء نے کہا تھا..... "میرے والدین
میری شادی میری مرضی سے کریں گے..... انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا..... اگر میں
غریب گھر کی لڑکی سے بھی شادی کرنا پسند کروں"۔

"واقعی؟" نوری نے حیرانگی سے کہا۔

"بالکل" وہ بولا تھا۔

"بھلا کیوں"۔

"اس لئے کہ ان کے پاس اللہ کا دیا اتنا کچھ ہے..... کہ انہیں سوائے اچھی خوبیوں والی

لڑکی کے اور کچھ چاہئے ہی نہیں"۔

"بڑے اچھے خیالات ہیں ان کے"۔

وہ ہنس کر بولا تھا..... "زائمہ تم کسی غریب گھر کی لڑکی بن جاؤ نا"۔

نوری اس کی بات پر ہنس پڑی تھی..... لیکن دل ہی دل میں ضرور سوچا..... کہ یہاں کام بن جائے گا..... جب شادی جیسے مسئلے پر سنجیدگی سے سوچنا پڑا..... تو وہ اپنے متعلق اسے سب کچھ بتا دے گی..... کوئی بات نہیں جو وہ وجیہ و شکیل نہیں دولت مند تو ہے..... اس کے ساتھ اپنی مرضی اور پسند سے شادی بھی کر سکتا تھا..... نوری اس وقت اونچائی سے گرنے والا پانی تھی..... جسے جس طرف نشیبی راستہ ملے اودھر ہی بہہ نکلتا ہے..... نشیب ایک طرف ہو یا کئی طرف..... پانی ہر نشیب کی طرف بہاؤ بنا لیتا ہے۔

جوں جوں نوری کو ان لڑکوں کی طرف سے لفٹ مل رہی تھی..... وہ کاشی سے دور ہوتی جا رہی تھی..... ماں سے جھگڑتی بھی اسی وجہ سے تھی..... مستقبل کے سنہری ہونے کی اسے قوی امید تھی..... کاظم نہ سہی سعود تو تھا..... اور سعود بھی نہ ہوا تو ضیاء تو تھا..... جو غریب لڑکی کو بھی قبول کرنے پر آمادہ تھا۔

نوری سرابوں میں کھوئی تھی..... اپنی ہوس کے ہاتھوں میں کھیل رہی تھی..... چالاک ہوشیار تھی نہیں..... انسان کی جانچ پرکھ بھی نہیں کر سکتی تھی..... آنکھوں پر پٹی باندھے دولت کے پیچھے سرپٹ بھاگنے والی بات تھی..... اس کی آنکھیں کھلی ہوتیں..... جذبوں کی پہچان ہوتی تو کاشی کو یوں ٹھکرا نہ دیتی..... اور جن لڑکوں میں گھری رہتی تھی..... ان کو بھی جان جاتی..... یہ بھی پتہ چل جاتا کہ ضیاء نے جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس کے پیچھے کون سی سچائی ہے۔

دراصل

ضیاء اس کے پس منظر کو جانتا تھا..... نوری کے چچا حیدر کا اس کے ایک دوست کے ہاں آنا جانا تھا..... وہ حیدر سے خود بھی مل چکا تھا..... اور باتوں باتوں میں نوری کے مالی حالات باپ کی بیماری اور گلی والے چھوٹے سے کرائے کے گھر کا پتہ چل چکا تھا۔

نوری تو اس سے ایک امیر کبیر لڑکی کے روپ میں ملتی جلتی تھی..... لیکن وہ اصلیت

سے آگاہ تھا۔

نوری کی کمزوری کے اس ہتھیار کو اس نے اس کے خلاف استعمال کرنے کے لئے سینت سینت کر رکھا ہوا تھا..... اس نے سوچ رکھا تھا..... اگر نوری اس کی طرف تیزی سے بڑھی..... یا سعود اور کاظم کے چکروں ہی میں پڑی رہی تو اس کا پول کھول دے گا۔

نوری ان دنوں ہواؤں میں اڑ رہی تھی..... ارد گرد امیر ترین لڑکوں کا گھیرا تھا..... سے اپنی تعریفیں سن سن کر وہ غرور و تفاخر کی زد میں بھی آ گئی تھی..... اب تو وہ اپنے حلقے میں اپنی امیر امیر سہیلیوں کو بھی کچھ نہ سمجھتی تھی۔

ماں سے بھی جھگڑتی لڑتی اسی وجہ سے تھی..... ماں ابھی تک کامی کے حق میں تھی۔ اسی کے لئے اسے قائل کرنا چاہتی تھی۔

لیکن

وہ مانتی کب تھی..... اپنی دنیا میں گم تھی..... دن بدن ڈوبتی جا رہی تھی..... اب ماحول سے بالکل ہی کٹتی جا رہی تھی..... کامی سے نہیں ملتی تھی..... ان کے گھر بھی نہ جاتی تھی اور تو اور

وہ تو

اب باپ کی بیماری کی سنگینی کو بھی نظر انداز کر رہی تھی..... وہ ہسپتال میں تھے۔

زری کو ان کی پریشانی نے آ لیا تھا..... بیماری کا خرچہ پورا کرنے کی فکر کھائے جا رہی تھی۔ اثاثہ ختم ہوتا جا رہا تھا..... وہ بڑے مگر جو شادی کی نشانی تھی..... اور جسے بڑے پیار کے ساتھ نوری کی شادی کے لئے رکھا ہوا تھا..... اخراجات سے نبٹنے کے لئے بکنا پڑے..... عزیز احمد نوری کو بتائے بغیر اس نے حیدر کے ذریعے یہ مگر بیچ ڈالے..... زبیدہ اور فاروق عیادت کے لئے آتے تھے..... کامی بھی دوسرے تیسرے دن ہسپتال کا چکر لگا جاتا..... ان لوگوں کا اخلاق اور خلوص تھا..... جو بیماری میں ان کی خبر گیری کر رہے تھے..... لیکن زری محسوس کرتی تھی کہ اب اپنائیت والی پہلی سی بات نہیں..... اسی لئے اس نے مگر زبیدہ کے ہاتھ سے نہیں بیچے تھے..... اپنے دکھ کی کہانی بھی اب اس کے سامنے بیان کرنا مناسب نہ سمجھتی تھی۔

عزیز احمد کی حالت جوں کی توں تھی..... پیسہ خرچ ہو رہا تھا..... لیکن افاقہ نہیں ہو رہا تھا..... لگتا تھا بیماری ایک نقطے پہ رک گئی ہے..... بڑھتی ہے نہ کم ہوتی ہے..... علاج چھوڑا نہیں جا سکتا تھا..... زری تو سوچ سوچ کر تھک جاتی کہ یہ پیسہ بھی ختم ہو گیا تو وہ اور پیسے کا بندوبست کہاں سے کرے گی۔

لیکن

نوری کی پرواز بلند تھی..... یہ نہیں کہ باپ کی طرف سے فکر مند نہیں تھی..... علاج میں بھی کوتاہی نہیں کرنا چاہتی تھی..... لیکن اس کے باوجود دوستوں سے ملنے کا وقت نکال لیتی تھی..... روزانہ سہی ہفتے میں ایک آدھ بار تو وہ ضرور ان سے ملتی تھی..... ایک امیر اور فیشن ایبل لڑکی کا جو روپ اس نے ان لوگوں کے لئے دھار رکھا تھا..... اسے چھوڑ نہیں سکتی تھی..... موقع اس لئے بھی مل جاتا تھا کہ زری رات ڈھلے ہسپتال سے واپس آتی تھی..... سارا دن بھی وہیں گزرتا..... عزیز احمد کی دیکھ بھال کرنے والی بھی وہی تھی..... قرضہ لینے کے لئے دوڑ دھوپ سے بھی اسے ہی نبٹنا ہوتا تھا..... نوری تو صبح کالج جاتی..... واپسی پر کچھ دیر کے لئے ہسپتال جاتی..... پھر گھر آ جاتی..... جتنی دیر وہ ہسپتال رہتی..... زری بھاگم بھاگ گھر آ کر کھانا وغیرہ بنا لیتی..... گھر کے کام وغیرہ کر لیتی ماں کے ہاں چکر لگا آتی..... کبھی کچھ پیسے مل جاتے کبھی کھرا جواب..... پریشانیاں دن بدن بڑھتی ہی جا رہی تھیں..... اب تو وہ اتنی چکرائی اور بوکھلائی ہوئی تھی کہ رشتے کی بات ذہن سے جیسے نکل ہی گئی تھی..... اب اس بارے میں اس نے نوری سے کبھی کوئی بات ہی نہ کی تھی۔

گھر کے کاموں میں مدد کے لئے کسی کسی دن نوری کالج سے چھٹی بھی کر لیتی تھی..... سارا دن گھر پہ رہتی..... تب بھی زبیدہ خالہ کے ہاں جھانکتی بھی نہیں..... دو ایک دفعہ زبیدہ نے فیروز کو بھیج کر حال احوال بھی پوچھا..... خود بھی آئی..... لیکن نوری نے کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا..... ہاں کامی ایک دفعہ بھی گھر نہیں آیا..... حالانکہ جس دن وہ کالج نہ جاتی کامی کو پتہ بھی ہوتا..... جی مچلتا بھی..... لیکن خودداری آڑے آتی..... وہ گھر کے سامنے سے سر جھکائے گزر جاتا..... وہ تو ہسپتال بھی اس وقت جاتا..... جب نوری وہاں نہ ہوتی۔

وہ آج کل بزنس ٹرپ پر جانے کے لئے سنجیدگی سے مصروف بھی تھا..... سیمپل اکٹھے

کر لئے تھے..... باپ سے مل کر سارا بندوبست کر لیا تھا..... اگلے ہفتے روانگی تھی..... سیٹ
بک ہو چکی تھی ٹکٹ خریدا جا چکا تھا..... تین چار ماہ کے لئے جا رہا تھا..... تب بھی نوری سے
ملنے کی کوئی راہ نہ نکالی تھی..... گو دل نے اس سے قطع تعلق نہیں کیا تھا..... وہ درون کراں
میں بسی تھی..... راتیں کھلی آنکھوں سے اس کی یادوں میں بیت رہی تھیں..... دن بھر پہ
مصروفیات کے باوجود اس کے خیالوں سے غافل ہو کر نہیں گزرتا تھا..... لیکن اب اسے پانے
کی خواہش مر گئی تھی..... جو اس کے لئے تھی ہی نہیں..... اسے حاصل کرنے کا فائدہ؟

دن گزر رہے تھے۔

نوری کی اپنی مصروفیات تھیں۔

کامی کی اپنی۔

دونوں کا آمنا سامنا کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔

اس دن عزیز احمد کی طبیعت قدرے بہتر تھی..... نوری اور زری دونوں ہی اس کے
پاس تھیں..... نوری بیڈ کے کنارے پر بیٹھی ہولے ہولے باپ کا بازو دبا رہی تھی..... زری
قریب ہی رکھی کرسی پر بیٹھی تھی..... نرس ابھی ابھی عزیز احمد کا ٹمپریچر لے کر دوائیاں کھلا کر
گئی تھی۔

"ابو" نوری نے بڑے پیار سے انہیں پکارا۔

"آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے" وہ پرامید لہجے میں بولی۔

"انشاء اللہ" زری نے کہا..... "آج طبیعت بہت بہتر لگ رہی ہے"۔

"بس ابو..... اب ٹھیک ہو جائیں" نوری نے کہا تو عزیز احمد کے سوکھے پھیکے لبوں پر
مسکراہٹ پھیل گئی..... بولے..... "میری جان..... میری پیاری بچی..... میں اپنی مرضی سے
تو بیمار نہیں پڑتا..... بیمار ہوتا ہوں تو بیماری کے علاوہ کئی غم جان کو گھیرے رکھتے ہیں"۔

"کون سے غم پپا" نوری بولی زری نے اشارے سے اسے کچھ پوچھنے سے منع بھی کیا۔
لیکن وہ پھر پوچھ گئی..... تو عزیز احمد نے آنکھیں بند کر لیں..... پھر ان کی آنکھوں کے گوشے
بھیگ گئے۔

"ابو" نوری نے ان کے سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے انہیں پکارا..... "کس بات کا غم
ہے پپا بتائیں..... بوجھ ہلکا ہو جائے گا"۔

"تمہارا" نحیف سی آواز میں عزیز احمد نے کہا..... "تمہاری ماں کا..... اپنے مالی حالات
کا"..... زری کی آنکھیں بھی بھیگ گئیں..... لیکن نوری نے ان کی باتوں کو سنجیدگی سے لیا ہی
نہیں..... بولی..... "آپ میرا غم نہ کھائیں ابو..... میں بالکل ٹھیک ہوں..... امی بھی موٹی
تازی ہیں"۔

اس نے باپ کو ہنسانے کی کوشش کی۔

"نوری" زری نے آہستگی سے کہا..... "بس کرو باتیں ابو کو پریشان نہ کرو"۔

"لو جی..... میں پریشان کر رہی ہوں..... میں تو ان کا دل بہلا رہی ہوں" وہ مسکرائی۔

"جاؤ تم نے گھر جانا نہیں" زری نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا..... پھر جھک کر رومال
سے عزیز احمد کی آنکھوں کے بھیگے گوشے صاف کرنے لگی۔

"اوہ..... یاد آیا" نوری پلنگ سے اٹھتے ہوئے بولی..... اسے تو آج کاظم نے بلایا تھا..... کچھ
شاپنگ کروانا تھی..... بڑے دنوں سے بلا رہا تھا..... لیکن وہ جا نہ سکی تھی..... آج وعدہ کر لیا
تھا..... ابو کی طبیعت بھی کچھ اچھی ہی تھی..... اس لئے یہاں سے گھر جانے کی بجائے اس کے
ساتھ لبرٹی جانا تھا..... اس نے میز پر رکھی ٹائم پیس پر نظر ڈالی..... چار بج چکے تھے۔

"اچھا ای میں چلوں" وہ بولی۔

"جاؤ" زری نے کہا..... پھر گھر کے متعلق کچھ ضروری ہدایتیں دینے لگی..... نوری
نے جھک کر باپ کو پیار کرتے ہوئے کہا..... "ابو جی..... میں نے کہہ دیا نا اب آپ ٹھیک
ہو جائیں..... جلدی جلدی گھر چلیں..... ہوں..... اچھا میں جا رہی ہوں۔

عزیز احمد مسکرائے نہیں..... سنجیدگی سے بولے..... "اکیلی جاتی..... آتی ہو.....
دھیان سے جایا..... آیا کرو بیٹی..... زمانہ"۔

نوری ہنس کر بات کاٹتے ہوئے بولی..... "بڑا خراب ہے..... پپا آپ یہی کہنے والے تھے
نا..... او پپا..... آپ میرے متعلق بالکل فکر مند نہ ہوا کریں..... میں اپنی محافظ آپ ہوں ڈیئر
ڈیڈی"۔

وہ پھر باپ کو پیار کر کے سیدھی کھڑی ہو گئی..... پھر ماں سے مخاطب ہوئی..... "امی

گھر پہ کھانا منگا لئی تھیں نا"۔

"ہاں...... روٹی بھی ٹی کوزی میں رکھی ہو گی"۔

"چار بجے کھانا کھاؤں گی؟ اب تو چائے بنا کر پی لوں گی...... کھانے کا رات کو دیکھیں گے...... آپ آجائیں گی...... تو کھالیں گے...... اچھا خدا حافظ"۔

"خدا حافظ"

"خدا حافظ ابو"

"خدا حافظ"

نوری کمرے سے نکل آئی...... کوریڈور سے ہوتی ہوئی وہ ریسپشن میں آئی...... ایک دو واقف نرسوں سے علیک سلیک ہوئی...... مریضوں کے لواحقین آجا رہے تھے...... دروازے کے قریب اسے ماموں عظمت اور نانی بھی ملیں...... وہ عزیز احمد کو دیکھنے آئے تھے...... نوری کو چند منٹ ان کے پاس رکنا پڑا...... سوتیلے رشتوں میں جذبات کی حدت و شدت کم ہوتی...... نانی اور ماموں نے جس کورے انداز میں احوال پرسی کی...... عزیز احمد کے متعلق پوچھا نوری نے بھی اسی انداز میں جواب دیا...... وہ انہیں لے کر کمرے تک بھی نہ آئی...... کاظم سے ملنے کی جلدی نہ بھی ہوتی تب بھی شاید اس کا رویہ یہی ہوتا۔

"مجھے گھر جانا ہے" اس نے دونوں سے کہا اور سلام کر کے آگے بڑھ گئی۔

سامنے ہی سڑک تھی...... چند گز کے فاصلے پر ویگنیں رکتی تھیں...... یہاں سے شہر کے کسی بھی حصے میں جانے کے لئے سواری مل جاتی تھی...... نوری نے لبرٹی کی ویگن لینا تھی...... کاظم نے اسے پٹرول پمپ کے قریب ملنا تھا۔

اس نے ویگن کی لیڈیز سیٹ لی...... اور جب پٹرول پمپ کے سٹاپ پر اتری تو اسے کاظم کی کالی مرسڈیز قریب ہی کھڑی نظر آگئی۔

چند لمحوں بعد وہ کاظم کے ساتھ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی۔

"بہت ظالم ہو......" کاظم نے چشم نیم باز سے اسے دیکھا "اتنا انتظار کروایا"۔

"ہائے کیا کرتی کاظم...... تمہیں بتایا تو ہے ڈیڈی بیمار ہیں"۔

"میں بھی تو بیمار ہوں" وہ مسکرایا۔

"اوہ...... کیا ہوا تمہیں" نوری جلدی سے بولی۔

"بیمار عشق ہوں...... جان من" اس نے منہ بنا کر کہا تو نوری ہنس پڑی...... وہ بھی ہنس پڑا۔

کاظم نے گاڑی سٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا...... "پہلے کدھر چلیں...... شاپنگ کرنا ہے یا تھوڑی ڈرائیو کرلیں"۔

"اں" نوری قدرے تذبذب سے بولی...... "دیر بہت ہو جائے گی...... مجھے سات بجے تک گھر پہنچنا ہے...... اب تم خود ہی اندازہ کرلو کہ کیا کرنا چاہئے...... شاپنگ یا ڈرائیو"۔

"ٹھیک ہے...... لبرٹی میں تو ہیں ہی...... چلو پہلے شاپنگ کرتے ہیں...... آج تمہارے لئے جینز اور بلاؤز خریدوں گا"۔

"ہائے" خوشی سے بے اختیارانہ نوری کے لبوں سے آواز نکلی۔

کاظم لبرٹی کے کار پارکنگ کی طرف گاڑی لے گیا...... نوری بہت خوش تھی...... جینز اور بلاؤز پہننے کا اسے بے حد شوق تھا...... کاظم نے وعدہ بھی کافی دیر سے کیا ہوا تھا...... یہ چیزیں لے کر دینے کا۔

کار پارکنگ کے لئے جگہ مشکل ہی سے ملی...... اس وقت کافی رش تھا...... دکانیں برآمدے لوگوں سے بھرے تھے...... گاڑیاں آجا رہی تھیں...... شاپنگ بیگ اٹھائے لوگ دکانوں سے باہر آ رہے تھے...... اندر جانے والے بمشکل رستہ بنا رہے تھے...... ہر شوروم پر جیسے میلہ لگا ہوا تھا...... ہر قسم کی چیز یہاں مل جاتی تھی...... جیولرز بھی تھے...... جہاں سونے کے زیورات کا کاروبار ہو رہا تھا...... دکانیں تھیں...... جہاں ضروریات کی چیزیں بک رہی تھیں...... بوتیک تھے...... زنانہ مردانہ جوتوں کی الگ الگ دکانیں تھیں...... کھلے کپڑے کے بڑے بڑے شوروم تھے...... دکانیں تھیں...... تھڑوں پر ارزاں کپڑوں کے ڈھیر لئے دکاندار بھی بیٹھے تھے...... کون آئس کریم والے بھی سرگرم تھے...... کھانے پینے کی دوسری چیزیں بھی دستیاب تھیں۔

وہ دونوں گاڑی سے نکل کر دکانوں کی طرف آگئے...... مطلوبہ جینز اور بلاؤز انہوں نے کسی بوتیک سے لینا تھا...... وہ سیدھے ادھر ہی آگئے۔

یہ بہت بڑا بوتیک تھا...... رنگا رنگ کپڑے گھومنے والے سٹینڈوں پر ہینگروں میں لٹک رہے تھے...... دیوار گیر ریکس بھی تہہ شدہ کپڑوں سے بھرے تھے...... بڑے بڑے برقی بلب دن کی روشنی کے باوجود جل رہے تھے...... سیل مین مستعدی سے گاہکوں سے نبٹ رہے تھے...... زیادہ تعداد عورتوں ہی کی تھی...... بعض خواتین کے ساتھ مرد بھی آئے ہوئے تھے...... جو سٹور کے مردانہ کپڑوں والے حصے میں گھوم پھر کر چیزیں دیکھ رہے تھے۔

کاظم اور نوری بھی کپڑے دیکھنے لگے...... ایک سٹینڈ پر انہیں مطلوبہ جینز مل گئی۔ اس کے ساتھ بہت عمدہ قسم کا بلاؤز درکار تھا...... کاظم نے سیل مین سے بلاؤز دکھانے کو کہا۔

تھوڑی ہی دیر میں وہ مختلف قسم کے بلاؤزوں کا ڈھیر لے آیا اور میز پر رکھتے ہوئے بولا...... "پسند کر لیجئے جناب"۔

کاظم اور نوری ایک ایک بلاؤز اٹھا کر دیکھنے لگے...... تقریباً تیس بلاؤز دیکھنے کے بعد جو بلاؤز دونوں کو پسند آیا...... وہ کافی عمدہ تھا...... گلے اور فرنٹ اوپننگ پر نازک اور دلفریب لیسوں کی جھالریں تھیں...... پٹی پر موٹے موٹے بٹن لگے تھے۔

"بہت خوبصورت ہے" کاظم نے کہا۔

"لیکن قیمتی بھی ہوگا" نوری بولی۔

"اس کا تم مت سوچو...... اس کی فٹنگ دیکھ لو"۔

"کیسے؟"

سیل مین جو قریب ہی کھڑا تھا بولا...... "صاحب ہمارا فٹنگ روم ہے وہاں جا کر پہن کر دیکھ لیں...... جینز کی بھی فٹنگ دیکھ لیں"۔

"ٹھیک ہے......" کاظم نے بلاؤز اور جینز اٹھاتے ہوئے کہا...... سیل مین نے چھوٹے سے کیبن کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اس میں دیوار گیر آئینہ بھی ہے...... مس صاحبہ پہن کر دیکھ لیں"۔

نوری کاظم سے دونوں چیزیں لے کر بولی...... "تم باہر ہی ٹھہرنا...... میں اندر جاتی ہوں"۔

"سنو" کاظم بولا۔

"ہوں" نوری نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

"دونوں چیزیں فٹ ہوں...... تو پہنے ہی رکھنا...... کپڑے بیگ میں ڈال لینا"۔

نوری مسکرائی اور اندر چلی گئی۔

جب جینز اور بلاؤز میں وہ باہر نکلی تو وہ کوئی اور ہی شے بن چکی تھی...... یہ لباس اس کے خوبصورت جسم پر فٹ بیٹھا تھا اور اس کا حسین چہرہ جو گلگوں ہو گیا تھا...... سینوں میں دل کی دھڑکنیں بڑھانے کا سبب بن رہا تھا۔

"جی چاہ رہا ہے...... تمہیں سینے کے اندر چھپا لوں" کاظم نے مستانہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔

نوری نے شان تفاخر سے اسے دیکھا اور مسکرانے لگی۔

"اور کچھ خریدو گی؟" کاظم نے پوچھا۔

"بس آج یہی کافی ہے" وہ اترائی اترائی بولی۔

کاظم نے کاؤنٹر پر بل کے پیسے دیئے اور نوری کو ساتھ لے کر باہر آ گیا...... نوری نے اپنے کپڑے بیگ میں ڈال لئے تھے۔

دونوں گاڑی تک آئے...... بیگ پچھلی سیٹ پر پھینکا...... اور فرنٹ سیٹ پر آن بیٹھے۔

"اب؟" نوری نے پوچھا۔

"چائے پیتے ہیں کہیں چل کر" کاظم نے بھیڑ میں سے گاڑی نکالی اور مین سڑک پر آ گیا...... کچھ ہی دیر بعد دونوں ایک اچھے ہوٹل میں تھے۔

نوری لابی کی طرف بڑھی...... تو کاظم جس کی حالت بدمست شرابی کی سی ہو رہی تھی بولا...... "نوں ہوں...... یہاں نہیں"۔

"تو پھر کہاں......" نوری نہیں جانتی تھی...... کہ کاظم کا ہوٹل میں ایک کمرہ ہمیشہ بک رکھتا ہے۔

"کمرے میں چلتے ہیں...... وہاں آرام سے چائے پئیں گے...... میں تمہیں اس لباس میں جی بھر کر دیکھنا چاہتا ہوں" ندیدوں کی طرح دیکھتے ہوئے وہ مسکرایا...... پھر کمرے کی چابی لینے کاؤنٹر پر آ گیا...... نوری تعریفوں سے پھولی نہ سما رہی تھی...... اس کے ساتھ لفٹ کی

طرف آئی اور اوپر آکر وہ کوریڈور سے ہوتے ہوئے کمرے کی طرف آگئے۔

دونوں کمرے کے اندر آئے...... نوری پہلی دفعہ بڑے ہوٹل کے اس خوبصورتی سے آراستہ کمرے میں آئی تھی...... بیڈ بھی تھا...... صوفہ بھی...... فرج ' ٹی وی ' ٹیلی فون بھی تھا تو...... پہلے تو وہ بہت خوش ہوئی...... لیکن جلد ہی اسے چھٹی حس نے آگاہ کر دیا کہ اسے یہاں لانے کا مقصد کچھ ٹھیک نہیں...... اسے گھبراہٹ سی ہونے لگی۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ......" کاظم نے اس کی کمر میں بازو ڈالتے ہوئے بے باکی سے کہا...... "چائے کے ساتھ کیا لو گی...... ابھی کمرے ہی میں چائے آ جائے گی"۔

نوری نے جلدی سے اپنے آپ کو اس کے بازوؤں سے چھڑا لیا...... کاظم کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... نوری کو ڈر لگنے لگا...... دل کہہ رہا تھا کچھ ہونے والا ہے...... اپنا بچاؤ کر لو۔

"چائے کے ساتھ بتاؤ نا کیا لو گی" کاظم نے فون کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

"جو تمہاری مرضی" وہ بولی...... لیکن اس کے دماغ میں طوفان سے اٹھ رہے تھے۔

کاظم نے چائے کا آرڈر کیا...... اور واپس اس کی طرف پلٹتے ہوئے بولا...... "ڈر کیا رہی ہو...... بیٹھو نا"۔

"مجھے...... جانے دو کاظم" وہ گھبرا کر بولی۔

"کہاں جانے دوں...... جان من...... آج تو تم نے مجھے پاگل بنا دیا ہے...... آئینے میں دیکھو...... کیا قیامت بنی ہوئی ہو...... مار ڈالا ظالم تم نے تو آج......" وہ اسے گھما کر ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے کے سامنے لے آیا...... اور بے تکلفی سے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں...... وہ اپنا چہرہ اس کے چہرے کے ساتھ لگانے لگا۔

"کاظم" وہ تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکلی۔

کاظم نے ہنستے ہوئے اسے چھوڑ دیا...... جانتا تھا...... چڑیا پنجرے میں تو آ چکی ہے جائے گی کہاں۔

"اچھا آؤ بیٹھو تو" کاظم نے اسے صوفے پر بٹھا دیا...... "ابھی چائے آ رہی ہے...... پھر پی لیں پھر پیار کی باتیں کریں گے"۔

نوری پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگی...... وہ کھلکھلا کر ہنس دیا...... "بڑا صبر کیا

میں نے رائمہ...... آج...... آج" وہ پھر شیطانی ہنسی ہنسا۔

نوری اٹھ کھڑی ہوئی...... "پلیز مجھے جانے دو...... مجھے چائے نہیں پینی"۔

وہ دروازے کی طرف لپکی تو کاظم سامنے آگیا "بے وقوف مت ہو"۔

نوری نے پھر بھاگنے کی کوشش کی تو کاظم نے اس کا گریبان پکڑ لیا...... اور جھٹکے سے واپس کھینچنے لگا...... نوری کے گریبان کے بٹن ٹوٹ گئے...... اس نے جلدی سے دونوں ہاتھوں سے گلے کی پٹی پکڑ لی۔

"آرام سے بیٹھ جاؤ" کاظم نے تحکمانہ لہجے میں کہا...... "تمہیں ہو کیا رہا ہے...... بیٹھو...... چائے آ رہی ہے"۔

نوری نے دونوں ہاتھ سینے پر باندھے باندھے التجائی لہجے میں کہا۔ "کاظم...... مجھے کچھ نہیں کہنا...... میں...... میں ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں"۔

کاظم نے تمسخرانہ قہقہہ لگایا...... اور ایسی ایسی باتیں کرنے لگا کہ نوری کی نسیں سلگنے لگیں...... وہ بہت ماڈرن لڑکی بنتی تھی...... لیکن آج اسے احساس ہوا کہ وہ متوسط طبقے کی ایک لڑکی ہے...... جس کے جینے کے انداز عزت کے معیار اور قدریں بالکل مختلف ہیں...... جو عزت بچانے کے لئے جان پر بھی کھیل جاتی ہے۔

☆☆☆

سہمی ہوئی نوری دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی...... کاظم اس کے ساتھ انتہائی
بیہودہ مذاق کر رہا تھا۔ اس کا یہ روپ وہ آج دیکھ رہی تھی...... اس کی ٹانگیں کانپ رہی تھیں۔
رنگ اڑ چکا تھا۔ وہ بری طرح برائی کے شکنجے میں پھنس چکی تھی...... اس نے دل ہی دل میں
دعا کی کہ وہ یہیں کھڑی کھڑی مر جائے...... تاکہ بے عزتی و آبرو ریزی کے چنگل سے
بچ جائے...... اس کا دماغ سوہان روح خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا...... سمجھ نہ پا رہی تھی کہ
کیا کرے دل ہی دل رو رو کر دعائیں مانگ رہا تھا۔

اور

کاظم مسلسل بے حیائی اور بے ہودگی کا مظاہرہ کر رہا تھا...... آج وہ اپنے سلگتے جذبات کو
تسکین کرنے سے کسی طور باز آنے والا نہیں تھا...... اس نے دو تین بار اس کے سینے پر سے
ہاتھ ہٹانے کی کوشش کی...... لیکن نوری گریبان کی کھلی اور ٹوٹے بٹنوں والی پٹی مضبوطی سے
پکڑے رہی تھی...... نوری کی قسمت اچھی تھی...... یا قدرت نے اس کی معصومانہ بے دو تولیوں
کو معاف فرما دیا تھا...... جو اسی وقت دروازے پر دستک ہوئی...... بیرہ چائے لے کر آگیا تھا۔

"کون؟" کاظم نے جلدی سے پوچھا۔

"چائے سر" باہر سے جواب ملا۔

کاظم نے نوری کی طرف دیکھا...... جس طرح وہ کھڑی تھی...... بیرہ یقیناً جان جاتا کہ
معاملہ کیا ہے؟ ایسے معاملے ان ہوٹلوں میں نئی چیز نہ تھے...... لیکن کاظم کو خدشہ تھا
کہیں نوری چیخ و پکار نہ کرنے لگے...... وہ چند لمحوں کے لئے گھبرایا...... پھر نوری سے بولا۔
"تم اس طرح کھڑی نہ رہو...... یا تو صوفے پر بیٹھ جاؤ یا تھوڑی دیر کے لئے باتھ روم میں چلی
جاؤ...... ہاں کوئی آواز نہ نکلے خاموش رہنا...... " نوری جواب دیئے بغیر باتھ روم کی طرف
بڑھ گئی...... ایک ثانیہ کو اس کے ذہن میں یہاں سے فرار کی ترکیب آئی تھی...... باتھ روم کا
دروازہ داخلی دروازے کے قریب ہی تھا...... اس نے سوچا جوں ہی بیرہ چائے کی ٹرے یا ٹرالی
لے کر اندر آئے گا...... وہ لمحے کی تاخیر کئے بغیر دروازے سے باہر بھاگ جائے گی۔ یہ بات کاظم کے
وہم و گمان میں بھی نہ تھی...... اس نے تو اپنی طرف سے حفاظتی اقدام کیا تھا۔

لیکن

جوں ہی

بیرے کے لئے دروازہ کھلا...... کاظم نے اسے ٹرے درمیانی میز پر رکھنے کو کہا......
اور بیرہ بھی ادھر آگیا۔

نوری نے آؤ دیکھا نہ تاؤ باتھ روم سے نکلی دروازے میں آئی اور پھر کوریڈور میں سرپٹ
دوڑنے لگی...... اسے یقین تھا کاظم اس کے پیچھے لپکے گا...... اس لئے وہ نہ تو سیڑھیوں کی
طرف گئی نہ ہی لفٹ میں سوار ہوئی۔

کوریڈور کے گھماؤ پر دوسرا قدرے کھلا کوریڈور تھا...... جس میں دونوں طرف کے
کمروں کے دروازے کھلتے تھے...... وہ اندھا دھند بھاگتی ایک کھلے دروازے میں گھس گئی......
اسے پتہ نہ تھا اس کمرے میں کیا ہے...... رہائشی ہے یا خالی پڑا ہے۔

اس نے دیکھا اس کمرے میں چادروں اور تکئے کے غلافوں کے ڈھیر تھے...... کچھ اور
نامعلوم چیزیں تھیں...... غالباً یہ کمرہ سٹور کے طور پر استعمال ہوتا تھا...... اس کے سامنے
ایک اور دروازہ تھا...... لیکن وہ کھول کر بھاگنے کی اسے فرصت نہ ملی...... قدموں کی آواز اس کے
کانوں میں پڑی...... یقیناً کاظم کوریڈور میں اسے تلاش کرتا پھر رہا تھا...... وہ جلدی سے
چادروں کے پانچ چھ فٹ اونچے ڈھیر تلے چھپ گئی...... اس کی سانسیں غیر ہموار ہو رہی
تھیں...... دل بند ہو ہو کر دھڑک رہا تھا...... بچ نکلنے کی دعائیں دل ہی دل میں جاری تھیں۔
قدم اس دروازے کی طرف نہیں آئے...... آواز دور ہوتی گئی...... پھر تھوڑی دیر بعد
قدموں کی آواز پھر آئی...... کوئی کمرے کے قریب سے تیزی سے گزرا...... نوری تب بھی دبکی پڑی

اور

جب

کافی دیر گزر گئی

تو

اس نے ہولے ہولے چادروں کے ڈھیر تلے دبا اپنا وجود نکالا...... اٹھی اور جلدی
کوریڈور میں کھلنے والا دروازہ لاک کر کے دوسری طرف کا دروازہ کھولا...... آہستگی سے
جھانکا...... یہاں کھلا برآمدہ تھا...... یقیناً یہ ہوٹل کا پچھلا حصہ تھا...... برآمدے سے
سیڑھیاں اترتی تھیں...... اور نیچے صحن میں کافی کاٹھ کباڑ پڑا تھا...... اس وقت ادھر کوئی
بندہ نظر نہ آرہا تھا...... شام کے دھندلکے بھی پھیل رہے تھے...... اس نے وہیں کھ
کھڑے صحن کا جائزہ لیا...... باہر کی اونچی دیوار میں لکڑی کا ادھ کھلا دروازہ تھا...... یہاں
ہوٹل کی حد سے باہر نکلا جا سکتا تھا۔

نوری کچھ دیر وہیں کھڑی رہی...... اب اس نے اپنی گھبراہٹ پر کچھ قابو پالیا تھا...
ہوٹل سے نکلنے کی راہ اسے سجھائی دے رہی تھی...... قریب ہی کوئی سڑک تھی......
ٹریفک کا شور سنائی دے رہا تھا۔

وہ ڈرتی ڈرتی برآمدے میں آئی...... اور دھندلکوں کی آڑ لیتی گھماؤدار لوہے کے ز
قدم رکھ دیئے...... وہ چوکس ہو کر آہستہ آہستہ زینے سے اترنے لگی...... لوگوں کی باتو
برتنوں کی کھنکھناہٹ اسے سنائی دے رہی تھی...... غالباً نچلے کمروں میں کچن تھا۔ وہ نیز
اتری اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتی دم روکے بنا قدموں کی آواز کے اس کھلے درواز
طرف آئی...... اس نے ایک بار بھی پلٹ کر نہ دیکھا...... اور باہر نکل گئی۔

اب وہ کاظم کے ہاتھوں سے محفوظ تھی۔

باہر ٹوٹا پھوٹا راستہ تھا...... لیکن دائیں ہاتھ کوئی فرلانگ بھر کے فاصلے پر خاصی
سڑک تھی...... جس پر لوگ آجا رہے تھے...... گاڑیاں جا آرہی تھیں...... ریڑھے،
رکشے سبھی کچھ تھا...... چھوٹی بڑی دکانیں کھلی تھیں...... کاروبار جاری تھا۔

یہ کون سا علاقہ تھا۔

ے معلوم نہ تھا۔

وہ تیز قدموں سے سڑک کی طرف چلنے لگی...... معاً اسے اپنے کھلے گریبان کا خیال
پاس دوپٹہ تھا نہ چادر...... وہ کیا کرتی...... گھبرا کر پھر دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر گلے کی
کے دونوں سرے پکڑ لئے...... اور سڑک پر آگئی...... اس نے پلٹ کر دیکھا پیچھے کوئی نہیں
رہا تھا۔

وہ بغیر اندازے کے فٹ پاتھ پر چلتی گئی...... کبھی دوڑنے لگتی...... کبھی آہستہ
ہو جاتی...... وہ بچ تو نکلی تھی...... لیکن خوف اس کی نس نس سے لپٹا تھا...... حواس جواب دے
رہے تھے...... سوچنے سمجھنے کی قوت مفلوج ہو رہی تھی...... اس کے ساتھ کیا ہوا تھا؟ وہ اس
ورطہ حیرت سے ابھی تک نہ نکل پائی تھی۔

اس کو تو ہوش اسی وقت آیا جب ایک گاڑی اس کے قریب سے گزری تھی۔ پھر بریک
لگاتے ہوئے اس کے قریب آرکی تھی۔

"کون؟ نوری......" یہ ایک ہلکی سی حیرت نما چیخ تھی...... جو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے
کامی کے منہ سے بے اختیارانہ نکلی...... ایک لمحہ ضائع کئے بغیر وہ گاڑی سے باہر نکلا اور لپک کر
فٹ پاتھ پر نوری کے قریب آگیا۔

"تم؟" کامی پر گھبراہٹ کا دورہ پڑا تھا...... اس کا جسم کانپنے لگا تھا...... جینز بلاؤز اور ٹوٹے
بٹنوں والا کھلا گریبان جو نوری کے ہاتھوں میں تھا...... کامی کو پریشان کر دینے کے لئے بہت
تھا۔

"کہاں سے آرہی ہو...... کیا ہوا ہے" کامی نے اس کا کندھا پکڑ کر جھنجھوڑا۔

"کامی" نوری لہرا کر گرنے کو تھی...... پیشتر اس کے کہ ارد گرد جاتے لوگ اکٹھے ہو کر
ان کا تماشہ بنا لیتے...... کامی نے نوری کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی سٹارٹ کر دی۔

نوری اسی طرح گریبان پکڑے بت بنی بیٹھی تھی۔

کامی نے اس سے کچھ نہیں پوچھا...... کچھ نہیں کہا...... ساری صورت حال سے وہ خود
ناکارہ ہو گیا تھا۔

نوری سے اس نے ہر رابطہ اور تعلق توڑ لیا ہوا تھا...... اس سے کئی دنوں سے ملا تھا نہ

ملنے کی کوشش کی تھی۔

لیکن

آج اسے اس حال میں دیکھ کر اسے دکھ ہوا تھا..... اور یہ دکھ غصے کی صورت اختیار کر
جا رہا تھا۔

گاڑی چلتی رہی..... پھر ایک کپڑے کی دکان کے سامنے رکی۔

"میں ابھی آتا ہوں..... یہیں بیٹھی رہنا" کہتے ہوئے کامی دکان کے اندر چلا گیا.....
منٹ بعد وہ واپس آیا..... تو اس کے ہاتھوں میں ایک سادہ گرم چادر تھی..... چادر اس کی طرف
پھینکتے ہوئے وہ پھنکارا..... "یہ اوڑھ لو..... گلی سے گزر کر گھر جانا ہے تم نے..... گلیاں
لڑکیوں کی جینز اور پھٹے گلے والے بلاؤز برداشت نہیں کرتیں"۔

"کامی" نوری کے گلے میں آواز پھنس گئی..... پھر اس نے اپنا وجود لمبی چوڑی چادر میں
لپیٹ لیا۔

"کامی میں..... تم سے..... جھوٹ نہیں بولوں گی..... سب کچھ سچ سچ بتا دوں گی"
ہکلاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولی۔

"مجھے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں ہے" اس نے زہرناک تلخی سے کہا۔

نوری کو کچھ اور کہنے کی جرات نہ ہوئی..... ویسے اس کا دل چاہ رہا تھا..... کہ کامی سے
لپٹ جائے..... رو، رو کر معافی مانگے..... اور بتا دے کہ تم ہی تو ہو..... جو میرے لئے
ہو..... لیکن وہ کچھ بھی کہنے کی جرات نہ کر سکی۔

کامی نے گاڑی سڑک پر ہی ایک طرف کھڑی کر دی..... نوری کی طرف کا دروازہ
کھولا اور تحکمانہ لہجے میں بولا..... "اترو"۔

وہ اتری..... کامی آگے آگے چلا..... نوری اس کے پیچھے پیچھے سر جھکائے مضمحل
نڈھال سی چلتی اپنی گلی میں آگئی..... اب خاصہ اندھیرا پھیل چکا تھا..... گلی میں چند لوگوں کے
سوا کوئی نہ تھا..... جو اپنے اپنے گھروں کو جا رہے تھے۔

کامی کے پاس گھر کی چابی تھی..... وہ ہسپتال سے انکل کے لئے دو چار چیزیں لینے آیا
تھا..... اس نے دروازہ کھولا..... اور نوری کو کندھے سے پکڑ کر اندر دھکیلتے ہوئے برآمدے
میں بچھے پلنگ تک لے آیا..... شاید اسے دھکا دیا جو وہ پلنگ پر گر گئی۔

نوری نے خوفزدہ نظروں سے کامی کو دیکھا..... جو غصے سے بھرا کھڑا اسے لال انگارہ
آنکھوں سے گھور رہا تھا۔

"کامی" نوری کھڑی ہوتے ہوئے بولی وہ سارا واقعہ کامی کو سنا کر اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی
تھی۔

"شرم نہیں آتی تمہیں..... باپ ہسپتال میں موت و زیست کی کشمکش میں پڑا ہے اور تم
دولت مند اور فیشن ایبل لڑکوں سے رنگ رلیاں مناتی پھر رہی ہو" سخت غصے میں اس نے
بھرپور طنز کیا۔

"کامی" روہانسی آواز میں وہ بولی۔

"مت لو میرا نام" کامی نے بلا سوچے سمجھے ایک بھرپور تھپڑ اس کے منہ پر مارا..... وہ
لڑکھڑا کر پلنگ پر گر گئی..... تھپڑ اتنا زوردار تھا کہ اسے تارے نظر آنے لگے..... اس نے گال
پر ہاتھ رکھ لیا..... چند لمحے اسی طرح پڑی رہی..... پھر آہستہ آہستہ سر اٹھایا اور کامی کے سامنے
کھڑی ہو کر اسے دیکھا..... ایسی نظروں سے جن میں تشکر تھا..... پیار تھا..... احسان مندی
تھی۔

کامی ان نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے منہ پھیر کر بولا..... "سوری..... مجھے یہ حق
نہیں تھا..... مجھے معاف کر دینا"۔

اس نے جانے کو قدم اٹھایا..... تو نوری نے آگے بڑھ کر اس کے کندھے سے تھام لیا
اور پھر کندھے پر سر رکھتے ہوئے بلک بلک کر رونے لگی۔

"کامی..... کامی" وہ روئے جا رہی تھی۔

کامی نے اسے پرے ہٹانا چاہا..... لیکن اس نے کندھے سے سر نہیں اٹھایا۔

"مجھے معاف کر دو..... کامی..... تم نے آج مجھے بچا لیا..... مجھے..... برباد ہونے سے
بچا لیا..... میری آنکھیں کھول دیں"۔

وہ پتہ نہیں کیا کچھ کہے جا رہی تھی۔

لیکن

یہ سب کچھ ٹوٹے دل کی کرچیاں جمع کر کے اسے پھر جوڑ نہ سکا..... کاکی نے ہاتھ کے
ہلکے سے دھچکے سے اسے کندھے سے الگ کیا۔

اور

تیز قدم اٹھاتا صحن پار کر کے باہر نکل گیا۔

نوری پلنگ پر اوندھی گر کر زار و قطار رونے لگی۔

وہ روئے جا رہی تھی۔

روئے جا رہی تھی۔

آنسو تھے کہ تھمنے ہی میں نہ آ رہے تھے..... آج کاظم نے وہ ذلیل حرکت کر ہی ڈالی تھی جس سے رعنا اسے خبردار کرتی رہتی تھی..... وہ آج کاظم کے ہتھے چڑھ ہی جاتی..... قسمت اچھی تھی جو فرار ہونے کا موقعہ مل گیا..... اگر وہ بھاگ نہ پاتی تو کیا ہوتا؟

اور

اگر کاکی اسے سڑک پر نہ مل جاتا..... تب کیا ہوتا۔

ذہن میں یہی سوچیں آ رہی تھیں..... جو اسے رلائے جا رہی تھیں..... کاظم اور کاکی میں جو بلندیوں اور پستیوں کا فرق تھا..... وہ اسے آج سمجھ آ رہا تھا..... اس کا دل چاہ رہا تھا..... کاکی ایک تھپڑ کی بجائے اسے اتنا مارتا اتنا مارتا کہ اس کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دیتا..... اس کے ایک ہی تھپڑ نے اسے ہلا کر رکھ دیا تھا..... اور بھی مارتا..... تو شاید وہ زندگی کے راستے ہی بدل لیتی۔

ویسے زندگی کے راستے از خود ہی بدل گئے..... وہ ابھی اسی صدمے سے سنبھل نہ پائی تھی کہ ہسپتال سے حیدر چچا اسے لینے آ گئے..... وہ بے حد پریشان اور گھبرائے ہوئے تھے..... عزیز احمد کی حالت ایکا ایکی خراب ہو گئی تھی..... وہ بوکھلائی ہوئی ان کے ساتھ ہسپتال جانے کو کپڑے بدلنے کے لئے کمرے میں آ گئی۔

جس طرح کشتی کنارے پر آتے آتے ڈوبنے لگتی ہے..... کچھ ایسی ہی حالت عزیز احمد کی تھی..... شام تک ان کی حالت کافی بہتر تھی..... لگتا تھا..... چند دنوں میں ٹھیک ہو کر گھر چلے جائیں گے..... لیکن ایک دم ہی پیٹ میں درد اٹھا..... جو شدید سے شدید تر ہوتا گیا.....

دونوں ڈاکٹر ان کے اردگرد جمع ہو گئے..... حالت دیکھی..... دوائیاں بدلیں لیکن ان کی تڑپ کم نہ ہوئی..... تب زری نے تڑپ کر حیدر سے کہا کہ نوری کو گھر سے لے آئے..... یہ نہ ہو بیٹی سے ملے بغیر ہی وہ راہی ملک عدم ہو جائیں۔

نوری جس وقت کمرے میں پہنچی..... عزیز احمد پر غنودگی چھا رہی تھی..... ڈاکٹروں نے درد کے احساس کو کم کرنے کے لئے انجکشن دے دیئے تھے۔

"ابو..... ابو جی" نوری کا دکھا دل درد سے جیسے پھٹ گیا..... باپ کے سینے پر سر رکھ کر وہ اس طرح روئی کہ اردگرد کھڑی نرس ڈاکٹر' حیدر اور زری بھی دلگیر ہو گئے..... ڈاکٹر تو کمرے سے نکل گئے..... نرس بھی ان کی فائل اٹھا کر چلی گئی..... زری نے نوری کو باپ کے سینے سے جدا کرتے ہوئے اپنی طرف کھینچا۔

تو

نوری ماں سے لپٹ کر بے اختیارانہ رونے لگی..... زری کا دل بھی بھرا ہوا تھا..... ماں بیٹی بآواز نکالے رونے لگیں۔

"بھابی" حیدر نے آگے آتے ہوئے پکارا..... پھر نوری کو بازوؤں میں لے کر پیار کرتے ہوئے بولا..... "بیٹی..... ہمت سے کام لو..... اللہ نے چاہا تو بھائی ٹھیک ہو جائیں گے..... رونے کی بجائے دعا کرو..... اللہ تعالیٰ کی رحمتوں سے مایوس نہیں ہونا چاہئے..... چلو جا کر منہ ہاتھ دھو لو..... شاباش..... میری بیٹی"۔

وہ نوری سے لاڈ پیار کرتا رہا۔

پھر

زری سے کہا..... "بھابی آپ تو ایسے ہی ہمت ہار بیٹھی ہیں..... ڈاکٹروں نے متفقہ رائے سے یہ نیا نسخہ لکھا ہے..... سپیشلسٹ بھی بھائی صاحب کو دیکھنے آ رہا ہے..... ان سب کی کوششیں ناکام نہیں ہوں گی انشاء اللہ"۔

زری کے چہرے پر مایوسیوں کے سائے لہرا رہے تھے..... اس نے آنکھیں دوپٹے کے آنچل سے پونچھتے ہوئے حیدر سے کہا..... "حیدر دوائیاں ابھی لاؤ گے"

"ہاں..... بھابی"۔

"لیکن"۔

"کیا؟"۔

وہ چند لمحے چپ رہی...... پھر انتہائی دکھ کے لہجے میں بولی...... "کتنے کی ہوں گی"۔

"پتہ نہیں...... ویسے مہنگی تو ہوں گی...... کچھ انجکشن ہیں...... کچھ کیپسول اور......"

"لیکن"۔

"کیا بھائی"۔

"اس وقت تو میرے پاس"۔

"پیسے نہیں ہیں"۔

"ہاں"۔

"کوئی بات نہیں...... میرے پاس تھوڑے سے پیسے ہیں...... ویسے کیمسٹ اب واقف بن گیا ہے...... دوائیاں ابھی لے آتا ہوں...... پیسے کل دے دیں گے"۔

"کل؟"

"ہاں بھائی"۔

"کل...... کل...... کہاں...... سے آئیں گے" زری کے گلے میں پھندہ پڑ گیا...... نوری نے پھٹی پھٹی نظروں سے ماں کو دیکھا...... گویا آج پہلی بار اسے حالات کی نزاکت کا احساس ہوا ہو۔

حیدر بھی چپ سا ہو گیا...... اس کے پاس جتنے فالتو پیسے تھے...... وہ اب تک بھائی پر خرچ کر چکا تھا...... تنخواہ آنے میں ابھی کافی دن تھے...... قرض کسی سے ملنے کا امکان نہ تھا۔ سارے ساتھی اپنے ہی جیسے تھے۔

چند لمحے مہیب سی خاموشی طاری رہی...... تینوں میں سے کوئی ایک لفظ بھی نہ بولا۔

پھر

حیدر نے روہانسی آواز میں کہا...... "تو کیا کروں...... دوائیاں لے آؤں...... یا صبح کو بندوبست کر کے لاؤں"۔

زری کچھ سوچتے ہوئے بولی...... "اگر کیمسٹ صبح تک پیسوں کا انتظار کر کے دوائیاں دے دیتا ہے تو لے آؤ...... دوائیاں لانی تو ہیں...... صبح میں بندوبست کر لوں گی"۔

زری نے حیدر کو دوائیاں لانے کے لئے بھیج دیا۔

اس کے پاس شادی والا بڑا ہار تھا...... جس کے لمبے لمبے آویزے وہ پہلے بیچ چکی تھی...... اب یہ ہار بیچنے کی ضرورت آ گئی تھی...... مدتوں سے اس نے یہ ہار نوری کی شادی کے لئے سنبھال کر رکھا ہوا تھا۔

لیکن

اب اس کی ضرورت نوری کی شادی سے زیادہ تھی...... بیمار شوہر کی جان کے لالے پڑے تھے...... پیسہ پلے تھا نہیں...... یہ ایک ہار باقی رہ گیا تھا...... گو اس کی مالیت کافی تھی...... لیکن خرچ کا بھی اندازہ نہ تھا...... کیا خبر یہ صورت حال کتنی دیر رہنا تھی...... دوائیاں...... ڈاکٹر...... کمرے کا کرایہ بہت کچھ دینا تھا۔

زری نے پکی نیت کر لی...... کہ کل وہ ہار بیچ ڈالے گی...... شوہر کی زندگی سے اسے ہار زیادہ عزیز تو نہ تھا...... اور پھر کوئی اور طریقہ بھی تو نہ تھا...... ادھار کس سے مانگتی...... اور ادھار مل بھی جاتا...... تب بھی لوٹاتی کہاں سے...... ماں اور بھائی کے پاس کئی دفعہ جانے کے بعد صرف ایک ہزار روپیہ ملا تھا...... اب تو ان کے پاس جانے کا وہ سوچتی بھی نہ تھی...... پانچ سو اماں نے دیا تھا...... تو جتا بھی دیا تھا...... "بھئی میرے پاس خزانہ تو ہے نہیں...... بمشکل اپنا گزارہ چلتا ہے...... تیرے باوا کوئی خزانہ چھوڑ کر نہیں مرے تھے...... یہ پرانی کوٹھی بھی مجھے اپنے باپ سے ورثے میں نہ ملتی تو میرا خود سر چھپانے کا ٹھکانہ نہ ہوتا...... دوسری بار تمہیں پیسے دے رہی ہوں...... آئندہ پیسے مانگنے نہ آنا" اماں نے سبکی آمیز لہجے میں اتنی لمبی تقریر کر ڈالی تھی کہ زری کا جی چاہا تھا...... زمین پھٹے اور اس میں سما جائے۔

یہی حال بھابی نے کیا تھا...... عظمت نے پانچ سو روپیہ زری کو دے تو دیا تھا...... لیکن بھابی کو گوارہ کب تھا...... جتنی دیر زری وہاں بیٹھی تھی...... وہ مسلسل سنائے گئی تھی...... "ہم خود بال بچے دار ہیں...... کہاں سے لائیں...... تمہیں آئے دن دینے کے لئے...... بی بی کوئی اور راستہ دیکھو...... ہم سے اب کوئی امید نہ رکھنا"۔

زری آنسو آنکھوں میں پیتے ہوئے وہاں سے اٹھ گئی تھی...... اپنی معاشی بدحالی پر رہ رہ کر

رونا آتا تھا...... کاش اس کے پاس اتنے پیسے ہوتے کہ بغیر ان لوگوں سے مانگے شوہر کا علاج کروا سکتی...... ڈھیٹ بن کر وہ ان سے پیسے لے کر آگئی تھی...... لیکن اس نے ارادہ کر لیا تھا اب کبھی ان کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائے گی۔

حیدر دوائیاں لینے چلا گیا۔

اور

زری نے کل ہار بیچنے کا مصمم ارادہ کر لیا...... اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا...... نوری کو بھی بتا دیا...... نوری گم صم ہو گئی...... یوں لگتا تھا...... جیسے اپنی کم مائیگی کا اسے پہلی بار احساس ہوا ہے۔

☆☆☆

ساری تیاریاں مکمل ہو گئی تھیں۔ فاروق نے اپنی تسلی کے لئے کامی کا سارا سامان دوبارہ چیک کیا تھا...... کاغذات دیکھے تھے...... ٹکٹ چیک کیا تھا...... ٹریولر چیک جو اسے ساتھ دینے تھے۔ خود اس کے بٹوے میں رکھے تھے...... کامی پہلی بار باہر جا رہا تھا...... اس لئے اپنے تجربات کی بنا سے ہدایات بھی دے رہے تھے اور اس کی چیزوں کا معائنہ بھی کر رہے تھے۔

"ابو" کامی نے جب ابو کو دوبارہ چیکنگ کرتے ہوئے دیکھا...... تو ہنس کر بولا...... "میں اب اتنا چھوٹا بچہ بھی نہیں ہوں...... میں آپ کی ساری باتیں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں...... جو نہیں سمجھیں وہ تجربے سے سیکھ لوں گا...... آپ بالکل فکر نہ کریں...... میرا ٹرپ انشاءاللہ آپ کی توقعات سے زیادہ کامیاب ہوگا"۔

پاس بیٹھی زبیدہ تفاخر سے کامی کو دیکھتے ہوئے بولی...... "انشاءاللہ...... انشاءاللہ"۔

"آپ کی دعاؤں کی ضرورت ہے امی" کامی نے پلنگ پر ماں کے قریب بیٹھتے ہوئے ان کے گلے میں بانہیں ڈال دیں۔

زبیدہ کامی کی جدائی کے تصور سے اداس سی ہو رہی تھی...... اسے پیار کرتے ہوئے بولی "بیٹا جا کر کام میں کھو نہ جانا...... باقاعدگی سے فون کرتے رہنا...... کھانے پینے کا خیال رکھنا...... ابو کی طرح نہ کرنا کہ کام کی زیادتی ہوئی تو کھانا پینا ہی بھول گیا"۔

"بڑی فکر ہے بیٹے کی" فاروق ماں بیٹے کی باتیں سن کر بولے...... "میں تو اتنی بار باہر گیا ہوں میرے کھانے پینے کی تو تمہیں کبھی فکر نہیں ہوئی...... بڑے خوش قسمت ہو بیٹے...... جو

ماں اس فکر میں گھلی جا رہی ہے...... کہ بیٹے کو باہر جا کر کھانے پینے کا ہوش بھی رہے یا نہیں"۔

"امی فکر نہ کریں گی تو اور کون کرے گا ابو جی" کامی نے ماں کے گال سے گال لگاتے ہوئے کہا۔

"ہاں جی" فاروق ہنس کر بولے...... "کاش ہماری امی بھی ہوتیں"۔

فیروز اور سلیم بھی پاس بیٹھے تھے ابو کی بات پر وہ دونوں بھی ہنس پڑے۔

چند منٹ یہی باتیں ہوتی رہیں...... فاروق جان بوجھ کر ماحول کو مسکراتا ہوا بنا رہے تھے...... کامی پہلی بار باہر جا رہا تھا...... ماں باپ بھائیوں اور اپنے ماحول سے جدا ہو رہا تھا اس لئے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان باتوں کو محسوس کر کے وہ اداس ہو جائے...... وہ اسے پوری طرح مطمئن اور پر اعتماد دیکھنا چاہتے تھے۔

کامی کی فلائٹ رات دو بجے تھی...... باہر کی فلائٹ تھی...... اس لئے اسے کم از کم دو گھنٹے پہلے ایئر پورٹ پر پہنچ کر چیک ان ہونا تھا...... اس کی تیاری مکمل تھی۔

"ابو جی" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا...... "ابھی چھ بجے ہیں...... میں اپنے دو دوستوں کو مل آؤں"۔

"آئے ہائے" زبیدہ بولی...... "چند گھنٹے تو باقی رہ گئے ہیں اب دوستوں کو ملنے جاؤ گے...... ان سے کہہ دیتے ایئر پورٹ پر آجاتے"۔

"کافی لوگ مجھے رخصت کرنے آئیں گے امی...... صغیر اور احمد سے ملنے جانا ہے"۔

"انہیں ایئر پورٹ آنے میں کیا تکلیف ہے"۔

"اوہ امی جی...... کسی کی کچھ مجبوریاں بھی تو ہوتی ہیں"۔

"جاؤ بیٹے...... جاؤ مل آؤ...... وقت کا خیال رکھنا" فاروق بولے...... "تمہاری ماں تو چاہے گی...... جب تک ایئر پورٹ نہیں جاتے...... اسی سے جڑے بیٹھے رہو"۔

"میرا بچہ دو ایک دن کے لئے نہیں مہینوں کے لئے جا رہا ہے" زبیدہ شاکی لہجے میں بولی۔

"خدا کا شکر ادا کرو...... جس نے ہمارے بچے کو اس قابل بنایا ہے...... اس کے ترقی کی

بھلائی کی دعا کرو"۔

"وہ تو جیسے میں کرتی نہیں...... آپ ہی کرتے ہیں؟ میں ماں ہوں...... ماں"۔

"جانتے ہیں بھئی...... اب ماں بچے کو اتنی آزادی تو دے کہ وہ جانے سے پہلے اپنے دوستوں سے مل آئے......" فاروق نے کہا پھر کامی سے بولے...... "جاؤ مل آؤ اپنے دوستوں کو...... اور ہاں عزیز انکل کو بھی دیکھتے آنا...... ان کی حالت کچھ اچھی نہیں"۔

"جی ابو...... انہیں بھی ملتا آؤں گا...... بیچارے انکل"۔

زبیدہ مایوس سے لہجے میں بولی...... "حالت اچھی نہیں انکی...... خدا ہی رحم کرے...... بڑی بیچاری کی پریشانی تو دیکھی نہیں جاتی...... پیسہ بھی تو پلے نہیں...... خدا جانے کس طرح خرچ پورا کر رہی ہے......" پھر کچھ رک کر طنزیہ لہجے میں بولی "بیٹی کو تو جیسے کوئی فکر ہی نہیں"۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے زبیدہ" فاروق بولے۔ لیکن زبیدہ کو تو اس دن سے نوری سے بیر سا ہو گیا تھا...... جس دن سے اس نے اس کے خوبرو سمارٹ اور شریف بیٹے کو ٹھکرایا تھا...... وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کامی کے اندر اس سانحے کی اداسیاں اتری ہوئی ہیں...... نوری کے رویے نے اسے ذہنی اضطراب دیا ہے...... اس لئے جب بھی موقع ملتا نوری کی برائی کرنے سے نہ چوکتی...... اس کا خیال تھا...... اس طرح وہ کامی کے دل میں نوری کی جو اہمیت ہے اسے کم کر سکے گی۔

لیکن

یہ تو کامی ہی جانتا تھا کہ نوری اس کے دل میں اک انمٹ نقش بن چکی ہے...... زخم کا ایسا نشان ہے...... جو کبھی مٹتا نہیں...... ایسا گھاؤ ہے جو بھر کر بھی دکھتا رہتا ہے...... وہ چلتا پھرتا ہے کام کرتا ہے...... ہنستا بولتا ہے...... گھر والوں اور دوستوں سے رویے ویسے ہی ہیں جیسے تھے...... لیکن اس کے اندر جو کچھ ٹوٹ پھوٹ گیا تھا...... جو گھاؤ پڑ گئے تھے...... جو زخم نشان چھوڑ گئے تھے...... انہیں وہ سینت سینت کر رکھتا تھا...... یہ اسے بہت عزیز اور بڑے پیارے تھے...... گو اذیت دہ تھے...... لیکن بعض اوقات اذیتیں بھی تو باعث سکون ہوتی ہیں...... درد میں بھی تو لطف ملتا ہے...... اگر محبوب کے وصال میں لطف ہے...... تو اس کے ہجر میں بھی

لذت ہے...... اداسیوں سے بھری ہوئی دکھتی ہوئی مضمحل سی لذت۔

کامی اس لذت سے سرشار تھا...... دکھ مستور تھا...... لذتیں آشکار تھیں۔ اس کا جی چاہا
سے امی نے جنت بھی نوری نی بدتعریفی کی...... پاپا اچھا کہتا تو اسے دل سے اچھا نہیں لگا
اب بھی پیشتر اس کے کہ امی اس اذیت ناک پہلو پہ کچھ اور طبع آزمائی کرتیں وہ اٹھتے
ہوئے بولا...... "میں جارہا ہوں...... تھوڑی دیر میں آجاؤں گا"۔

"جاؤ جاؤ......" فاروق بولے "وقت ضائع نہ کرو...... انکل عزیز سے ضرور مل
آنا...... زندگی کا کیا پتہ...... خدا ان کی حالت پر رحم فرمائے...... ماں بیٹی کا اللہ کے بعد یہی
سہارا ہے"۔

"جی" کامی نے آہستگی سے کہا...... اور پھر امی کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کمرے سے نکل
گیا۔

شام اتر رہی تھی...... دھند کے چھلے ہوئے تھے...... فضا ٹھنڈی تھی...... رات کو
خنکی خاصی بڑھ جاتی تھی...... کامی نے گرے پتلون پر نیلا کوٹ پہنا ہوا تھا...... اس لئے سردی
کچھ اثر نہ کر رہی تھی۔

وہ گلی سے نکل کر سڑک پر آگیا...... جس کے دائیں کنارے ایک خالی پلاٹ کے سامنے
اس کی گاڑی کھڑی تھی۔

گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اسے پہلا خیال یہ آیا...... کہ وہ یورپ سے اتنی بزنس لائے گا
آتے ہی نئی گاڑی خرید لے گا...... گاڑی تو اب بھی خریدی جاسکتی تھی لیکن ابو چاہتے تھے
پہلے نیا گھر بن جائے...... کنال ویو پر جو پلاٹ خرید رکھا تھا...... وہیں کوٹھی بنانے کا ارادہ
تھا...... ابو نے نقشہ وغیرہ بننے بھی دے دیا ہوا تھا...... وہ یہ کام جلدی میں نہیں کرنا چاہتے
تھے...... بزنس بڑھانا چاہتے تھے...... پھر آہستہ آہستہ نقشے کے مطابق کوٹھی تیار کروانے کا ارادہ
تھا۔

کامی نے گاڑی سٹارٹ کی اور احمد کے گھر کی طرف چل پڑا...... کھڑے کھڑے احمد
سے ملا...... وقت کی کمی معقول بہانہ تھی...... صغیر سے بھی اس نے چند منٹ ہی ملاقات کی
پھر

وہ انکل عزیز کو دیکھنے چلا گیا۔

وہ دو دن پہلے بھی انہیں دیکھ کر گیا تھا...... وہ بے حد کمزور ہو گئے تھے...... علاج ہو رہا
تھا لیکن افاقہ نہیں تھا...... اپنی زندگی سے وہ خاصے مایوس نظر آتے تھے...... کامی ان سے
ایسے ہی ملتا تھا جیسے ہمیشہ ملا کرتا تھا...... ان کی محبتیں بھی ویسی ہی تھیں...... بلکہ کچھ سوا ہی
تھیں...... شاید ان کے علم میں نہیں تھا...... کہ جس رشتے کی بنیاد انہوں نے انتہائی پیار اور
خلوص سے رکھنا چاہی تھی...... ان کی شہ زور بیٹی اسے ختم کر چکی تھی۔

کامی نے راستے میں پھولوں کا گلدستہ خرید لیا تھا...... اسے ہاتھ میں پکڑے وہ انکل کے
کمرے کی طرف بڑھا...... زری کی دروازے کی طرف پشت تھی...... اور وہ انکل کے بیڈ پر
جھکی شاید انہیں کچھ کھلا رہی تھی...... سائیڈ ٹیبل پر ٹائم پیس رکھی تھی...... دوا ایک نیلٹس بھی
تھی...... ایک کرسی اور سٹول بھی قریب ہی پڑا تھا...... کھڑکی پر سفید پردہ پڑا تھا...... اس
کے سامنے تنگ سی گدے وار نشست تھی...... جو مریض کے ساتھ رات کو ہسپتال میں
رہنے والے کے لئے سونے کا کام دیتی تھی...... ایک طرف الماری تھی...... جس کے سفید
پٹ بند تھے...... باتھ روم کا دروازہ الماری کے ساتھ ہی تھا...... ایک کونے میں سفید سٹینڈ تھا
جس پر گلوکوز کا خالی النائیگ لٹک رہا تھا۔

قدموں کی آہٹ پر زری نے گردن موڑ کر دیکھا...... کامی دروازے میں کھڑا تھا......
اس نے زری کو سلام کیا اور آگے بڑھ کر بیڈ کے سرہانے والی میز پر پھولوں کا گلدستہ رکھتے
ہوئے بولا...... "انکل کی طبیعت کیسی ہے اب"۔

زری نے نمناک آنکھوں سے اسے دیکھا اور سوپ کا پیالہ میز پر رکھتے ہوئے بولی......
"خود دیکھ لو" کامی انتہائی افسردہ ہو گیا...... لیکن چہرے پر بڑی کاوش سے مسکراہٹ بکھیرتے
ہوئے انکل پر جھکتے ہوئے سلام کیا۔

انکل عزیز احمد نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا...... کانپتا ہاتھ اٹھایا اور اس کے سر پر
رکھتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا...... ان میں سلام کا جواب دینے کی بھی ہمت نہ تھی...... کامی کو
بڑا دکھ ہوا۔

"انکل...... آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گے......" کامی نے وفور جذبات سے مغلوب

ہوتے ہوئے ان کا اٹھا ہوا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں تھام لیا...... "ہم سب کی دعائیں آپ کے ساتھ ہیں"۔

وہ چند لمحے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے رہا...... ان کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں...... جہاں زندگی کے سفینے کے آہستہ آہستہ ڈوبنے کی بڑی واضح جھلک تھی...... کامی حد افسردہ نظر آنے لگا۔

وہ چند منٹ چپ چاپ بیڈ کے قریب کھڑا رہا...... پھر آہستگی سے عزیز احمد کا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا...... انہوں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں...... نقاہت چہرے سے عیاں تھی۔

"کامی بیٹے" زری نے آہستگی سے اسے پکارا۔

کامی مڑا اور زری کی طرف افسردہ نظروں سے دیکھتے ہوئے ہولے سے بولا...... "انکل بہت کمزور ہو گئے ہیں"۔

"ہاں" زری کی آواز گلوگیر تھی...... آنکھیں لال اور سوجی ہوئی تھیں...... شاید کچھ دیر پہلے وہ رو رہی تھی۔

"خدا اپنا رحم فرمائے" کامی گہری سانس روکتے ہوئے بولا۔ "ڈاکٹر طارق ہی ان کو دیکھ رہے ہیں نا"۔

"ہاں وہی ہیں...... صبح تو ان کے ساتھ دو ڈاکٹر اور بھی آئے تھے"۔

"کیا کہا انہوں نے"۔

"پتہ نہیں...... آپس ہی میں باتیں کرتے رہے...... بول بھی انگریزی میں رہے تھے...... مجھے تو کچھ سمجھ نہیں آیا تھا...... شاید کچھ دوائیاں بدلی ہیں...... پہلے اور طرح کے انجکشن تھے...... ابھی جو حیدر لایا تھا...... وہ اور ہیں"۔

کامی چند لمحے چپ کھڑا رہا۔

"بیٹھو نا" زری نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

"نہیں خالہ...... بیٹھنے کا وقت نہیں ہے...... میں تو جانے سے پہلے انکل کو دیکھنے آیا تھا"۔

"باہر جا رہے ہو"

"جی"

"کب"

"آج رات"

"اچھا"

"جی"

زری چند لمحے دکھی دکھی سی کھڑی اپنے دونوں ہاتھ ملتی رہی...... پھر بوجھل آواز میں بولی...... "یہ تمہاری برخورداری ہے بیٹے...... جو ہماری احوال پرسی کو چلے آتے ہو...... ورنہ دوسروں نے تو جو سلوک"۔

"بس خالہ بس" کامی نے آگے بڑھ کر اس کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا...... "پرانی باتیں چھوڑیں...... آپ اپنا خیال رکھیں...... انکل کی صحت یابی کے لئے دعا کریں...... خدا ان کو زندگی دے"۔

زری نے گہری سانس لی...... تو کامی نے ان کے کندھوں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ ڈالتے ہوئے گریہ گری سی مسکراہٹ سے کہا...... "یہ قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں...... خالہ مجھے کسی سے کوئی گلہ نہیں"۔

پھر اس نے اپنے ہاتھ ہٹائے اور قدم اٹھاتے ہوئے بولا...... "خدا حافظ خالہ...... دعا ہے میرے آنے تک انکل بھلے چنگے ہو جائیں"۔

"خدا حافظ...... اللہ تمہیں اپنی رحمتوں کے سائے میں رکھے" زری نے حسرت بھری نگاہ اس پر ڈالی...... پھر آہستگی سے کہا...... "کتنا ظرف ہے تم لوگوں کا...... جو اتنی بڑی بات کے باوجود ہمارا خیال رکھتے ہو"۔

"خالہ سوچیں اپنی اپنی ہوتی ہیں"۔

"ہوں"

"اچھا خدا حافظ...... میں جا رہا ہوں"۔

"خدا حافظ"

کامی نے ایک الوداعی نگاہ انکل اور زری پر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل آیا...... اس نے ثمینہ کے متعلق کوئی بات نہیں کی...... نہ ہی پوچھا...... کہ وہ گھر پر ہے یا کہیں اور گئی ہوئی

ہے۔ ....اسے اس بات سے واسطہ بھی کیا تھا.....اس رات کے واقعے کے بعد تو اس نے اپنے آپ کو اور بھی سمیٹ لیا تھا.....نوری اپنے افعال کی آپ مختار تھی.....اسے یہ سوچ کر حیرت بھی ہوتی تھی کہ آخر اس دن اس نے اس پر ہاتھ کیوں اٹھایا تھا.....وہ اس کے حلیے اور رویے سے جان تو گیا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے..... لیکن جب نوری نے سارے تعلق خود منقطع کر لئے ہوئے تھے اور اس قطع تعلق سے کامی نے خود بھی ذہنی مطابقت کر لی ہوئی تھی.....پھر اسے اس دن اتنا طیش کیوں آیا تھا..... غصے میں کیوں بھر گیا تھا..... تھپڑ کیوں مارا تھا.....یہ رد عمل تو اپنائیت کی انتہا ہو تو ہوتا ہے۔

اپنائیت کی انتہا کا اسے اعتراف کرنا ہی پڑتا تھا۔

وہ

نوری کے لئے اپنا نہیں تھا۔

لیکن

نوری تو اس کے لئے اب بھی اپنی تھی۔

دل کے جو مندر حسن منہدم ہو چکے تھے.....وہ انہیں توڑ ہی کب پایا تھا۔

وہ بجھے بجھے دل سے کمرے سے باہر نکل کر کوریڈور میں آگیا.....لوگ آجا رہے تھے۔ نرسیں کمروں کے اندر باہر آجا رہی تھیں.....وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا اپنی الجھنوں اپنی بکھری سوچوں سے الجھتا باہر کی طرف جانے کو قدم بڑھا رہا تھا کہ سامنے سے نوری آتی دکھائی دی۔

اس نے پھولدار کپڑوں پر کالی شال اوڑھ رکھی تھی..... چہرہ ستا ہوا تھا.....رنگت بھی پیلی پیلی تھی.....اس نے نظر بھر کر اسے دیکھا..... پھر دیوار کے ساتھ ہو لیا۔ نوری کوریڈور کے بیچوں بیچ چلی آرہی تھی۔

" کامی "وہ اس کے قریب پہنچ کر رک گئی۔

کامی ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا..... لیکن اس نے پکارا تو قدم آپوں آپ رک گئے۔

"لبو کو دیکھنے آئے تھے ؟"نوری نے بات کرنے کی غرض سے کہا.....اس رات کے بعد اس نے آج اسے دیکھا تھا۔

"ہوں" کامی نے ہنا اس کی طرف دیکھے کہا۔

"لبو کی طبیعت زیادہ ہی بگڑتی جارہی ہے"۔

"ہاں کافی کمزور ہو گئے ہیں"۔

"تم باہر جا رہے ہو"

"ہاں"

"کتنے دنوں کے لئے"

"شاید تین ماہ لگ جائیں"

"ہوں"

"کب جا رہے ہو"

"آج رات دو بجے فلائٹ ہے"۔

نوری نے بڑے اضطراب سے اسے دیکھا..... لیکن منہ سے کچھ نہیں بولی..... چند لمحے یوں چپ کھڑے رہے..... پھر کامی نے جانے کے لئے قدم اٹھایا۔

"میں چلتا ہوں" وہ بولا۔

نوری نے صرف نگاہ بھر کر اسے دیکھا۔

کامی ہولے سے مسکرایا..... اس کی مسکراہٹ میں طنز تھا..... آہستگی سے بولا...... تمہارے معیار پورا اترتا تو..... تمہیں الوداعی الفاظ کہنے کی جرات کر لیتا..... لیکن خیر"۔

وہ جلدی سے قدم اٹھا کر آگے بڑھ گیا۔

نوری وہیں کھڑی پلٹ کر اسے دیکھتی رہی..... وہ کیا سوچ رہی تھی..... کیا سمجھ رہی تھی..... اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا۔

☆☆☆

روزانہ رات دو بجے کے قریب اس کی آنکھ کھل جاتی...... کبھی دو بجنے والے ہوتے کبھی بجے ہوتے...... وہ وال کلاک سے نظریں ہٹا لیتی...... لیکن دو بجے سے وابستہ جذباتی را[بطے] منقطع نہ ہوتے...... سوچیں آزاد ہو جاتیں...... بند آنکھیں جاگ رہی ہوتیں...... اور وہ مسلسل کامی کے متعلق سوچے جاتی...... جو یورپ کے بزنس ٹرپ پر جا چکا تھا اور جس کی فلائٹ رات دو بجے پاکستان سے گئی تھی...... جہاز نے ٹھیک اسی وقت ٹیک آف کیا تھا...... زمین سے آسمان کی طرف پرواز کی تھی...... بلندیوں پر جا پہنچا تھا...... کامی کو لے کر اونچا بہت اونچا اڑ گیا تھا۔ اور اس کے اور کامی کے درمیان فاصلے پہلے ہی تھے...... لیکن اب تو بلندیاں پستیوں پر چھا[گئی] تھیں...... اسے لگتا تھا وہ اس سے دور...... بہت دور ہو گیا ہے۔

لیکن

کیا

وہ

واقعی اس سے دور ہو گیا تھا؟ وہ گھبرا کر سوچتی تو دل کے اندر سے اٹھنے والی آواز نفی[کی] صورت اختیار کئے ہوتی...... وہ اس سے ہرگز دور نہیں تھا...... قریب تھا بہت قریب...... قریب کہ وہ اس کی سانسوں کی تپش محسوس کر سکتی تھی...... دل کی دھک دھک سنا[ئی دیتی] تھی۔

وہ

اس سے کبھی بھی دور نہیں ہوا تھا۔

اپنے وجود کے سائے کی طرح اس نے ہمیشہ ہی اسے اپنے ساتھ محسوس کیا تھا۔

یہ دوسری بات ہے کہ اس زندہ حقیقت اور جاندار احساس کو وہ جانتے بوجھتے جھٹلاتی رہتی تھی...... سراب کے پیچھے بھاگنے کی عادت جو اپنا لی تھی...... رنگین خوابوں کی تعبیریں پکڑنے کے جنون میں جو مبتلا ہو گئی تھی...... آنکھوں پر پٹی باندھ لی جائے تو بے شک کچھ نظر نہیں آتا...... لیکن محسوسات کے آلے تو بیکار نہیں ہو جاتے...... کچھ چیزیں چھوئے بنا بھی تو محسوس کی جا سکتی ہیں۔

نوری بھی سوچوں کے گرداب میں گھری ان احساسات کو بار بار چھو لیتی تھی...... جو بچپن سے اس کے ساتھ تھے...... پلے بڑھے تھے اور اب جوانی کی حدود میں داخل ہو گئے تھے...... اسے اعتراف کرنا پڑتا تھا کہ وہ کامی سے محبت کرتی ہے...... یہ محبت محبت ہے صرف محبت...... کوئی جذباتی ریلا نہیں...... جذباتی ریلے تو کاظم کی محبت کے تھے...... سعود کے جذبات کے تھے...... ضیا سے متعلق تھے۔

دو رات کے ان بیدار لمحوں میں بڑی فراخدلی سے ہر سچائی کا اعتراف تو کر لیتی...... لیکن اس سے اسے سکون نہ ملتا...... اسے لگتا کامی اس سے دور بہت دور ہو گیا ہے...... یہ دوریاں محض فاصلوں پر محیط نہیں...... بلکہ اس میں بلندیوں اور پستیوں کے فاصلے حائل ہو گئے ہیں...... جو ماپے نہیں جا سکتے...... جنہیں صرف اذیت سے محسوس کیا جا سکتا ہے۔

وہ محسوس کر کر کے بے چین ہوتی رہتی...... کامی بہت اونچا جا رہا تھا...... اس کے ابو نے نئی کوٹھی بنوانا شروع کر دی تھی...... چند دن ہوئے نئی گاڑی بھی خرید لی تھی...... اس نے سنا تھا کہ یہ لوگ کوٹھی بننے تک کسی کرائے کی کوٹھی میں شفٹ ہو رہے ہیں...... کیونکہ اس گلی میں گاڑی نہیں آ سکتی تھی۔

بلندیوں پر پہنچنے کے لئے انتھک محنت اور کوشش کرنا پڑتی ہے...... اوپر جانا اتنا آسان نہیں ہوتا...... پاؤں بڑی احتیاط سے جما جما کر رکھنا پڑتے ہیں...... پھسلنے کے مواقع سے بھی دور رہنا ہوتا ہے...... خون پسینہ ایک کرنا پڑتا ہے...... کامی اس کے باپ اور گھر والوں نے یہی کیا تھا...... اب ان کے قدم کٹھنائیوں کے خوگر ہو گئے تھے...... ذہن محنت کے عادی تھے...... آہستہ آہستہ ترقی کے مدارج طے کرتے ہوئے وہ کافی اوپر آ گئے تھے...... اب آگے بڑھنا بہت آسان تھا...... بنیادیں جو مضبوط بن گئی تھیں۔

نوری نے اس کٹھن لمحوں کا انتظار نہیں کیا تھا.....وہ بلندیوں کو ایک ہی وقت میں
چھو لینے کی خواہش میں قدم الٹی سمت اٹھاتی چلی گئی تھی.....اس غلطی کا احساس اسے کاظم کی
ناروا حرکت سے ہوا تھا.....وہ بہت سہم گئی تھی.....خوفزدہ رہنے لگی تھی.....کاظم اس
کے بعد اسے نظر نہیں آیا تھا.....ہاں سعود نے دو ایک دفعہ آگے بڑھنے کی کوشش کی تھی

لیکن

ایک تو ابھی کاظم کا دھڑکا تھا۔

دوسرے ابو ابھی ہسپتال میں تھے۔ جہاں کبھی وہ موت کی دہلیز تک پہنچ جاتے اور کبھی
زندگی کی طرف لوٹ آتے۔

تیسرے کامی چلا گیا تھا.....اسے اپنے اندر اس کے چلے جانے سے خلاء سا محسوس
ہوتا.....اپنے آپ کو غیر محفوظ سی لگنے لگتی.....پریشان پریشان رہتی.....رات کے
تاریک لمحوں میں جب اس کی آنکھ آپ ہی آپ دو بجے کے لگ بھگ کھل جاتی.....تو وہ کئی
جہت سوچوں میں کھو جاتی.....ہر جہت اسے تاریک راہوں پر چھوڑ دیتی۔

ایک جہت یہ بھی ہوتی.....کہ کیا کامی کے ساتھ وہ اپنے ٹوٹے ناطے جوڑ سکے گی۔
کیا اس کی محبتوں کو پالے گی.....کیا وہ اس روٹھے محبوب کو منالے گی۔

اسے ان کا جواب نفی ہی میں ملتا۔

اب اسے شعور تھا کہ اس کے اور کامی کے درمیان بلندی اور پستی کا معاملہ آگیا ہے۔
اب اگر اس نے کامی سے اپنی بچپن کی محبتوں کا حق مانگا تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ اس کی دولت سے
مرعوب ہو کر اس کی طرف بڑھ رہی ہے.....وہ اسے بری طرح جھٹک دے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ دولت کی دیوانی تھی.....اس نے اپنے آپ کو دولت کے
ساختہ حصار کے اندر مقید کر رکھا تھا.....لیکن اب اپنے جذبات کا موزانہ کرتی.....تو کامی کے
معاملے میں اس کے اندر ایسے جذبات تو تھے ہی نہیں.....وہ بھول گئی تھی.....اپنے آپ کو
دیئے تھے.....سچائی سے گریز کرتی تھی.....جھوٹ کو اپنے اوپر مسلط کر لیا تھا۔

لیکن

اب جبکہ اسے اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا تھا.....وہ اپنے نقطہ آغاز کی طرف لوٹ آئی
دیکھ ہو چکی تھی.....سچائی کو جان لیا تھا.....پھر بھی مایوسی اس کا مقدر تھی.....کامی اسے اپنے
سے دور ہی دور ہوتا محسوس ہوتا تھا.....اس دوری کو وہ شدت سے محسوس کر رہی تھی.....
لیکن اس دوری کو مٹانے کی ہر راہ بند نظر آتی تھی۔

اس کی پریشانی کو اس کی عزیز ترین سہیلیاں بھی شدت سے محسوس کرتی تھیں.....کسی
کی بات پوچھ بھی لیتیں.....نوری ابو کی بیماری کا کہہ کر انہیں مطمئن کر دیتی۔

لیکن

کئی

دن اسی طرح گزر گئے.....تو راشدہ نے مہیلہ، ہنی اور رعنا سے کہا....."ضرور کوئی
بات ہے.....نوری کے ابو تو کافی عرصے سے بیمار ہیں"۔

"لیکن اب تو ہسپتال میں ایڈمٹ ہیں" ہنی نے پریشانی سے کہا....."ان کی حالت
تو ٹھیک نہیں"۔

"اس دن ہم لوگ دیکھنے تو گئے تھے مہیلہ نے کہا"خدانخواستہ بہت سیریس بھی تو نہیں
لگتے تھے"۔

"میرے خیال میں دو ماہ سے ہسپتال میں ہیں" رعنا نے کہا....."کسی کسی دن طبیعت
زیادہ خراب ہو جاتی ہے"۔

"وہ تو ہے.....لیکن نوری چند دنوں سے کچھ زیادہ ہی پریشان اور گم صم ہے" راشدہ نے
کہا

چاروں چند لمحے یہی باتیں کرتی رہیں.....پھر راشدہ کچھ سوچتے ہوئے بولی....."اس کی
کسی سے تو ان بن نہیں ہو گئی"۔

"کاظم تو یہاں ہے ہی نہیں" رعنا بولی....."میرا کزن بتا رہا تھا.....وہ کراچی چلا گیا
ہے"۔

"ہمیشہ کے لئے" ہنی نے جلدی سے پوچھا۔

"پتہ نہیں" وہ بولی....."لیکن لاہور میں نہیں ہے"۔

"ہوں" مہیلہ نے سر ہلایا....."اب سمجھ آئی نوری کی پریشانی کی وجہ"۔

"کیا" ہنی نے بے تابی سے پوچھا۔

"وہ اسے ضرور چھوڑ بھاگا ہوگا" مہیلہ بولی۔

"آئے ہائے" ہنی نے کہا..... "تم تو اتنی جلدی نتیجے نکال لیتی ہو..... ہو سکتا ہے وہ کام سے ہی گیا ہو"۔

راشدہ کچھ دیر چپ رہنے کے بعد بولی..... ویسے ہنی اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے ایسا ہی لفنگا ..... میں نے تم لوگوں اور نوری کو پہلے ہی بتایا تھا..... ہو سکتا ہے وہ اب تنہا امریکہ بھاگ جائے اور نوری کو یہ بات پتہ چل گئی ہو"۔

"ہائے ہائے..... قیاس آرائیوں کی کیا ضرورت ہے..... نوری ہی سے پوچھ لیتے ہیں"۔

"اس سے کئی بار پوچھا بتاتی ہی نہیں"۔

"میں پوچھوں گی..... پورے رعب کے ساتھ ..... پھر دیکھوں گی کیسے نہیں بتاتی" مہیلہ نے مکا تانتے ہوئے کہا۔

دوسرے ہی دن چاروں نے نوری کو گھیر لیا..... چھٹی ہو چکی تھی..... لڑکیاں کلاس سے نکل نکل کر باہر آ رہی تھیں..... کالج کے گیٹ پر بھی خاصہ جھمگٹا تھا..... باہر سڑک پر گاڑیاں ویگنیں اور رکشے قطار میں کھڑے تھے..... لڑکیوں کو بلانے کے لئے ڈرائیور لوگ یا لڑکیوں کے گھر سے لینے آنے والے باپ بھائی گیٹ کے قریب جمع ہو رہے تھے..... لڑکیاں باری باری گیٹ کے چھوٹے کھڑکی نما دروازے سے باہر نکل رہی تھیں..... اندرونی سڑک پر لڑکیاں دو دو چار چار کی ٹولیوں میں اپنے بیگ اٹھائے باتیں کرتیں گیٹ کی طرف بڑھ رہی تھیں..... کچھ دیر سے آنے والی سواریوں کے انتظار میں کالج کے طویل و عریض لان کے بنچوں پر بیٹھی تھیں..... کچھ گھاس پر ہی کتابوں کا تکیہ بنا کر لیٹی ایک دوسری سے باتیں کر رہی تھیں..... کچھ کینٹین سے لائی ہوئی آئس کریم بھی کھا رہی تھیں اور کچھ کے ہاتھ میں چپس کے لفافے بھی تھے۔

نوری کو چاروں سہیلیاں ایک گھنے درخت تلے لئے بیٹھی تھیں..... وہ حسب معمول اداس اور پریشان تھی..... آج فزکس کے جس ٹیسٹ کا رزلٹ ملا تھا..... اس میں نوری کے

نمبر خلاف توقع بہت کم آئے تھے..... بات چیت کا سلسلہ چھیڑنے کا یہی بات بہانہ بن گئی تھی۔

"نوری..... تم نے اتنے کم نمبر تو فزکس میں کبھی نہیں لئے..... اب کیا ہوا..... تیاری نہیں کی تھی"..... راشدہ نے ادھر ادھر کی غیر رسمی باتوں کے بعد پوچھا۔

نوری نے سر ادھر ادھر ہلاتے ہوئے کہا..... "پتہ نہیں اتنے نمبر بھی کیسے آگئے"۔

"کیوں؟ کیا فیل ہونے کا مصمم ارادہ تھا" ہنی نے کہا۔

"شاید" نوری نے اپنی لمبی موٹی چٹیا جو آگے جھک آئی تھی..... پشت پر پلٹتے ہوئے کہا۔

مہیلہ نے اسے چند لمحے غور سے دیکھا اور بولی..... "تمہارے ڈیڈی کا کیا حال ہے"۔

"ویسے ہی ہیں" نوری نے گہری سانس لے کر مضطرب انداز میں کہا..... "نئی دوائی شروع ہوئی تھی تو دو ہفتے میں کافی بہتر ہو گئے تھے..... لیکن اب پھر"۔

ہنی جلدی سے اس کی بات کاٹ کر ہمدردی سے بولی..... "نوری لگتا ہے ڈاکٹر ان کی بیماری کی صحیح تشخیص ہی نہیں کر پا رہے"۔

"پتہ نہیں" نوری نے کہا۔

"تم لوگ انہیں کسی اور اچھے ہوسپٹل میں کیوں نہیں لے جاتے..... میرے خیال میں ابھی تین ماہ تو یہاں ہو چلے ہیں" رعنا نے کہا۔

"نوری کے بولنے سے پہلے ہی مہیلہ بولی یہاں سب ہوسپٹل ایک جیسے ہی ہیں..... ارے تم لوگ انکل کو باہر کیوں نہیں لے جاتے"۔

"باہر؟" نوری نے اپنی مسحور کن نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاں نوری..... " مہیلہ پھر بولی "انہیں لنڈن یا امریکہ علاج کے لئے لے جانا چاہئے..... اب تو وہ بہت کمزور ہو گئے ہوں گے..... تم لوگوں کو انہیں باہر لے جانا چاہئے"۔

"بالکل" راشدہ بولی..... "میرے تایا جی بھی بہت بیمار ہو گئے تھے..... چند ماہ یہاں ہی علاج ہوتا رہا..... کوئی افاقہ نہ ہوتا تھا..... ہزاروں روپے خرچ کر ڈالے..... ان کے بچنے کی تو امید نہ رہی تھی..... لیکن جب ان کے بیٹے انہیں علاج کے لئے امریکہ لے گئے تو وہ ٹھیک ہونا شروع ہو گئے..... اب وہ بالکل ٹھیک ہیں..... صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی ہے"۔

"ہوں" نوری نے ہولے سے کہا..... "ان کے تو بیٹے انہیں باہر لے گئے..... یہاں بیٹے

کا تو نام و نشان نہیں"۔

"کوئی رشتہ دار تو ہوگا...... تمہارے ماموں ہیں...... انکل ہیں" رعنا نے اپنی
میں ہیتانہ ہونے کا قصہ ختم کرنے کو کہا۔

مہیلہ قدرے پریشان ہو کر بولی...... "ماموں ہوں یا انکل یہ ذمہ داری تو
اٹھا سکتے"۔

نوری چپ رہی۔

وہ چاروں آپس ہی میں باہر جا کر علاج کروانے کی باتیں کرنے لگیں...... ڈاکٹروں
ایمانداری اور جانفشانی سے کام کرنے کی باتوں سے لے کر دوائیوں کے خالص
موضوع چھیڑا...... پھر ہنی نے فیصلہ کن انداز میں کہا...... "نوری اگر تم اپنے ڈیڈی
لئے اتنی پریشان رہتی ہو تو تمہیں انکل کو باہر لے جانے کے متعلق سنجیدگی سے
چاہئے...... مانا تمہارا کوئی بھائی نہیں ہے...... لیکن تم ذہنی طور پر تیار ہو جاؤ تو میرے
وہاں کی ساری معلومات تمہارے لئے اکٹھی کر سکتے ہیں...... اعجاز بھائی تو انٹرنیٹ پر ہسپ
کی ساری ڈیٹیل لے سکتے ہیں...... ان سے بات کروں ؟"۔

نوری تذبذب میں پڑ گئی...... اس بیماری پر ساری جمع پونجی تو خرچ ہو چکی تھی......
بیچ کر بھی بیماری سے نپٹانہ جا سکا تھا...... اب تو امی ابو کی موٹر بائیک بیچ رہی تھیں......
سالہ موٹر سائیکل کی قیمت ان کے حسب منشا نہیں مل رہی تھی...... لیکن وہ اچھی قیمت
انتظار میں زیادہ دن رک بھی نہیں سکتی تھیں...... آج ہی حیدر چچا سے کہہ دیا تھا کہ جتنے کی
بکے بیچ دیں۔

نوری کے گھریلو اور اندرونی حالات کا ان لوگوں کو کیا پتہ تھا...... اسی لئے تو وہ
کر انکل کو لندن یا امریکہ لے جانے کے مشورے دے رہی تھیں۔

ہنی نے پھر ہوسپٹلز کی معلومات فراہم کرنے کے متعلق نوری سے پوچھا تو وہ
سے بولی...... "پہلے ممی سے پوچھ لوں"۔

"ہاں ضرور...... ان سے مشورہ کر کے مجھے بتا دینا...... اعجاز بھائی دو تین ہفتے
معلومات تو جھٹ سے حاصل کر لیں گے...... بلکہ خرچے کا بھی اندازہ بتا دیں گے......

تمہارے لئے مسئلہ نہ ہوگا"۔

چند لمحے انکل کی بیماری اور بیرون ملک علاج ہی کی باتیں ہوتی رہیں...... نوری نے ان
باتوں میں کوئی دلچسپی نہ لی...... تو مہیلہ بولی...... "نوری"۔

"ہوں"

"لگتا ہے انکل کی پریشانی کے علاوہ تمہیں اور بھی کوئی پریشانی ہے"۔

نوری جو اس وقت موٹر بائیک کی فروخت کے متعلق سوچ رہی تھی...... جھٹ سے
گھبرا کر بولی "نہیں تو اور کیا پریشانی ہوگی"۔

"کوئی تو ہے...... راشدہ نے موضوع کی سنجیدگی سے بچتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

نوری نے آنکھیں پھیلا کر دیکھا تو وہ رعنا کی طرف دیکھ کر پھر مسکرائی اور بولی......
"ہو سکتا ہے اسے کاظم کے چلے جانے کا غم ہو"۔

نوری بے ساختہ کہہ اٹھی...... "کیوں کہاں گیا وہ"

"اے لو...... کاظم سے متعلقہ ہستی کو اس کے بارے میں خبر ہی نہیں" رعنا نے کہا۔

"ہوں" ہنی کا انداز مزاحیہ نہیں تھا" تو تمہیں پتہ ہی نہیں اس کے متعلق"۔

نوری نے سر ہلایا...... اس کا جواب نفی میں تھا۔

"کراچی گیا ہوا ہے تمہیں بتا کر نہیں گیا فراڈ کہیں کا" راشدہ نے کہا۔

نوری نے سکون بھری گھبراہٹ سے ان سب کو دیکھا...... تو مہیلہ بولی...... "کراچی
سے لگتا ہے باہر ہی بھاگ جائے گا"۔

"مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں" نوری نے اطمینان سے کہا...... اس کے چہرے پر
چھائے گدلائے بادل کچھ ہٹ سے گئے۔

"واللہ" رعنا مسکرائی...... "لڑائی ہوگئی ہے کیا...... اتنی بے اعتنائی سے کہہ رہی ہو"

"میرے لئے یہ قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا ہے" نوری نے کتابیں اٹھاتے ہوئے
کہا "وہ کراچی جائے...... امریکہ یا جہنم میں...... مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں"۔

"واقعی" رعنا بولی۔

"ہاں" نوری نے مستحکم لہجے میں کہا۔

"شکر ہے" راشدہ نے کہا...... "تم راستے ہی سے پلٹ آئیں...... کچھ بتاؤ تو کس بات پر یہ افیئر ٹوٹا"۔

"افیئر تھا ہی نہیں" نوری بولی۔

"تو پھر کیا تھا محترمہ...... آئے دن کی ملاقاتیں کس سلسلے میں تھیں" رعنا نے کہا

"دل لگی" نوری نے کہا...... "میں نے پہلے بھی تم لوگوں سے یہ بات کہی تھی"۔

"تو یہ بات" راشدہ نے آنکھیں مٹکائیں۔

"نوری" مہیلہ چند لمحوں کے توقف کے بعد بولی۔

"ہوں" اس نے کتابیں اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ایک بات کہوں برا تو نہیں مانو گی"۔

"میں نے تمہاری باتوں کا کبھی برا مانا...... تم لوگ تو کبھی کبھی مجھ پر اچھی خاصی چوٹ کر دیتی ہو...... میں نے کبھی کچھ کہا"۔

"شاباش" ہنی مسکرائی۔

"اب بھی برا نہیں منانا...... جو میں کہوں کہ" وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"چپ کیوں ہو گئیں...... کہہ دو نا" نوری نے اداس نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"نوری...... مانا کہ تم بہت ماڈ گھرانے سے تعلق رکھتی ہو...... لیکن ایک بات میری ضرور مان لو...... یہ لڑکوں سے یوں آزادانہ ملنے ملانے کی عادت چھوڑ دو" مہیلہ نے کہہ دیا۔

راشدہ رعنا اور ہنی نے فوراً ہی مہیلہ کی تائید کی...... مہیلہ ان کی شہ اور نوری کی چپ سے جرات پا کر بولی...... "گھرانہ ماڈرن ہو یا دقیانوسی...... ہمارے معاشرے میں سب شرافت کے معیار تقریباً ایک سے ہیں...... ماں باپ کو اعتماد میں لئے بغیر لڑکیاں لڑکوں سے ملتی رہیں...... ان کے ساتھ گھومیں پھریں...... دعوتیں اڑائیں...... تحائف سمیٹیں یہ اچھی بات نہیں سمجھی جاتی...... میرے خیال میں تو اگر تم آنٹی کو اپنی سرگرمیوں کا بتاؤ تو یقیناً تمہیں اجازت نہ دیں...... کم از کم میرے ممی ڈیڈی تو میری ایسی سرگرمیوں پر مجھے" نے ہاتھ سے گردن کی طرف اشارہ کیا...... سب اس کی بات پر ہنس پڑیں۔

"واقعی" ہنی بولی...... "ماں باپ کا حسن سلوک ہے جو ہم پر زیادہ پابندیاں نہیں لگاتے...... دیکھا جائے تو انہوں نے ہمیں ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے...... اب دیکھو نا میں روز اکیلی گاڑی میں کالج آتی جاتی ہوں...... لیکن میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی کہ میں ماں باپ کو بتائے بغیر کسی لڑکے سے ناطہ جوڑ لوں گی اور کالج آتے یا جاتے اس کے ساتھ گھومتی پھروں گی...... حالانکہ ایسا کروں تو شاید ماں باپ کے علم میں یہ بات نہ آئے...... لیکن بھئی اعتماد بھی تو کوئی چیز ہے...... نوری تمہیں اگر کوئی لڑکا پسند آجاتا ہے تو اپنے ممی ڈیڈی سے ضرور کہو...... پھر وہ اجازت دیں تو اس کے ساتھ ملو...... نہ دیں تو جہاں قدم ہوں وہیں روک لو"۔

"بالکل" راشدہ بولی۔

"مجھے تو حیرت ہوتی ہے...... کاظم سے تم ملتی جلتی رہیں...... اسے بقول تمہارے چھوڑ بھی دیا...... لیکن یہ بات تم نے نہ تو اپنی ممی کو بتائی نہ پاپا کو...... کتنی غلط بات ہے...... کل کلاں کو وہ خبیث تمہیں بلیک میل کرنے لگے تو!!"

"ہائے آئے...... یہ تو بالکل ڈرتی نہیں...... دو چار دن ہوئے کسی اور لڑکے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی تھی" رعنا بولی۔

"وہ کون تھا؟" ہنی اور مہیلہ نے بیک زبان کہا۔

نوری نے سب کی طرف بھرپور نظروں سے دیکھا...... پھر رعنا سے مخاطب ہو کر بولی...... "اب میں کسی لڑکے کے ساتھ بھی گاڑی میں بیٹھی ہوئی...... تو تم اسے مجھ سے نتھی کر دو گی...... وہ اپنا کوئی عزیز بھی ہو سکتا ہے...... ڈیڈی کے دوست کا بیٹا بھی ہو سکتا ہے...... ہمارے گروپ کا کوئی نوجوان بھی ہو سکتا ہے" "یہ تمہارا گروپ کیا بلا ہے......" ہنی نے کہا۔

"چند لڑکے لڑکیاں جن کی آپس میں پر خلوص دوستی ہے...... ذہنی ہم آہنگی ہے...... ہفتے میں دو ایک بار مل کر ہلا گلا کر لیتے ہیں...... کوئی اچھے اچھے گانے سناتا ہے...... کوئی رقص کرتا ہے...... کوئی تقریریں کرتا ہے...... ہر ایک اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتا ہے...... بس سب محظوظ ہوتے ہیں...... اس دن جس کے ساتھ گاڑی میں مجھے رعنا نے دیکھا وہ سعود تھا...... ہمارا ایک ممبر گٹار بہت اچھی بجاتا ہے...... ہمارا ایک سرگرم رکن ہے...... اس دن میں ہوٹل جا رہی تھی...... سعود نے لفٹ دے دی...... رعنا صاحبہ نے دیکھ لیا اور...... بات کا

بتنگڑ بن گیا"۔

"بتنگڑ نہیں بنا نوری" رعنا جلدی سے بولی..... "میں نے تو سرسری سی بات کی بھئی مجھے تو کسی نوجوان سے لفٹ لینے کی کبھی بھی جرات نہ ہو"۔

"وہ ہمارے گروپ کا ممبر تھا..... غیر یا اجنبی نہیں تھا" نوری نے ڈھٹائی سے کہا تو وہ کندھے اچکا کر چپ ہو گئی۔

ہنی نے بات سمیٹتے ہوئے کہا..... "نوری ہم سب تمہاری مخلص دوست اور خیر خواہ ہیں..... تمہارا برا چاہنے کا سوال ہی نہیں..... ہم جو کچھ کہتی ہیں اپنی دانست میں تمہارے بھلے کو ہی کہتی ہیں"۔

"شکریہ" نوری اٹھ کھڑی ہوئی..... اس نے گھاس کے تنکے اپنے کپڑوں سے جھاڑے، کتابیں ہاتھ میں پکڑیں اور وہاں سے جانے لگی۔

رعنا سمجھی وہ ناراض ہو گئی ہے..... وہ اٹھی اور لپک کر اس کے سامنے آ کر بولی۔

"میری بات کا برا لگا"۔

"نہیں رعنا" نوری نے اس کے گال پر ہلکے سے تھپڑ لگایا" میں آج کل بہت پریشان ہوں..... اگر کسی بات کا برا مان بھی لوں تو مائنڈ نہ کرنا"۔

"تمہاری پریشانی ہی نے تو ہم سب کو پریشان کر رکھا ہے..... اسی لئے تو آج اتنی باتیں ہوئیں"۔

"شکریہ" نوری نے پھر کہا..... چاروں اٹھ کر اس کے گرد جمع ہو گئی تھیں۔

"ہمیں تو یہ جان کر تسلی ہو گئی ہے..... کہ تم کم از کم کاظم کے جانے کی وجہ سے پریشان نہیں ہو" مہیلہ نے کہا۔

نوری نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا..... "گولی مارو اسے..... اور پریشانیاں بھی تو ہیں میرے لئے"۔

"انکل کو خدا صحت دے" ہنی نے کہا..... "واقعی ڈیڈی کی بیماری بھی تو سب سے بڑی پریشانی ہو سکتی ہے"۔

"ہوں" نوری کے دماغ کی نسیں چٹخنے لگیں..... اب وہ انہیں کیسے بتاتی کہ اسے ابو کی

بیماری کی وجہ سے گھیر لینے والی اور بھی کتنی پریشانیاں ہیں..... اپنے آپ کو مصنوعی خول میں چھپا لینے کی وجہ سے بھی تو کئی پریشانیاں ہیں..... گھر کا اثاثہ بیماری کی نظر ہو رہا ہے..... گھر کی چیزیں بک رہی ہیں..... چینی کے کتنے ہی برتن امی نے بیچ ڈالے..... کل ڈرائنگ روم کی چیزوں کا بھی کسی سے سودا ہو رہا تھا..... بائیک بک رہی ہے..... اور..... اور..... ایک پریشانیوں کے ساتھ..... کاظم سے بچھڑنے کی پریشانی..... اف کتنی تندی اور تیزی سے اس کی زندگی میں تبدیلیاں آ رہی تھیں..... سنہرے خواب بکھر رہے تھے..... امارت کا حصار جس کے اندر اس نے تصنع سے اپنے آپ کو بند کر رکھا تھا..... ٹوٹنے کے امکان کی صورت پیدا ہو رہی تھی..... بچاؤ کی صورت نہیں تھی..... اس کی سہیلیوں کو پتہ چل جائے کہ وہ ایک رئیس کی نہیں ہیڈ کلرک کی بیٹی ہے..... کوٹھیوں اور حویلیوں والی نہیں..... کرائے کے مکان میں رہنے والی ایک عام سی متوسط سے بھی کم درجے کی لڑکی ہے..... تو کیا ہو گا۔

اس نے گھبرا کر سر جھٹکا اور زہر خند سے بولی..... "میں دکھتا ہوا پھوڑا ہوں..... مجھے مت چھیڑا کرو..... یہ پھوڑا پھٹ گیا نا تو اس میں سے ایسا گندہ اور بدبودار مواد نکلے گا..... کہ تم سب کراہت سے منہ پھیر لو گی"۔

"ہائے نہیں نوری" ہنی نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں..... مہیلہ بھی اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر آبدیدہ سی ہو گئی..... "کیسی باتیں کرتی ہو نوری..... لگتا ہے انکل کی حالت زیادہ ہی تشویش ناک ہے..... خدا رحم کرے"۔

"ہم سب ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں..... اللہ میاں ان کا سایہ تمہارے سر پر ہمیشہ سلامت رکھے"۔

"آمین"

"اچھا" نوری نے چند لمحوں کے بعد جب اپنے آپ کو ہنی اور مہیلہ کی گرفت سے آزاد کرایا..... تو بولی..... "میں چلتی ہوں..... گھر سارا الٹ پلٹ ہو رہا ہے سوچ رہی تھی..... آج کو ٹھیک کر دوں گی..... لیکن اتنا وقت ہو گیا..... اب تو سیدھی ہوسپٹل ہی جاؤں گی"۔

"چلو میں تمہیں ڈراپ کر دیتی ہوں" ہنی نے جلدی سے کہا۔

"تم کہاں اتنی دور جاؤ گی..... "نوری بولی۔

"تکلف کی کیا بات ہے چلی جاؤ اس کے ساتھ" تینوں نے کہا..... تو نوری نے ہنی کی
طرف دیکھا..... "چلو مجھے ڈراپ کر ہی دو"۔

"خدا حافظ" کے تبادلوں کے بعد ہنی اور نوری گیٹ کی طرف بڑھ گئیں۔

راستے میں ہنی انکل کے متعلق ہی نوری سے پوچھتی رہی..... "اپنی ممی سے پوچھ کر
مجھے ضرور فون کر دینا..... انکل کو ضرور باہر لے جاؤ تم لوگ علاج کے لئے..... اعجاز بھائی
انٹرنیٹ پر سب کچھ پتہ کر دیں گے..... تم کوئی فکر نہ کرو..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... اپنی
ممی سے ضرور صلاح کرنا..... خدا کرے باہر جا کر وہ بالکل ٹھیک ہو جائیں"۔

ہوسپٹل کے باہر ہنی نے نوری کو ڈراپ کیا..... تب بھی یہی تاکید کی..... "رات مجھے
فون پہ بتا دینا ضرور"۔

"اچھا" نوری صرف اتنا کہہ کر اسے خدا حافظ کہتے ہوئے اندر چلی گئی۔

باپ کو امریکہ لے جانے کا خواب بھی نہیں دیکھا جا سکتا تھا..... علاج کے لئے پیسوں
کے لالے تو یہاں ہی پڑے تھے۔

رات نوری نے تو ہنی کو فون نہیں کیا..... ہنی ہی کا فون آ گیا..... اس نے اعجاز بھائی سے
ساری بات کر لی تھی..... صرف نوری اور اس کی ممی کی رائے کا انتظار تھا۔

نوری نے اپنا ساختہ بھرم اب بھی نہیں توڑا..... ہنی کو کہہ دیا..... "بابا کے ڈاکٹر ان کی
حالت کے پیش نظر انہیں باہر لے جانے پر رضامند نہیں..... ہم نے تو بہت کہا..... لیکن
کہتے ہیں اس میں بڑا رسک ہے"۔

☆☆☆

کرہ ارض پر موسموں کے آنے جانے کا وقت متعین ہوتا ہے..... ایک موسم آتا
ہے..... اپنا معین وقت گزارتا ہے..... تو دوسرے موسم کی آمد آمد شروع ہو جاتی ہے..... وہ
آتا ہے اور چلا جاتا ہے..... پھر تیسرے کا دور دورہ ہوتا ہے..... تیسرا ختم ہو تو چوتھا شروع
ہو جاتا ہے..... ان کے دورانئے میں دنوں کی کمی بیشی ہو سکتی ہے لیکن نظام وہی رہتا ہے.....
چاروں موسم وقت پر وارد ہوتے ہیں اور وقت پر ہی رخصت ہو جاتے ہیں..... رتیں یوں ہی
آتی بدلتی رہتی ہیں..... سردی، بہار، گرمی، خزاں چار ہی موسم ہیں..... زمین ان کی خوگر
ہو چکی ہے..... یہ تبدیلیاں اس پر ناخوشگوار اثرات مرتب نہیں کرتیں۔

انسانی زندگی پر وارد ہونے والے موسموں کا نہ تو وقت مقرر ہوتا ہے نہ دورانیہ کسی قید
میں آتا ہے..... موسم یہاں بھی بدلتے ہیں..... لیکن ان کی آمد کا پتہ نہیں ہوتا..... نہ ہی یہ پتہ
ہوتا ہے کہ ایک موسم کب تک چلے گا..... کبھی کبھی تو ایک ہی موسم برسوں پر محیط رہتا
ہے..... کبھی ادلا بدلی اتنی جلدی جلدی اور اچانک ہوتی ہے کہ انسان بوکھلا کر رہ جاتا ہے۔

زری اور عزیز احمد کی زندگی بھی ایک ہی موسم کے تحت برسوں چلتی رہی تھی..... یہ
موسم زیادہ خوشگوار نہیں تھا..... تو ایسا ناخوشگوار بھی نہیں تھا..... گزر بسر اچھی ہو رہی
تھی..... اپنے طبقے کے لحاظ سے وہ کچھ اونچے ہی معیار پر رہتے تھے..... نوری کی تو انہوں نے
اٹھان ہی اس طرح کی تھی..... کہ وہ اپنے آپ کو اپنے طبقے کے لوگوں سے برتر سمجھنے لگی
تھی..... اس کے چاؤ چونچلے بھی یہ لوگ پورے کر سکتے تھے اور کر رہے تھے..... اس کے لئے
انہیں اچھا مہنگا سکول اور ہر ایسی چیز بھرپور طور اکٹھی کر ہی لیتے تھے جو اونچے طبقے کی لڑکیوں
کی ضرورت ہوتی ہے۔

لیکن

اچانک ہی برسوں سے چلتا ایک ہی موسم بدل گیا...... خوشگواری ناخوشگواری میں بدل گئی...... عزیز احمد بیمار پڑ گئے...... ایسے بیمار پڑے کہ زندگی کے مفہوم ہی بدل گئے...... ارض کے موسموں کی طرح زندگی کے موسموں کے بدلنے کا امکان ہوتا...... تو شاید یہ ایسی تبدیلی صبر سے برداشت بھی کر لی جاتی...... آنے والے نئے موسم کا جانفزا احساس تبدیلی کو برداشت کرنے کی ہمت پیدا کر دیتا...... لیکن اس موسم کے دورانئے کا تو علم ہی نہ تھا کب بدلے گا اور بدلے گا بھی یا نہیں...... زندگی بھر ایسے ہی چلتا رہے گا...... کون جانتا تھا۔

زری بیماری کی وجہ سے اب بہت ہی گھبرا گئی تھی...... اب تو گھر کا سامان ہی تھا جسے بیچا جا سکتا تھا...... نئے سینت سینت کر رکھے ہوئے برتن آہستہ آہستہ بک رہے تھے...... ڈرائنگ روم کے پرانے فرنیچر کو بھی اونے پونے بیچنا چاہ رہی تھی...... ان سب باتوں سے نوری بھی بری طرح متاثر ہو رہی تھی۔

صوفہ اور میزیں وغیرہ دیکھ کر محلے کی ایک عورت ابھی ابھی گئی تھی...... زری برآمدے میں بچھے پلنگ پر بیٹھی رو رہی تھی...... دل بھر بھر آ رہا تھا...... مستقبل تیرہ و تاریک تھا...... کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا...... رونا تو شاید اب اس کا مقدر ہی بن گیا تھا...... ہوسپٹل ہوتی تو عزیز احمد کو دیکھ دیکھ کر روتی...... گھر آتی تو مالی حالات کی بدحالی کا سوچ سوچ کر روتی۔

نوری آج کالج نہیں گئی تھی...... اپنا کمرہ ٹھیک کر کے برآمدے میں آئی...... تو زری کو ہاتھوں پہ سر گرائے روتے ہوئے پا کر پریشان ہو گئی...... جلدی سے اس کے پہلو میں بیٹھتے ہوئے اس کے گلے میں بانہیں ڈال کر بولی...... "امی خیر تو ہے نا"۔

زری نے سر اٹھایا، دوپٹے سے ناک منہ پونچھا، بھیگی آنکھوں سے نوری کو دیکھا اور کانپتی ہوئی آواز میں بولی۔ "نوری سمجھ نہیں آتا میں کیا کروں"۔

"کیوں امی" نوری نے ماں کے آنسو پونچھے۔

"تمہارے ابو کی بیماری بے انتہا طول پکڑ گئی ہے...... اتنا مہنگا علاج کہاں سے کراؤں"۔

نوری کو کچھ سمجھ نہ آیا کہ کیا کہے۔

"اب تو گھر کی چیزیں بیچ کر بھی کام نہیں چلے گا" وہ پھر آنچل سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولی...... "کہاں سے لاؤں پیسہ...... خدا کے سوا کوئی سہارا ہے نہ آسرا...... کہیں سے چند روپے بھی قرض نہیں مل رہے...... ہزاروں کا خرچہ ہے"۔

نوری جلدی سے بولی...... "ابو کی موٹر سائیکل"۔

"اس سے کتنے پیسے ملیں گے بمشکل ہسپتال کا خرچہ پورا ہو گا...... پتہ نہیں کتنا بل بن چکا ہو گا"۔ نوری پریشان ہو گئی۔

"نوری"

"ہوں"

"میرا خیال ہے تمہارے ابو کو ہسپتال سے گھر لے آئیں"۔

"کیا؟...... گھر!! علاج کیسے ہو گا"۔

"وہاں بھی کیسے ہو گا...... مجھے تو کوئی راہ سجھائی نہیں دیتی"۔

"امی!"

نوری نے پریشانی اور دکھ بھری آواز میں امی کہا...... تو زری کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔

"میں کیا کروں بیٹی......" زری نے روانی اور تواتر سے بہنے والے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا...... "سارے حالات تمہارے سامنے ہیں"۔

"ابو کے دفتر سے جو پیسے حیدر چچا نے لینے کو کہا تھا"۔

"وہ مل بھی گئے تھے...... اس سے تو ہفتہ بھر کی دوائیاں اور انجکشن بھی پورے نہیں آئے تھے" وہ بولی پھر سر جھنجھوڑاتے ہوئے کہا...... "پتہ نہیں اتنے مہنگے مہنگے انجکشن ڈاکٹر کیوں لکھ دیتے ہیں...... افاقہ تو ہوتا نہیں"۔

"ڈاکٹر کیا کریں" نوری نے سپاٹ ویران آنکھوں سے صحن پر نگاہ ڈالی...... "جو کچھ ان کے بس میں ہے کر رہے ہیں"۔

"لیکن ہمارے بس میں تو اب اتنا مہنگا علاج کروانا ممکن نہیں...... کس کے سامنے جا کر ہاتھ پھیلائیں...... ہماری وجہ سے تو حیدر بیچارہ بھی خوار ہو رہا ہے...... کل سینہ کے چچا سے ہزار روپیہ ادھار مانگ کر لایا تھا...... کتنی معیوب اور بری بات ہے...... بھائی کے لئے بیوی

کے چچا کے سامنے ہاتھ پھیلائے...... "زری روئے جا رہی تھی...... نوری کی پریشانی بڑھ رہی تھی...... سوچنے سمجھنے کی لگتا تھا صلاحیتیں ہی ختم ہو رہی ہیں...... جذباتی رو میں بہتے ہوئے اس نے یہ سوچا کہ اپنی امیر کبیر سہیلیوں سے ہی کچھ مالی مدد مانگ لے...... لیکن یہ سوچنا ہی تھا...... اس پر عمل پیرا ہونا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی تھا...... لاچار ہو کر وہ بھی رو دی۔ سوکھی ویران اور بنجر آنکھوں میں جل تھل ہو گیا۔

زری نے سسکیاں بھرتی نوری کو سینے سے لگا لیا...... کچھ دیر دونوں ماں بیٹی بہتے ہوئے سے روتی رہیں...... پھر دونوں الگ ہو کر بیٹھ گئیں...... وہ اب بھی رو رہی تھیں...... رونے کے سوا چارہ بھی کیا تھا۔

یہ مداوہ بھی تو نہیں تھا۔

کیا کرتیں۔

جب آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہو گیا...... تو بھیگے آنچلوں سے آنکھیں گال پونچھتے ہوئے دونوں چپ چاپ بیٹھی رہیں...... وہ کیا سوچ رہی تھیں...... شاید کچھ بھی نہیں...... تفکرات گھمبیر ہو جائیں تو سوچ کی ساری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں...... کچھ یہی حال ماں بیٹی کا تھا۔

"امی" نوری نے ایک لمبے توقف کے بعد کہا۔

"ہوں" زری اب بھی گم صم تھی۔

"پھر کیا کیا جائے"۔

"یہی کیا جا سکتا ہے...... کہ تمہارے ابو کو گھر لے آئیں"۔

"امی...... وہ کافی سیریس ہیں...... گھر لا کر"۔

"تو پھر کیا کروں میں...... سب کچھ تمہارے سامنے ہے"۔

"انہیں گورنمنٹ ہسپتال میں داخل کروا دیتے ہیں...... پرائیویٹ ہسپتال میں تو رکھنے کی اب واقعی گنجائش نہیں...... گورنمنٹ ہوسپٹل میں علاج بھی تو گورنمنٹ کی طرف سے ہو گا"۔

"خاک ہو گا...... معمولی دوائیاں ہسپتال سے ملتی ہیں...... باقی خود لانا پڑتی ہیں"۔

"ہوں"

"پھر پتہ ہے گورنمنٹ ہسپتال ہے کہاں...... وہاں تو روز ایک بندے کے آنے جانے میں بھی اتنے پیسے لگ جاتے ہیں...... ایک دن کی تو بات نہیں...... پتہ نہیں کتنے دن یا مہینے لگیں" زری کی آواز پھر گلوگیر ہو گئی۔

"حوصلے سے کام لیں امی"۔

"ہونہہ...... حوصلہ...... اب تو حوصلے کا بھی جگر پھٹ رہا ہے"۔

"امی" نوری نے پھر سر ماں کے کندھے پر رکھ کر آنکھیں بند کر لیں...... آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے...... "ہم کتنے مجبور و لاچار ہیں امی"۔

"یہاں بھی آنے جانے میں رکشے بس اور ٹیکسی کے خاصے پیسے خرچ ہو جاتے ہیں" زری نے ایک ٹھنڈی آہ بھری...... پھر اسے کامی یاد آ گیا...... حسرت سے بولی...... "خدا زندگی دے کامی کو...... روزانہ لے جاتا تھا مجھے...... گھر سے کوئی چیز منگوانا ہوتی...... تو دوڑا دوڑا آ جاتا تھا...... اپنے کام سے وہ اتنا وقت زبردستی نکال لیتا تھا"۔

نوری دم بخود سی بیٹھی رہی۔

زری پھر گہری سانس چھوڑتے ہوئے بولی...... "ہم ہی بد قسمت ہیں...... جو ایسے ہیرے ایسے لڑکے کو گنوا دیا...... اتنے اچھے لوگ ایسا اچھا لڑکا...... آفرین ہے ان لوگوں پر اب بھی عزیز احمد کی خبر گیری کو کبھی کبھار آ جاتے ہیں"۔

نوری اب بھی چپ رہی۔

"کامی بھی جب گھر فون کرتا ہے ان کی احوال پرسی ضرور کرتا ہے" زری نے ٹھنڈی آہیں بھرتے ہوئے کہا...... "اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو پلٹ کر دیکھتا بھی نہیں"۔

"کیوں" نوری کے منہ سے یونہی نکل گیا۔

زری سرخ سرخ بھیگی بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے جیسے غرائی...... "تھوڑی بے رخی کی تھی تم نے اس کی...... پتہ نہیں کس امارت کا گھمنڈ تھا تیرے مغز میں...... کس بات کی اترائی ہوئی تھی...... دیکھا تم نے دنوں میں وہ لوگ کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہیں...... انکی مل رہی ہے گاڑیاں دو ہو گئی ہیں...... دو ایک دن میں کرائے کی کوٹھی میں شفٹ

ہو رہے ہیں"۔

"یہاں سے چلے جائیں گے" نوری نے پھر جیسے بے تعلقی سے کہہ دیا۔

"تو اور" زری بولی...... "اب وہ یہاں کیسے رہ سکتے ہیں...... گلی محلوں والے لوگ تو

ہی رہے ہیں"۔

نوری نے سر اٹھا کر ماں کو دیکھا اور بولی...... "چھوڑیں امی ان باتوں کو...... ہمیں کیا

دینا...... ابو کے متعلق سوچیں کیا کرنا ہے"۔

"گھر لے آنے کے سوا کوئی چارہ نہیں" زری اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہسپتال کب جائیں گی؟"

"ابھی جا رہی ہوں...... یخنی بنائی ہے اور تو وہاں کسی شے کی ضرورت نہیں"۔

"میں بھی چلوں"۔

"کیا کرو گی جا کر...... حیدر وہیں ہو گا...... میں اس سے کہتی ہوں...... ڈاکٹر سے پڑ

لے...... ہم انہیں گھر ہی لے آتے ہیں...... اور کچھ نہیں ہو سکتا...... ہائے...... کچھ نہ

ہو سکتا...... مجبوری کا منہ کیسے بند کروں"۔

زری پھر رو دینے کو ہو رہی تھی۔

نوری بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔

دونوں بڑی بکھری بکھری اداس اداس تھیں۔

اگلے ہفتے عزیز احمد کو زری گھر ہی لے آئی...... ان کی حالت بے حد خراب تھی۔ گھ

مالی حالات کا تقاضا یہی تھا...... روتے دھوتے یہ قدم زری کو اٹھانا ہی پڑا...... ہسپتال کا

بمشکل بائیک بیچ کر ادا ہوا...... چھوٹے موٹے جو قرضے لے رکھے تھے...... ان کے

کی کوئی راہ نہ تھی۔

گھر آ کر عزیز احمد زیادہ دن بیوی اور بیٹی پر بار نہیں بنے۔

وہ ایک ڈوبتی شام تھی...... جب زندگی سارے داؤ پیچ ہار گئی...... علاج معالجہ

دھرے رہ گئے۔

عزیز احمد

کچھ کہے بغیر

کچھ سنے بغیر

کوئی نصیحت

کوئی وصیت کئے بغیر

دنیا سے منہ موڑ گئے...... چند غوطے آئے...... کچھ لمبی سانسیں ٹوٹیں...... پھر دل تھم

ختم ہو گیا...... ڈاکٹر بلایا گیا...... اس نے سینے پر بازوؤں اور ہاتھوں کا زور دے دے کر تھمتے دل کی

دھڑکنیں ہموار کرنے کی کوشش کی۔

لیکن

بے سود...... زندگی ہار گئی...... موت جیت گئی...... زندگی مرنے ہی کے لئے تو ہوتی

ہے...... اس کا پتہ نہیں کب موت کے سامنے ہتھیار ڈال دے...... کبھی تو ہتھیار ڈالنے میں

بڑی مزاحم ہوتی ہے...... طرح دے کر نکل جانا چاہتی ہے...... داؤ پیچ لڑاتی ہے۔

اور

کبھی

اچانک ہی

چپکے سے

ہتھیار ڈال کر چلتی بنتی ہے...... خوشی سے موت کے سامنے سرنگوں ہو جاتی

ہے...... آسانی سے اس کے ہاتھ میں اپنا آپ دے دیتی ہے۔

عزیز احمد کا حیات سے ناطہ توڑ کر موت سے ناطہ جوڑ لینا متوقع تو تھا...... ان کی گرتی

صحت پکار پکار کر اس کا اعلان کر رہی تھی...... لیکن کچھ حقیقتیں اتنی تلخ اور ناقابل برداشت

ہوتی ہیں کہ انسان جانتے بوجھتے ہوئے بھی ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے......

سکا چاہتا کہ ان روح فرسا حقیقتوں کا کبھی بھی سامنا کرے۔

لیکن

ہونی جب ہو جائے

تو

یقین کرنا ہی پڑتا ہے۔

زری اور نوری سب کچھ دیکھ تو رہی تھیں...... عزیز احمد کو گھر لا کر علاج معالجہ بھی لیا پڑ گیا تھا...... یہ دن آنا ہی تھا...... لیکن وہ دونوں اور خاص کر نوری تو اس دن روح فرسائی کے لیے شاید ذہنی طور پر تیار نہ تھی...... ہمیشہ حقائق سے دور اک خیالی دنیا میں بسنے والی لڑکی کو تو شاید اس کا ادراک بھی نہیں تھا کہ بھنور میں ہچکولے کھاتی کشتی ڈوب بھی سکتی ہے...... اس پر تو جیسے آسمان ٹوٹ پڑا...... صدمے اور دکھ کا بوجھ اس کی استطاعت اور قوت برداشت سے کہیں زیادہ تھا...... عزیز احمد کے جسد خاکی سے وہ لپٹ لپٹ کر اس طرح تڑپی کہ دیکھنے والی کوئی آنکھ پرنم ہوئے بغیر نہ رہ سکی...... زری پر خود بھی کیا کم قیامت ٹوٹی تھی...... برسوں کا ساتھ ٹوٹ گیا تھا...... یادوں کے خزینے جو سینے میں دفن تھے...... پھٹ پھٹ کر باہر آ رہے تھے...... ماں بیٹی ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھیں...... کبھی عزیز احمد سے لپٹ جاتیں...... کبھی ایک دوسری کے سینے سے لگ جاتیں...... حیدر جس نے بھائی کی بیماری میں دوڑ دھوپ میں ذرہ بھر کوتاہی نہ کی تھی...... خود بھی رو رہا تھا...... اور ان بیچاری ماں بیٹیوں کو بھی سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا...... اک طوفان امنڈا ہوا تھا...... ہر سمبل کی تڑپ دیدنی تھی...... محلے میں عزیز احمد کے فوت ہونے کی خبر ہو گئی...... تو جس نے سنا بھاگا آیا...... محلے والوں سے برسوں کے تعلقات تھے...... دکھ سکھ کی سانجھ تھی...... ہر کوئی زری اور نوری کے دکھ میں شریک تھا...... زری اور نوری کی آہ و پکار چیخوں اور ماتمی بینوں سے فضا کا سینہ چاک ہو رہا تھا...... محلے والے رو رہے تھے...... دور پار کے رشتہ دار بھی جمع ہو رہے تھے...... زری کی ماں بھائی اور بھابی بھی آ گئے تھے...... ہر چشم آبدیدہ تھی...... آپس کے چاہے کتنے اور کیسے بھی اختلافات تھے ان کی ڈور تو زندگی سے بندھی تھی...... زندگی نے مر کر لگنا تھا...... یہ اختلافات مٹ چکے تھے...... جبھی تو بھائی عظمت نے زری اور نوری کو گلے سے لگا لیا تھا...... ماں نے زری کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آنسو بہائے تھے...... ہر کوئی رو رہا تھا۔

اک کہرام مچا تھا۔

نوری تو باپ کے سینے سے الگ ہو ہی نہ رہی تھی...... روتے روتے چیختے بے ہوش بھی ہو جاتی...... محلے کی عورتیں آگے بڑھ کر اسے باپ سے جدا کر دیتیں...... کوئی منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی...... کوئی پانی پلانے کی کوشش کرتی...... زری کے بھی حواس ٹھکانے پہ کب تھے...... کبھی دانت بھینچ جاتے کبھی آنکھیں بند ہو جاتیں...... اس کی ویرانی سینہ اور عظمت کی بیوی جہاں آرا اسے بار بار سنبھالتیں۔

آسمان گرے یا قیامت ٹوٹے...... صدمہ دماغ کو ماؤف کر دیتا ہے...... لیکن احساسات کہاں نہیں رہتے...... وقت جہاں تکالیف کا باعث بنتا ہے...... وہاں مرہم لگانے والا ہاتھ بھی ہوتا ہے...... کئی گھنٹے تو ماں بیٹیوں کی یہی حالت رہی...... پھر آنکھیں آنسو بہا بہا کر تھک گئیں...... آہ و پکار کر کر کے گلے سوکھ گئے...... لوگ بھی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے...... بیماری کے قصے ایک دوسرے سے پوچھنے لگے...... سب کچھ آہستہ آہستہ تھمنے لگا۔

مرد تجہیز و تکفین کے سلسلے میں ادھر ادھر جانے آنے لگے...... زری کو تو پتہ ہی نہیں چلا کہ یہ سارے مرحلے کس نے طے کیے...... غالباً حیدر اور عظمت ہی نے سارا بندوبست کیا۔

بہر حال

رشتہ داروں نے عزیز احمد کی مالی بد حالی کا بھرم کھلنے نہیں دیا...... جنازہ دھوم دھام سے اٹھا ایک بار پھر ماں بیٹی اور رشتہ داروں، عزیزوں کی آہ و بکا نے کہرام مچا دیا...... نوری تیورا کر گری...... وہ باپ جس کی شفقتوں تلے اس نے زندگی کے ماہ و سال گزارے تھے...... ہمیشہ کے لیے ساتھ چھوڑ کر چل دیا...... ہمیشہ کی محرومی دے گیا...... وہ چھوٹی سی بچی بے شک نہیں تھی...... پھر بھی باپ اک حصار تھا...... سہارا تھا...... شفقتوں اور محبتوں کا گہوارہ تھا۔

دوسرے دن بھی لوگ آئے...... صحن میں کرائے کی نیلی اور لال دھاریوں والی میلی کچیلی دریاں ڈال دی گئی تھیں...... کہیں کہیں سفید اور پھولدار چادریں بھی بچھائی گئی تھیں۔

صرف شادیوں پر ہی انتظامات اور سج دھج سے انسان کی مالی حیثیت آشکار نہیں ہوتی...... موقعوں پر بھی پتہ چل جاتا ہے...... کہ گھر والوں کے مالی حالات کیسے ہیں...... فوتیدگی پر تو افسوس کو آنے والے لوگ زمین پر ہی بیٹھتے ہیں...... لیکن کہیں کہیں یہ زمین دبیز قالینوں سے ڈھکی ہوتی ہے اور کہیں میلی کچیلی داغدار نیلی لال دھاریوں والی دریوں سے۔

لوگ آ رہے تھے...... پرسہ دے کر جا رہے تھے...... نوری کی سہیلیوں کو پتہ چلا تو وہ

چاروں بھی آ پہنچیں...... سب متحیر بھی ہوئیں...... چھوٹا سا آنگن...... میلی کچیلی دریاں
محلے کے بچے عورتیں...... کوئی شے بھی تو نوری کے معیار کی نہ تھی...... بہر حال
انہیں اپنے کمرے میں بٹھایا...... روتی دھوتی رہی...... انہوں نے بھی اس کا ساتھ دیا
دلاسہ دیا اور دو گھنٹے اس کے ساتھ گزار کر چلی گئیں...... واپسی پر نوری کا گھر اور اس کا
ان سب کے زیر موضوع ضرور رہا۔

دوسرے ہی دن زبیدہ اور فاروق بھی آئے...... وہ اب اپنی کرائے کی کوٹھی میں
تھے...... پتہ ہی دوسرے دن چلا...... کہ عزیز احمد اس دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں
افسوس تو بہت ہوا تھا...... برسوں ساتھ رہے تھے...... لیکن کچھ تو مالی تفاوتیں تھیں
نوری کے اقدام...... وہ لوگ ان سے ذہنی طور پر دور ہو گئے تھے...... زبیدہ تو خاص طور پر
ایک طرح سے نوری کی مخالف ہو گئی تھی...... وہ بھلا بھول سکتی تھی...... نوری تو
ایک آنکھ نہ بھاتی تھی...... جانتی تھی...... زری بیچاری کا کوئی قصور نہیں...... اس لئے
کے لئے چلی آئی تھی۔

دونوں میاں بیوی گھنٹہ بھر زری کے پاس بیٹھے...... تسلی دلاسے دیتے رہے
تھے اب ماں بیٹی کا کمانے والا نہیں رہا...... بیماری پر بھی استطاعت سے زیادہ خرچ
ہے...... اسلئے اٹھنے سے پہلے فاروق نے آہستگی سے پانچ ہزار روپیہ زری کی جھولی میں ڈال
"نہیں نہیں...... بھائی صاحب" زری نے پیسے واپس کرنا چاہے...... تو فاروق
نوری کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے...... زبیدہ بھی اٹھی
نوری پر بھی اک نگاہ ڈالی...... یہ نگاہ نوری کے سینے میں چھری کی طرح اتر گئی...... اسے
جیسے زبیدہ کہہ رہی ہو...... "دیکھ لو اپنی حیثیت...... ہم کیا ہیں اور تم کیا ہو"۔

نوری بہت مضطرب اور بے چین ہو گئی...... کچھ نہ آ رہا تھا...... کہ کیا کرے
نہ چلا تو ماں پر برس پڑی "امی...... اب زکوٰۃ خیرات لینے پر بھی اتر آئی ہو"۔

زری کیا کہتی۔

پیسے ہاتھ میں پکڑے تھے۔

اور

وہ ہچکیوں سے رو رہی تھی۔

عزیز احمد کی موت نے نوری کا بھرم توڑ دیا...... جھوٹ کا پول کھل گیا...... اس کے معیاری حلقے کے جتنے دوست اور سہیلیاں تعزیت کے لئے آئے...... اس کی مالی حالت ان پر عیاں ہو گئی...... لوگوں کی باتوں سے پتہ چل گیا کہ عزیز احمد ایکسین نہیں ہیڈ کلرک تھے...... سعود اور جعفر تو باہر مردوں میں بیٹھے تھے...... عزیز احمد کی مالی بدحالی کے چرچے سنے...... ماں بیٹی کا اب کوئی پرسان حال نہیں تھا...... انہیں یہ بھی پتہ چلا...... نوری ان کے سامنے کس انداز میں آئی تھی...... اس کے حالات اس کے بالکل متضاد تھے۔

جھوٹ کسی نہ کسی دن برہنہ ہو ہی جاتا ہے...... اس کے پھیلتے وجود پر سچائی کے جتنے دبیز لبادے بھی اوڑھائے جائیں...... ٹکتے نہیں...... کبھی تو ایک دم ہی گر جاتے ہیں...... کبھی آہستہ آہستہ کھسک کھسک کر اتر جاتے ہیں...... اور جھوٹ کو ننگا کر ہی دیتے ہیں...... تب سچا جھوٹ سامنے آجاتا ہے...... اس کی سچائی کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا...... چھپایا نہیں جا سکتا۔

اسے تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

نوری کی شخصیت اپنے حلقے میں عریاں ہو گئی...... اس بات سے اسے دھچکا لگا...... شرمندگی بھی بے طرح ہوئی۔

لیکن

ابو کے مرنے سے اس وقت اس کی حالت ایسی تھی کہ مشکلیں اتنی پڑیں...... مجھ پر کہ کہاں ہو گئیں۔

سوچنے کو صرف بھرم کھلنے کی بات ہی نہ تھی...... یہاں تو ہر اگلا دن اک مسئلہ تھا...... اسے کس طرح نپٹنا تھا...... اسے کس طرح گزارنا تھا...... ذہن کو انہیں حقیقتوں نے جکڑا

ہوا تھا۔

دس دن تو تعزیت کے لئے آنے والوں کے ساتھ بیماری اور مرگ کے قصے دہراتے گزرے...... اس کے بعد آنے جانے والوں کا سلسلہ کم ہو گیا...... پہلے بھی کون سے سینکڑوں رشتہ دار اور دوست احباب تھے...... بس اکا دکا لوگ ہی روز آ جاتے تھے...... کبھی محلے والیاں چکر لگا جاتیں...... کبھی بچے گلی میں اچھلنے کودنے کی بجائے صحن میں دوڑیں لگانے آ جاتے...... اب تو دونوں ماں بیٹی تقریباً اکیلی ہی تھیں...... سینہ چچی اور حیدر بھی اپنے گھر چلے گئے تھے...... دن کو البتہ دونوں چکر لگا جاتے۔

زری کی اماں، عظمت اور جہاں آرا قل کے بعد ہی گھر چلے گئے تھے...... عظمت روز آتا تھا...... اماں دوسرے دن چکر لگا جاتی تھی...... جہاں آراء تو قل کے بعد دسویں پر آئی تھی...... گھر میں کھانے کو روٹی نہ ہو...... تو مرنے والے کے درود و فاتحہ پر کہاں سے خرچ کیا جاتا...... دسواں بھی برائے نام ہی تھا...... دودھ کے گلاس اور سفید چاولوں کی ایک پلیٹ پر فاتحہ پڑھ کر گلی کے نکڑ پر تھڑے کے جانشین بوڑھے بیلدار حمو کو بھجوا دیا گیا۔

اس دن حیدر، سینہ کے علاوہ زری کی اماں عظمت اور جہاں آراء بھی آئے ہوئے تھے۔ اس وقت برآمدے میں پلنگ اور کرسیوں پر بیٹھے تھے...... حیدر اور سینہ بھی وہیں تھے...... نورال اپنے بستر پر اوندھی پڑی تھی۔

زری کی ہمسائی کشور چائے کا بڑا سا تھرموس بھر کر دے گئی تھی...... زری نے یہ چائے پیالیوں میں ڈال کر سب کو پیش کی...... گلابی کشمیری الا ئچیوں کی خوشبو والی چائے بڑی مزیدار تھی...... کشور کو یہ چائے بنانا آتی تھی...... وہ جب بھی یہ چائے بناتی زری کو ضرور پلایا کرتی۔ آج حق ہمسائیگی ادا کرتے ہوئے وہ یہ چائے بنا کر دے گئی تھی...... ساتھ میٹھی نمکین خطائیاں بھی تھیں...... جو زری نے ایک پلیٹ میں ڈال کر میز پر رکھ دی تھیں۔

چائے پیتے ہوئے سب ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

پھر

زری نے جس مقصد کے لئے ماں اور بھائی بھاوج کو روکا تھا...... بتانے کے لئے الفاظ تلاش کرنے لگی...... وہ سفید چادر جو زیادہ اجلی نہیں تھی...... اوڑھے ایک موڑھے پر اماں کے

قریب بیٹھی تھی...... چند لمحے متذبذب رہی۔

پھر

آہستگی سے بولی...... "اب...... ہمارا کیا ہو گا"۔

ایک دم کسی نے کوئی جواب نہ دیا...... پھر حیدر نے ہی سر اٹھایا اور پیالی پلنگ کے پائے کے قریب رکھتے ہوئے آہستگی ہی سے بولا...... "ہاں...... یہ بھی تو فیصلہ کرنا ہے...... بھابی اور نوری یہاں اکیلی تو نہیں رہ سکتیں"۔

کسی نے کوئی جواب نہ دیا...... تو زری بولی...... "اکیلی؟ حیدر...... یہاں اب رہ کیسے سکتی ہوں...... تین ماہ سے کرایہ نہیں دیا...... وہ کہاں سے دوں گی...... اور آگے" اس کی آواز رندھ گئی...... گھٹی گھٹی آواز میں بولی...... "اپنی چھت ہوتی...... تو اکیلی بھی رہ لیتی...... میرے پاس...... تو گزر بسر کے لئے بھی کچھ نہیں بچا...... کس کس سے قرض لے چکی ہوں...... اور"۔

حیدر جلدی سے بولا...... "بھابی...... کچھ لوگوں نے تو از خود ہی...... قرض معاف کر دیا ہے...... کچھ کو میں سو دو سو روپیہ ماہوار دے کر چکا دوں گا...... ہاں مسئلہ اب آپ کے گزارے کا ہے"۔

عظمت نے حیدر کی طرف دیکھا اور بولا...... "عزیز بھائی کی کوئی گریجویٹی یا پنشن"۔

حیدر نے نفی میں سر ہلایا...... "میڈیکل بالکل فری نہیں تھا ان کا...... جتنا مل سکتا تھا ان سے لیتا رہا ہوں" عظمت چپ ہو گیا۔

تو زری آنسو بہاتے ہوئے بولی...... "مجھے تو چار سو اندھیرا ہی اندھیرا لگتا ہے...... کچھ سمجھ نہیں آتا کہ کیا کروں...... "چند لمحوں کے توقف کے بعد حیدر دکھ سے بولا...... "آپ نے کیا کرنا ہے بھابی...... ہم لوگوں نے ہی کوئی راہ نکالنا ہو گی"۔

"میرے خیال میں" جہاں آرا بولی...... "حیدر صاحب آپ اس گھر میں شفٹ ہو جائیں...... آپا اکیلی تو نہیں رہ سکتیں...... ان کے اخراجات کے لئے ہم کچھ کرتے رہیں گے"۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے...... "اماں نے پہلی بار زبان ہلائی۔

"لیکن ہم لوگ یہاں کیونکر شفٹ ہو سکتے ہیں" سبینہ نے جلدی سے کہا۔

"اکٹھے رہنے میں کوئی ہرج تو نہیں" جہاں آرا نے کہا۔

"لیکن" سبینہ نے کہا..... "ہم اتنی دور کیسے آسکتے ہیں..... حیدر کا دفتر وہاں سے
میل ہے..... یہاں سے پانچ میل دور ہو جائے گا..... بڑے بچے کا سکول وہاں قریب
ہے..... پھر وہاں ہم کرایہ بھی بہت کم دیتے ہیں..... ہماری تنخواہ ہے بھی کتنی .....
تو یہاں نہیں آسکتے..... سائیکل پر دفتر جاتے ہیں حیدر..... اتنا فاصلہ ؟؟"۔

"تو پھر آپا اور نوری کو وہاں لے جائیں" جہاں آرا نے کہا۔

"ہمارا تو دو کمروں کا چھوٹا سا گھر ہے..... ذمہ داری تو آپ کی بنتی ہے..... کہ
رہتے ہیں آپ لوگ..... اوپر کا حصہ تو خالی ہی پڑا ہے" سبینہ نے کہا تو جہاں آرا چپ ہو گئی
اماں کہاں زری کا بوجھ اٹھانا چاہتی تھی..... تیار تو عظمت بھی نہیں تھا..... لیکن سبینہ نے
صحیح کہی تھی..... مجبوراً کہنا پڑا..... "ہاں اس طرح بھی سوچا جا سکتا ہے"۔

"میرے خیال میں یہی بہتر رہے گا..... بھائی آپ کے باپ کی اولاد تو ہیں نا.....
ہیں آپ ان کے"..... حیدر نے کہا..... "میرے پاس اتنی جگہ ہوتی..... تو میں بھائی اور
کو ضرور اپنے ساتھ رکھ لیتا..... اب بھی جو کچھ مجھ سے بن پڑے گا کروں گا..... لیکن
آپ ہی اپنے ساتھ رکھیں عظمت بھائی"۔

سب چپ ہو گئے..... جہاں آراء اور اماں کو تو حیدر کی بات ناگوار ہی گزری تھی
عظمت کی بات بھی اچھی نہ لگی تھی..... زری سولی پہ ٹنگی بیٹھی تھی..... بے ٹھکانہ ہونا
اذیت اور دکھ کا باعث تھا کچھ اسی کا دل جانتا تھا..... جب سے شادی ہوئی تھی..... آزادانہ
خود مختاری کی زندگی گزار رہی تھی..... عزیز احمد کی تنخواہ واجبی سی تھی..... لیکن اپنا گھر تھا
ماحول تھا..... اپنی حکمرانی تھی..... دوسروں کو کچھ دیا ہی تھا..... لیا کسی سے نہیں تھا.....
کو طریقے سلیقے سے ضرورتوں میں بانٹ لیتی تھی..... اس لئے کمی کبھی محسوس نہ
تھی..... گھر کے تین تو افراد تھے گزارہ بہت اچھا ہوتا تھا..... بلکہ بہت ہی اچھا ہوتا تھا
نوری کے اخراجات اور ٹھاٹھ باٹھ امیرانہ تھے..... اسی آمدنی سے پورے ہوئے تھے.....
کام کاج کرنے کے لئے مائیاں رکھی ہوئی تھیں..... کوئی کپڑے دھونے والی تھی

صفائی کر جاتی..... کسی کے ذمہ برتن دھونے اور آٹا گوندھنا تھا..... یوں گھر کا بہت سارا کام یہ
ہی کر جاتی تھیں..... گھنٹہ بھر کے لئے یہ کام کرنے والی روزانہ آتی تھیں..... زری کو
بہت آرام تھا..... صرف کھانا پکانا اس کے ذمہ تھا..... ہاں دن رات پاس رہنے والا نوکر اس
کے پاس نہیں تھا..... لیکن سارے کام تو یہ وقتی نوکر کر دیتے تھے۔

لیکن

اب

زندگی اک ویران اور تپتے ہوئے صحرا کی طرح نظر آتی تھی..... زاد راہ کچھ پاس نہیں
تھا..... لیکن اس صحرا سے گزرنا ہی تھا۔

وہ ہراساں سی سب کا منہ دیکھ رہی تھی..... عزیز احمد تو جا چکے تھے..... ان کا دکھ جو تھا
سو تھا..... اب تو اسے آنے والے دور کا ڈر کا تھا..... آمدنی کچھ تھی نہیں..... پلے جو کچھ تھا وہ
بیماری کی نظر ہو چکا تھا..... گھر کا کرایہ واجب الادا تھا..... چھوٹے موٹے قرضوں میں پھنسی
تھی..... جوان بیٹی کا بوجھ سر پہ تھا..... ایسے میں کیا کرے ؟ کہاں جائے ؟ کس کے در پہ
بیٹھے ؟ سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا..... لے دے کے ماں ہی کا گھر تھا..... جہاں سر
چھپا سکتی تھی..... ماں اپنی ہوتی تو یہ کوئی بڑا مسئلہ نہ تھا..... دکھی بیٹی کو ماں گھر میں کیا سینے
میں چھپا لیتی..... اس کے سارے دکھ بانٹ لیتی۔

لیکن

یہاں معاملہ الٹ تھا..... سوتیلی ماں بھی ایسی تھی..... جس نے دنیاداری کے طور پر
بھی زری کو قریب نہیں کیا تھا..... زری نے کبھی اس محرومی کو محسوس بھی نہیں کیا تھا.....
اپنے گھر میں شاد و آباد جو تھی..... دکھوں کے جھکڑ اس طرح چلنے لگیں گے..... اس نے کب
کی سوچا تھا۔

زری نے دکھی سانس اندر کھینچتے ہوئے ٹرے پکڑی اور اس میں چائے کی خالی پیالیاں
رکھ کر باورچی خانے میں گئی..... اس نے دانستہ ان سب لوگوں کو آزادی سے صلاح مشورہ
کرنے کا موقع دیا۔

اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاں آراء نے ساس کی طرف دیکھا اور بولی.....

"اماں جو فیصلہ کرنا ہے سوچ سمجھ کر کریں...... ماں بیٹی کا بار اٹھانا پڑے گا...... ان کے پاس خاک بھی نہیں...... خالی روٹی کپڑا ہی نہیں ہوتا...... اور بھی بڑے اخراجات ہوتے ہیں۔ پھر لڑکی جوان ہو رہی ہے...... دو ایک سال میں اس کی شادی بھی کرنا پڑے گی"۔

اماں نے مایوسی سے سر ہلایا تو عظمت بولا...... "تم اتنی دور کی نہ سوچو بیگم...... اب یہ کہ کیا کرنا ہے...... اور کرنا بھی ہم نے ہی ہے...... ان کو اب اپنی ذمہ داری سمجھو...... کہاں جائیں ماں بیٹی...... حیدر صاحب نے تو صاف انکار کر دیا"۔

حیدر کی جگہ سینہ چمک کر بولی...... "حیدر کی ذمہ داری نہیں ہیں یہ لوگ...... آپ کی ہیں...... بھائی آپ کی سوتیلی سہی بہن تو ہے...... اس کا حق آپ پر بنتا ہے"۔

جہاں آراء لڑنے کے موڈ میں کوئی جواب دینے کو تھی...... کہ عظمت نے اشارے سے منع کر دیا۔

"اماں" عظمت نے ماں سے کہا۔

"کیا ہے" وہ بولی۔

"آپا اور نوری کو گھر لے جانا ہی پڑے گا"۔

"سوچ لو...... بار تم نے ہی اٹھانا ہے"۔

"اب بار سر پر آن ہی پڑا ہے تو اٹھانا ہی پڑے گا...... اور کیا کیا جائے...... انہیں بے آسرا اور بے سہارا چھوڑ دیں...... تو دنیا ہم پر ہی تھو تھو کرے گی"۔

جہاں آراء نے غصے سے عظمت کو گھورا۔

لیکن اس نے اس کی نظریں نظر انداز کر دیں...... زری کو سہارا دینا فرض تھا...... اس لئے اس نے یہ فیصلہ کر ہی لیا۔

چند لمحے یہی باتیں ہوتی رہیں...... جب زری واپس آکر بیٹھی...... تو عظمت نے کہا "آپا عزیز بھائی کے چالیسویں تک تو تم یہاں ہی رہو...... پھر ہمارے ہاں چلی آنا...... اوپر والا کمرہ ٹھیک کروا دوں گا...... ماں بیٹی اسی میں رہ سکتی ہو"۔

زری ہاتھوں پر چہرہ گرا کر رونے لگی...... سینہ نے سکھ کا سانس لیا...... جہاں آراء کا منہ پھولا رہا...... اماں بھی خوش نظر نہ آئی۔

لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

کچھ دیر بعد اماں اٹھی...... جہاں آراء اور عظمت بھی اٹھے۔

"ابھی لوگ آتے جاتے ہیں تعزیت کے لئے" عظمت نے زری سے کہا...... "چالیسویں کے بعد میں تمہیں آکر لے جاؤں گا...... تیاری کر لینا"۔

"تیاری کر لینا" جہاں آراء بڑبڑائی...... پھر زری سے بولی...... "یہ گھر کا سارا اکاٹھ کباڑ نہ لانا...... صرف ایک ہی کمرہ ملے گا...... اسی کے حساب سے چیزیں اٹھانا یہاں سے"۔

"جہاں آرا" عظمت بولا...... "کیسی باتیں کرتی ہو...... خود آئے گی تو گھر کی چیزیں بھی لائے گی...... اوپر سٹور میں رکھ لے گی"۔

"وہاں میرا سامان پڑا ہے" وہ بولی۔

زری نے جہاں آراء کے رویئے کو بڑے حوصلے سے برداشت کیا...... پھر گلو گیر آواز میں بولی "بھابی تم فکر نہ کرو...... گھر کی کافی چیزیں تو پہلے ہی بک چکی ہیں...... باقی بھی بیچ دوں گی...... گھر کا کرایہ بھی تو ابھی دینا ہے"۔

"کر لیں گے کچھ نہ کچھ کر لیں گے بھابی" حیدر نے کہا...... "بس آپ کے سر چھپانے کا مسئلہ تھا...... وہ حل ہو گیا...... باقی سب کچھ بھی ہو جائے گا...... عظمت بھائی ٹھیک کہتے ہیں...... آپ کو چالیسویں تک یہیں رہنا چاہئے...... لوگ افسوس کے لئے آتے ہیں ابھی"۔

زری کے پاس سوائے آنسو بہانے کے اور تھا ہی کیا...... وہ رو دیئے چلی گئی۔

رات زری نے عظمت کے اس فیصلے سے نوری کو مطلع کیا...... تو ایک لمحے کے لئے اس کے اندر خوشی کی لہر دوڑ گئی...... کوٹھی میں رہنے کی خواہش اس کے ساتھ پلی بڑھی تھی...... کوٹھی پرانی سہی تھی تو کوٹھی...... امیروں کے رہنے کا ٹھکانہ!!

لیکن جلد ہی یہ لہر روپوش ہو گئی...... "اماں ہم یہاں سے چلے جائیں گے" وہ مضطربانہ انداز میں بولی۔

"ہاں...... یہاں رہ بھی کیسے سکتے ہیں...... کرائے کا مکان ہے اپنا تو نہیں" زری ٹھہر ٹھہر کر بولی...... نوری مرجھا سی گئی...... ویران آنکھیں کھول کر ماں کو دیکھا اور بیچارگی سے

بولی۔۔۔۔ "امی۔۔۔۔ ہم اتنے بے سہارا ہو گئے ہیں"۔

زری نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔۔۔ آنسو پونچھتے ہوئے اپنے بیڈ پر آبیٹھی۔

نوری اس گھر کو چھوڑنے کے لئے اپنے آپ کو ذہنی طور پر آمادہ کرنے کی کوشش کرنے لگی۔۔۔۔ یہ گھر! جہاں اس نے آنکھ کھولی تھی۔۔۔۔ بچپن گزارا تھا۔۔۔۔ جوان ہوئی تھی۔۔۔۔ اس کے درودیوار سے وہ اتنی مانوس تھی کہ اسے چھوڑنے کا تصور بھی محال لگتا تھا۔

اور

پھر

یہ گلی محلہ

یہاں کے لوگ!

اسے کامی یاد آگیا اور کامی کے ساتھ ڈھیروں وابستہ یادوں نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

یہ سب کچھ چھوٹ جائے گا؟

کامی وغیرہ تو اسے پہلے ہی چھوڑ گئے تھے۔

اب وہ بھی چلی جائے گی۔

راستے جدا ہو جائیں گے۔۔۔۔ راہیں بدل جائیں گی۔

سب کچھ بدل جائے گا۔

سب کچھ۔

نوری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔۔ زری پہلے ہی رو رہی تھی۔۔۔۔ کچھ دیر دونوں دکھ سے روتی رہیں۔۔۔۔ پھر زری نے حوصلہ کیا آنکھیں پونچھیں اور ہچکیوں سے روتی بیٹی کو قریب کر کے سینے سے لگالیا۔

دونوں ایک بار پھر زاروقطار رو رہی تھیں۔

"نوری" زری نے پھر اپنے آپ کو مستحکم کیا۔۔۔۔ آنسو پونچھ ڈالے اور نوری کا چہرہ ہاتھوں میں بھر کر اس کی پیشانی چوم کر بولی۔۔۔۔ "بس اب چپ ہو جا۔۔۔۔ بہت رولیا ہم نے۔۔۔۔ اب رونے دھونے کا وقت نہیں آگے کی فکر کرنے کا وقت ہے۔۔۔۔ نوری ہم تو زندگی گزارنے کے لئے اب خود ہی تگ ودو کرنا ہے۔۔۔۔ اماں اور بھائی عظمت ہمیں اپنے گھر تو لے جا رہے ہیں۔۔۔۔ صرف سر چھپانے کو جگہ دینا ہوتی تو کوئی بڑا مسئلہ نہیں تھا۔۔۔۔ لیکن اب تو ہمارا سارا بار انہی پر ہوگا۔۔۔۔ یہ بار سگے رشتوں پر بار ہوتا ہے۔۔۔۔ سوتیلوں پر تو شاید یہ بار ڈالنے کا حق ہی نہیں بنتا۔۔۔۔ لیکن کیا کریں۔۔۔۔ اب جو بیتے گی سہنا ہوگی۔۔۔۔ زندگی کے جو رنگ تم نے آج تک دیکھے ہیں۔۔۔۔ یہ رنگ قطعاً مختلف ہوگا"۔

زری نے پھر بیٹی کو پیار کیا۔۔۔۔ اس کے آنسو پونچھ ڈالے اور سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔۔۔۔ "اب ہر مشکل، ہر مصیبت اور ہر اذیت سہنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرو۔۔۔۔ کٹھن وقت آن پڑا ہے۔۔۔۔ لیکن خدا پر میرا پورا بھروسہ ہے۔۔۔۔ رات چاہے روشن ہو چاہے اندھیری۔۔۔۔ اس کے بعد ضرور دن نکلتا ہے۔۔۔۔ ہمارے دکھ کے دن بھی کٹ جائیں گے۔۔۔۔ کبھی نہ کبھی تو سویرا ہوگا ہی"۔

"لیکن کیسے ہوگا۔۔۔۔ امی۔۔۔۔ ہم تو بالکل بے آسرا اور بے سہارا ہو گئے ہیں" نوری اس دن اپنے ابا کے حصار سے بالکل دور نکل چکی تھی۔۔۔۔ حقیقت کا ننگا چہرہ دیکھ رہی تھی۔۔۔۔ جو قیامت ٹوٹی تھی۔۔۔۔ اور اپنی اذیت ناکیوں سے اور ٹوٹنے کے لئے پر تول رہی تھی۔۔۔۔ اس کی جھلک دیکھ کر خوفزدہ ہو رہی تھی۔

"حوصلہ رکھ نوری۔۔۔۔ خدا ہمارا آسرا ہے"۔

"امی" وہ ناک کی سرخ پھنگ کو انگلیوں سے ملتے ہوئے بولی۔

"جی"

"امی ہم یہاں سے چلے جائیں گے"۔

"ہاں بیٹی۔۔۔۔ نہ جائیں تو کہاں جائیں۔۔۔۔ ہمارے پاس یہاں رہنے کے لئے کرایہ کہاں۔۔۔۔ کھانے پینے کو پیسہ نہیں۔۔۔۔ اخراجات تو ہونا ہی ہیں۔۔۔۔ کیسے نبٹیں گے ان سے"۔

"وہاں کون نبٹے گا"۔

"اللہ کا آسرا ہی ہے۔۔۔۔ شاید اماں اور بھائی بھاوج کے دل میں رحم ڈال دے۔۔۔۔ ہمارا بوجھ اٹھا تو رہے ہیں۔۔۔۔ کچھ خدا خوفی تو دل میں ہوگی ہی"۔

"مجھے تو ڈر لگتا ہے امی...... ماں نے تو کبھی پیار سے ہماری طرف دیکھا تک نہیں"۔

"ہاں" زری مایوسی سے بولی۔

"اگر انہوں نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہ کیا تو"۔

"یہ بات ذہن میں رکھو بیٹی...... وہ لوگ ہمارے ساتھ یقیناً اچھا سلوک نہیں کریں گے...... ہم دونوں اب ان کے رحم و کرم پر ہوں گی"۔

"امی کیا ہوگا" نوری ماں سے لپٹ گئی۔

"جو ہوگا...... دیکھا جائے گا" زری نے نوری کو پیار کیا...... "ابھی سے کوئی خوف ذہن پر مسلط نہ کرو...... ابھی تو ہم نے مہینہ بھر یہاں ہی رہنا ہے...... سامان ٹھکانے لگانا ہے۔ گھر کا کرایہ چکانا ہے"۔

"کرائے کے پیسے ہیں آپ کے پاس" نوری نے بے چارگی سے پوچھا۔

"ہو جائیں گے" زری نے جواب دیا...... "کچھ لوگوں نے مجھے پیسے دیئے ہیں۔ فاروق بھائی تو اکٹھا پانچ ہزار دے گئے ہیں"۔

نوری ماں سے پرے ہٹ کر بیٹھ گئی...... اسے لوگوں خاص کر فاروق سے پیسہ لینا اچھا نہیں لگا...... لیکن کچھ سمجھ بھی تو نہ پائی تھی...... پیسہ آنے کی اور سبیل بھی کیا تھی "امی اکٹھے کئے ہوئے پیسے سے تو گھر کا کرایہ دینا تھا...... مہینہ بھر گھر کا خرچ چلانا تھا۔ اور

نوری نے سوچا کہ اس نے کالج کی فیس بھی تو دینا تھی۔

"امی" وہ جلدی سے بولی۔

"ہوں" زری نے پلنگ کے تکئے کے ساتھ نڈھال سی ہو کر ٹیک لگائی۔

"امی...... میں نے کالج کی فیس بھی دینی ہے" نوری بولی۔

"ہونہہ" زری نے ہنکارا بھرا...... "اب بھول جاؤ کالج کو"۔

"کیوں؟...... کیوں امی"۔

"کون دے گا تیرے کالج کا خرچہ...... کہاں سے لاؤں گی پیسے...... بس اتنا ہی کافی ہے...... پڑھ لیا باپ کی کمائی پر...... اب کچھ اور سوچ...... چھوڑ پڑھائی کو"۔

"امی" وہ روہانسی ہو کر چیخی "میرا چند ماہ بعد ایف اے کا امتحان ہے"۔

"کیا فرق پڑتا ہے" زری نے لاپرواہی سے کہا...... "اب تو تجھے پڑھائی نہیں...... کسی چھوٹی موٹی نوکری کی ضرورت پڑے گی بیٹی"۔

"امی...... میں...... میں نوکری" وہ ہکلا ہکلا گئی۔

"زندگی سے نپٹنے کو ہمیں بھی تو کچھ کرنا پڑے گا...... چھوٹے موٹے خرچے چلانے ہیں۔ چھت تو ان لوگوں نے فراہم کر دی...... برا بھلا کھانے کو بھی دے دیں گے لیکن"۔

"ہائے امی...... " نوری نے زندگی کا یہ غیر متوقع پہلو تو دیکھا ہی نہیں تھا...... خوف ڈر اور دکھ سے اس کا دل سینے کے اندر بیٹھ ہی تو گیا...... اس کے ذہن میں سلطانہ خالہ کی بیٹی زینت کی شبیہہ لہرا گئی...... جو گیارہ جماعتیں پڑھ کر نوکری کرنے پر مجبور ہو گئی تھی...... پرائمری سکول میں پڑھاتی تھی اور آٹھ نو سو کے لگ بھگ تنخواہ ملتی تھی...... اس کا تو باپ بھی زندہ تھا...... کسی محکمے میں کلرک تھا...... ماں بھی لوگوں کے کپڑے سیتی تھی...... پھر بھی تین چار بہن بھائیوں کا بوجھ ماں باپ سے برداشت نہ ہو پاتا تھا...... زینت کو بھی مجبوراً نوکری کرنا پڑی تھی۔

یہ لوگ تو نوری کے معیار سے بہت ہی نیچے تھے۔

"نہیں نہیں" اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے...... آنکھیں بند کر لیں اور سر ادھر ادھر مارتے ہوئے چیخنے لگی...... زری نے جلدی سے آگے بڑھ کر پھر اسے سینے سے لگا لیا۔

نوری چیخے جا رہی تھی...... اس کا وجود کانپ رہا تھا...... بدن ٹھنڈ کے باوجود پسینے پسینے ہو رہا تھا۔

جس بات کو صرف سوچ کر ہی نوری کی یہ حالت ہو رہی تھی...... اس پر عمل پیرا ہونا پڑا تو اس کا کیا حال ہوگا؟؟

یہ صرف وقت ہی بتانے والا تھا۔

☆☆☆☆☆

زبیدہ کو تو لگ رہا تھا...... عید کا چاند نکلنے والا ہے...... عید کی سی تیاریوں میں مصروف
تھی...... تین بیڈ روم کی جس کوٹھی میں یہ لوگ شفٹ ہوئے تھے...... نئی تو نہ تھی...... کچھ
پرانی بھی نہیں تھی...... زبیدہ نے یہاں آنے سے پہلے رنگ و روغن کروائے تھے...... اس
لئے کچھ سج دھج نکل ہی آئی تھی...... ویسے یہاں ابھی پرانے والا فرنیچر ہی ڈالا گیا تھا۔ کچھ نئی
چیزیں بھی لی تھیں...... لیکن پورا نیا فرنیچر اپنی نئی کوٹھی ہی میں ڈالنا تھا...... جب تک وہ کوٹھی
مکمل نہ ہو جاتی انہیں اس کرائے کی درمیانی سی کوٹھی ہی میں رہنا تھا۔

زبیدہ کو صفائی ستھرائی کی ویسے ہی بہت عادت تھی...... محلے کے مکان کو بھی وہ شیشے
کی طرح صاف ستھرا رکھتی تھی...... حیثیت کے مطابق اس کی سجاوٹ بھی کرتی رہتی تھی۔
کوٹھی میں آئی تو خواہ یہ کرائے کی تھی...... بہت اچھا رکھا ہوا تھا...... یہاں دن رات رہنے والا
نوکر بھی مل گیا تھا اور کچن کا کام کرنے کے لئے ایک سلیقہ مند خاتون بھی مل گئی تھی...... اب
سارا کام یہی لوگ کرتے تھے...... زبیدہ عادتاً ان کی نگرانی کرتی تھی...... کبھی کمرے صاف
کرواتی...... جھاڑ پونچھ کی ہدایتیں دیتی...... کبھی کچن میں چلی جاتی...... زرینہ سے باتیں بھی
کرتی...... دوسری جن کوٹھیوں میں وہ کام کرنے جاتی ان کے بارے میں پوچھ گچھ کرتی...
یوں اپنی معلومات میں اضافے کے ساتھ اسے اردگرد رہنے والوں کی مالی حیثیت کا بھی اندازہ
ہو جاتا۔

اردگرد چھوٹی بڑی کوٹھیوں میں رہنے والے زیادہ تر بزنس کرنے والے ہی تھے...
یوں مالی طور سے وہ خاصے مضبوط لوگ تھے...... معیار زندگی بھی خاصہ اونچا تھا...... نوکر چاکر
بیرے خانساماں رکھنے والے لوگ تھے...... کئی گھروں میں تو گاڑیوں کے لئے ڈرائیور بھی
تھے...... ہر گھر میں کم از کم دو دو گاڑیاں ضرور تھیں...... ان لوگوں کے بچے اچھے سکولوں میں
پڑھتے تھے...... اپنی گاڑیوں میں سکول کالج آتے جاتے تھے۔

یہاں گلی محلوں سے زندگی یکسر مختلف تھی...... طور طریقے مختلف تھے...... کسی کے
اگر جانا ہو تو پہلے فون پر اطلاع کی جاتی تھی...... عین کھانے کے وقت کوئی نہیں آن دھمکتا
تھا۔ کسی کا زیادہ وقت نہ کوئی لیتا تھا نہ دیتا تھا۔

زبیدہ جس ماحول میں ساری زندگی رہی تھی...... اسے ایک دم بدلنا آسان نہیں تھا......
یہ تبدیلی اسے بہت اچھی لگی تھی...... من ہی من میں وہ اترائی اترائی رہتی تھی...... اپنے
آپ کو نئے ماحول میں ڈھالنے کی شعوری کوشش کرتی...... اور ڈھلتی بھی جا رہی تھی...... نئے
ماحول میں جینے کے آداب سیکھ رہی تھی۔

اب بچے جونہی سکول کالج جاتے...... فاروق آفس سدھارتے...... تو وہ نہا دھو کر صاف
ستھرے استری کئے کپڑے پہن کر تیار ہو جاتی...... ہلکا سا میک اپ کر کے بالوں کا جوڑا
بنا لیتی...... پہلے کی طرح نہیں کہ گھر کا سارا کام کرنے کے بعد باورچی خانے سے بھی فارغ
ہو کر کپڑے بدلنا ہوتے...... کپڑے دو دو تین تین دن چل جاتے...... اب تو وہ روزانہ صاف
ستھرا جوڑا پہنتی...... فاروق خوش ہوتے...... لیکن زبیدہ کو چھیڑنے کے لئے کہتے...... "بھئی
بازار کو آگ لگانا شروع کر دی ہے...... تم تو روز نئے نئے کپڑے پہن کر اس طرح تیار ہوتی
ہو... جیسے کہیں مہمان بن کر جا رہی ہو"۔

"اے ہے" زبیدہ اترا کر کہتی...... "اللہ نے دیا ہے تو کیوں نہ خرچ کروں...... ابھی تو آپ
نے کپڑے ہی دیکھے ہیں...... میں تو ہر جوڑے کے ساتھ نیا زیور بھی پہنوں گی"۔

"لو ہو" فاروق کھلکھلا کر ہنس دیتے...... "جتنا ہم باپ بیٹا کمائیں گے...... لگتا ہے اس
سے زیادہ تم اپنے اوپر خرچ کرو گی"۔

"اپنے اوپر کیوں؟ سب پر" وہ مسکراتی پھر ہنس کر کہتی...... "اپنے بھی تو رنگ ڈھنگ
بدلے... نئی نئی چیزیں خریدتے ہی رہتے ہیں...... شرٹس، پینٹس، ٹائیاں جرابیں، بوٹ
کون سی چیز پرانی یا خراب ہوتی ہے آپ کی"۔

وہ بھی ہنس پڑتے اور زبیدہ کی بات دہرا دیتے "بھئی اللہ نے دیا ہے تو کیوں نہ خرچ
کریں... بس مولا کا شکر ادا کرتے رہنا چاہئے...... ہم تو کبھی سوچ بھی نہ سکتے تھے...... کہ وہ
ہمیں یہاں تک پہنچائے گا"۔

"اور بھی آگے لے جائے گا انشاء اللہ...... ابھی تو میرا اپنا بہت بڑی بزنس کر آرہا ہے"۔

"ہاں ہاں" فاروق مسکرائے...... "لیکن تمہارے بیٹے سے کہیں زیادہ میں نے کمالیا ہے...... جانتی ہو پچھلے تین ماہ میں کتنی بزنس کی میں نے"۔

"ہاں" وہ کہتی...... "ہاں...... خدا نظر بد سے بچائے رکھے"۔

" آمین" فاروق بھی صدق دل سے کہتے...... "اللہ کا بڑا احسان اور فضل و کرم ہے ہم پر...... ورنہ ہم کس قابل تھے"۔

" آپ نے محنت کی...... اللہ نے برکت دی"۔

"واقعی...... محنت تو بہت کی...... دن دیکھا نہ رات...... کامی نے بھی بہت ساتھ دیا۔ خدا اسے زندگی دے"۔

"بڑا گھاگ بزنس مین بنے گا"۔

"بنے گا...... اے بیگم وہ تو شروع ہی سے بڑا گھاگ ہے"۔

"اللہ تعالیٰ اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے"۔

زبیدہ بہت خوش رہتی تھی...... اللہ تعالیٰ کی لحہ لحہ شکر گزار تھی...... جتنی نوازشات وہ اس خاندان پر کر رہا تھا...... دنوں میں حالات بدل گئے تھے...... چند سال کی محنت اس طرح رنگ لائی تھی کہ کبھی کبھی یقین نہیں آتا تھا...... کہ سب کچھ جو ہو رہا ہے حقیقت ہے...... کئی ماہ میں کامی نے جو آرڈر بھیجے تھے...... ان کا پرافٹ اور ری بیٹ ہی لاکھوں میں پہنچتا تھا۔ فاروق نے ملکی پارٹیوں سے بزنس کر کے جتنی بڑی رقم کمائی تھی...... اس سے دو کنال کا گھر مکمل ہو کر ڈیکوریٹ بھی ہو جاتا تھا...... نئی گاڑی تو انہوں نے خرید بھی لی تھی...... دونوں میاں بیوی اتنا پانے کے باوجود انکساری کا مجسمہ تھے...... پھل لگی ڈالیاں جھکتی ہیں...... وہ بھی جتنا پا رہے تھے اتنا ہی جھکے جا رہے تھے...... اچھا کھانا اور پہننا اوڑھنا ان کا حق تھا لیکن ضرورت مندوں کو بھی نہ بھولتے تھے...... خدا کا خوف دل میں تھا...... کوئی غریب رشتہ دار آجاتا تو اس کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے...... جتنی بن پڑتا مدد کرتے...... پرانے محلے کے کوئی لوگ ملنے آجاتے...... تو ان سے ویسے ہی ملتے جیسے وہاں رہتے ہوئے ملتے...... غرور و تفاخر سے کبھی کام نہ لیتے...... نتیجہ یہ تھا کہ ہر کوئی ان کی تعریف کرتا۔

ہاں

زبیدہ کا دل نوری سے صاف نہیں ہوا تھا...... یہ خود سر اور نک چڑھی لڑکی اسے دل سے بری لگتی تھی...... اس نے اس کے بیٹے کی ہتک کی تھی...... یہ چوٹ ایسی تھی...... جو بھلائی نہ جا سکتی تھی...... اسی لئے عزیز احمد کے مرنے پر وہ صرف ایک دفعہ ان کے ہاں گئی تھی...... وہ بھی زری اور عزیز احمد سے اچھے مراسم تھے اس لئے...... ورنہ کبھی ادھر کا رخ بھی نہ کرتی۔

زندگی کے موسم کرہ ارض کے موسموں کی طرح تو نہیں بدلتے...... نہ ہی ان کی طرح متعین عرصے کے بعد آنے جانے والے ہوتے ہیں...... زبیدہ اور فاروق کی زندگی کے موسموں نے بھی سہانی رتوں کی طرف منہ موڑا تھا...... دھوپ تھی نہ تپش...... رم جھم کرتی بوندوں کی ٹھنڈک ہلارے لیتی مترنم اور خوشبو دار ہواؤں کا رقص...... اور سکون و آسودگی کی فضا تھی...... جب سکون و طمانیت ہو...... کوئی فکر نہ ہو، غم نہ ہو...... تو چہروں کے رنگ و روپ بھی بدل جاتے ہیں۔ نقش و نگار کیسے بھی ہوں...... حسن کی تہہ سی ان پر چڑھ جاتی ہے...... دل امنگوں سے بھر جاتا ہے...... اس کا پر تو چہروں کو منور اور خوبصورت بنا دیتا ہے۔

زبیدہ خوشحالی کی ہریالی سے مالا مال ہو رہی تھی...... ناک نقشہ تو اچھا تھا ہی...... کشادگی و آسودگی کی چھاپ لگی تو بہت اچھی لگنے لگی...... جوانی بھی جیسے پلٹ آئی...... عمر لگتا کئی سال کم ہو گئی ہے۔

زبیدہ دو تین دن سے گھر کی صفائیاں کروانے میں لگی ہوئی تھی...... جمعدارنی جھاڑو لگا رہی تھی...... بیرونی فرش دھو رہی تھی...... دیواریں صاف کر رہی تھی...... ملازم لڑکا راجو جھاڑ پونچھ کر رہا تھا...... کل اس نے ساری کھڑکیوں کے شیشے اور گرلز چمکائی تھیں...... زبیدہ چاہتی تھی...... گھر چمک دمک جائے۔

کامی جو آ رہا تھا۔

اس کا کمرہ زبیدہ نے خود ہی سیٹ کیا تھا...... اس کے کمرے کی وہی چیزیں تھیں...... جو تانگے والے گھر میں چھوڑ کر گیا تھا...... کچھ نئی کچھ پرانی، لیکن زبیدہ نے اس طرح صاف

کروائی تھیں کہ کمرہ دمک اٹھا تھا۔

کامی کی پرانی میز پر اس نے شیشہ لگوا کر پالش کروادی تھی...... یہ سب کچھ بڑا
تھا......اس کا اصل کمرہ تو نئی کوٹھی میں ڈیکوریٹ ہونا تھا۔

میز پر کامی کی چیزیں زبیدہ نے جوں کی توں رکھ دی تھیں...... ہاں ایک پرانی تصویر
نہیں رکھی تھی۔

وہ تصویر

جس میں نوری تاج پہنے اس کے عزیز احمد اور زری کے ساتھ کھڑی تھی......وہ اس
گھر سے نوری کا نام ونشان مٹا دینا چاہتی تھی...... تصویر اس نے سٹور کی الماری میں پھینک دی
تھی۔

کامی تین مہینے چھ دن کے بعد رات سات بجے کی فلائٹ سے لاہور پہنچ رہا تھا......اسے
سب گھر والے ایئرپورٹ پر لینے جانے والے تھے...... رات کا کھانا سب نے اکٹھے ہی کھانا
تھا......اس لئے زبیدہ نے سارا کھانا تیار کر دیا تھا۔

آج

اس نے کھانا خود بنایا تھا...... کامی کی من پسند ڈشیں بڑی پریت سے خود تیار کی
تھیں...... زرینہ کھانا اچھا بناتی تھی...... روز وہی پکاتی تھی...... آج بھی اس نے کہا...... "بیگم
صاحبہ آپ مجھے بتادیں...... میں سب کچھ بنالوں گی......آپ کیوں تردد کر رہی ہیں...... میں جو
ہوں"۔

زبیدہ نے مسکرا کر اسے دیکھا...... "اور میں جو ہوں...... تجھے پتہ نہیں ناآج کون آرہا
ہے"۔

"چھوٹے صاحب باہر سے آرہے ہیں"۔

"ہاں چھوٹے صاحب...... میرا بیٹا کامی......اتنے دنوں بعد آرہا ہے...... تین ماہ سے زیادہ
ہو گئے...... باہر کے کھانے کھا کھا کر میرے بچے کے منہ کا ذائقہ ہی خراب ہو گیا ہوگا...... آج
میں اس کی پسند کی چیزیں اپنے ہاتھ سے بناؤں گی...... ان چیزوں میں میری ممتا کا رس ہوگا
زرینہ بی بی"۔

زرینہ اس کی مدد کرتی رہی اور وہ کامی کی پسند کی چیزیں بناتی رہی تھی۔

شام فاروق اور زبیدہ مع فیروز اور سلیم کے ایئرپورٹ پر جانے کے لئے تیار تھے......
فاروق نے دونوں بچوں کی طرف دیکھا تو بولے...... "بھئی تم دونوں گھر کیوں نہیں رہ
جاتے......واپسی پر کامی ہوگا ہو سکتا ہے اس کے ساتھ سامان زیادہ ہو...... پھر سب گاڑی میں
کیسے بیٹھیں گے"۔

"میں تو جاؤں گا ابو" فیروز نے اصرار سے کہا...... "بھائی جان تین ماہ بعد آرہے ہیں......
میں تو ان سے بے حد اداس ہو رہا ہوں"۔

"اور میں بھی ابو" سلیم نے جلدی سے کہا۔

"بھئی وہ گھر ہی آرہا ہے" فاروق نے مسکرا کر دونوں سے کہا۔

"آئے ہائے چلنے دیں نا انہیں" زبیدہ سفید پشمینے کی خوبصورت کشمیری کڑھائی والی شال
ٹھیک طرح سے اوڑھتے ہوئے بولی......اس نے نازک سے سنہری فریم والی عینک بھی لگا رکھی
تھی......جس سے وہ بڑی معتبر اور معزز دکھائی دے رہی تھی...... طبقے کی چھاپ چہروں پر نظر
آجاتی ہے......زبیدہ کے طریقے، سلیقے اور رکھ رکھاؤ سے یہ چھاپ بڑی نمایاں نظر آتی تھی۔

"بیگم"...... فاروق بولے...... "واپسی پہ کیسے پورے آئیں گے سب"۔

"آجائیں گے...... تینوں بھائی پچھلی سیٹ پر بیٹھ جائیں گے"۔

"اور جو اس کا سامان زیادہ ہوا تو"۔

"کوئی بات نہیں ٹیکسی لے لیں گے...... فیروز سامان کے ساتھ ٹیکسی میں آجائے
گا......ویسے اس کا سامان کہاں سے اتنا زیادہ ہوگا...... زیادہ سے زیادہ دو بیگ ہی تو ہوں گے"۔

"چلو تم ٹھیک ہو...... تو چلے چلتے ہیں سب ہی"۔

فیروز نے خوش ہو کر جلدی سے گاڑی کا دروازہ کھولا...... "ابو تشریف رکھئے"

فاروق ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے...... سلیم نے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر برابر
والی سیٹ پر ماں کو بٹھایا۔

پھر

دونوں بھائی پچھلی نشست پر بیٹھ گئے۔

راجو نے گیٹ کھولا...... فاروق گاڑی نکال باہر آ گئے...... زبیدہ نے حسب عادت جاتے
جاتے راجو کو چند ایک ہدایات دیں...... پھر گاڑی مین روڈ پر آ گئی۔

جہاز نے ٹھیک وقت پر لینڈ کیا...... لیکن امیگریشن اور سامان کے سلسلوں سے نبٹنے کے
پورے پینتیس منٹ بعد باہر آیا۔

وہ آتے ہی ماں سے لپٹ گیا...... ابو سے گلے ملا...... اور بھائیوں کو بھی بازوؤں میں
بھر لیا...... سب بہت ہی خوش تھے...... رش سے قدرے ہٹ کر سب برآمدے میں آ گئے

"کیسے ہو"

"سفر کیسے کٹا"

"کوئی تکلیف تو نہیں ہوئی"

"کامی بھائی جان آپ کتنے ملک دیکھ آئے"

"کیسے لگے یہ ملک"۔

"مزہ آیا"

باری باری سب کامی پر سوال داغ رہے تھے...... وہ سب کے جواب مسکرا مسکرا کر دے
رہا تھا...... اس کے ہاتھ میں پکڑا ہوا جھل سا کالا بیگ سلیم نے پکڑ لیا...... ٹرالی پر رکھے سامان کو
فیروز باہر لے آیا...... بریف کیس کامی نے اپنے ہاتھ ہی میں رکھا۔

کامی کی صحت سفر کی تکان کے باوجود بہت اچھی لگ رہی تھی...... لمبا تو تھا ہی اب
خاصہ چوڑا چکلا بھی لگ رہا تھا...... رنگت بھی صاف اور سرخی مائل سفید ہو رہی تھی۔

"بھائی جان" فیروز نے کامی کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

"ہوں"

"بھائی جان آپ تین ماہ میں ہی اتنے موٹے تازے ہو آئے ہیں...... یوں جاتے رہے تو
کسی دن پہلوان بن جائیں گے"۔

"بکواس نہ کر...... نظر نہ لگا دینا میرے بیٹے کو" زبیدہ نے بڑے پیار سے کامی کو دیکھ کر
فیروز کے کندھے پر ہاتھ مارا۔

"نہیں لگتی نظر امی" کامی نے کہا پھر فیروز کی طرف دیکھ کر مسکرا لیا...... "میں تو چند

دس دن بعد پھر جا رہا ہوں"۔

"کہاں" زبیدہ کے ساتھ فاروق نے بھی جلدی سے کہا۔

"گھر چل کر بتاتا ہوں" کامی مسکرایا...... "ابو میں نے جرمنی کی فرم کی آپ سے بات کی
تھی ناں فون پر"۔

"ہاں ہاں"۔

"وہ ہمارے ساتھ اشتراک کرنا چاہتے ہیں...... بہت بڑی فرم ہے انوسٹمنٹ بھی کرے
گی...... اور مال کی یورپ میں سپلائی کی ذمہ داری لے گی"۔

وہ مختصر الفاظ میں باپ کو بزنس کی باتیں بتاتے ہوئے گاڑی کی طرف بڑھا...... فیروز نے
کار کی ڈگی میں سامان رکھ دیا...... کالا بیگ امی کے قدموں میں رکھ دیا...... تینوں بھائی پیچھے اور
امی ابو آگے بیٹھ گئے۔

اب پھر باتیں ہونے لگیں...... فیروز اور سلیم اپنی دلچسپی کی باتیں پوچھ رہے تھے......
بزنس کی باتوں سے انہیں کوئی دلچسپی نہ تھی...... وہ تو جاننا چاہتے تھے کہ کامی بھائی کیا کیا تحفے
ان کے لئے لے کر آئے ہیں۔

گھر پہنچ کر سب گاڑی سے اترے...... کامی نے سرسری سی نگاہ لان اور پورچ پر
ڈالی...... "آپ وہ پرانا محلہ چھوڑ آئے ہیں"۔

"ہمیشہ کے لئے" فیروز بولا...... "ویسے میرا دل ابھی یہاں لگتا نہیں...... میرے بچپن
کے ساتھی تو وہیں رہ گئے"۔

"مجھے بھی اپنے دوست بہت یاد آتے ہیں" سلیم بولا۔

کامی کے چہرے پر مایوسی کے بادل سے لہرائے...... اسے بھی وہ محلہ محلے کے لوگ
اچھے لگتے تھے...... محلے کے لوگ جن میں زری خالہ بھی تھی اور وہ دشمن جان نوری بھی۔

"انکل عزیز فوت ہو گئے" کامی نے گھمبیر لہجے میں کہا...... "میں جب گیا تھا...... ان کی
حالت اچھی نہیں تھی"۔

"فیروز سامان نکال کر اندر لے چلو" فیروز پیشتر اس کے کہ کامی کی بات کا جواب
دیتا...... زبیدہ نے شاید بات بدلنے ہی کے لئے فیروز سے کہا...... "اور تم سلیم وہ کالا بیگ نکال

لو...... راجو سوٹ کیس اندر اٹھالاتا ہے...... آؤ کامی بیٹے"۔

"یہ نیا گھر ہے" کامی دروازے سے اندر داخل ہوتے ہوئے بولا۔

"عارضی طور پر لیا ہے" فاروق اس کے پہلو بہ پہلو اندر آتے ہوئے بولے...... انشاء
اللہ اب بہت جلد اپنا گھر مکمل ہو جائے گا"۔

سب لاؤنج ہی میں آبیٹھے...... کامی صوفے پر نیم دراز ہو گیا...... فیروز سلیم اور راجو اس کا
سامان اٹھالائے۔

فاروق اور زبیدہ بھی سامنے صوفے پر بیٹھ گئے...... ایک بار پھر احوال پرسی ہونے لگی
فیروز اور سلیم متجسس تھے کہ کامی کے بیگ کھولیں اور دیکھیں وہ کیا کچھ لے کر آیا
ہے...... انہیں تحفوں کی کرید تھی۔

"اس میں کیا ہے بھائی جان" سلیم نے کالے بیگ کو دبایا۔

"تمہارے لئے چاکلیٹس" کامی مسکرایا۔

"اتنی زیادہ"

"بھئی سب کے لئے ہیں...... خود کھانا دوستوں کو کھلانا"۔

"گڈ ویری گڈ" فیروز بیگ کھولنے لگا تو زبیدہ نے منع کیا...... "آرام سے کھولنا
گے...... کہیں بھاگی تو نہیں جاتیں چاکلیٹیں...... پہلے اسے کچھ کھا پی تو لینے دو"۔

زبیدہ اٹھتے ہوئے کامی سے مخاطب ہوئی...... "چائے منگواؤں...... یا کھانا کھاؤ
پیو گے"۔

"چائے رہنے دیں امی" کامی نے کہا۔ "اب کھانا ہی کھاؤں گا"۔

زبیدہ پھر بیٹھ گئی۔

کامی نے بچوں کی فرمائش پر بیگ اور سوٹ کیس کھولے...... وہ سب کے لئے چیزیں لے
کر آیا تھا...... بچوں کے لئے جوگر' پتلونیں...... ابو کے لئے گھڑی...... امی کے لئے
اور گھر کے لئے کرسٹل کے چھوٹے چھوٹے ڈیکوریشن پیس...... وہ ایک دوستوں کے لئے
چیزیں لایا تھا...... چاکلیٹیں بہت زیادہ تھیں...... لیکن زبیدہ نے دونوں بھائیوں کو مناسب
حصہ دے کر باقی بیگ اٹھالیا۔

کھانے کے بعد باپ بیٹا بزنس کی باتیں کرنے لگے...... لیکن زبیدہ نے انہیں روک
دیا "بیچارہ اتنے لمبے سفر سے آیا ہے اسے آج تو آرام کرنے دیں...... کل باتیں کر لیجئے
گا...... اٹھو بیٹے جا کر آرام کرو"۔

کامی تھکا ہوا تو تھا ہی...... ماں کے کہنے پر اٹھا...... پہلے گھوم پھر کر گھر دیکھا...... پھر امی
سے کہا...... "میرا کمرہ؟"

"اوپر"

"اوپر کتنے کمرے ہیں"

"دو...... ایک نیچے...... تین بیڈ روم ہیں"۔

"اچھا ہے"

"اچھا تو انشاء اللہ اپنا گھر ہو گا"۔

"انشاء اللہ"

کامی اپنے کمرے میں آگیا...... خاصہ بڑا کمرہ تھا...... چیزیں بھی ترتیب سے رکھی
تھیں...... اس کمرے میں صرف مانوسیت کی کمی تھی۔

وہ بلا ارادہ میز کی طرف بڑھا...... کچھ ادھورا پن محسوس ہوا...... سب چیزیں پڑی
تھیں...... صرف وہ یادگار تصویر نہ تھی...... جو سالوں سے اس کی میز کی زینت تھی...... جس
سے میز کی خوبصورتی قائم تھی...... وہ میز پر کہنی ٹکا کر کرسی پر بیٹھ گیا...... وقت کی لڑی میں
پرانے لمحوں کے موتی بکھرنے لگے...... اس نے سر ہاتھ پر ٹکا دیا۔

اور

بھولی بسری کئی یادیں ذہن میں آنے لگیں...... ان یادوں نے اسے پریشان اور مایوس
کیا...... وہ کئی لمحے ایسے ہی بیٹھا رہا۔

پھر اٹھا...... کپڑے بدلے اور اپنے بیڈ میں آکر لیٹ گیا...... نوری اس کے ذہن کا پوری
طرح احاطہ کئے ہوئے تھی۔

نوری تو اس کے ذہن کا احاطہ کئے ہی رہتی تھی...... اتنی بے دردی سے ٹھکرائے جانے
کے باوجود نہ تو وہ اسے بھلا پایا تھا۔

نہ ہی

کھلا دینے کی کوشش کی تھی۔

صبح وہ دیر سے اٹھا..... نہاتے دھوتے ناشتہ کرتے گیارہ بج گئے.....اس نے کریم کلر کی شلوار قمیض اور براؤن کوٹی پہنی ہوئی تھی.....اس کا تروتازہ چہرہ اس لباس میں بہت ہی خوبصورت لگ رہا تھا..... ناشتے کے بعد وہ کچھ دیر لاؤنج میں بیٹھا ڈش پر کوئی پروگرام دیکھتا رہا.....پھر اٹھا اور ہاتھ میں سیاہ چشمہ پکڑے ماں کو تلاش کرتا کچن کی طرف آگیا۔

"امی"

"جی بیٹے"

"میں جارہا ہوں"

"دفتر"

"نہیں.....آج تو اوسے چھٹی لے لی تھی.....ادھر ادھر گھومنے جاؤں گا"۔

زبیدہ اس کی طرف کچھ مخصوص سی چبھتی نظروں سے دیکھ کر بولی..... "زری کی طرف جارہے ہو"

کامی نے سنجیدہ آواز میں جواب دیا..... "ہاں ادھر بھی جاؤں گا تعزیت کے لئے"۔

"اچھا" زبیدہ زرینہ کی طرف پالک والی ٹوکری بڑھاتے ہوئے بولی..... "کھانا گھر پہ کھانا"۔

"ابھی اتنی دیر سے تو ناشتہ کیا ہے امی.....اب کھانا تو شام ہی کو کھاؤں گا"۔

زبیدہ نے صرف سر ہلایا..... کامی اسے سلام کر کے باورچی خانے کے عقبی دروازے سے باہر نکل گیا۔

وہ پورچ میں کھڑی چھوٹی گاڑی کی طرف آیا.....راجو گاڑی صاف کر چکا تھا..... "اندر سے چابی لے آؤ راجو..... مجھے لانا بھول ہی گئی"۔

"اچھا چھوٹے صاحب....." وہ اندر کی طرف لپکا اور چابی لے کر آگیا۔

کامی گاڑی میں بیٹھا..... گاڑی سٹارٹ کر کے ریورس گیئر میں ڈالی.....راجو نے دوڑ کر گیٹ کھول دیا..... کامی گاڑی باہر نکال لایا.....اس کا رخ پرانے محلے کی طرف تھا.....زری کی

خالہ سے انکل عزیز کی فوتیدگی کا افسوس کرنے جانا تھا۔

اس کے ذہن میں کئی خیالات ایک دوسرے سے الجھ رہے تھے ..... زری اور نوری کے متعلق ہی سوچ رہا تھا..... یہ صدمہ انہوں نے کیسے جھیلا ہوگا.....نوری کی دوہری شخصیت اس واقعے سے ٹوٹی پھوٹی ہوگی یا اور سخت اور مضبوط ہوگئی ہوگی.....اب دونوں بے سہارا عورتوں کا پرسان حال کون ہوگا..... ان کا ذریعہ معاش کیا ہوگا..... کیسے رہیں گی..... کیونکر حالات سے نبٹیں گی.....نوری کے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کیا ویسے ہی ہوں گے..... کیا وہ اپنا ساختہ معیار برقرار رکھ سکے گی۔

وہ بازار کے سرے تک انہی خیالات سے الجھتا جا پہنچا..... گاڑی ایک طرف کھڑی کی..... کئی ملنے والوں نے اس سے ہاتھ ملایا' احوال پرسی کی..... وہ ملتا ملاتا گلی میں آگیا..... یہاں بھی اسے جان پہچان والے دو چار لوگ ملے..... منشی خیر دین نے تو اسے لپٹا کر پیار کیا.....اسے ان لوگوں سے بچھڑنے کا واقعی افسوس تھا..... نذیراں بی بی نے بھی پیار کیا..... خالہ نسرین بھی دروازے میں کھڑی کھڑی ملی..... حال احوال پوچھا..... "آتے جاتے رہنا کامی بیٹے....." اس نے کہا تو کامی نے مسکرا کر اچھا کہا۔

اب وہ زری خالہ کے دروازے پر تھا۔

بند دروازے پر اس نے دستک دی.....اس کا دل پہلے تو زور سے اچھلا..... پھر تھم سا گیا.....دوسرے لمحے وہ نارمل تھا۔

ڈیوڑھی میں قدموں کی آواز آئی..... پھر کسی نے کنڈی کھولی اور دروازے کا ایک پٹ وا کر دیا.....اس کے سامنے نوری کھڑی تھی۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا..... لمحاتی سکتے نے دونوں کی نگاہوں کو جکڑ لیا..... چپ چاپ وہ ایک دوسرے کو تکتے گئے۔

"کون ہے نوری" صحن سے زری نے پکارا تو کامی قدم اٹھا کر اندر آگیا۔

"کون؟..... کامی؟" زری کو شناخت میں دقت نہ ہوئی لیکن چند لمحے متعجب ضرور تھی..... اتنا خوبصورت اور خوش پوش نوجوان کامی ہی تھا۔

کامی آگے بڑھا..... سر قدرے جھکا کر زری کو سلام کیا.....زری نے اس کے سر پر

شفقت سے ہاتھ پھیرا اور بولی...... "کیسے ہو کامی بیٹے" اس کی آواز رندھ گئی اور آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔

"بیٹھو" خود پلنگ پر بیٹھتے ہوئے زری نے کرسی کی طرف اشارہ کیا...... کامی بیٹھ گیا۔

چند لمحے وہ گم صم رہا...... انکل کی تعزیت کے لئے اسے الفاظ ہی نہ مل رہے تھے۔

نوری بھی پلٹ آئی تھی...... اس کا چہرہ خاصہ پیلا تھا...... آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے واضح تھے...... گھر کی خستہ حالی اور ابو کی جدائی اس پر بہت اثر انداز ہوئی تھی...... وہ چند لمحے رکی...... کامی زری سے اظہار افسوس کر رہا تھا...... جانے نوری کیوں وہاں نہیں رکی...... اپنے کمرے میں چلی گئی...... اور جب تک کامی بیٹھا زری سے باتیں کرتا رہا وہ کمرے سے باہر نہ آئی...... پتہ نہیں رو رہی تھی...... یا ویسے ہی کامی کے سامنے کی اپنے میں جرأت نہ پا رہی تھی۔

اس کے سامنے نہ آنے سے کامی کو دلی دکھ ہوا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ وہ وہاں اچاٹ اچاٹ سا بیٹھا رہا...... زری کو تسلی دلاسا بھی دیا...... گھر کی داستان غم بھی سنی...... ماں کے ہاں اٹھ جانے کا بھی پتہ چلا...... زری کی مالی بدحالی کا اسے بری طرح احساس ہوا۔

اس نے اٹھتے ہوئے جانے کی اجازت چاہی...... اور سعادت مندی سے بولا...... "خالہ کسی بھی کام کے لئے میری ضرورت پڑے تو تکلف نہ کیجئے گا...... میں حاضر ہو جاؤں گا"۔

"ہم لوگ اماں کی طرف ہی ہوں گے...... کبھی کبھی ہماری خبر ضرور لیتے رہنا بیٹے...... شاید عزیز کے دفتر کے تھوڑے سے بقایاجات لینے کے لئے تمہاری ضرورت پڑے"۔

"ضرور خالہ ضرور...... میں جب بلائیں گی آجاؤں گا"۔

"جیتے رہو"۔

کامی نے اک نگاہ برآمدے میں کھڑے کھڑے نوری کے کمرے پر ڈالی...... پھر ملول افسردہ سا زری کو خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

زری دروازے میں کھڑی حسرت سے اس خوبرو نوجوان کو تکتی رہی۔

قیامتیں جب ٹوٹ پڑیں...... تو انسان کا ذہن دل و دماغ اور ساری شخصیت تس نہس ہو جاتی ہے...... اذیت سے انسان سانس نہیں لے پاتا...... جائے مفر نظر نہیں آتی...... یہ سب کچھ آزردہ تو ہوتا ہے...... لیکن ہولے ہولے ان قیامتوں کی ڈھائی بربادی از خود دور ہونے لگتی ہے...... انسان ان سے سامنا کرنے کی ان سے پیدا شدہ آزردوں کو دور کرنے کی جدوجہد کرنے لگتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ اس کے اثرات سے نکل بھی جاتا ہے۔

لیکن

جب ان قیامتوں سے ڈھائی گئی بربادی کا دورانیہ طویل اور غیر متعینہ عرصے پر محیط ہو جائے تو زندگی کا پل پل لہولہان ہو جاتا ہے۔

زری اماں کے گھر آ گئی...... صرف اپنے بیڈ روم کا سامان ساتھ لائی باقی ایک ایک چیز اونے پونے بیچ ڈالی...... جہاں آراء نے بھی کہا تھا کاٹھ کباڑ نہ اٹھا لانا...... خود بھی سوچا تھا...... ایک تو کمرہ ملے گا...... ان چیزوں کو کہاں سمیٹے گی...... تن کے کپڑے اور چھوٹا موٹا سامان لے کر ماں بیٹی ادھر آ گئیں...... گھر سے بے گھر ہونا کچھ کم اذیت کا باعث نہیں ہوتا...... دوسرے پر اپنا بار ڈال دینا اس سے بھی زیادہ اذیت دہ ہوتا ہے...... چند دن تو گھر والوں نے بڑے کی مروت سے کام لیا...... ماں بیٹی کو نئی جگہ اور ماحول میں اپنا آپ ڈھالنے کے لئے خاطر وقت چاہئے تھا...... زخموں پر مرہم اور شفقت بھرے ہاتھوں کی ضرورت تھی۔

لیکن

ایسا نہیں ہوا۔

چند دنوں بعد ہی جہاں آراء کی بڑبڑ شروع ہو گئی۔

"میں اکیلی کیا کیا کام کروں"۔

"ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہیں"۔

"یہ نہیں چھوٹا موٹا کام نوری ہی کر دیا کرے"۔

"بچوں کو سنبھالوں...... گھر کا کام کروں...... یا ان مہمانوں کا بوجھ سنبھالوں"۔

"ایک اماں کو پلنگ پر بٹھا کر کھلاتی تھی...... اب وہ اور آ گئی ہیں"۔

جہاں آراء ان دونوں کو براہ راست تو کچھ نہ کہتی لیکن اٹھتے بیٹھتے سناؤنی ڈالتی رہتی۔ کام کرنے کے لئے اس کے ہاں دو دو مائیاں آتی تھیں...... جمعدارنی بھی تھی...... لیکن جہاں آراء کو یہ ماں بیٹی نظر آ رہی تھیں...... اس نے ان کا خرچہ اسی طرح پورا کرنا تھا کہ نوکرانیوں کو جواب دے دے...... اور ان کا کام زری اور نوری سے لے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ پہلے کپڑے دھونے والی کو جواب دیا اور یہ ذمہ داری زری پر ڈال دی...... زری دولت مند کی [illegible] میں بھی نہ تھی...... لیکن کپڑے دھونے، برتن صاف کرنے، آٹا گوندھنے اور صفائی کرنے کے لئے مائیاں رکھی ہوئی تھیں...... تنخواہ کو اس طرح بانٹا ہوا تھا کہ ایسے خرچے نکال لیتی تھی...... گلی محلوں میں کام کرنے والیوں کے ریٹ بھی کچھ کم ہی ہوتے ہیں...... اس لئے کام کے لئے مائیاں لگانا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

کپڑے دھونا آسان کام نہ تھا...... جہاں آراء کے بچوں کے کپڑے کھیل کود سے خاصے میلے ہوتے...... واشنگ مشین بھی خراب پڑی تھی...... ہاتھوں سے کپڑے دھونا خاص کر زری کے لئے بہت مشکل تھا...... ہاتھ چھل جاتے...... کمر اکڑ جاتی...... پٹھوں میں کھچاؤ پیدا ہو جاتا۔

نوری اس سے لڑتی...... "کیوں دھوتی ہو امی ان کے کپڑے...... تم ان کی نوکرانی تو نہیں ہو"۔

زری زخمی سی مسکراہٹ سے اسے دیکھتی...... "نوری پلنگ پر بٹھا کر تو کوئی نہیں کھلانے گا...... کام کرنا مجبوری ہے...... یہ تو شروع ہے آگے آگے دیکھتی جاؤ"۔

نوری جزبز ہوتی...... "اچھی بھلی مائی تھی ان کی اسے انہوں نے جان بوجھ کر ہٹایا ہے"۔

"ہاں میں جانتی ہوں...... لیکن بیٹی ہم کچھ نہیں کر سکتے...... ان لوگوں پر قسمت نے بوجھ بنا کر ڈال دیا ہے...... پلے پیسہ ہے نہ کوئی اور ذریعہ معاش...... کہا بھی کیا جا سکتا ہے...... وہیں ہوتیں تب بھی یہ نوکری کرنی ہے"۔

نوکری واقعی کرنا تھی...... ہولے ہولے کچن کا کام بھی زری پر آن پڑا...... برتن دھونے آٹا گوندھنا' چپاتیاں بنانا اس کا کام تھا...... جہاں آراء صرف کھانا بناتی...... اب اس نے نوری سے بھی کام لینا شروع کر دیا...... آٹھ نو ماہ کی ریں ریں کرتی بچی اس کے سپرد تھی...... جسے نہانا دھلانا، کپڑے بدلنا اور کھانا کھلانا اس کے ذمہ تھا...... جہاں آراء اور نانی کے کپڑے بھی استری کرنا اسی کے ذمہ تھا...... گھر کی جھاڑ پونچھ کا فریضہ بھی جہاں آراء نے نوری کے سپرد کر دیا۔

نوری شپٹائی...... اس نے کہاں ایسے ایسے کام کئے تھے...... امیر زادیوں کے سے ٹھاٹھ باٹھ تھے...... امی نے تو کبھی پانی کا گلاس بھی لانے کو نہیں کہا تھا...... یہاں اتنے کام ذمے آن پڑے...... اس نے تو صاف طور سے انکار کر دیا...... زری ہی نے اسے سمجھایا۔

"نوری...... مت ضد کیا کر جس طرح بن پڑے یہ کام کر لیا کر...... یہ کام ہمیں کرنے ہی ہیں...... نہ کریں تو یہ لوگ ہمیں کہاں برداشت کریں گے...... یہاں سے نکالے گئے...... تو جائیں گے کہاں"۔

نوری جھلا کر کہتی...... "اس سے تو اچھا تھا ہم حیدر چچا کے پاس ہی چلے جاتے"۔

"ہونھ" زری تمسخر سے کہتی...... "وہاں بھی ایک جہاں آراء موجود ہے نوری...... یہی ذمہ داریاں وہاں بھی سنبھالنا پڑتیں...... بلکہ بار کچھ زیادہ ہی ہوتا...... یہاں ایک الگ کمرہ تو ہے جہاں سستا لیتے ہیں...... رو لیتے ہیں...... دل کی بھڑاس نکال لیتے ہیں...... وہاں تو کرائے کا چھوٹا سا مکان تھا...... پھر وہاں رہنا بھی کہاں مناسب تھا...... یہاں سوتیلے رشتے سہی...... رشتے ہیں تو سہی"۔

"نوکر اور مالک کے رشتے ہیں" نوری تلملا کر کہتی۔

"ہوں" زری ٹھنڈی آہ بھرتی۔

"امی...... مجھ سے یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا...... میں اپنی پڑھائی شروع کرنا چاہتی تھی"۔

"پڑھائی؟" زری نمناک آنکھوں سے اسے دیکھتی ..... "اب خیال چھوڑ دے پڑھنے کا..... کچھ اور سوچ"۔

"اور کیا سوچوں؟"

"نوری..... کہیں چھوٹی موٹی نوکری مل جائے تو کر لے..... چار پیسے تو ہاتھ آئیں۔ یہ لوگ روکھی سوکھی روٹی تو دے دیتے ہیں..... اور بھی تو خرچے ہیں..... کہاں سے کریں گے..... تو نے گیارہ جماعتیں تو پاس کر لی ہیں..... وہ بھی انگریزی میڈیم کی..... کہیں تو نوکری مل سکتی ہے..... کسی چھوٹے موٹے سکول میں ہی سہی"۔

"نوکری؟ کون دلائے گا مجھے..... میں تو کسی کو جانتی بھی نہیں"۔

"کبھی کبھی تیری سہیلی ہنی کا فون آتا ہی ہے..... اس سے ہی بات کرنا"۔

نوری چپ ہو جاتی۔

ہنی اور سہیلہ اس کے اصل حالات سے آگاہ ہو چکی تھیں..... اس کے جھوٹ کا پول ان پر کھل گیا تھا..... پھر بھی برسوں پرانی دوستی کا احساس تھا..... دونوں کو اس سے کچھ زیادہ ہی ہمدردی ہو گئی تھی..... باقی گروپ کی لڑکیوں کی طرح انہوں نے اس کا تمسخر نہیں اڑایا تھا..... نہ ہی مذاق بنایا تھا..... ایک دفعہ وہ یہاں اس سے ملنے بھی آئی تھیں..... اس کے حالات سن کر دونوں کی آنکھیں بھر بھر آئی تھیں..... دونوں نے اسے مجبور بھی کیا تھا..... کہ وہ ایف اے کا امتحان دے لے..... اس کے اخراجات اٹھانے کی انہوں نے دبے دبے لفظوں میں بات بھی کی تھی۔

لیکن

نوری کے لئے اب کالج جانا ممکن بھی کہاں تھا۔

ہاں

پرائیویٹ طور پر وہ امتحان دے سکتی تھی..... اس نے سوچا تھا کہ دن کو تو کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی..... رات کو پڑھ لیا کرے گی..... لیکن رات تک وہ اتنی تھک چکی ہوتی کہ کتابیں لے کر بیٹھنے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔

اسی لئے تو وہ خاصی چڑچڑی ہو گئی تھی..... پڑھنا چاہتی تھی پڑھ نہیں سکتی تھی..... گھر

کے نوکروں والے کام نہیں کرنا چاہتی تھی..... لیکن کرنا پڑتے تھے..... اسی چڑچڑے پن میں اس نے کئی بار جہاں آراء کو بدتمیزی سے جواب دیئے..... جہاں آراء نے طوفان اٹھا دیا..... ثاقب نے بھی نوری کو ڈانٹا اور نانی نے بھی گستاخی کرنے پر باز پرس کی۔

"یہاں رہنا ہے تو سیدھی طرح رہو..... نہیں تو جہاں سینگ سماتے ہیں چلی جاؤ..... یہاں گھروں کے کام کرتی ہی ہیں..... تم دنیا جہان سے انوکھی اور نرالی تو نہیں ہو..... باپ کے گھر میں تو جیسے دس نوکر ہاتھ باندھے کھڑے رہتے تھے"۔

نوری کو ایسی ایسی باتیں سننا پڑتیں..... زری کا دل مسلا جاتا..... غصہ بھی آتا..... لیکن زر درویش بہ جان درویش والی بات تھی..... کسی کو کیا کہہ سکتی تھی..... نوری پر ہی برستی۔

وہ اور چڑ جاتی۔

رونے لگتی

لڑ پڑتی۔

جہاں آراء کے بچوں کو گالیاں دیتی..... تھپڑ بھی لگا دیتی..... گالوں پر چٹکیاں کاٹ لیتی..... کان مروڑ دیتی..... جہاں آراء کو پتہ چلتا تو وہ نوری پر ہاتھ اٹھانے سے بھی گریز نہ کرتی..... کمر میں دھموکے لگانے تو اب عام سی بات تھی..... بالوں میں مٹھی بھر کر جھٹکے دینا تو اس کے لئے معمولی بات تھی۔

کوسنے تو ہر وقت ہی سننا پڑتے۔

اس دن جمعدارنی چھٹی پر تھی..... جہاں آراء نے صبح صبح ہی نوری سے کہہ دیا تھا..... "آج جمعدارن نہیں آئے گی..... گھر صاف کرنا ہے..... جھاڑ پونچھ بھی اچھی طرح کر لینا..... چھٹی کے دن کوئی نہ کوئی آ ہی نکلتا ہے"۔

نوری نے منہ بنایا..... تو زری نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا..... "میں جھاڑو لگا لوں گی..... تم جھاڑ پونچھ کر لینا"۔

نوری کوئی جواب دینے کو تھی کہ زری اسے جہاں آراء کے سامنے سے ہٹا لے گئی..... اور رو رو کر حالات کی سنگینی کا سمجھایا۔

پھر جھاڑو اٹھا کر وہ صفائی کرنے لگی..... نوری نے ماں کے ہاتھ سے جھاڑو چھین کر

پرے پھینک دیا اور بولی ''جتنا جھکتی جاؤ گی..... مامی تمہیں اتنا ہی دبائے گی''۔

''ہائے نوری تیرے مغز میں بات کیوں نہیں گھستی..... یہ ہمارا گھر نہیں ہے ہم مامی کے گھر میں ہیں..... اسی کی مرضی چلے گی یہاں''۔

نوری روہانسی ہو کر بولی ''امی..... کیوں چھوڑ دیا تھا اپنا گھر..... وہیں رہتیں نا''۔

''کیسے رہتی'' زری کے تو بات بات پر آنسو نکل آتے تھے۔

''گزارہ ہو ہی جاتا..... بھوکے ننگے رہتے..... لیکن ہر وقت کی بے عزتی''۔

''گزارہ ہو سکتا تو بھلا یہاں آ جاتی..... کرایہ کہاں سے دیتے..... کھاتے پیتے کہاں سے..... کوئی پرسان حال تھا ہمارا..... دکھ میں کون کسی کا ساتھ دیتا ہے..... حیدر کو دیکھا ہے مہینے میں ایک چکر لگاتا تھا..... اب وہ بھی نہیں آتا..... کامی سے کہا تھا خبر لیتے رہنا..... وہ بھی نہیں لوٹا''۔

زری آنسو بہانے لگی۔

نوری کا دل بھی بھر بھر آیا..... کامی! واقعی دو ماہ ہو گئے کامی بھی نہیں آیا تھا۔

لیکن

اس نے سوچا..... ''کامی سے اب اس کا واسطہ ہی کیا ہے..... اسے ٹھکرا کر بھی وہ اس سے کیوں توقعات وابستہ کئے ہوئے ہے..... کیا کامی اپنی بے عزتی بھول سکتا ہے؟ پھر وہ کیوں چاہتی ہے کہ وہ اس کی طرف راغب ہو؟ کیا اس لئے کہ وہ اسے چاہتی ہے..... آج سے نہیں برسوں سے چاہتی چلی آ رہی ہے..... دل ہی دل میں اندر ہی اندر اس کی چاہتوں کی مہک لئے ہوئے ہے''۔

پھر

وہ اپنے آپ ہی سے سوال کرتی..... یہ بات تھی..... تو پھر اسے ٹھکرایا کیوں تھا..... اس وقت دماغ ٹھکانے پر کیوں نہیں رکھا تھا..... کیوں بھول بھلیوں میں کھو گئی تھی کہ پچھتاوے مقدر بنا لئے..... اب تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا..... وہ اب بہت اونچے مقام پر جا پہنچا ہے..... اس تک رسائی ہی ممکن نہیں رہی..... رسائی کی کوشش بھی نہیں کرنا چاہئے..... اب تو یہ کوشش خود غرضی پر محمول ہو گئی..... وہ یہی سمجھے گا کہ اب اس کے پاس روپے پیسے کی فراوانی ہو گئی ہے..... تب ہی میری طرف کھنچ رہی ہے۔

نہیں

نہیں

وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی..... کبھی..... نہیں کرے گی۔

سلگتی رہے گی

جل جائے گی

لیکن

دھواں نہیں اٹھنے دے گی..... آنچ کی حدت اس تک پہنچنے نہیں دے گی۔

ایسے فیصلے تو وہ کرتی ہی رہتی تھی..... لیکن ان فیصلوں کی پابندی بھی کر سکتی تھی؟

''ہائے کامی'' اس کے من میں ہوک سی اٹھی..... وہ زری اور صفائی کو بھول کر اور ہی بھول بھلیوں میں کھو گئی۔

اندر کی آہ و پکار اور باہر کی چخ چخ سے نبرد آزما ہوتے دن گزر رہے تھے..... مامی نوری کے خلاف کچھ زیادہ ہی ہوتی جا رہی تھی..... منہ پھٹ..... خر مغز اور سر پھری لڑکی کے نام سے اسے نوازتی رہتی..... زری سے ہمیشہ اس کی شکایت کرتے ہوئے کہتی اسے سنبھال کر رکھ..... گھر میں نہیں ٹکنے کی یہ..... لڑکیوں والے لچھن تو اس میں ہے ہی نہیں..... نانی اور ماموں سے بھی شکایتیں کر کر کے انہیں اس کے خلاف بھڑکاتی رہتی..... نوری بھی لچک دار شاخ تھوڑا ہی تھی..... جو دباؤ سے جھک جاتی..... پٹر پٹر جواب دیتی..... جس کام کو کرنے کے لئے اس کا من نہ مانتا صاف انکار کر دیتی..... جہاں آراء تب اسے مارنے سے بھی نہ چوکتی۔

اس دن نوری نے بے دلی سے سارے گھر کی جھاڑ پونچھ کی..... پچھلا صحن دھویا..... گیراج اور سامنے والی سڑک صاف کی..... ان کاموں سے فارغ ہو کر وہ ادھر جانے ہی کو تھی کہ مامی نے آواز دی..... ''نوری''۔

''کیا ہے'' وہ لاؤنج میں رک گئی۔

''ادھر آ..... یہ کپڑے استری کر دے..... کئی دنوں سے دھوئے رکھے ہیں'' جہاں آراء نے دھلے کپڑوں کی ڈھیری سی میز پر لگا دی۔

"ماں" نوری دانت کچکچاتی اس طرف آئی۔

"کیوں"

"ہم لوگ نوکر ہیں تمہارے..... ایک کام ختم نہیں ہوتا دوسرا پکڑا دیتی ہو..... باجی ہو میں دو تین گھنٹے سے صفائی کر رہی تھی"۔

"کیا احسان کیا مجھ پر"۔

"اب یہ کپڑے" نوری نے ہاتھ سے کپڑوں کو پرے پھینکا..... "استری کرو! ہوں..... نوکر سمجھتی ہو ہمیں..... تو تنخواہ بھی دیا کرو..... خالی بچی کچی روٹی دے کر احسان کر دیتی ہو..... نوکر روٹی کپڑے کے ساتھ تنخواہ بھی لیتے ہیں"۔

"حرام خور..... زبان دراز" جہاں آراء نے اس کی چٹیا پکڑ کر جھنجھوڑ دی..... تو نوری نے بھی اس کا گریبان پکڑ لیا..... دونوں گتھم گتھا ہو جاتیں..... وہ تو زری ادھر آگئی..... اس نے نوری ہی کی کمر پر دھموکہ لگایا اور اس کے ہاتھ سے جہاں آراء کا گریبان چھڑانے لگی..... جہاں آراء بول بک رہی تھی..... زری نے بھی نوری ہی کو کوسنا شروع کر دیا..... دونوں کو الگ کر کے اس نے جہاں آراء کی ٹھوڑی کو چھوا اور عجز سے بولی۔

"تم ہی ذرا حوصلے سے کام لیا کرو جہاں آراء..... اس کو تو میں سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں..... اسے حالات کا احساس ہی نہیں ہوتا"۔

"کیوں نہیں ہوتا" نوری غرائی..... "دن رات نوکروں کی طرح خدمت گزاری میں لگی ہیں ہم ماں بیٹیاں اور ملتا کیا ہے؟ بچی کھچی روٹی..... کپڑا نہ تنخواہ..... اب تو ہم لوگ ان کا ایک کام بھی نہیں کریں گے..... یا تو پوری تنخواہ لیں گے..... روٹی اور کپڑا لیں گے..... آخر ہم نے ان کے رحم و کرم پر ہی رہنا ہے تو حق تو لیں اپنا"۔

"نوری..... بکواس بند کر"۔

"چپ رہو امی" نوری نے تن کر کہا..... "ہم نے ان کے پاس نوکری ہی کرنی ہے تو تنخواہ بھی لیں گے..... آخر اپنے خرچ ہم نے کہاں سے پورے کرنے ہیں"۔

نوری نے گرجتے برستے ہوئے اپنا پاؤں اوپر اٹھایا..... جس میں ربڑ کی ٹوٹی ہوئی چپل تھی ..... "یہ دیکھو میں کب تک یہ ٹوٹی چپل گھسیٹوں گی..... پیسے پاس نہیں ہیں تو ادھار لوں گی

یہاں سے..... ان کی تو منتیں بھی کروں گی تو لے کر نہیں دیں گے"۔

جہاں آراء بھی بک بک کئے گئی..... نوری بھی تابڑ توڑ حملے کرتی رہی..... نانی بھی اپنے کمرے سے اٹھ کر آگئی..... زری کبھی جہاں آراء کے سامنے ہاتھ جوڑتی کبھی اماں سے معافی مانگتی اور کبھی نوری کو برا بھلا کہتی۔

آج تو خاصی لڑائی ہو گئی تھی..... زری نوری کو جب اوپر لے کر آئی تو خوب ڈانٹا..... "اس طرح کرتی رہو گی تو یہ لوگ گھر سے اٹھا باہر پھینکیں گے..... کہاں جاؤ گی؟ بتاؤ مجھے..... سر پر چھت تو ہے یہاں..... روٹی تو ملتی ہے"۔

"کسی یتیم خانے میں چلے جائیں گے..... یہاں سے اچھے ہی رہیں گے..... یتیم تو میں ہو ہی گئی ہوں" نوری نے دل جلانے والے انداز میں کہا تو زری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"امی سن لو..... میں یہاں مر مر کر نہیں جی سکتی..... پیسہ تمہارے پاس نہیں..... میرے چپل دیکھے ہیں..... کبھی پہنتے تھے ہم نے ایسے چپل" نوری نے چپل اٹھا کر ماں کو دکھائے۔

زری نے نوری کو گلے سے لگا لیا اور بولی..... "اس طرح کچھ نہیں ہو گا نوری بیٹی..... صبر کر..... خدا نے یہ مصیبت ڈالی ہے تو کاٹے گا بھی وہی..... تیرے ابا کے کچھ بقایا جات ابھی دفتر سے لینے ہیں..... کوئی وہ پیسے نکلوا دے تو تمہیں چپل بھی لے دوں گی اور کپڑے بھی"۔

"ہونہہ" نوری نے ہنکارا بھرا "کتنے بقایا جات ہیں..... لاکھ دو لاکھ"۔

"ہزار دو تو ہوں گے ہی..... لیکن وہ بھی کون نکلوا کے دے..... حیدر آتا ہے نہ کا کی"۔

زری کی بات کاٹ کر نوری جھلائی..... "ان کو ہی روتی رہنا..... مجھے بتاؤ..... میں خود پتہ کر لیتی ہوں"۔

ماں بیٹی کچھ دیر یہی باتیں کرتی رہیں..... زری نوری کا غصہ ٹھنڈا کرتے ہوئے اسے حالات سے نباہ کرنے کا درس دیتی رہی..... نوری کے اندر بغاوت کے شعلے اٹھ رہے تھے..... نانی ماموں مامی سے وہ اس طرح نباہ نہ کر سکتی تھی..... اسے ان سب سے نفرت ہوتی جا رہی تھی..... اسے تو امی پر بھی بعض اوقات بے طرح غصہ آتا..... جو ان سب کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسے ڈانٹتی کوستی رہتی تھی..... خود صبح سے شام تک

کاموں میں کولہو کا بیل بنی رہتی تھی...... از تیس سال میں پچاس سال کی لگنے لگی تھی
سکھ کا سانس نصیب میں رہا ہی نہ تھا...... رونا مقدر بن چکا تھا۔

شب و روز کا چلنا ہی رہتا ہے...... وقت گزر رہا تھا...... نوری اور جہاں آراء کی کب کر
بھی روز افزوں ترقی کر رہی تھی...... زری متفکر رہتی...... نوری کو کوستی ڈانٹتی...... لیکن دل
بھی مسلا جاتا...... دکھ بھی ہوتا...... اس کی ضرورتوں کا احساس بھی ڈستا...... لیکن کچھ کہنا
پڑتا۔

انہی دنوں کامی آگیا۔

نوری برآمدے میں کھڑی تھی...... جب کھلے گیٹ سے کالی گاڑی اندر آئی...... چمچم
کرتی گاڑی دیکھ کر اسے حیرانی بھی ہوئی کہ کون آگیا ہے...... لیکن جب اس کی نظر کامی پر پڑی
تو دل جیسے تھم گیا...... نیوی بلیو پینٹ اور آسمانی شرٹ میں وہ تو کوئی ہیرو لگ رہا تھا...... نوری
اسے ایک ٹک تکتی رہ گئی...... کامی کی نگاہیں بھی نوری پر گڑ گئیں...... چند لمحے دوا سے کے
گیا...... پھر گاڑی بند کی اور باہر نکل آیا۔

وہ اس کے قریب آکر ہلکے سے تبسم سے بولا...... "ہیلو...... کیسی ہو نوری"۔

پھر خود ہی بولا...... "میں نوری کہہ کر مخاطب کر رہا ہوں...... یہاں آکر نام رائمہ تو...
خیر زری خالہ ہیں گھر پر"۔

نوری تو واقعی بت بن گئی تھی...... صرف آنکھیں پھیلائے اسے تکے جا رہی تھی۔

"میں زری خالہ سے ملنے آیا تھا" وہ ایک قدم اور آگے بڑھا کر بولا...... "وہ گھر پر ہیں"۔

"ہاں" نوری کا سکتہ ٹوٹا۔

"ان سے مل سکتا ہوں" نوری کے رویے کو اس نے بے حسی پر معمول کیا...... قدرے
افسردہ بھی ہو گیا...... نوری اپنی جگہ سے ہلی...... "میں امی کو بلاتی ہوں" اس نے آہستگی سے
کہا۔

"ان کے آنے تک میں یہیں کھڑا رہوں؟" نوری نے اسے اندر آنے کے لئے نہ کہا تو
وہ ملول سے لہجے میں بولا۔

"اوہ...... اندر...... آجاؤ" اس نے سامنے والا دروازہ کھول دیا...... یہ کمرہ نانی کا تھا

ڈرائنگ روم تھا...... استعمال میں کبھی کبھی آتا تھا۔

کامی اندر آیا...... نوری دروازے سے ہی مڑی تو وہ کمرے پر سرسری سی نگاہ ڈالتے
ہوئے بولا۔

"تم نے یہاں ایڈجسٹ کر لیا ہے"۔

پتہ نہیں اس جملے سے اس کا مطلب کیا تھا...... نوری نے سوچنے کی زحمت نہیں کی......
پیچھے ہٹ گئی...... کچھ ہی دیر بعد زری کمرے میں آگئی۔

"کامی...... کامی بیٹے" زری کی آواز بھرا گئی...... "بڑے عرصے بعد ادھر کا رخ کیا......
پرانے واقف کاروں میں سے کوئی بھی تو نہیں آتا ملنے...... نہ پوچھنے کہ ہم کس حال میں ہیں"۔

"بس بس خالہ" کامی نے زری کے دونوں کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا...... "میں یہاں
نہیں تھا...... خالہ باہر گیا ہوا تھا...... پرسوں ہی واپس آیا ہوں...... یہ بھلا ممکن تھا...... کہ میں
یہاں ہوتا اور آپ سے ملنے نہ آتا"۔

"بیٹھو" زری نے کہا...... بیٹھتے ہوئے اس نے سامنے والے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

وہ صوفے پر بیٹھ گیا...... زری نے اس کے سراپا پر پیار سے نگاہ ڈالی...... پھر دکھ کی لہر
اندر ہی اندر دوڑ گئی...... کیسا نایاب ہیرا نوری کی حماقت سے چھن گیا تھا؟

"پھر باہر گئے ہوئے تھے" زری نے پوچھا۔

"ہاں خالہ...... بزنس ٹور پر ابو اب مجھے ہی بھیجتے ہیں"۔

"امی ابو کیسے ہیں"۔

"ٹھیک ہیں"۔

"گلہ تو نہیں کرنا چاہئے...... وہ تو اپنا ہے...... لیکن زبیدہ اور فاروق بھائی نے کبھی
بھول کر بھی یاد نہیں کیا"۔

کامی نے مضطرب ہو کر پہلو بدلا...... اور اس نظروں سے زری کو دیکھا پھر ہولے سے
بولا "خالہ بعض لوگ انا کے معاملے میں بڑے حساس ہوتے ہیں"۔

"ہوں" زری نے گہری سانس لی۔

کامی نے سر جھکایا...... پھر دلگیر آواز میں بولا...... "سب لوگ میری طرح ڈھیٹ نہیں

ہوتے..... دیکھیں نا میں تو آپ کے پاس آ ہی جاتا ہوں"۔

وہ تلخی سے مسکرا رہا تھا..... زری آہ کو روکتے ہوئے بولی..... "تمہاری سعادت [مندی] ہے"۔

"خالہ میں نے بچپن آپ کی محبتوں کے سائے تلے گزارہ ہے..... بھول تو نہیں [سکتا]..... انکل کتنا پیار کرتے تھے مجھ سے..... یہ باتیں کب بھلائی جا سکتی ہیں"۔

کچھ دیر دونوں بیتے دنوں کی خوشگواریوں کو یاد کرتے رہے..... نوری کمرے تک [نہ] آئی تھی..... ہاں برآمدے میں کھڑکی کے قریب کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی..... [اس کا] ظرف کتنا بڑا تھا..... جو اتنی بڑی بات کے بعد بھی آ جاتا تھا۔

کیا اس نے وہ بے عزتی بھلا دی تھی؟

یا

وہ سچ جو اس نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر بولا تھا..... اتنا سچا تھا کہ اس کو بھ[لانا] ممکن ہی نہیں تھا؟ سوال تو نوری کے ذہن میں اٹھتے لیکن وہ ان پر یقین کرنا نہیں چاہتی تھی۔

زری کامی سے باتیں کرتی رہی..... اپنے دکھڑے سنا ڈالے..... نوری کی ماں [کی] محرومیوں کا بھی ذکر کیا..... حال دل سننے والا ملا تھا..... اس لئے دل کھول کر سامنے ر[کھ] دیا..... کامی کے لئے یہ باتیں خوش کن کب تھیں..... اداس و ملول نظر آنے لگا۔

"اے نوری..... چائے کی پیالی تو بنا لا کامی کے لئے" زری نے بیٹھے بیٹھے پکارا..... کا[می] جھٹ سے بولا..... "نہیں خالہ..... چائے پھر سہی..... مجھے بہت سے کام ہیں..... پھر آ[ؤں] گا..... اب تو اجازت دیں....." وہ اٹھنے لگا تو زری بولی "کچھ دیر بیٹھو تو سہی..... ہاں تم سے [میں] نے ایک کام کا کہنا ہے"۔

"کہئے خالہ" وہ بولا..... زری اٹھتے اٹھتے بولی..... "تمہارے انکل کے فنڈ میں کچھ پ[یسے] باقی تھے..... وہ دلا دو..... تو..... میں کاغذات لے کر آتی ہوں"۔

"ضرور" اس نے پہلو بدلا..... زری اندرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی..... آئی"۔

کامی اس کے جانے کے بعد اٹھا..... اسے برآمدے میں نوری کے ہونے کا احساس

تھا..... اس لئے دروازے میں آ کر بولا..... "نوری یہاں کھڑی ہو..... اندر ہی آ جاتیں..... رشتوں کا تعلق نہ سہی.....دوستی کا ناطہ بھی تو مضبوط ہوتا ہے..... ہم دوست تو تھے..... کیا تم نے دوستی کے بندھن بھی توڑ ڈالے"۔

نوری نے کرب سے اس کی طرف دیکھا..... کامی کے چہرے پر بھی درد کی لہر دوڑ رہی تھی..... چند لمحے ہوئے بے چین و مضطرب تھے۔

"پڑھائی چھوڑ دی؟"

"کیا کرتی ہو آج کل"

"پرائیویٹ طور پر امتحان دے دیتی"۔

اس نے چند رسمی سی باتیں کیں..... نوری چپ ہی رہی..... ہاں دکھ بھری نظریں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھتی ضرور رہی۔

"اندر آؤ..... چند منٹ ہم بیٹھ کر باتیں تو کر سکتے ہیں" کامی نے کہا۔

نوری نے تذبذب کے عالم میں اسے دیکھا..... پھر ہولے سے بولی..... "میں یہیں ٹھیک ہوں"۔

"پھر" کامی نے اس پر اک گہری نگاہ ڈالی..... نوری کا رویہ دکھ دہ تھا..... وہ اندر لوٹا..... چند منٹ بعد زری فائل لئے اندر آ گئی..... کامی نے فائل لے لی..... "میں کوشش کروں گا..... خالہ کہ آپ کو بقایا جات جلدی مل جائیں"۔

وہ زری سے اجازت لے کر باہر نکل آیا..... نوری وہیں کھڑی تھی..... کامی نے اس کی طرف دیکھا نہیں جان بوجھ کر..... وہ اس سے کترا رہی تھی..... تو وہ بھی اس کے پیچھے کیوں بھاگتا۔

****

"کامی"

"جی امی"

"کیابات ہے"

"کیوں؟"

"کب سے صوفے پر آنکھیں بند کیے لیٹے ہو...... کوئی مرحلہ درپیش ہے"۔

"نہیں تو"

"پھر ایسے کیوں پڑے ہو...... دفتر سے بھی جلدی آ گئے"۔

"فارغ تھا...... گھر چلا آیا...... کھانا کھا کر غنودگی سی آ گئی تھی"۔

زبیدہ ہنس پڑی...... اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی...... "تمہیں واقعی کوئی مرحلہ درپیش ہے...... کھانا تو ابھی کھایا نہیں...... غنودگی ایسے ہی آ گئی"۔

کامی صوفے پر اٹھ کر بیٹھ گیا...... خفت بھی محسوس ہوئی کہ کھانا کھائے بغیر غنودگی آ گئی...... بالوں کو انگلیوں میں الجھا کر درست کرتے ہوئے بولا...... "کھانا تو نہیں کھایا...... ٹھیلے کی طرف گیا تھا...... اس نے چائے کے ساتھ جانے کیا الم غلم کھلا دیا تھا...... اسی کی بات کر رہا تھا...... سستی سی آ گئی تھی"۔

"ہوں ہوں...... تو ان دنوں مجھے کچھ کھویا کھویا...... کچھ بے چین بے چین سا لگتا ہے"

"اوہو...... آپ کو پتہ نہیں کہاں سے الہام ہو جاتا ہے"۔

"ماں ہوں میں تیری"۔

کامی نے سر جھکا لیا...... تو زبیدہ جلدی سے بولی...... "کوئی بات ہے نا...... اپنی ماں کو

بتائے گا"۔

"کوئی بات ہو تو بتاؤں نا"۔

"میں جو کہہ رہی ہوں کوئی بات ہے مجھ سے چھپا رہا ہے...... بتا دے مجھے...... شاید تیری پریشانی کا میں کوئی حل نکال سکوں"۔

وہ چپ رہا...... ایک دو بار ماں کی طرف مصنوعی سی مسکراہٹ اچھالی...... زبیدہ صوفے سے اٹھ کر اس کے قریب آ بیٹھی...... "کیا بات ہے...... ابا سے تو کوئی...... جھگڑا"۔

"اوہ امی...... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں...... ایسا آپ نے سوچا بھی کیوں کر"۔

"تو پھر کیا ہوا ہے تجھے"۔

"کچھ نہیں"۔

"پریشانی اور بے چینی کس بات کی ہے...... تین چار دنوں سے میں دیکھ رہی ہوں"۔

"اوہ میری ماں" کامی نے پیار سے ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر اپنا گال اس کے گال سے لگایا...... پھر آہستگی سے بولا...... "اللہ نے ہمیں اتنی خوشیاں دی ہیں...... کہ اس کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا...... ہم کیا تھے اس نے ہمیں کہاں پہنچا دیا"۔

"یہ اس کی نوازش ہے"۔

"ہاں امی...... بس یہی سوچ سوچ کر کبھی کبھی پریشان ہو جاتا ہوں...... کہ بعض لوگوں پر اس کی خاص عنایتیں ہوتی ہیں...... اور بعض پر کچھ اس طرح زحمتیں ٹوٹ پڑتی ہیں...... کہ"۔

زبیدہ نے گردن سے اس کی بانہیں نکال کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور بولی...... "یہ باتیں تیرے ذہن میں کس حوالے سے آ رہی ہیں"۔

اس کے ذہن میں اک شک سا ابھرا...... چند دن ہی پہلے اسے پرانے محلے کی سرداراں ملنے آئی تھی...... جس نے زری کی خستہ حالی کا اسے بتایا تھا...... اماں کے گھر بھی زری آئی تھی...... ماں بیٹی بہت لاچار و مجبور تھیں...... اس نے بہت سی باتیں اسے بتائی تھیں۔

"کامی" زبیدہ نے انتہائی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی"

"ایک بات پوچھوں؟"

"جی"

"تو زری سے تو ملنے نہیں گیا تھا"۔

اس نے چونک کر ماں کو دیکھا...... پھر پھیکی سی مسکراہٹ سے بولا...... "امی آپ نے تو زری خالہ سے ملنا جلنا ہی چھوڑ دیا...... برسوں ہمارا ان کا ساتھ رہا...... آپ دونوں تو بہنیں بنی ہوئی تھیں...... وہ ان دنوں بہت"۔

"تو تم اس کی خیر خبر لیتے رہتے ہو"۔

"ہاں میں دو دفعہ ان سے ملا...... ایک دفعہ انکل عزیز کے افسوس کے لئے گیا دوسری دفعہ تین چار دن ہوئے ان کے پاس گیا"۔

"اور ناحق کی پریشانی مول لے آیا"۔

"امی...... آپ نے خالہ سے تعلقات بالکل ہی منقطع کر لئے"۔

"ہم نے نہیں کئے...... اس کی اس سرچڑھی بد دماغ بیٹی نے کئے...... لگتا ہے تجھے وہ بے عزتی بھول گئی ہے"۔

"میں زری خالہ کی بات کر رہا ہوں...... ان کا کیا قصور؟ وہ تو اب بھی اسی پیار سے ملتی ہیں...... جیسے بچپن میں ملا کرتی تھیں...... امی آپ کو سب کچھ بھول گیا...... ہم لوگ رشتہ داروں سے بھی بڑھ کر تھے...... دن رات اکٹھے رہتے...... کبھی ہم ان کے گھر کبھی وہ ہمارے ہاں...... کتنا پیار تھا سب میں...... اور"۔

"چل بس کر" زبیدہ نے قدرے ناگواری سے کہا...... "تعلقات ہوتے ہیں...... مگر جب ٹوٹ جائیں تو پھر ہمیشہ کے لئے ختم بھی ہو جاتے ہیں...... ان سے اب ہمیں کیا لینا دینا"۔

کامی جلدی سے بولا...... "امی آپ زری خالہ سے کبھی کبھی مل تو سکتی ہیں...... وہ بہت دکھی ہیں...... آپ نہیں جانتیں...... اماں کے گھر ان کا حال بہت ہی برا ہے...... وہ جو ان کے بھائی ہیں...... وہ جینے نہیں دیتیں...... اماں کو کوئی پرواہ نہیں...... بھائی نہیں پوچھتا"۔

"تو یہ سارے دکھڑے اس نے تمہارے سامنے روئے" زبیدہ غصے کو دباتے ہوئے

"امی...... آپ تو خواہ مخواہ ناراض ہو رہی ہیں"۔

"تم گئے کیا لینے تھے اس کے ہاں"۔

"انہوں نے کہا تھا کبھی کبھی ہماری خیر خبر لیتے رہنا" کامی صاف گوئی سے بولا...... "اس لئے میں ان کی طرف چلا گیا...... بہت دکھ ہوا...... انکل کے دفتر سے انہوں نے کچھ بقایا جات لینے ہیں...... میں کوشش کر کے انہیں پیسے دلا دوں گا...... لیکن"۔

"لیکن کیا؟"

"امی آپ کبھی کبھی ان کو ملنے چلی جایا کریں"۔

"تم مجھے مشورے مت دو...... میں جو مناسب سمجھتی ہوں کرتی ہوں"۔

کامی نے صرف نگاہ بھر کر ماں کو دیکھا...... وہ جان نہ پایا...... کہ امی واقعی نوری کے اس رویے سے ان لوگوں سے دور ہٹ گئی ہیں...... یا پیسے نے ان کی سوچیں بدل ڈالی ہیں...... امی کو زری خالہ سے پیار تو ضرور تھا۔

زبیدہ کو کامی کی باتیں کچھ اچھی نہ لگی تھیں...... کامی بھی جان گیا تھا...... شاید زبیدہ اپنی جگہ حق بجانب بھی تھی...... لیکن کامی تو اس وقت صرف زری خالہ کے حوالے سے بات کر رہا تھا...... نوری کا تو تذکرہ نہیں کیا تھا۔

زبیدہ وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی...... اسے زری کے حالات کا تو وقتی دکھ ہوا...... لیکن یہ پریشانی ستانے لگی...... کہ کہیں کامی ان لوگوں میں پھر سے گھل مل نہ جائے...... اس کے خیال میں نوری کا حسن شعلے کی مانند تھا...... جو کسی وقت بھی کسی حالت میں بھی دامن کو پکڑ سکتا تھا...... اس نے رشتے سے انکار کر کے کامی اور ان لوگوں کی جو بے عزتی کی تھی...... اسے بھلایا کیسے جا سکتا تھا...... لیکن اسے یہ بھی پتہ ضرور تھا...... کہ نوری کامی کے دل کے کسی خفیہ گوشے میں ابھی بھی چھپی بیٹھی ہے...... کہیں اس کے بچپن اور لڑکپن کی یادیں اور بے وقوفیاں کامی بھلا کر پھر سے رشتوں کی تجدید نہ کرنے لگے...... دکھ درد کے لمحوں میں ایسے ٹوٹے رشتے جڑ بھی جاتے ہیں۔

زبیدہ کسی طور ان ٹوٹے رشتوں کو جوڑنے کی خواہاں نہ تھی...... اس کے سامنے تو بڑی راہیں کھلی تھیں...... کامی کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر رشتہ موجود تھا...... اس کو تو میں آتے ہی اس کی جن تین چار بڑے بڑے خاندانوں سے دوستی ہوئی تھی...... سب کے ہاں خوبصورت شائستہ پڑھی لکھی لڑکیاں موجود تھیں...... سکندر خان کی بیٹی رعنا تو اسے بہت ہی پیاری لگتی تھی...... سکندر بہت بڑے بزنس مین تھے...... بہت بڑی جائیداد تھی...... پیسے کی ریل پیل تھی...... اسی طرح کیمونی کیشن کے جائنٹ سیکرٹری اعجاز احمد کی دونوں بیٹیاں بھی اور رحمابہت خوبصورت تھیں...... اور بھی اچھے اچھے گھروں کی اچھی اچھی لڑکیاں نظر میں میں تھیں...... کامی جیسے لڑکے کے لئے جن کے سامنے بھی دامن پھیلاتی...... انکار کی گنجائش نہ تھی۔

نوری کو تو وہ بہت پیچھے...... کوسوں دور چھوڑ آئی تھی۔

کامی بھی اٹھ کر اوپر اپنے کمرے میں چلا گیا...... اس کے اندر اضطرابی لہریں اٹھ رہی تھیں...... وہ کمرے میں آکر بھی بڑی دیر بے چینی سے ٹہلتا رہا...... بے چینی اور اضطراب کی وجہ ماں کا زری خالہ کے لئے سرد مہری کا رویہ بھی تھا...... اور یہ سوچ بھی تھی کہ نوری تو اسے ٹھکرا چکی ہے...... پھر بھی وہ کیوں مایوس نہیں ہوتا...... کیا وہ اپنے سچے اور سچے جذبوں سے مغلوب تھا؟

یا

نوری کی طرف سے غیر محسوس سے پچھتاوے اس کی طرف لپکتے تھے؟

وہ ان دونوں سوچوں کے درمیان اضافی لکیر نہیں کھینچ پا رہا تھا۔

وہ تھوڑی دیر کے لئے بیڈ میں لیٹ گیا...... لیکن چین لینے کی بجائے وہ اور بے چین ہو گیا...... اس نے بہتر یہی جانا کہ تیار ہو کر دفتر چلا جائے...... کام میں مصروف ہو کر وہ سارے کے سارے غم بھول جایا کرتا تھا۔

نہا دھو کر کپڑے بدل کر وہ اپنی میز کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا...... نوری کی وہ تصویر تھی تصویر جس میں وہ خود بھی عزیز انکل اور زری خالہ کے ساتھ کھڑا تھا اٹھا کر چند لمحے دیکھتا رہا...... یہ تصویر اس کی امی نے تو اٹھا پھینکی تھی...... وہ خود ہی الماری کے پرانے سامان سے نکال لایا تھا۔

شہزادی!!

کس شہزادے کی شہزادی؟؟

شہزادہ کامران کی شہزادی!! اس نے متبسم لبوں سے یہ سارے الفاظ ادا کئے...... کتنی کتنی راحت ملی اسے اپنے ہی الفاظ سے۔

وہ مسرور اور مسحور سا ہو گیا۔

تصویر واپس رکھ کر وہ پلٹا...... اب وہ دنیاوی کاموں کے لئے تیار تھا...... پہلا کام جو اس نے کرنا تھا...... انکل عزیز کے واجبات کا پتہ کرنا تھا...... وہ خود تو ان کے دفتر نہیں جا سکا تھا...... اپنے ایک کلرک کو فائل دے کر پتہ کرنے کا کہا تھا...... تین چار دن ہو گئے تھے...... اس کو یقین تھا کہ وہ ساری تفصیلات اکٹھی کر کے لے آیا ہو گا۔

وہ نیچے آیا...... فیروز بھی کالج سے آ گیا تھا...... سلیم بھی گھر پر تھا...... فیروز پری انجینئرنگ کر رہا تھا...... اسے انجینئر بننے کا بہت شوق تھا...... حالانکہ فاروق چاہتے تھے وہ ایف اے کر کے ان کے ساتھ کام میں لگ جائے...... کام اتنا پھیل گیا تھا کہ جتنے بندے بھی اسے سنبھالنے کو ہوتے کم تھے۔

لیکن فیروز نہیں مان رہا تھا...... کامی نے بھی اس کی طرف داری کرتے ہوئے ابو کو قائل کرنے کی کوشش کی تھی...... "ابو اس کا شوق ہے تو اسے انجینئر بننے دیں...... تعلیم کی اہمیت اپنی جگہ ہے...... انجینئر بن کر بھی وہ اپنا کام سنبھال سکتا ہے...... لیکن اسے پڑھنے ضرور دیں۔"

"ٹھیک ہے...... لیکن انجینئر بن کر بھی نوکری نہیں کرے گا......" فاروق نے کہا تھا "ہم نے نوکری کر کے دیکھ لیا تھا...... گزر بسر بھی کرنا مشکل ہے...... جبکہ تجارت کے سر پر ہاتھی تاج ہے"۔

"ٹھیک کہتے ہیں آپ...... لیکن تعلیم کی اہمیت اور افادیت سے منہ نہیں موڑا جا سکتا...... مجھے تو خود اپنے آپ پر بھی افسوس ہوتا ہے...... خالی خولی بی اے تو کوئی کوالیفیکیشن نہیں نا ہوتی ہوتی

"چھوڑ بیٹا" فاروق اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر پیار سے کہتے ...... "ایم اے کر کے تب کیا ہو جاتا...... اب دیکھو...... ماشاء اللہ تمہارے پاس دو تین ایم اے پاس آدمی ملازم ہیں...... تمہارا چپڑاسی میٹرک پاس ہے"۔

کامی کوئی جواب نہ دیتا...... قسمت اس پر واقعی بہت مہربان ہوئی تھی...... اس تھوڑے وقت میں وہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا۔

لیکن تعلیم کی افادیت اور اہمیت سے وہ کسی طور اب بھی انکاری نہ تھا...... فیروز کی ماں نے بڑی طرف داری کی تھی ...... اس لئے فیروز اس کی بہت عزت کرتا...... محبت تو بھائیوں میں تھی ہی...... وہ بھائی کا احسان مند ضرور تھا۔

کامی نیچے آیا...... تو میز پر کھانا لگ چکا تھا...... سلیم کو سخت بھوک لگی تھی...... اس لئے باقی سب کے آنے سے پہلے ہی اپنی کرسی پر براجمان ہو گیا تھا...... اور جب سے بیٹھا تھا...... کبھی سلاد کی پلیٹ سے کھیرا پیاز اٹھالیتا...... کبھی رومال میں لپیٹی روٹیوں سے نوالہ توڑ لیتا...... کیونکہ وہ ماں اور بھائیوں کو جلدی آنے کے لئے آوازیں دے چکا تھا...... زبیدہ کا آرڈر تھا...... کہ جب سب اکٹھے ہوں اور کھانا میز پر لگا ہو تو کھانا بھی اکٹھے ہی چاہئے...... اب وہ لوگ محلے والے مکان میں تو نہیں رہتے تھے...... جو اپنی اپنی تھالی میں چولہے کے سامنے پیڑھی پر بیٹھی امی سے کھانا ڈلوایا اور صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ کر کھالیا...... روٹی ہاتھ میں پکڑی ہے اور پانی کا گلاس پاس رکھا ہے...... اب تو میز پر ملازم کھانا باقاعدگی سے لگاتا تھا...... تازہ تازہ پھلکے بن کر تھال سے آتے تھے...... اور پانی کا جگ لئے ملازم سب کے گلاس بھرتا رہتا تھا۔

کامی کے ساتھ فیروز بھی آبیٹھا...... کامی اپنی پلیٹ سامنے کرتے ہوئے فیروز سے اس کی پڑھائی کے متعلق بھی پوچھتا رہا...... زبیدہ کے آنے پر کھانا شروع ہوا...... کڑاہی گوشت کے ساتھ مصالحے والی بھنڈیاں بنی تھیں...... گرمیوں کی آمد آمد تھی...... یہ سبزی ابھی خاصی مہنگی تھی...... لیکن یہاں منگائی اب کوئی مسئلہ نہ تھی...... لذت تو اس سبزی کی شروع شروع کے موسم میں ہوتی ہے۔

"ابو کا کھانا بھجوادیا" کامی نے گوشت اپنی پلیٹ میں ڈالتے ہوئے پوچھا۔

"کب کا" زبیدہ بولی پھر اس نے کامی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا...... "تم تو آج فارغ

...اب کدھر جا رہے ہو"۔

"جانا کہاں ہے...... دفتر ہی جا رہا ہوں" کامی لقمہ توڑتے ہوئے بولا...... "یاد آگیا تھا...... پراپرٹی ڈیلر نے آنا تھا...... فیکٹری دکھانے لے جائے گا"۔

زبیدہ نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا...... "اچھا وہ فیکٹری جو تم لوگ خریدنا چاہ رہے ہو"

"ہاں امی" کامی نے مختصراً کہا۔ اور کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا...... بھوک کچھ زیادہ تھی تو نہیں لیکن اس کا من پسند کڑاہی گوشت بنا تھا...... اس لئے رغبت از خود پیدا ہو گئی تھی۔

باتوں کے دوران کھانا چلتا رہا...... پھل بھی کھایا گیا...... سیر ہو کر کامی اٹھا۔

"خدا کرے فیکٹری کا سودا ہو جائے...... " زبیدہ بولی "ذرا خوش خوش جاؤ...... صبح سے تو اتنے بیزار بیٹھے تھے"۔

کامی نے سر اثبات میں ہلایا...... "فیکٹری اچھی قیمت پر مل رہی ہے...... میری بیزاری سے کچھ نہیں ہوتا...... امی انسان کا موڈ وقتی طور پر خراب بھی ہو جائے تو کوئی بڑی بات نہیں" کامی نے کہا اور کرسی ہٹا کر میز سے ہٹ گیا۔

وہ کھانے کے کمرے سے لاؤنج میں آگیا...... ٹی وی پر رکھی گاڑی کی چابی اٹھائی...... راجو کو آواز دے کر گیٹ کھولنے کا کہا...... اور لاؤنج کے کھلے دروازے سے پورچ میں آگیا۔

کوئی پندرہ منٹ بعد وہ اپنے آفس میں تھا...... تینوں چاروں آدمیوں نے اسے اٹھ کر سلام کیا...... محمود صاحب اٹھنے لگے تو کامی نے اس معمر آدمی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا...... "بزرگو آپ سے میں نے کتنی بار کہا ہے میرے آنے پہ نہ اٹھا کریں" پھر اس نے باقی نوجوانوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا...... "مجھے تو ان کا اٹھ کر سلام کرنا بھی اچھا نہیں لگتا"۔

محمود نے کامی کو دعائیں دیتے ہوئے کہا...... "تم پھلدار ڈالی ہو بیٹے...... جتنا زیادہ اس پر پھل لگتا ہے اتنا ہی جھکتی جاتی ہے...... خدا تمہارا اقبال بلند کرے"۔

کامی اپنی کرسی پر آن بیٹھا...... اب اس کا دفتر نئے پلازہ میں تھا...... بڑی سی کھڑکی سڑک

کی طرف کھلتی تھی۔۔۔ خاصہ کشادہ کمرہ تھا۔۔۔۔ فرش پر بلکے گرین رنگ کی میٹنگ تھی گرین پھولدار پردے تھے۔۔۔۔ ایک طرف الماری اور اس کے ساتھ فائل شیلف تھے دیوار پر قائداعظم کی تصویر تھی۔۔۔۔ آمنے سامنے کی دیواروں پر وال کلاک اور کیلنڈر لگ رہے تھے۔۔۔۔ ایک دیوار میں اے سی بھی تھا۔۔۔۔ دائیں ہاتھ غسل خانے کا دروازہ تھا بائیں طرف چھوٹا سا کمرہ سٹور اور چپڑاسی کے لئے استعمال ہوتا تھا۔۔۔۔ یہیں ایک چھوٹا چولہا بھی تھا۔۔۔ جہاں چپڑاسی چائے وغیرہ تیار کر دیتا تھا۔۔۔۔ کامی خود تو چائے کا شوقین نہ تھا۔۔۔ لیکن ملنے کے لئے جو آتا تھا۔۔۔۔ اسے چائے پلانا پڑتی تھی۔ کوک اور جوس بھی ہوتے تھے۔۔۔۔ کامی نے ابو سے یہاں فریج رکھنے کی بھی اجازت لے لی تھی۔۔۔۔ گرمیوں میں فریج کے بغیر گزارہ نہ تھا۔۔۔۔ کامی کی گھومنے والی گدے دار کرسی بڑے سے سبز ٹاپ والے میز کے سامنے رکھی تھی۔۔۔۔ دو تین گدے دار کرسیاں میز کے دوسری طرف بھی تھیں۔۔۔۔ کمرے کے ڈیسک اور کرسیاں بڑی کھڑکی کے ساتھ پڑے تھے۔

فاروق احمد نے یہ دفتر کامی کے لئے جب وہ دوبارہ باہر گیا تھا۔۔۔ سیٹ کروادیا تھا۔ کامی واپس آیا تھا۔۔۔۔ تو فاروق نے بڑے پیار سے اس کی چابی اسے پکڑاتے ہوئے کہا تھا۔ "ابھی چھوٹا سا آفس ہے۔۔۔۔ خدا کرے تم اتنی ترقی کرو۔۔۔۔ کہ اس سے کہیں بڑا اور آراستہ پیراستہ دفتر لے سکو"۔

کامی نے دفتر دیکھا تھا۔۔۔۔ تو خوش ہو کر ابو سے لپٹ گیا تھا۔

کامی نے اپنے سامنے میز پر رکھی فائلوں پر ایک نگاہ ڈالی۔۔۔۔ پھر فون کی طرف دیکھا۔۔۔۔ کوئی فون تو نہیں آیا تھا۔

مجید نے قریب آکر ایک کاغذ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "یہ پیغام کسی رفیق صاحب نے دیا تھا"۔

"اوہ اچھا" کامی نے کہا۔۔۔۔ پھر پیغام پڑھ کر رقعہ ایک طرف کر دیا "ہاں مجید"۔

"جی صاحب" وہ کھڑے کھڑے بولا۔

"میں نے ایک کام تمہارے ذمہ لگایا تھا۔۔۔۔ کیا کیا اس کا۔۔۔۔ کل تم نے اسی سلسلے میں چھٹی بھی کی تھی"۔

"ہاں جی میں نے سب پتہ کروالیا ہے" مجید بولا۔۔۔۔ پھر اس نے جیب سے ایک کاغذ نکالا "یہ ساری تفصیل میں نے لکھ لی تھی"۔

"ہاں ان تفصیلوں کو چھوڑو۔۔۔۔ یہ بتاؤ پیسے ملے یا نہیں"۔

مجید ہلکی سی ہنسی ہنسا اور بولا۔۔۔۔ "صاحب پیسے اتنی جلدی تو نہیں مل سکتے۔۔۔۔ آپ کیا سمجھتے تھے۔۔۔۔ میں جاؤں گا اور دفتر والے پیسے میرے حوالے کریں گے"۔

"تو پھر"

"عزیز صاحب فوت ہو چکے ہیں۔۔۔۔ اب تو ان کا پیسہ لینے کے لئے لمبی قانونی کارروائیاں ہوں گی"۔

"کیا مطلب"

"صاحب پہلے کاغذات تیار کروانا ہوں گے"۔

"کاغذات؟"

"جی ڈیتھ سرٹیفکیٹ۔۔۔۔ اس کے بعد ان کے جو وارث ہیں۔۔۔۔ وہ کسی ایک کو پاور آف اٹارنی دیں گے۔۔۔۔ عزیز مرحوم کی تو صرف ایک بیٹی ہے بیٹا تو کوئی نہیں؟"

"ہاں"

"تب تو ان کے ترکے کے حق دار اگر ان کے ماں باپ زندہ ہیں۔۔۔۔ تو وہ بھی ہیں۔۔۔۔ بہن ہیں۔۔۔۔ تو بہن بھائی جتنے بھی ہیں سب حصہ دار ہیں۔۔۔۔ ہاں وہ اپنی خوشی سے حصہ چھوڑ دیں تو دوسری بات ہے۔۔۔۔ لیکن پھر بھی ان کے دستخط ہونا ضروری ہوں گے"۔

مجید تفصیل سے قانونی کارروائی کے متعلق کامی کو بتانے لگا۔۔۔۔ کامی نے پریشان ہو کر اسے دیکھا اور پھر کہنی میز پر ٹکا کر ماتھا ہتھیلی پر رکھ دیا۔

مجید چپ ہوا تو کامی نے سر اٹھا کر کہا۔۔۔۔ "پیسے کتنے ہیں یہ پتہ کیا تھا"۔

"ہاں جی" اس نے پھر ہاتھ میں پکڑے کاغذ پر نگاہ ڈالی۔۔۔۔ "یہ ہے سارا حساب۔۔۔۔ ان کی زندگی میں یہ لوگ کچھ پیسہ لے چکے ہیں۔۔۔۔ اب کل بقایا رقم بائیس سو بہتر روپے ہے"۔

"کل اتنی" بے اختیارانہ کامی کے منہ سے نکلا۔

"جی"

"اس رقم کے لئے اتنی لمبی چوڑی کارروائی"۔

"دفتری معاملے ہیں صاحب..... اس سے کم رقم بھی ہوتی تب بھی یہی قانونی کارروائی کرنا تھی"۔

"کتنا وقت لگے گا اس میں"۔

"میرے خیال میں دو تین مہینے بلکہ اس سے زیادہ ہی لگ جائیں گے"۔

"اوہ خدایا!" کامی نے پھر سر ہاتھوں پر گرالیا..... وہ سوچ رہا تھا..... کل بائیس سو چھتر روپے ہیں اس کے لئے اتنا تردد۔

لیکن یہ بائیس سو چھتر روپے زری خالہ کے لئے کتنے زیادہ ہیں..... کتنی بے چین ہوں گی ان کے لئے..... کتنے کام چل سکتے ہیں ان کے..... اف..... اسے آج پوری طرح زری خالہ کی کم مائیگی کا احساس ہوا..... یہ دکھ بھی کہ تقدیر انہیں کہاں لے آئی ہے..... زری خالہ امیر بے شک نہ تھیں..... لیکن انکل کی تنخواہ اتنی تو تھی..... کہ آرام سے زندگی گزار رہی تھیں۔

پھر

اس کی نگاہوں میں نوری کا پیکر گھوم گیا..... انکل کی اسی تنخواہ میں سے تو اس کی ہر فرمائش پوری ہوتی تھی..... اچھا پہنتی تھی..... اچھا کھاتی تھی..... باہر لوگوں میں اس نے اپنا معیار کتنا بلند کر رکھا تھا..... امیر کبیر لڑکیوں کے سے انداز اپناتی تھی..... تو اسی تنخواہ کے بل بوتے پر۔

لیکن!

اب!!

نوری ان سب چیزوں سے محروم ہو گئی تھی..... اور تو اور اس کی پڑھائی بھی چھوٹ گئی تھی..... نانی کے گھر اس کا حال اچھا تو نہیں تھا۔

سوچ سوچ کر وہ پریشان ہونے لگا..... زری خالہ کو فوری طور پر پیسے کی کتنی ضرورت تھی..... انہوں نے کامی کو سب کچھ بتایا تھا۔

کامی نے دونوں ہاتھوں کے پیالے میں منہ چھپائے چند لمحے گزارے..... پھر سر اٹھا کر مجید سے پوچھا..... "وہ فائل کہاں ہے"۔

"میرے ڈیسک میں لاؤں؟"

"ہاں لے آؤ"۔

وہ لپک کر فائل نکال لایا..... اور میز پر کامی کے سامنے رکھ دی..... "تم جاؤ کام کرو..... میں یہ کام خود کر لوں گا"۔

"اچھا صاحب"

"شکریہ تم نے کافی تردد کیا تھا"

"نہیں صاحب شکریہ کی کیا بات تھی....." مجید نے کہا اور واپس اپنی سیٹ کی طرف مڑ گیا۔

کامی چند لمحے فائل کھول کر اسے دیکھتا رہا..... قانونی کارروائیوں کا اسے بھی ابھی کوئی تجربہ نہ تھا..... اتنی دیر لگنا تھی..... اور یقیناً زری خالہ کی ضرورتیں اتنی دیر انتظار نہ کر سکتی تھیں؟

اس نے فائل بند کر دی..... زری خالہ کی ضرورتوں کا منہ بند کرنے کی ترکیب اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔

جب

اسے قانونی کارروائیوں کا پتہ نہ تھا..... تو زری خالہ کو کیا علم ہو گا۔

بس

ٹھیک!

اس نے ترکیب کو عملی جامہ پہنانے کا سوچ لیا..... اس نے سکون کا گہرا سانس لیا..... اور اپنے دفتری کاموں میں مشغول ہو گیا۔

☆☆☆

باورچی خانے سے ملحقہ پرانے سے برآمدے میں بچھی چارپائی پر زری بیٹھی تھی.. سامنے ایک لمبوتری میز پر کوئی دس کلو مٹر پڑے تھے..... ایک ٹوکری میں مٹروں سے نکلے ہوئے دانے تھے..... وہ کب سے مٹر چھیل رہی تھی..... مٹروں کا اختتامی موسم تھا... جہاں آراء نے ڈھیر سارے مٹر منگوالئے تھے..... دانے نکلوا کر فریزر میں رکھنے تھے... تاکہ جب مٹروں کا سیزن ختم ہو جائے تو انہیں استعمال کیا جا سکے۔

زری نے صبح اٹھتے ہی پورے گھر کی صفائی کی تھی..... پھر کچن میں آکر اماں کا ناشتہ بنا کر ٹرے اٹھائے اس کے کمرے میں آگئی تھی..... اماں نے اس سے سرسری سی دو چار باتیں کی تھیں..... جہاں آراء کی گم ہونے والی سونے کی زنجیر کا بھی اس طرح ذکر کیا تھا..... کہ زری کو محسوس ہوا جیسے کہہ رہی ہو۔

"زنجیر لی ہے تو واپس کر دو..... ورنہ خواہ مخواہ کا طوفان اٹھ کھڑا ہو گا" زری نے اماں کے سامنے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ اسے زنجیر کا کچھ پتہ نہیں۔

بددل سی ہو کر وہ کچن میں برتن اٹھائے آگئی تھی..... برتن دھوئے تھے..... کچن صاف کر کے اپنا اور نوری کا ناشتہ بنایا تھا..... ناشتہ کیا تھا..... سوکھے دو دو توسٹ اور بدرنگ بدذائقہ سی چائے..... جہاں آراء اپنا عظمت اور بچوں کا ناشتہ خود بناتی تھی..... کیتلی میں دو پیالی چائے ان ماں بیٹیوں کے لئے چھوڑ دیا کرتی..... جو گھنٹہ دو گھنٹہ پڑے رہنے سے باسی بدرنگ اور بدمزہ ہو جایا کرتی تھی..... ان دونوں کو اختیار نہ تھا کہ اپنے لئے تازہ چائے بنا لیا کرتیں۔

نوری تو بچپن سے صبح ناشتے میں دودھ لیا کرتی تھی..... اب دودھ نہیں تھا..... تو چائے بھی نہیں پیتی تھی..... حلق میں سوکھے خشک توسٹ اٹکتے تو انہیں تر کرنے کے لئے ایک دو

گھونٹ بھر لیا کرتی تھی۔

کاموں سے فارغ ہو کر زری مٹر چھیلنے بیٹھ گئی تھی..... ابھی کھانا بنانے میں کچھ وقت تھا..... وہ انتہائی دلبرداشتہ اور اداس ہو رہی تھی..... اس گھر میں جینا ویسے ہی دشوار ہو رہا تھا..... اس پر اب چوری کا الزام بھی لگ رہا تھا..... سمجھ نہ پا رہی تھی کہ کیا کرے..... کہاں جائے..... کدھر جا مرے..... نوری نہ ہوتی تو شاید حالات سے تنگ آکر وہ کوئی انتہائی قدم بھی اٹھا لیتی۔

وہ مٹر چھیل رہی تھی..... کہ نوری بھی ادھر آگئی..... اسے دیکھ کر زری کا دل کٹ گیا..... نوری تو بالکل ہی مرجھا گئی تھی..... گالوں کے گلاب پیلے پڑ گئے تھے..... روشن چمکتی ہنستی مسکراتی آنکھوں میں رات کے اندھیرے پھیلے ہوئے تھے..... کپڑے ملگجے سے تھے۔ بال الجھے الجھے..... اپنے خوبصورت سیاہ ملائم اور لمبے بالوں کا وہ کتنا خیال رکھا کرتی تھی..... اپنے حسن سے کتنی باخبر رہتی تھی۔

لیکن

اب؟

زری دل مسوس کر رہ گئی۔

نوری دھوپ سے پاؤں لٹکا کر چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بولی..... "امی..... اس جہنم سے فرار کا کوئی راستہ بھی ہے کہ نہیں"۔

زری نے سر گھما کر نوری کو دیکھا..... اس کا موڈ بے طرح بگڑا ہوا تھا..... اس لئے نرم انداز میں جواب دینے کی بجائے وہ جبراً مسکرائی اور بولی..... "ہے"

"وہ..... کہاں ہے..... ہم یہاں سے نکل سکتے ہیں..... جان چھوٹ سکتی ہے ہماری" نوری نے ماں کا کندھا پکڑ لیا..... "آپ نے پہلے تو کبھی ایسا نہیں کہا..... اسی جہنم میں جلتے رہنے کی تلقین کرتی رہیں"۔

ماں نے نوری کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور بولی..... "وہ راستہ یہ ہے کہ تمہاری شادی کر دوں"۔

نوری نے سر اٹھایا حیران ہو کر ماں کی طرف دیکھا اور بولی..... "آپ ابھی بھی مسکرا

مسکرا کر مذاق کر سکتی ہیں"...... زری کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا...... لیکن نوری کو رجھانے کے لئے بولی...... "رو رو کر بھی جینا ہے تو ہنس ہنس کر کیوں نہ جئیں"۔

"ان حالات میں ہنسیں...... تو پاگل ہونے کا شک ہونے لگتا ہے امی...... جانی"

"واقعی" زری ٹھنڈی آہ بھر کر بولی۔

"امی"

"ہاں"

"مامی کی زنجیر نہیں ملی"

"پتہ نہیں...... گم بھی ہوئی ہے یا ہم پر الزام دھرنے کا شوشہ چھوڑا ہے"۔

"باز پرس تو وہ پلسیوں جیسی کر رہی ہے...... مجھ پر تو اسے پکا پکا شک ہے...... امی میری اتنی بے عزتی کر رہی ہے...... کہ جی چاہتا ہے یا تو اس کا گلہ گھونٹ دوں...... یا خو مر جاؤں"۔

"اے...... کیا بک بک کر رہی ہے...... مریں تیرے دشمن...... کہنے دے اسے جو کہتی ہے...... ہم چور تھوڑا ہی ہیں"۔

نوری اپنی خوبصورت انگلیاں ملتی رہی...... جہاں آراء کی زنجیر گم ہو گئی تھی...... وہ بار نوری سے پوچھتی تھی...... زری کو بھی جانچا ٹٹولا تھا۔

"گھر میں تم دونوں کے سوا اور کون غیر ہے...... کبھی ایک تنکا ادھر ادھر نہیں ہوا اب تو کام والی مائیاں بھی نہیں آتیں...... زنجیر جا کہاں سکتی ہے...... میرا نام بھی جہاں آ ہے...... زنجیر نکلوا کر ہی رہوں گی...... نہ نکلی تو بوریا بستر گول کر کے باہر نکال پھینکوں تمہیں"۔

زری باہر پھینکے جانے کی دھمکی سے ڈر گئی تھی...... بڑی ملائمت اور سمجھانے والے میں جواب دیا تھا...... "تمہیں ہم ماں بیٹی پر ہی شک کیوں ہے...... زنجیر کہیں باہر بھی گر سے نکل کر گر سکتی ہے...... تم دو تین دفعہ بازار بھی تو گئی ہو اس ہفتے...... پھر دو دفعہ امی کے بھی گئی تھیں"۔

جہاں آراء سر کو آگئی تھی...... "تو تمہارا کیا خیال ہے...... میں زنجیر اتار کر راہ کو د

ہوں"۔

"آئے ہائے جہاں آراء میں نے کب یہ کہا...... میرا مطلب تو ہے...... کہ کہیں راستے میں گر نہ گئی ہو"۔

"تم ہی تاویلیں تو گھڑو گی"۔

"خدا معاف کرے...... جہاں آراء میں تو سیدھی سی بات کر رہی تھی"۔

"تم اور سیدھی باتیں کرو گی؟"

زری نے چپ ہو جانے ہی میں مصلحت سمجھی تھی...... اس چپ سے جہاں آراء نے اعتراف شکست کا مطلب لیا...... اور زری پر خوب گرجی برسی تھی...... نوری کو بھی اس نے دھر لیا تھا...... نوری کی شامت تو روز ہی آتی تھی...... بہت دلگرفتہ ہو رہی تھی وہ اس وقت بھی۔

"امی" اس نے بدحال ہوتے ہوئے کہا۔

"جی بیٹے" منہ ہاتھ میں پکڑے پکڑے زری بولی۔

"ہم کیا کریں...... یہاں تو ایک لمحہ رہنے کو جی نہیں چاہتا...... اس چوری کے شک نے جینا حرام کر دیا ہے...... کدھر جائیں"۔

"جانے کو کوئی جگہ ہوتی تو اب تک چلے نہ گئے ہوتے" زری نے آہ بھری...... "زندگی اتنی دشمن ہو جائے گی؟ کب سوچا تھا کبھی...... اللہ نے اتنے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے...... اس سے دعا کر سکتے ہیں کہ یہ برا دور ختم کر دے"۔

"کیسے ختم ہو گا...... نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن"۔

"ہر اندھیری رات کی کوکھ سے اجلا دن جنم لیتا ہے میری بچی...... ہماری اندھی راتیں بھی کبھی نہ کبھی روشن سویروں سے بھر جائیں گی"۔

"امی آپ اس پہ جی رہی ہیں؟"

"اس کے سوا کوئی چارہ بھی تو نہیں"۔

"ہائے اللہ مجھے کہیں نوکری ہی مل جائے...... تو یہاں سے نکل جائیں"۔

زری نے زہر خند سے نوری کو دیکھا...... "نوکری کتنے کی ملی گی؟ یہاں سے تو نوکری

مل بھی جائے تب بھی نہیں نکل سکتے..... ہاں اس سے اتنا تو ہو گا..... تو اپنے لئے جوتے چپڑے لے لیا کرے گی"۔

"میری دوست بنی نے وعدہ تو کیا تھا"۔

"دوست!! سب سکھ کے ساتھی ہوتے ہیں نوری..... اندھیرے میں تو اپنا سایہ بھی ساتھ چھوڑ دیتا ہے"۔

"وہ میری جگری دوست ہے..... میرے حالات جان چکی ہے..... تب بھی کچھ نہ کچھ کر دیتی ہے..... کبھی خود آجاتی ہے ویسے امی"۔

"ہوں"

"مخلص دوست ساتھ نہیں چھوڑتے"۔

"ہوں"

نوری کا اشارہ کامی کی طرف تھا..... جواب بھی مخلصی سے امی کے ساتھ چمٹا ہوا تھا۔

لیکن نوری اس کی بات سمجھی نہیں..... اپنے ہی آلام وافکار میں جو گھری تھی۔

ماں بیٹی باتیں کر ہی رہی تھیں..... کہ باہر کی بیل ہوئی..... "جا کر دیکھ تو کون ہے میں تو یہ مٹر چھیل کر ہی اٹھوں گی"۔

نوری اٹھی..... ٹوٹے چپل گھسیٹتی لاؤنج سے ہوتی ہوئی بیرونی برآمدے میں آئی۔

گیٹ پر کامی کھڑا تھا..... اس کا دل دھڑک اٹھا۔

لیکن

جلد ہی سنبھلتے ہوئے سڑک پر آئی..... اور گیٹ کھول کر ایک طرف کھڑی ہو گئی۔

کامی نے اسے دیکھا۔

دیکھا کیا؟

اس کے سراپا پر بھرپور نگاہ ڈالی..... نوری کو دیکھ کر وہ دکھی سا ہو گیا۔

"آجاؤ..... میں امی کو بلاتی ہوں"۔

"میں گاڑی اندر لے آؤں"۔

"لے آؤ"

وہ گاڑی کی طرف بڑھا اور گاڑی پورچ میں لے آیا..... نوری آہستہ آہستہ چلتی برآمدے تک آئی..... پھر آگے بڑھ کر اماں کی بیٹھک کا دروازہ کھول کر بولی..... "ادھر بیٹھو میں امی کو بلاتی ہوں"

کامی گاڑی سے نکل کر برآمدے میں آگیا..... نوری جانے کو ہوئی..... تو وہ آگے بڑھتے ہوئے بولا۔

"نوری..... تم چند منٹ یہاں نہیں بیٹھ سکتیں"۔

نوری نے اس پر اک نگاہ ڈالی..... وہ کچھ پریشان سی ہونے لگی تھی..... کامی اسے کیوں روک رہا ہے؟ وہ اس سے کیا کہنا چاہتا ہے؟ کیوں اس کی قربت کا خواہاں ہے..... کیا ابھی تک اس سے امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھا..... رابطے نہیں توڑے تھے..... اپنے کیے ہوئے سچ کا ہی مظاہرہ کرنا چاہتا تھا۔

لیکن

"تو ایسا کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔

چاہنے کے باوجود بھی نہیں۔

کامی کی بدلتی ہوئی مالی حالت نے تو سارے راستے ہی مسدود کر دیے تھے..... وہ لوٹ ہی گئی تھی..... کامی منتظر کھڑا تھا۔

"کامی" وہ ہمتیں مجتمع کرتے ہوئے بولی..... اس کی آنکھیں ویران اور حلق خشک ہو رہا تھا۔

"ہوں" وہ کچھ اور قریب آگیا..... مہنگے امپورٹڈ مردانہ سینٹ کی مہک اسے چھو گئی۔

وہ جلدی سے پرے ہٹتے ہوئے بولی..... "امی کو بھیجتی ہوں..... تمہارا ان سے ہی ہو گا"۔

"ان سے زیادہ تم سے بھی ہو سکتا ہے" کامی کے اعصاب پر نشہ سا چھا رہا تھا۔

"نہیں..... نہیں" وہ گھبرا کر وہاں سے جلدی سے چلی گئی۔

زری ابھی تک مٹر چھیل رہی تھی..... نوری کو آتے دیکھا تو بولی..... "کون تھا"

"کامی" وہ ہراساں سی تھی۔

"کامی آیا ہے"...... زری خوشی سے بولی "ضرور میرا کام کر کے آیا ہو گا...... تیرے لئے
بقایا جات مل گئے ہوں گے"۔

"جا کے دیکھ لیں نا" نوری چارپائی پر بیٹھ گئی۔

زری ہاتھ دوپٹے سے پونچھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی...... پھر کپڑے جھاڑتے ہوئے
بولی...... "کپڑے گرد اگرد ہو رہے ہیں...... بدل ہی لیتیں کپڑے تو اچھا تھا...... پر خیر......
وہ اتنی دیر رکے گا تھوڑے ہی...... ہاں نوری...... بیٹی ایک پیالی چائے تو بنا لانا اس کے
لئے...... جب بھی آتا ہے ایسے ہی چلا جاتا ہے"۔

"چائے؟" نوری نے استہزائیہ لہجے میں کہا...... "اور وہ جو چڑیل نے دودھ ماپ لیا
تو...... پہلے ہی کہتی ہے...... کہ میں دودھ پی جاتی ہوں روز کم پڑ جاتا ہے"۔

"چل دفع کر اسے...... تو پیالی بنا لا...... میں نبٹ لوں گی اس سے جلدی کر...... ابھی
وہ کہیں اڑوس پڑوس میں گئی ہوئی ہے" زری دوپٹے سے منہ صاف کرتی چل دی۔

نوری کچھ منٹ ویسے ہی بیٹھی رہی۔

چائے بنانا مشکل نہیں تھا...... مشکل تو کامی سے سامنا کرنا تھا...... وہ اس کے لئے
اچھا خاصہ گھمبیر سا مسئلہ تھا۔

زری نے کامی کے سلام کے جواب میں اس کے سر پر ہاتھ پھیرا...... وہ زری خالہ کے
کپڑے اور حالت دیکھ کر افسردہ سا ہو گیا...... اتنی صاف ستھری اور بنی سنوری رہنے والی
زری خالہ کو اس حال میں دیکھ کر دکھ تو ہونا ہی تھا...... زری بیٹھی تو وہ بھی اس کے قریب بیٹھ
گیا۔

چند لمحے دونوں باتیں کرتے رہے...... دکھ سکھ کی باتیں...... پھر کامی نے فائل زری کی
طرف بڑھا دی۔

"بنا کام" وہ بے تابی سے بولی۔

"جی" کامی نے جواب دیا۔

"مل گئے پیسے" زری کی دکھ ملی خوشی دیدنی تھی۔

"جی" وہ بولا۔

"کتنے تھے" اس نے اسی لہجے میں پوچھا۔

کامی کچھ مضطرب و بے چین ہوا...... پھر بولا...... "کچھ زیادہ نہیں تھے...... میرے خیال
میں...... ہاں وہ لفافے میں ہیں...... دو ہزار سے کچھ اوپر ہی ہیں"۔

"دو ہزار" زری جلدی سے فائل کھولتے ہوئے بولی...... پھر لفافہ نکال لیا...... کامی کا
ان کی بے چینی اور اضطراب دیکھ کر اداس ہو رہا تھا...... یہ چھوٹی سی رقم اس کے لئے کتنی
قیمتی تھی؟ اگر وہ دفتری کارروائیوں اور قانونی ذریعے سے یہ رقم حاصل کرتا...... تو شاید کئی
برس لگ جاتے...... پھر زری خالہ کا ردعمل کتنا برا ہوتا...... بہرحال اپنی ذہنی ترکیب سے اس
نے خالہ کے کچھ دکھ تو بانٹ لئے تھے...... خالہ نے پیسے گنے اور پھر لفافے میں ڈالتے ہوئے
بولی...... "تمہیں کیا پتہ کامی کہ ان پیسوں سے ہمارے کتنے تردد دور ہو جائیں گے...... نوری
کے لئے گرمیوں کے کپڑے لاؤں گی...... چپل خریدوں گی اور شیمپو بھی لا کر دوں گی...... اس
کے بالوں کا تو صابن سے ستیاناس ہو گیا ہے" وہ جیسے اپنے آپ سے باتیں کر رہی تھی...... کامی
مسلسل دکھ سے اسے تک رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد نوری ٹرے میں چائے کی پیالی رکھے آ گئی...... اس نے ٹرے کامی کے
سامنے میز پر رکھ دی۔

"چینی ساتھ لے آتیں" زری نے کہا۔

"ڈال دی ہے" نوری ماں کے پاس کھڑے کھڑے بولی۔

"کتنی؟" نوری کی طرف دیکھتے ہوئے کامی نے پوچھا۔

"جتنی تم پیتے ہو" نوری نے کہا...... "اب زیادہ یا کم پینے لگے ہو...... تو"۔

"نہیں...... میرے کوئی معمولات نہیں بدلے" کامی نے پیالی سے سپ لیتے ہوئے
عجیب انداز میں نوری کو دیکھا۔

تو

نوری کا جی بھر آیا۔

وہ جلدی سے برآمدے میں نکل آئی۔

کامی نے چائے ختم کی...... پھر اٹھتے ہوئے بولا...... "زری خالہ اب اجازت دیں......

پھر کسی دن آؤں گا...... آج بڑے کام کرنے ہیں"۔
"اچھا بیٹے جیتے رہو...... یہ جو کام کیا ہے نا...... اس کا اجر تمہیں اللہ ضرور دے گا...... تم
تو دعائیں ہی دے سکتی ہوں" اس کی آواز رندھ گئی...... کامی نے اس کے کندھوں کے گرد بازو
ڈالتے ہوئے اسے ساتھ لگالیا اور بولا...... "خالہ مجھے آپ کی دعاؤں ہی کی ضرورت
ہے...... باقی دل تھوڑا نہ کیا کریں...... اللہ آپ کی مدد ضرور کرے گا...... ہمت اور حوصلے سے
رہا کریں...... مجھے لگتا ہے نوری بھی بہت اثر لیتی ہے...... ان حالات کا...... آپ حوصلہ ہاریں
گی تو وہ...... وہ تو بالکل بکھر جائے گی"۔
"اور کیا بکھرے گی وہ" زری نے دوپٹے سے آنکھیں پونچھیں۔
"اچھا...... میں چلوں...... آپ یہ فائل وغیرہ سنبھال کر رکھ دیں...... شاید پھر کبھی کام
آئے"۔
"ٹھیک ہے...... میں سنبھال لیتی ہوں"۔
"اچھا خدا حافظ"
زری اندرونی دروازے سے چلی گئی۔
اور
کامی
برآمدے میں آگیا۔
برآمدے کے ستون کے ساتھ نوری کھڑی تھی...... سر ستون سے لگا کر اس نے
دونوں ہاتھ پیچھے کمر پر باندھ رکھے تھے۔
"اچھا نوری...... میں جا رہا ہوں" وہ اس کے قریب رکتے ہوئے بولا۔
"تم یہاں آتے کیوں ہو کامی" نوری کی آواز رندھی تھی۔
کامی نے پریشان ہو کر اس کی طرف دیکھا...... چند لمحے دیکھتا ہی رہا...... پھر آہستگی سے
بولا...... "خالہ نے ایک کام ذمہ لگایا تھا"۔
"میں جانتی ہوں"
"وہ ہو گیا تھا...... بتانے آیا تھا"۔

"نہیں"
"تو اور؟"
"کامی تو ہم پر اپنی امارت کا رعب ڈالنے آتے ہو...... یا ہمیں ہماری کم مائیگی کا احساس
دلانے...... دونوں میں سے ایک بات ضرور ہے"۔
کامی کو اس کی بات سے بہت دکھ ہوا...... پھر دبی دبی آواز میں بولا...... "میرا خیال
تھا تم نے دوہری شخصیت کا ڈرامہ اب تک ختم کر دیا ہو گا"۔
"دیکھ نہیں رہے...... دوہری چھوڑ اب اکہری شخصیت بھی نہیں رہی میری" وہ سخت
اضطراب میں گھری تھی۔
"پھر تو تمہیں ایسی بات نہیں کہنا چاہئے تھی" کامی نے دل کے آر پار ہو جانے والی
نظروں سے اسے دیکھا۔
نوری ایک دم کچھ نہ کہہ سکی...... سر جھکائے نچلے ہونٹ کا دایاں گوشہ دانتوں تلے
دبالیا...... اس کی آنکھیں بھر بھر آ رہی تھیں...... وہ آنسوؤں کو کمال ضبط سے روکے تھی......
نہیں چاہتی تھی...... کہ آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی آنکھوں سے لڑھک جائے۔
کامی اسے بڑے حوصلے سے تکتا رہا...... پھر بولا...... "تمہیں اتنا یاد ہے کہ میں چینی کتنی
پیتا ہوں...... تو اتنا بھی یاد ہو گا...... کہ میں کیسا ہوں"۔
نوری نے ڈبڈباتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے صرف اتنا کہا...... "تم یہاں نہ آیا کرو
کامی...... نہ آیا کرو" وہ پلٹ کر قدم اٹھانے لگی۔
تو کامی جلدی سے آگے بڑھ کر بولا...... "میں تمہیں اتنا ہی برا لگتا ہوں"
"تم مجھے کبھی برے نہیں لگے...... لیکن پلیز اب یہاں نہ آیا کرو" وہ جلدی سے قدم
اٹھا کر برآمدے کا گھماؤ مڑ گئی...... آنکھیں آنسوؤں کا بار نہ سنبھال سکیں...... وہ آنسو چھپانے ہی
کے لئے جلدی سے چلی گئی تھی...... کامی گنگ سا کھڑا رہ گیا۔
"تم مجھے کبھی برے نہیں لگے...... تم مجھے کبھی برے نہیں لگے...... تم مجھے" کامی کے
کانوں میں نوری کے الفاظ سے دھماکے ہو رہے تھے...... اس نے قدم اٹھا کر اسی ستون پر ہاتھ
رکھ دیا جس کے ساتھ نوری لگی کھڑی تھی۔

"نوری...... نوری" اس کارواں رواں پکار اٹھا...... چند لمحے وہ بت سا کھڑا رہا
پھر پتہ نہیں وہ کیسے گاڑی تک آیا...... گاڑی سٹارٹ کی اور گیٹ سے باہر نکل گیا...... یہ
کا ذہن اس کی حرکات کا بالکل ساتھ نہیں دے رہا تھا...... نوری کے متعلق وہ جانے کیا کیا
سوچے جا رہا تھا۔

نوری

جو

اس کے لئے اک بے تعبیر خواب تھی۔

لیکن جو اس کی زندگی کی سب سے بڑی سچائی تھی۔

وہ

اس سے کبھی دستبردار ہوا تھا...... نہ ہونا چاہتا تھا...... وہ اپنے رویوں سے اس سے دور
ہو گئی تھی۔

لیکن حالات نے نوری کو یکسر بدل دیا تھا...... اب اس میں اکڑ تھی نہ تفاخر...... ظاہری
شان و شوکت بھی نہیں تھی...... مصنوعی امارت کے خول سے بھی نکل آئی تھی...... اس کے
حالات بے طرح خراب تھے...... اس کا لباس اور رکھ رکھاؤ کسی طور اس کی شخصیت سے میل
نہ کھاتا تھا...... وہ زمانے کی گردش میں آئی ہوئی تھی...... اس چکی میں بری طرح پس رہی تھی۔

اور

آج اس نے برملا اعتراف کر لیا تھا...... کہ وہ اسے برا نہیں لگتا...... کبھی بھی برا نہیں لگا۔
کامی رات بستر میں پڑا آنکھیں بند کئے جاگتے ہوئے اسی اعتراف کو مختلف زاویوں سے
دیکھ پرکھ رہا تھا۔

کبھی اسے خیال آتا کہ نوری اس سے دور نہیں کیونکہ وہ اسے برا نہیں لگتا۔
کبھی سوچتا کیا یہ اعتراف زمانے کی گردشوں اور حالات کی مجبوریوں سے تو اس نے
نہیں کیا اور صرف یہ کہہ دینے سے ثابت بھی تو نہیں ہوتا...... کہ وہ اس سے محبت بھی کرتی
ہے۔

وہ بے تابی سے کروٹ بدل کر سوچنے لگتا...... نوری اس سے پیار کرتی ہے...... وہ

پیار سے لبالب پیمانے کی طرح بھری ہے...... اس کا پژمردہ اور اداس چہرہ...... اس کی
خاموش اور ویران آنکھیں...... جو بار بار نم آلود ہونے کے باوجود بھی آنکھوں کی ویرانی کو سیراب
نہیں کر پاتیں...... اس کا احتجاجی لہجہ...... "یہاں نہ آیا کرو کامی...... پلیز یہاں نہ آیا کرو" آخر یہ
سب کس بات کی غمازی کرتے ہیں؟؟؟

اس سوال کے جواب میں خوشی کی لہریں اس کے اندر پھیل جاتیں۔

لیکن

دباؤ بڑھنے سے پہلے ہی ان کا طلسم ٹوٹ جاتا۔

اور

وہ

سوچنے لگتا کہ کہیں نوری اس کے روپے پیسے کی وجہ سے تو اس کی طرف مائل نہیں
ہو رہی...... دولت کی دیوانی لڑکی کی سوچیں اس کی ذات کو امارت کی وجہ سے لپیٹ میں تو
نہیں لینے لگیں؟؟؟

وہ بددل سا ہونے لگتا...... تو اسے اپنے من ہی سے سہارا ملتا...... "نوری نے تو اسے
اپنے ہاں آنے سے منع کیا ہے...... یہ تو نہیں کہا کہ آؤ میرا ہاتھ تھام لو...... مجھے اپنا لو......
اپنا لو"۔

گڈمڈ سوچوں نے اسے بری طرح پریشان کر دیا...... جانے رات کا کون سا پہر تھا......
دور کتوں کے بھونکنے کی آوازیں آ رہی تھیں...... سڑک پر سے گزرنے والی گاڑیوں کا شور بھی
تھم چکا تھا...... رات کے سناٹے فضا میں تیر رہے تھے۔

وہ سو نہیں پا رہا تھا۔

مضطرب و بے چین

کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتا...... کبھی بیڈ میں پڑ کر جاگتی آنکھوں سے سونے کی کوشش کرنے
لگتا۔

"اوہ نوری...... تم نے مجھے کہاں لا پھینکا ہے...... عمودی چٹان کے سرے پر کھڑا
ہوں...... دونوں طرف گہری کھائیاں ہیں...... کہیں سے آ جاؤ...... اور خلوص سے مجھے تھام لو

نوری ... تھام لو..... ورنہ میں گر جاؤں گا..... گر جاؤں گا"۔

اس نے آنکھوں پر اپنا بازو رکھ لیا۔

اور

رات دھیرے دھیرے بیتنے لگی۔

☆☆☆☆

نوری ایک مدت کے بعد لبرٹی آئی تھی..... یہاں آتے ہی کئی باتیں اور ان باتوں کے حوالے سے کئی واقعے اس کی نظروں میں گھوم گئے تھے..... کاظم کے ساتھ اس کی آخری شاپنگ جب اس نے اسے جینز اور بلاؤز لے کر دیا تھا..... اور شوروم کے فٹنگ روم ہی میں پہننے کو کہا تھا..... یہ لباس پہن کر وہ اس کے ساتھ گئی تھی..... پھر جس مرحلے سے گزری تھی اور یہ مرحلہ کہاں منتج ہوا تھا..... سب اس کے ذہن میں گھوم گیا..... بے اختیار اس نے اپنا ہاتھ گال پر رکھ لیا..... مانو کامی کا تھپڑ ابھی ابھی اس کے گال پر پڑا تھا..... اسی تھپڑ نے تو اس کی آنکھیں کھول دی تھیں..... وہ کسی غلط سمت دوڑ رہی تھی..... اس بات کا بھی احساس ہوا تھا..... اور کامی نے جس جذبے کے تحت انتہائی غصے میں اسے تھپڑ مارا تھا..... اس جذبے کو بھی تو اس نے اسی دن محسوس کیا تھا..... اس کا صحیح ادراک بھی تو اسے اسی دن ہوا تھا۔

وہ اسی کے ساتھ برآمدے میں چلتی جا رہی تھی..... لوگ آ جا رہے تھے..... شاپنگ بیگ پکڑے خواتین مرد اور لڑکیاں لڑکے شورومز سے باہر آ رہے تھے..... جتنی تعداد میں باہر آ رہے تھے..... کہیں کہیں اتنی تعداد سے زیادہ اندر جا رہے تھے..... خریدار تو سارا دن ہی آتے جاتے رہتے تھے..... لیکن اس وقت رش زیادہ ہی ہو جاتا تھا..... سہ پہر ڈھل رہی تھی..... شام کی آمد آمد تھی..... تفریح اور خریداری کے لئے آنے والوں کا تانتا بندھ رہا تھا..... کہیں کہیں کھوکھوں پر چھوٹی چھوٹی ضرورت کی چیزیں لئے آدمی بیٹھے تھے..... کہیں پاپ کورن والے تھے..... کہیں کون آئس کریم کی مشینوں پر بچے اور بڑے کون خرید رہے تھے..... سامنے سڑک کے دونوں طرف گاڑیاں کھڑی تھیں..... اب پارکنگ کی یہاں گنجائش نہیں تھی..... لوگ درمیانی پارک اور پارکنگ لاٹ میں گاڑیاں لے جا رہے تھے۔

نوری رش ' ہنگامہ افراتفری ' شوروغل سب کچھ دیکھ رہی تھی...... لیکن اس کے ذہن میں کچھ اور ہی تلاطم بپا تھا...... وہ پرانی یادوں سے شرمسار بھی تھی...... خفت بھی محسوس کر رہی تھی...... دکھ سے بھی دوچار تھی...... تن آسانیاں بھی یاد آرہی تھیں...... دوست اور سہیلیاں بھی ذہن کی متحرک فلم پر دکھائی دے رہی تھیں...... وہ وقت بھی یاد آرہا تھا جب وہ یہاں کسی امیر کبیر لڑکی کی طرح آیا کرتی تھی...... ٹھاٹھ باٹھ سے...... کبھی کسی سہیلی کی گاڑی میں تو کسی دوست کی چم چم کرتی گاڑی میں۔

اف

اس کے لبوں سے یہ لفظ کسی سسکی کی طرح نکلا...... اسے افسوس ہوا کہ وہ کیوں مصنوعی حصار میں اپنے آپ کو مقید کئے ہوئے تھی...... ظاہری سج دھج سے وہ سکون خرید رہی تھی...... لیکن نہیں جانتی تھی کہ وہ اک بے رحم بے سکونی کا سودا کر رہی ہے۔

"نوری" زری نے اسے گم صم دیکھا تو بولی۔

"جی امی" اس نے ماں کی طرف خالی نظروں سے دیکھا۔

"لے نا...... کیا لینا ہے...... تو ایسے جیسے صرف برآمدے میں ناک کی سیدھ چلنے کے لئے یہاں آئی ہے"۔

"امی"

"کیا ہے"

"بہتر نہیں تھا...... کہ ہم وہیں نانی کے گھر کے قریب سے ضرورت کی چیزیں لے لیتے"۔

"یہاں سے خریدنے میں کیا ہرج ہے...... میں تو مدت بعد آج یہاں آئی ہوں"۔

"تو آپ لیں نا اپنے لئے کچھ"۔

"پہلے تم تو لو...... میں بھی لے لوں گی...... چلو اس دکان سے پہلے شیمپو کی بوتل تو خریدو تمہارے بال بڑے روکھے اور اڑے اڑے سے ہوئے ہیں...... ہوا صابن...... خراب کر رہا ہے بالوں کو...... چل خرید لے اپنے لئے شیمپو"۔

دونوں ماں بیٹی کاسمیٹکس کی دکان میں داخل ہو گئیں...... چیزوں کی قیمتیں ہوشربا تھیں...... نوری امی کے گنے چنے پیسے ضائع نہ کرنا چاہتی تھی...... لیکن زری نے زبردستی اسے شیمپو دلا دیا...... ساتھ پاؤڈر کا ڈبہ بھی خریدا...... وہ تو چاہتی تھی...... اس کے لئے بہت سی چیزیں خریدے...... کریمیں...... ہینڈ لوشن ' نیل پالشیں ' ولایتی صابن...... لیکن نوری نے اسے منع کر دیا اور دکان سے لے کر باہر آگئی۔

"کوئی اور چیز بھی لے لیتیں" زری نے کہا۔

"امی...... یہ چیزیں بھی آپ نے فضول میں خریدی ہیں...... کتنی مدت چلے گی شیمپو کی یہ بوتل اور پاؤڈر کا یہ ڈبہ...... روز روز تو ابو کے بقایاجات نہیں ملیں گے"۔

"مت سوچو ایسی باتیں...... خدا نے اب بندوبست کیا ہے تو پھر بھی کر دے گا"۔

"بندوبست کے لئے کوئی وسیلہ بھی تو ہوتا ہے نا"۔

"وسیلہ بھی اللہ خود ہی بنا دیتا ہے...... نوری...... ہم کوئی فضول خرچی تو نہیں کر رہیں...... ضرورت بلکہ انتہائی ضرورت ہی کی چیزیں تو لینے نکلی ہیں...... چل اب کہیں سے وائل کے سوٹ دیکھ لے"۔

"امی میرے پاس ابھی کپڑے ہیں"۔

"کہاں ہیں"۔

"بکس میں رکھے ہیں۔

"وہ بوتیک کے سہیلیوں کے دیئے ہوئے سوٹ؟ اور وہ گھر پہننے کے موٹے کپڑے...... اب گرمیاں آرہی ہیں...... وائل کے جوڑے تیرے پاس کتنے ہیں؟ سب پرانے"۔

"ابھی اس سیزن میں چل سکتے ہیں"۔

"بس کر نوری...... ایسی باتیں کر کے میرا جی نہ جلا...... تو اتنی سیانی کیونکر ہو گئی...... سیزن بعد میں آتا اور تیری کپڑوں کی فرمائشیں پہلے شروع ہو جایا کرتی تھیں...... ذرا دیر ہو جاتی تو تو فساد بپا کر دیتی تھی تو"۔

"وہ دن اور تھے امی...... اور میں سمجھتی ہوں...... بے وقوفی ہی کے دن تھے...... پتہ نہیں کیوں میں اپنی حیثیت سے باہر ہو جایا کرتی تھی...... جتنا میں آپ سے خرچ کروا دیتی

تھی...... اتنی حیثیت تو شاید ابو کے ہوتے ہوئے بھی نہیں تھی ہماری"۔

"تھی تو تیری فرمائشیں پوری ہوا کرتی تھیں نا...... جیسے تیسے میں حساب برابر کر لیتی تھی"۔

"میں نے بہت تکلیفیں دیں آپ کو"۔

"آئے ہائے کیا بولے جا رہی ہو...... ہم یہاں دکھڑے رونے نہیں آئے...... چل یہاں سے کپڑے خریدیں"۔

"یہ سٹور بہت مہنگا ہے امی...... ان کے پچھلی طرف چھوٹی چھوٹی دکانیں ہیں ساتھ والی گلی سے ادھر نکل جاتے ہیں...... چپل بھی ادھر سے لے لوں گی اور کپڑے بھی"۔

زری تو چاہتی تھی نوری اسی سٹور سے کپڑے خریدے...... لیکن وہ نہ مانی ماں کو جوتوں اور فیتوں والی گلی سے نکال کر نبرٹی کے پچھلے بازار میں آ گئی...... یہاں چھوٹے چھوٹے لکڑی کے تختوں پر دکاندار سستی قسم کی واشلیں اور لینن وغیرہ کے سوٹ لئے بیٹھے تھے...... پرنٹ اچھے تھے...... یہاں بھی بے شمار لوگ خریداری میں مصروف تھے...... جوتے کپڑے ہر چیز موجود تھی۔

دونوں ان دکانوں سے اپنی پسند کے پرنٹوں کے کپڑے خریدنے لگیں...... زری نے نوری کے لئے تین اور اپنے لئے صرف ایک جوڑا خریدا۔

"امی...... میں اتنے کپڑے نہیں لوں گی...... چار جوڑے خریدے ہیں...... دو آپ بنائیں گی دو میں"۔

"گھر جا کر دیکھ لیں گے...... تو اپنے لئے چپل بھی دیکھ لے"۔

"اور آپ ململ کی چادر بھی لینا چاہتی تھیں"۔

"ہاں اچھا کیا یاد دلا دیا...... باہر جانا پڑتا ہے...... تو دوپٹے میں جانا اچھا نہیں لگتا"۔

"کڑھائی والی لیں گی؟"

"سادہ لے لیتی ہوں"۔

"نہیں کڑھائی والی اچھی لگتی ہے"۔

دونوں اس دکان پر آ گئیں...... جہاں کڑھائی والے کرتے دوپٹے...... شلوار دوپٹے

حتیٰ کہ کڑھائی کی ہوئی چادریں...... کروشئے کے خوبصورت ڈیزائنوں والے ململ کے دوپٹے تھے...... سادہ دوپٹے اور چادریں بھی تھیں۔

نوری نے کروشئے کی چھوٹی سی لیس والی چادر امی کے لئے پسند کی...... جو زری کو لینا ہی پڑا...... پھر نوری نے اپنے لئے گھر پہننے کے چپل خریدے...... سب سے زیادہ اسے انہی کی ضرورت تھی...... عید جوتے اور سینڈل تو اس کے پاس تھے...... لیکن عام پہننے کی چپل ٹوٹ گئی تھی۔

شاپنگ کے بیگ اٹھائے وہ بازار میں اور بھی کئی چیزیں دیکھتی رہیں...... چند چھوٹی موٹی چیزیں خریدیں بھی۔

"چلیں اب یا کچھ اور بھی لینا ہے" زری نے نوری سے پوچھا۔

"ہائے امی...... میرا تو اس بالا خانے میں واپس جانے کو بالکل دل نہیں چاہ رہا...... مہینوں بعد آزاد فضا میں سانس لینا کتنا اچھا لگ رہا ہے"۔

"بیٹی واپس تو جانا ہی ہے نا"۔

"امی کچھ دیر کے لئے"

"کیا!"

"کچھ نہیں...... کسی اور کے گھر ایسے ہی جا بھی تو نہیں سکتے"۔

"کس کے گھر جانا ہے"

"چچا حیدر کے ہاں ہی ہو آتے"۔

"یہاں سے پتہ ہے ان کا گھر کتنی دور ہے"۔

"دور تو بہت ہے...... مام جانی" نوری مسکرا کر بولی...... کتنی مدت بعد اس نے ماں کو اس نام سے مخاطب کیا تھا...... زری بھی مسکرانے لگی پھر بولی...... "تیرے اندر یہ ممی مام ماما والی حس انا نہیں"۔

"دب ضرور گئی ہے"

"اچھا ہے...... اپنا مقام پہچاننا چاہئے"۔

"لیکن امی...... کیا ہمارا اپنا مقام اتنا ہی گرا ہوا ہے...... کہ نوکروں کی طرح رہیں......

نوکروں کی سی زندگی گزاریں...... ہر وقت رعب داب سہیں...... کوسنے سنیں بال نوچوائیں"۔

زری نے گہری سانس لے کر کہا...... "کیا کریں...... اس جہاں آراء کم بخت سے پالا پڑ گیا ہے! ماں کا سلوک پھر بھی اتنا برا نہیں...... لیکن یہ چڑیل تو ہر وقت ہی پیچھے پڑی رہتی ہے"۔

"چڑیل سے بھی دس ہاتھ آگے ہے...... کام بھی اتنا لیتی ہے...... پھر بھی نہیں چھوڑتی"۔

"ہم پر خرچ جو کرنا پڑتا ہے...... دو بندوں کا بوجھ اٹھانا اس کے لئے تکلیف دہ ہے"۔

"کیا بوجھ اٹھاتی ہے امی...... سمجھ لے بلا تنخواہ دو نوکر رکھے ہوئے ہیں"۔

"ہوں"

دونوں ماں بیٹی باتیں کرتی ہوئی بیرونی سڑک کی طرف آ رہی تھیں...... کونے والی دکان سے دونوں نے کوک پی...... آئس کریم بھی کھائی...... دونوں تفریح کے موڈ میں تھیں۔ پھر

رکشے کی طرف بڑھیں...... رکشے والا بہت پیسے مانگ رہا تھا...... بازار کے سرے پر کھڑا کھڑا اتھا جانتا تھا...... یہاں بیگوں سے لدی پھندی خواتین منہ مانگے دام دے دیتی ہیں۔

لیکن زری اور نوری وہاں سے پیدل چل نکلیں...... کچھ دور جا کر جو رکشہ لیا...... اس کی مانگ واجبی تھی...... اس لئے دونوں بیٹھ گئیں...... گھر کا پتہ اسے بتایا...... رکشہ چل پڑا

"امی" نوری نے لفافے اپنی گود میں رکھتے ہوئے کہا۔

"جی" زری سیٹ پر ٹھیک سے فٹ ہوتے ہوئے بولی۔

"شاپنگ تو ہم نے کر لی...... لیکن امی سے برداشت نہ ہو پائے گی...... وہ ہمیں خوش یا خوش حال کہاں دیکھ سکتی ہے"۔

"تو سچ کہتی ہے نوری...... خدا واسطے ہی کا بیر ہے اسے ہم سے...... اماں بھی تو انہی کی طرف داری کرتی ہے...... سوتیلی جو ہے...... سوتیلے رشتے کسی بندھن میں تو بندھے ہوتے نہیں...... جو لحاظ ہو...... ان کا پاس ہو"۔

"امی" نوری نے باہر دیکھتے ہوئے کہا...... "میں سوچتی ہوں...... ساری عمر اسی محتاجی گزرے گی"۔

"مایوس مت ہوا کر...... خدا یہاں سے نکلنے کی کوئی سبیل بنا ہی دے گا"۔

"کب"

"جب اس کو منظور ہوگا بیٹی...... ہم پر یہ آزمائش اسی کی طرف سے آئی ہے...... ہمیں ثابت قدم رہنا چاہیے"۔

"میرے قدم تو امی ماں کی زیادتیوں سے ڈول جاتے ہیں...... بے اختیار جی چاہتا ہے کہ اس منحوس کے سائے سے نکل بھاگوں...... ستانے کو کوئی جگہ بھی تو نہیں...... رشتہ دار کوئی ایسا ہے نہیں جو ہمیں خوشی سے پاس رکھنے کو تیار ہو جائے...... سہیلیوں کے گھروں میں رہا نہیں جا سکتا"۔

"ہوں"

"امی...... وہ جو آپ نے ہمسایہ آنٹی سے میری نوکری کے لئے کہا تھا...... کوئی جواب نہیں دیا انہوں نے"۔

"ابھی تک تو نہیں"۔

"ہائے اللہ چھوٹی موٹی نوکری ہی مل جائے...... تو کچھ گھنٹے اس جہنم کدے سے نکلنے کا لیے موقع تو مل سکتا ہے"۔

"گھبراؤ نہیں...... نوکری کے لئے میں نے دو ایک اور بیگموں سے بھی کہہ رکھا ہے...... کل بھی سبزی لینے گئی تھی...... تو سرے والی کوٹھی کی بیگم گیٹ پر کھڑی ملی تھی...... میں نے اسے بھی کہا تھا...... دیکھو شاید ان کی وساطت سے ہی تمہیں کہیں نوکری مل جائے......"

وہ بولی پھر خود ہی ہنس کر کہنے لگی "نوری میں نے ان سے تمہارے لئے نوکری کا کہا تو وہ سمجھیں گھر کے لئے ملازمہ کی نوکری کا کہہ رہی ہوں...... جھٹ سے بولیں...... میرے پاس بھجوا دو...... تنخواہ کے علاوہ بھی بہت کچھ دیا کروں گی"۔

نوری نے ماں کی طرف دیکھا...... اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی تھی...... اسے امی کی بات سے دلی دکھ ہوا تھا...... وہ سوچ رہی تھی یہ وقت بھی آنا تھا...... یہ بھی سوچ رہی تھی......

کہ امی مسکرا مسکرا کر یہ بات کیونکر سنا رہی تھیں..... کیا ان کے احساسات مر چکے تھے
گھریلو نوکری کو مقدر جان لیا تھا۔

وہ دکھی دکھی سی بیٹھی رہی۔

امی نے اسے سنجیدہ اور نم آلود آنکھوں کو ملتے دیکھا تو بولی..... "پاگل تھی وہ بیگم ...کا
میں نے گھر کی ملازمت کے لئے کہا تھا نہیں..... میں نے تو سوچا تھا..... اثر ور سوخ والی بیگم
ہیں..... کلب بھی جاتی ہیں ضرور سوشل ورکر بھی ہوں گی..... اس لئے کوئی نوکری شاید
ہی دیں..... ویسے جب میں نے تمہاری تعلیم وغیرہ بتائی تو کچھ نادم سی ہو گئیں..... بولیں
کوشش کروں گی کسی سکول میں تمہاری بیٹی کو نوکری مل جائے"۔

"امی اس نے آپ کو بھی اس گھر کی نوکرانی ہی سمجھا ہوگا..... تبھی تو مجھے ملازمہ رکھنے
اتنی خوشی سے رضامند ہو گئیں"۔

"اسے نہیں" زری بولی..... پھر خود ہی کہنے لگی..... "ہاں شاید..... روز پرانی سی چادر کی
بکل مارے میں سبزی گوشت جو لینے جاتی ہوں"۔

نوری کے اندر کرب و اذیت کی لہریں دوڑ گئیں۔

گھر پہنچی تو اس کا موڈ قطعی خوشگوار نہ تھا۔

نانی اور ممانی اندرونی برآمدے میں تخت پر بیٹھی تھیں..... تینوں بچے صحن میں کھیل
رہے تھے..... نانی اور مامی سر جوڑے باتیں کر رہی تھیں..... زری اور نوری کے بازار جانے
کے قصے ہی سنائے جا رہے تھے۔

مامی کو تو تجسس ہو رہا تھا..... اماں سے یہی کہا تھا..... "آپا زری اور نوری بازار گئی ہیں"۔

"ہاں زری نے مجھے بتایا تھا..... نوری کے چپل اور کپڑے لینے تھے"۔

"چپل اور کپڑے ؟؟"

"ہاں..... چپل تو اس کے واقعی ٹوٹے ہوئے تھے"۔

"اماں میں نے اپنے چپل دیئے تھے اسے نوابزادی نے پہننے سے انکار کر دیا..... جو دو ئیل
کے جوڑے بھی دیئے..... تو زری آپا نے ہنس کر لوٹا دیئے..... بولیں نوری اترن نہیں
پہنتی"۔

"اچھا"

"ہاں اماں"

"لڑکی بالی ہے نا"

"اماں ماں کے پاس تو زہر کھانے کو پیسے نہیں..... آج خریداری کے لئے کہاں سے نکل
آئے"

"کچھ رکھے ہوں گے"۔

"نہیں اماں مجھے تو شک تھا ہی اب یقین ہو گیا ہے"۔

"کس بات کا؟"

وہ اماں کے قریب ہو کر سرگوشی کے انداز میں بولی..... "میں یقین سے کہتی ہوں
بڑی بہن انہوں نے ہی چرائی ہے"۔

وہ یہ زہر آلود باتیں اماں کے ذہن میں ڈال ہی رہی تھی کہ زری اور نوری آ گئیں.....
زری بغیر ان کے پاس رکے اپنی شاپنگ کے تھیلے اٹھائے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی.....
زری البتہ ان کی طرف آ گئی۔

آتے ہی اس نے سلام کیا..... جس کا اماں نے جواب دیا..... جہاں آراء بغیر جواب
دیئے بولی..... "ہو گئی شاپنگ"

"ہاں کچھ لے ہی لیں چیزیں؟" زری تخت کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیا کچھ خریدا..... بالا ہی بالا اوپر بھجوا دیا..... دکھانے میں کچھ حرج تھا" جہاں آراء نے
اُبھار

تو

زری جلدی سے بولی..... "آئے ہائے اتنی کون سی بڑی خریداری ہے..... دیکھ لو تم

پھر

سامنے نوری کو دو تین آوازیں دیں..... "نیچے لے آ چیزیں اماں اور مامی کو دکھا دے"۔

نوری ابھی پوری سیڑھیاں بھی نہ چڑھ پائی تھی..... ماں کی بات پر ناگواری سے کہا.....

"آتی ہوں"۔

وہ انہی پیروں لوٹ آئی۔

لفافے تخت پر نانی اور ماسی کے سامنے ڈال دیئے۔

جہاں آراء ہی نے لفافے اٹھا کر اپنے سامنے رکھے اور ایک ایک چیز نکال کر دیکھنے اور ان کی قیمتیں پوچھنے لگی...... اماں کوئی خاص دلچسپی ظاہر نہ کر رہی تھی...... لیکن جہاں آراء کا رویہ خاصہ تنقیدی تھا...... کمرے کی برآمدے میں کھلنے والی کھڑکی سے لگی نوری کو اس پر غصہ آ رہا تھا۔

"کتنے کی ہیں یہ سب چیزیں" جہاں آراء نے طنز سے پوچھا۔

زری نے سادگی سے ہاتھ میں پکڑا چھوٹا سا بٹوہ کھولا...... اور بولی...... "ابھی تو میں نے حساب نہیں کیا...... کل بائیس سو پچھتر روپے لے گئی تھی...... باقی کتنے بچے...... ابھی گنوں گی تو پتہ چلے گا"۔

"بائیس سو پچھتر" جہاں آراء نے آنکھیں گھما کر معنی خیز نظروں سے اماں کو دیکھا...... اور گال پر انگلی رکھ کر بولی...... "یہ خزانے کا منہ کہاں سے کھل گیا...... تمہارے پاس تو کبھی تمہارے پانچ روپے نہیں ہوتے"۔

نوری نے زہرناک نظروں سے جہاں آراء کو دیکھا۔

زری جلدی سے بولی...... "عزیز مرحوم کے کچھ بقایا جات تھے...... وہ ملے تھے نوری کے کپڑے اور چپل لینے تھے...... اور"۔

"امی" نوری تنبیہی انداز میں چیخی...... "کیوں تفصیلیں پیش کر رہی ہیں"۔

"ہونہہ" جہاں آراء نے تمسخر سے کہا...... "تفصیلیں تو پیش کرے ہی گی...... بڑا خزانہ چھوڑ گئے تھے تیرے باوا"۔

"ماسی...... اور کچھ نہ کہنا" نوری غرائی...... "ورنہ"

"ہائے ہائے دھونس جما کسی اور پر...... تیرے غصے سے پردہ نہیں پڑے گا...... میں اچھی طرح جانتی ہوں...... یہ شاپنگ کے پیسے کہاں سے آئے...... میری چین"۔

"اے ہے جہاں آراء"...... زری ہکلا گئی۔

نوری کو غصہ آیا...... کپکپاتے ہاتھوں سے کھڑکی میں رکھی شیشے کی خالی بوتل اٹھائی اور زمین پر دے ماری...... کرچیاں اڑیں اور ایک کرچی جہاں آراء کے چھوٹے بیٹے اسد کی ٹانگ میں جا لگی۔

"امی...... امی" وہ چلایا...... تھوڑا سا خون بھی نکل آیا...... جہاں آراء تو شیرنی کی طرح دھاڑتے ہوئے تخت سے چھلانگ لگا کر اتری اور بچے کو دیکھنے سے پہلے نوری پر جھپٹی...... اس کے بالوں میں مٹھی بھرتے ہوئے جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر چیخی...... "ذلیل کمینی...... اب تو میرے بچوں پر بھی وار کرنے لگی ہے...... کسی دن جان لے لے گی ان کی...... مردار چڑیل......" اس نے اور بھی گالیاں نکالتے ہوئے اس کا سر دیوار سے پٹخ دیا...... نوری بھی پاگل بلی کی طرح اس پر پلٹ پڑی...... زری دونوں کو الگ کرنے کے لئے درمیان میں آ گئی۔

"ہم پر چوری کا الزام لگاتی ہو...... میں تمہیں مار ڈالوں گی...... ذلیل عورت...... کب تک ہم تمہاری زیادتیاں برداشت کریں گے"...... نوری نے شعلہ بار نظروں سے جہاں آراء کو دیکھا۔

"تو دفع ہو جاؤ یہاں سے" جہاں آراء نے لپک کر بچے کو پکڑتے ہوئے کہا...... "ظلم خدا کا گھر میں پناہ دی ہے...... چوری کروائی ہے...... اب جان لینے کو آ رہی ہے...... آ لے آج تک اس گھر میں تم ماں بیٹی رہو گی یا میں"۔

"جہاں آراء" اماں نے اسے پیار سے پکارا...... "چل جانے دے...... اس لڑکی کا تو دماغ ٹھکانے پہ ہے ہی نہیں"۔

"لگا دوں گی ٹھکانے" جہاں آراء چلائی...... پھر بڑے بیٹے سے کہا...... "فیصل جاؤ اندر سے ذرا روئی لے آؤ بھائی کا خون صاف کر دوں"۔

نوری ماں کو ترکی بہ ترکی جواب دے رہی تھی...... جہاں آراء بچے کو لے کر تخت پر بیٹھی...... زری سے بولی...... "سنبھال کے رکھ اس نوابزادی کو...... گز بھر زبان ہے اس کی...... کاٹ کر رکھ دوں گی"۔

نوری اسے بھی کرارا سا جواب دینے کو تھی کہ زری نے اسے پرلی طرف سیڑھیوں کی طرف دھکا دیتے ہوئے دکھے لہجے میں کہا...... "زبان بند کر لے...... مت بولا کر آگے

ہے"۔

نوری سیڑھیوں کی طرف جاتے ہوئے رو رہی تھی...... ماں نے جہاں آراء کے غم میں نوری کو دھوکہ لگایا۔

"دور ہو جا یہاں سے...... نکلوا کے ہی رہے گی تو...... ہے کوئی پناہ گاہ...... سر چھپانے کو کوئی چھت ہے تیرے باوا کی...... کہتی ہوں چپ چاپ دن گزار لے...... سنتی ہی نہیں ہے"۔

نوری روتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر کمرے میں چلی گئی...... زری نے آنسو پونچھتے ہوئے ساری چیزیں سمیٹیں اور بولی...... "جہاں آراء تیرا خیال ہے ہم نے تیری زنجیر چرا کر بیچ لی ہے...... جس کی چاہے مجھ سے قسم لے لو...... یہ پیسے عزیز کے فنڈ کے بقایا جات کے ہیں...... یقین نہیں...... تو میں نمبر دیتی ہوں...... اسی کو فون کر کے پوچھ لو جس نے پیسے دلوائے ہیں"۔

جہاں آراء نے پھر بک بک کی تو زری نے روتے ہوئے ہاتھ جوڑ دیئے...... قسمیں کھائیں...... نوری کی قسم کھائی...... کامی کا فون نمبر بتایا۔

جہاں آراء کو یقین آیا یا نہیں...... اماں ہی نے بیچ بچاؤ کی کوشش کرتے ہوئے جہاں آراء سے کہا...... "بچے کی ٹانگ صاف کر کے ڈیٹول لگا دو...... جاؤ اسے اندر لے جاؤ" پھر زری سے کہا...... "اٹھاؤ یہ چیزیں اور لے جاؤ اوپر...... اسے دیکھو اوپر جا کر کوئی اور توڑ پھوڑ نہ کر رہا ہو"۔

زری روتے روتے چیزیں اٹھا کر اوپر چلی گئی۔

*****

ڈریسنگ ٹیبل کے بڑے سے بیضوی آئینے کے سامنے کھڑی زبیدہ اپنے سراپا کا جائزہ لے رہی تھی...... اس نے خون رنگ کی فائن سلک کا کڑھائی والا سوٹ پہن رکھا تھا...... شیفون کا دوپٹہ بھی اسی کے ہم رنگ تھا...... اور اس کے کناروں پر قمیض جیسی ہی کڑھائی کی بیل بنی ہوئی تھی...... ہلکے سے میک اپ کے ساتھ اس نے براؤنش رنگ کی لپ سٹک لگائی تھی...... اب وہ پرفیوم کی شیشی پکڑے اپنے اوپر سپرے کر رہی تھی...... فاروق تیار ہو کر ادھر آئے...... ہلکے براؤن ٹراپیکل سوٹ کے ساتھ انہوں نے ریڈ ڈاٹس والی براؤن ٹائی لگا رکھی تھی...... شرٹ آف وائٹ تھی...... اٹر نٹی کی مہک ان کے قریب آتے ہی خوشگوار تاثر دیتے ہوئے نتھنوں میں گھس رہی تھی۔

"ابھی تیار نہیں ہوئیں بیگم صاحبہ" وہ زبیدہ کے پیچھے کھڑے ہو کر اس کا عکس آئینے میں دیکھتے ہوئے بولے۔

"ہو گئی" وہ مسکراتے ہوئے مڑی اور ان کے سراپا پر نگاہ ڈالتے ہوئے آنکھیں نچائیں...... "صاحب بہادر بڑے گریس فل لگ رہے ہیں"۔

"اور تم؟"

"یہ تو آپ ہی بتایئے نا"۔

"ایک دم فرسٹ کلاس...... بیگم صاحبہ...... اے ون"۔

زبیدہ شان تفاخر سے مسکرائی...... کانوں میں ڈالے ہوئے ڈائمنڈ کے چمکتے ہوئے ٹاپس درست کرتے ہوئے بولی...... "یہ اچھے لگ رہے ہیں؟"

"بھئی تمہارا بیٹا ہالینڈ سے لایا ہے...... اس کی پسند بہت عمدہ ہے...... پھر تم پہنو...... تو

اچھے کیو نکر نہیں لگیں گے"۔

فاروق آنکھوں میں شوخ سی مسکراہٹ لئے اسے دیکھنے لگے...... زبیدہ پھر گھوم گئی اور آئینے میں اپنے سراپا پر نگاہ ڈالی...... وہ مطمئن ہو گئی...... ٹاپس خوبصورت بھی تھے اور اس کے چہرے پر بج بھی رہے تھے۔

"مزے ہیں بیگم صاحب کے...... بیٹے نے باہر سے چیزیں لا لا کر کیا دی ہیں...... عمر سے پانچ سال چھوٹی دکھائی دینے لگی ہیں"۔

"چیزوں سے؟"

"بیٹے کی لائی ہوئی چیزوں کی خوشی سے"

"یہ بات تو ہے" وہ اترا کر بولی...... پھر ہنستے ہوئے کہا...... "میں کوئی بوڑھی داوی ماں تو نہیں ہوں...... ابھی تو میری عمر صرف بیالیس سال ہوئی ہے"۔

"جب ہم گلی میں رہتے تھے...... تب تم عمر رسیدہ ضرور لگنے لگی تھیں" فاروق ہنسے۔

"اور آپ جناب" ساری قلمیں تو تب سے سفید پڑ چکی ہیں"۔

"وہ تو مردوں کی خوبصورتی ہوتی ہے...... اب میں لونڈا تو ہوں نہیں"۔

"تو گویا آپ خوبصورت ہیں"۔

"ماشاء اللہ دیکھ لو آئینے میں...... تم نے خود ہی کہا ہے بڑا گریس فل لگ رہا ہوں"۔

"ویسے غلط نہیں کہا...... بہت اچھے لگ رہے ہیں"۔

"یہ ساری کرامت تمہارے بیٹے کی کمائی کی ہے"۔

"ماشاء اللہ...... ماشاء اللہ...... باپ بیٹے دونوں کی"۔

"خدا نظر بد سے بچائے"۔

"آمین"

"چلیں اب" فاروق نے ذرا سی آستین کھینچ کر گھڑی دیکھی...... "آٹھ بجنے والے ہیں"

"بس ٹھیک ہے آٹھ بجے کا بلاوہ ہے"۔

"بچوں کے لئے کھانا تیار کروا دیا تھا"۔

"ہاں"

"پھر چلیں"

"چلئے"

دونوں ساتھ ساتھ چلتے بیڈ روم سے لاؤنج میں آ گئے...... وہ آج مسٹر اور مسز واہلا کے دعوت پر جا رہے تھے...... وہ اسی کالونی میں رہتے تھے...... زبیدہ اور فاروق کی جان پہچان ایک ملنے والے دوست کے ہاں ہوئی تھی...... جان پہچان جلد ہی دوستی میں بدل گئی تھی۔ وہ لوگ ان کے ہاں آئے تھے...... یہ بھی رسمی طور پر ملنے گئے تھے...... لیکن آج ان کے ہاں خصوصی تقریب تھی...... ان کے بیٹے نے انجینئرنگ میں ٹاپ کیا تھا...... واہلا خود بھی انجینئر تھے...... ان دنوں ایس ای کی پوسٹ پر تھے...... آج تو خوشی کے موقع پر اپنے پچاس ساٹھ دوستوں کو مدعو کیا تھا...... مسز واہلا خاصی بانکی ترچھی سمارٹ سی عورت تھی...... خوشحالی کا پرتو چہرے پر پڑتا تھا...... دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا...... لیکن لگتا نہیں تھا کہ اتنے بڑے بڑے بچوں کی ماں ہے"۔

زبیدہ کی اس کوٹھی میں آکر جتنی خواتین سے ملاقات یا دوستی ہوئی تھی...... ان میں دو ایک ہی بڑی عمر کی تھیں...... ایک دو نئی شادی شدہ بھی تھیں...... باقی سبھی اس کی تقریباً ہم عمر تھیں...... ہم عمری کے تقاضوں سے اکثر پسند و ناپسند بھی ایک سی ہوتی ہے...... کچھ ماحول اور وقت کے تقاضے ہوتے ہیں...... جو سوچوں میں ایک سے رنگ بھر جاتے ہیں...... زبیدہ پہلے پہلے اپنے آپ کو ان عورتوں میں اندر ہی اندر سے فٹ نہ سمجھتی تھی...... ملی جلی اردو بولنے والی یہ ہشاش بشاش غم ماضی اور فکر فردا سے آزاد عورتیں اس کے لئے کشش کا باعث ضرور تھیں...... فکر فردا سے تو اب وہ بھی آزاد تھی...... عقلمند بھی تھی...... زمانہ شناس بھی...... اس لئے اس نے کسی طور ان دوست خواتین پر ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ کسی بھی لحاظ سے ان سے پیچھے ہے...... بڑی جلدی اس نے اس طبقے کے طریق و آداب سیکھ لئے...... اپنے آپ کو ان کے مطابق ڈھال لیا...... ڈیسنٹ کپڑے پہننے لگی...... میک اپ کی سوجھ بوجھ آ گئی...... نشست و برخاست ملنے کے آداب سیکھ لئے...... دھیمے انداز میں باتیں کرنے کا سلیقہ آ گیا...... اس نے ان عورتوں کی بہت سی اچھی اچھی باتیں اپنا لیں...... نئے ماحول کے جو تقاضے تھے ان پر پورا اترنے لگی تھی...... ان لوگوں کے سجے سجائے گھروں کو دیکھ کر اس نے بھی اپنا گھر اسی طرح آراستہ

کر لیا..... بلکہ اب تو اس کا شوہر اور بیٹا کاروبار کے سلسلے میں باہر آتے جاتے رہتے تھے..... انہوں نے گھر کے لئے عمدہ عمدہ چیزیں باہر سے منگوانا شروع کی ہوئی تھیں..... زیادہ اچھی اور قیمتی چیزیں پیک کر کے رکھی ہوئی تھیں..... انہیں اپنے نئے گھر میں سجانا تھا..... یہ چیزیں اسے ملنے والی خواتین اکثر دیکھنے کی فرمائش کیا کرتی تھیں اور اتنی نایاب اور قیمتی چیزیں دیکھ کر انہیں رشک بھی آتا تھا۔

"زبیدہ تم بڑی خوش قسمت ہو..... جو میاں اور بیٹا باہر جاتے رہتے ہیں..... ہم تو جوڑ جوڑ کے ڈالرز اکٹھے کر کے باہر سے چیزیں منگواتے ہیں..... لیکن ڈھنگ کی نہیں ہوتیں"۔

"وہ جو میرے ریسپشن میں واز پڑا ہے نا..... جانتی ہو کتنے کا ہے..... اتنا مہنگا ہونے کے باوجود تمہارے وازوں جیسا نہیں ہے..... پر کیا کریں..... دوسروں سے منگواتے ہیں..... جو جیسی چیز بھی لے آئے رکھنا پڑتی ہے"۔

"تمہاری تو کراکری کا جواب نہیں مکا سا کا سیٹ کتنا پیارا ہے..... اور وہ کنگ البرٹ والا کیا کہنے توری ٹیک کا ڈنر سیٹ یہاں تو ایک لاکھ سے کم نہیں ملتا اور کرسٹل کی چیزیں اوہ..... واہ"۔

"اور ڈیکوریشن پیسز؟..... واہ واہ..... کیا کہنے..... انگلینڈ سے لائے ہوئے چینی کے مجسمے اور پھولدانوں کا تو جواب نہیں..... اللہ..... جب تم انہیں اپنے نئے نکور گھر میں سجاؤ گی تو کتنے بھلے لگیں گے"۔

"وہ باتھ روم سیٹس..... تمہارے میاں اور بیٹے کی پسند لاجواب ہے..... چینی کے خوبصورت صابن اور برش ہولڈر..... سنہری ماڈل سٹینڈ..... پلانٹ رکھنے کے گملے..... سب کے رنگ اور پھولوں سے ملتے پردے..... کیا تم اپنے باتھ رومز بھی ان کے مطابق بنوا رہی ہو"۔

اس کی سہیلیاں اور ملنے والی خواتین چیزیں دیکھ دیکھ کر تعریفوں کے پل باندھتیں تو زبیدہ بلاشبہ فخر محسوس کرتی..... اب تو اسے محلے والی زندگی بھولتی ہی جا رہی تھی..... وہاں تو سرے سے ڈائننگ روم تھا ہی نہیں، صحن میں پڑے تخت پر سب اپنا اپنا کھانا لے کر بیٹھ جاتے تھے..... اتنے مہنگے مہنگے برتنوں کا اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا..... پلاسٹک کے ہوتے تھے خاص اس لئے ان کے لئے خوبصورت گملوں کا تصور بھی کبھی نہ آیا تھا..... چھوٹا سا ایک غسل خانہ تو تھا جس میں دیوار کے ساتھ ایک چھتی سی تھی..... جس پر بچوں کے اور اپنے ٹوتھ برش ایک پرانے گلاس میں رکھ دیئے جاتے تھے..... کسی فالتو کپ کی مجروح پلیٹ میں صابن پڑا ہوتا تھا..... دیوار میں کیل لگے تھے..... جن پر نہاتے وقت تولیہ اور کپڑے ٹانگ لئے جاتے تھے..... تاول سٹینڈ کب ہوتا تھا وہاں۔

اب تو زندگی کے رنگ ڈھنگ ہی بدل گئے تھے..... لباس اور بول چال پر زبیدہ نے بڑی بھرپور محنت کی تھی..... خاطر و تواضع کے طریقے سیکھے تھے..... چائے لوازمات کے ساتھ جس طرح سرو کی جاتی تھی..... یا کھانے کے لئے میز لگانے نیپکن رکھنے اور کھانا پیش کرنے کے سلیقے سے بخوبی آگاہ ہو گئی تھی..... اس نے اپنے آپ اپنے گھریلو ماحول اور طور طریقوں کو اتنی محنت اور مستعدی سے بدلا تھا کہ اسے دیکھ کر کوئی بھی نہ کہہ سکتا تھا کہ اس کی عمر کا بیشتر حصہ گلی کے ایک چھوٹے سے مکان میں بالکل تھوڑی آمدنی سے نپٹتے گزرا ہے۔

فاروق نے بھی زمانے کا ساتھ بے شک دیا تھا..... لیکن طبیعت میں ابھی تک سادگی تھی..... زیادہ کروفر نہیں تھا ان میں..... ہاں گھربار بیوی بچوں کو اچھی طرح رہتے سہتے دیکھ کر خوش بہت ہوتے تھے۔

وہ دونوں لاؤنج میں آئے تو فیروز اور سلیم وہیں بیٹھے تھے..... سلیم ٹی وی پر کوئی گانے کا پروگرام دیکھ رہا تھا..... اور فیروز پھولدار کاغذ میں گفٹ پیک کر رہا تھا۔

"او یار..... تم نے ابھی تک یہ پیک ہی نہیں کیا" فاروق بولے۔

"بس ہو گیا ابو..... اب ٹیپ لگا رہا ہوں..... بس دو منٹ..... تب تک آپ اس کارڈ پر نام اور مبارکبادی الفاظ لکھ لیں"۔

"میرا نام بھی لکھئے گا" زبیدہ نے اچک کر کارڈ دیکھا۔

"بھئی مسز و مسٹر فاروق لکھ رہا ہوں..... کیا یہ کافی نہیں" فاروق بولے۔

"ٹھیک ہے" زبیدہ بولی..... پھر فیروز سے پوچھا..... "کامی نہیں آیا ابھی"۔

فیروز ہنس کر بولا..... "دکھائی تو نہیں دے رہے کہیں..... یقیناً نہیں آئے ہوں گے"۔

"امی" سلیم ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں پکڑے پکڑے بولا..... "بھائی جان آج لیٹ آئیں

گے"۔

"کیوں؟" زبیدہ کے ساتھ فاروق بھی بولے۔

"انہوں نے اپنے دوست سے ملنے جانا تھا... کھانا کھا کر ہی آئیں گے"۔

"اچھا... تو پھر تم دونوں بھائی کھانا کھالینا... راجو تو ہے نا گھر پر"۔

"وہ بھی گیا ہوا ہے"۔

"کہاں؟"

"مارکیٹ"

"کیا کرنے"

"میں نے ایک فلم منگوائی ہے"۔

"یار یہ ٹی وی اور ڈش پر کیا کم فلمیں آتی ہیں... جو بازار سے بھی منگواتے ہو" فاروق نے کارڈ فیروز کو دیتے ہوئے کہا۔

"اوہ بڑی زبردست فلم آئی ہے... آپ بھی ضرور دیکھئے گا"۔

"مجھے وقت کہاں ملتا ہے... کون سی فلم ہے"۔

"ٹائی ٹینک... زبردست موویٔ ہے ابو... ریکارڈ توڑ دیئے ہیں اس فلم نے امریکہ میں کوئی بارہ ایوارڈ اب تک جیت چکی ہے"۔

"بڑی معلومات ہیں تمہاری" فیروز نے گفٹ کا پیکٹ امی کی طرف بڑھاتے ہوئے فاروق نے کہا... "ذرا پڑھائی کی طرف بھی دھیان دیا کرو... میٹرک کا امتحان دینا ہے"۔

"تم فکر نہ کرو... تم سے زیادہ ہی نمبر لوں گا"۔

فیروز نے قہقہہ لگایا... "استاد غم"۔

"دیکھ لینا"

فیروز کوئی جواب دینے لگا ہی تھا کہ زبیدہ بولی... "اب تو تکرار مت کرو... ہم لوگ جارہے ہیں... شاید دس گیارہ بج جائیں... کھانا کھالینا"۔

"آپ فکر نہ کریں امی... کھالیں گے" فیروز بولا... "آپ جائیں اب... ان کے مہمان آگئے ہوں گے"۔

"چلئے جی" زبیدہ نے پیکٹ ہاتھ میں پکڑے فاروق سے کہا۔

"چلو"

دونوں لاؤنج کا بیرونی دروازہ کھول کر باہر نکلے... دونوں بچوں نے انہیں خدا حافظ کہا۔ جواب دیتے ہوئے وہ گاڑی کی طرف آگئے۔

ٹھیک آٹھ بج کر پانچ منٹ پر وہ واہلا صاحب کے گھر پہنچ چکے تھے... گھر زیادہ دور نہیں تھا ایک ٹین گھوم کر تھوڑا سا فاصلہ اور طے کرنا تھا... کافی لوگ آچکے تھے... گاڑیاں باہر سڑک کے کنارے کھڑی تھیں... مہمانوں کے بیٹھنے کا بندوبست خوبصورت لان میں تھا... جسے آرائشی چیزوں اور برقی قمقموں سے سجایا گیا تھا... بہت بڑا لان تھا... جگہ جگہ صوفے رکھے تھے... درمیان میں سرخ قالین ڈالے گئے تھے... میزوں پر موسمی پھولوں کے خوبصورت گلدستے بہار دکھا رہے تھے... مہک چار سو پھیلی تھی... ایک طرف رکھی خالی میز پر لوگوں کے لائے ہوئے گفٹ رکھے تھے... کچھ لوگ صوفوں پر بیٹھے تھے... کچھ کھڑے کھڑے گپ شپ لگا رہے تھے... ابھی سارے مہمان نہیں آئے تھے... کیونکہ کچھ صوفے خالی تھے۔

مسز و مسٹر واہلا مہمانوں کا استقبال کر رہے تھے... ہنس ہنس کر احوال پرسی کر رہے تھے... بیٹے کی کامیابی پر مبارک باد وصول کر رہے تھے... ان کا بیٹا بھی مہمانوں سے مل رہا تھا... ویسے وہ اپنے دوستوں ہی میں گھرا ہوا تھا... ان کی دونوں بیٹیاں مونا اور ماریہ خوبصورت ڈریس پہنے ادھر ادھر پھر رہی تھیں... ان کی سہیلیاں ان کے ساتھ تھیں... سب بہت خوش تھیں۔

نسرین واہلا زبیدہ سے گلے ملی طارق واہلا نے فاروق سے ہاتھ ملایا... بڑی محبت اور جوش و خروش سے ان کا استقبال کیا۔

"بس آپ دونوں ہی آئے" نسرین نے زبیدہ اور فاروق کی طرف دیکھا۔

"ہاں" زبیدہ بولی۔

"اور تمہارے بچے؟" نسرین نے کہا۔

"انہیں کب بلایا تھا" زبیدہ نے ہنس کر کہا تو نسرین طارق کی طرف دیکھ کر بولی...

"دیکھا..... کس طرح آنکھوں میں گھسی جا رہی ہیں..... کیا ہم نے ان کے بچوں کو مدعو نہیں کیا تھا؟"

"کیوں نہیں کیا تھا" طارق فاروق کا ہاتھ پکڑے پکڑے بولا..... "آج تو تقریب ہی جوانوں کی ہے..... میں نے کہا تھا..... آپ سب نے آنا ہے"۔

"سوری" زبیدہ بولی..... "میں نے سب کا لفظ نہیں سنا تھا..... ورنہ مجھے بیٹوں خا[illegible] کامی کو لانے میں کیا اعتراض تھا..... بلکہ میں تو چاہتی تھی..... اس کا فہد کے دوستوں سے بھی تعارف ہو جائے..... اس کے پاس زیادہ وقت تو نہیں ہوتا..... لیکن کبھی کبھی دعوتوں پر شریک تو ہو سکتا ہے۔

"چلو ابھی اسے فون کرو" نسرین نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"نہیں نسرین..... وہ گھر پر نہیں ہے کسی دوست کے ساتھ کھانے پر گیا ہوا ہے"۔

"اوہو" نسرین نے صرف یہی کہا..... اسے صرف کامی ہی کو بلانے میں دلچسپی تھی۔ فیروز اور سلیم کو فون کر کے بلانے کا نہیں کہا..... ان دنوں وہ مونا کے لئے کسی اچھے رشتے کی تلاش میں جو تھی۔

"چلو بیٹھو" نسرین نے زبیدہ سے کہا..... طارق فاروق کو لے کر ادھر چلے گئے تھے جدھر مہمان مرد بیٹھے زور و شور سے سیاسی بحث کر رہے تھے۔

نسرین آنے والے دوسرے مہمانوں کا استقبال کرنے کو مڑی..... زبیدہ آگے بڑھ کر اس صوفے پر بیٹھ گئی، جس پر اس کی واقف کار مسز اعجاز اور نعیمہ کریم بیٹھی تھیں..... سامنے صوفے پر عائشہ، عامرہ اور سعدیہ بیٹھی تھیں..... ان سب سے زبیدہ کے خاصے بے تکلف مراسم تھے..... ہاں وائیں ہاتھ کے سنگل صوفے پر خاصی موٹی تازی عورت جس کے کانوں اور انگلیوں میں موٹے موٹے ڈائمنڈ چمک رہے تھے، بیٹھی تھی..... زبیدہ اس سے پہلے نہیں ملی تھی..... چند لمحے سب عورتیں آپس میں خوش باشی اور بے تکلفی سے باتیں کرتی رہیں۔

عامرہ نے زبیدہ کی طرف دیکھا..... اس کے کانوں میں چمکتے نفیس ٹاپس دیکھ کر بولی..... "واہ..... واہ..... کیا خوبصورت ٹاپس پہنے ہیں"۔

"ہاں واقعی" مسز اعجاز نے شوق سے اس کے ٹاپس دیکھتے ہوئے کہا..... "کب لئے"

"میں نے کہاں لینے تھے..... کامی ہالینڈ سے لایا ہے" زبیدہ نے تفاخر سے کہا۔

"مزے ہیں کامی کی ماں کے" عامرہ بولی..... "جب باہر جاتا ہے کوئی نہ کوئی چیز اس کے لئے ضرور لاتا ہے" زبیدہ ہنس کر بولی..... "ابھی تو اس کی بیوی ہے نہ کوئی بہن ظاہر ہے جو کچھ لائے گا میرے لئے ہی لائے گا"۔

عائشہ مسکرا کر بولی..... "بیوی آنے سے پہلے مزے کر لو جتنے کر سکتی ہو..... بیوی آئی..... تو پھر تمہیں چھٹی" سب اس کی بات پر ہنس پڑیں..... زبیدہ بھی ہنسی پھر ہنستے ہنستے بولی..... "بیوی آئے تو سہی..... اسی کی عیش ہو گی..... آخر ہم بھی تو اپنے میاں کی وجہ سے عیش کرتے ہیں"۔

"وہ بھی باہر جاتے رہتے ہیں..... کچھ نہ کچھ تو لاتے ہی ہوں گے" سعدیہ نے کہا۔

"انہیں بس نفیس کراکری کا شوق ہے" زبیدہ اترا کر بولی..... "ہر دفعہ مہنگے مہنگے ڈنر سیٹ واز سیٹ اٹھا لاتے ہیں..... اس دفعہ واٹر فیلڈ کے کرسٹل کے گلاس اٹھا لائے..... میرے تو پاؤں تلے سے زمین نکل گئی..... ان کی قیمت سن کر"۔

عائقہ نے حیرانگی سے کہا..... "وہ تو ایک ایک گلاس پچاس پچاس ساٹھ ساٹھ ڈالر کا ہوتا ہے"۔

"وہی نا" زبیدہ نے منہ بنایا..... "اتنے مہنگے؟ جان اٹکی رہے ان میں"۔

سب یہی باتیں کر رہی تھیں..... کہ موٹی تازی شہناز نے عامرہ سے کہا..... "بھئی ان سے تعارف تو کروا دو..... میں ان سے پہلے نہیں ملی"۔

"یہ زبیدہ ہیں..... زبیدہ فاروق..... ان کے میاں بزنس کرتے ہیں..... اور زبیدہ آپ یہ شہناز قاضی ہماری بہت پرانی دوست..... لینڈ لارڈ ہیں ان کے میاں..... بہت ہنس مکھ اور شائستہ خاتون ہیں"۔

زبیدہ نے شہناز کو شہناز نے زبیدہ کو سلام کیا۔

"آپ بھی اسی کالونی میں رہتی ہیں" زبیدہ نے پوچھا۔

"نہیں جی" شہناز بولی..... "میرا گھر شیر پاؤ برج کے ساتھ آفیسرز کالونی میں ہے..... ہمارا تعلق سرگودھا سے ہے..... بچوں کی تعلیم کی وجہ سے یہاں آ گئے..... گھر خرید لیا..... اب

بچے تو تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے کاموں میں لگ چکے ہیں..... ہم دونوں ہی یہاں ہیں
سرگودھا آتے جاتے رہتے ہیں..... بس"۔

"لاہور نے دامن پکڑ لیا ہے ان کا" عائقہ بولی۔

"بات کچھ ایسی ہی ہے" شہناز مسکرائی..... "سچ تو یہ میاں صاحب ہی کو لاہور
پسند ہے..... کہ زیادہ عرصہ یہاں ہی رہتے ہیں..... ویسے زمینداری ہے..... سرگودھا
چھوٹ تو نہیں سکتا جانا ہی پڑتا ہے"۔

زبیدہ نے شہناز کی طرف دیکھا..... اس کی امارت کا اس کے موٹے موٹے ڈائمنڈز سے
اندازہ لگانا مشکل نہ تھا..... پھر زمیندار! مربعوں کے مالک ہوں گے یہ لوگ! زبیدہ اس کی
دولت کا دل ہی دل میں اندازہ کر رہی تھی۔

"آپ کے بچے؟" زبیدہ اب اس کی طرف متوجہ تھیں۔

"تین..... دو بیٹے ایک بیٹی" وہ بولی..... "بیٹے ڈاکٹر ہیں..... دونوں امریکہ چلے گئے
ہیں..... وہاں ریذیڈنسی کر رہے ہیں..... بیٹی کی شادی کر دی ہے"۔

"آپ کتنی خوش قسمت ہیں..... ایک ہی سہی بیٹی تو ہے" زبیدہ بولی۔

"آپ کی بیٹی نہیں ہے"۔

"نہیں..... میرے ماشاء اللہ تین بیٹے ہی ہیں"۔

"چلو بہوئیں آجائیں گی" شہناز ہنسی..... "لیکن ایک بات ہے بیٹی بیٹی ہوتی ہے"۔

عائقہ بولی..... "بیٹی اور بہو میں بہت فرق ہوتا ہے"۔

"نہیں عائقہ" عامرہ بولی..... "صرف سمجھنے کی بات ہے"۔

"نہیں عامرہ" شہناز بولی..... "بیٹی اور بہو میں فرق ہوتا ہے"۔

"ماں اور ساس میں جیسے ہوتا ہے" سعدیہ بولی..... "ساس بھی تو ماں نہیں بنتی فرق تو
ہوتا ہی ہے"۔

عائقہ ہنس کر بولی..... "فرق صاف ظاہر ہے"

اس کی بات پر سب ہنس پڑیں..... کھانے کے لئے بلائے جانے تک یہ سب خواتین خوشگوار
باتوں میں مصروف رہیں..... زبیدہ نے شہناز سے بھی خاصی دوستی گانٹھ لی.....

گپ شپ جاری رہی۔

"آپ کے بچے کیا کرتے ہیں" شہناز نے زبیدہ سے پوچھا۔

"بڑا تو باپ کے ساتھ بزنس کرتا ہے..... اس سے چھوٹا انجینئرنگ کر رہا ہے..... سب
سے چھوٹا اس دفعہ میٹرک کا امتحان دے گا"۔

"وہ چھوٹے ہیں ابھی"

"کاشی بھی اتنا بڑا نہیں چوبیس سال کا ہوا ہے جنوری میں"۔

"اس کی تعلیم کیا ہے"۔

"بی اے"

"بس؟" ایک دم ہی شہناز کے منہ سے نکلا..... زبیدہ نے کچھ خفت سی محسوس کی.....
لیکن اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی شہناز کو احساس ہوا کہ اسے ایسے نہیں کہنا چاہئے تھا
وہ بولی..... "میرے خیال میں اسے بزنس کا شوق ہوگا..... اس لئے بی اے پر ہی اکتفا کر لیا
ہوگا"۔

"جی" زبیدہ نے کہا..... "فاروق اکیلے اتنا بڑا بزنس نہیں سنبھال سکتے تھے..... اس لئے
اسے آگے پڑھنے ہی نہیں دیا"۔

"اچھی بات ہے..... ایم اے بھی کر لیتا تو کیا ہوتا" عامرہ سنجیدہ بات کو مزاح کی طرف
لاتے ہوئے بولی..... "اب ماشاء اللہ اس کے پاس ایم اے..... ایم بی اے ملازم ہیں"۔

"ہاں جی بزنس کا نوکری سے کیا مقابلہ" سعدیہ بولی..... "ملازمت کر رہا ہوتا..... تو
بھابی کے کانوں میں اتنے خوبصورت ڈائمنڈ ساری عمر نہ پہنا سکتا"۔

"واقعی..... واقعی" سب ہنس پڑیں..... زبیدہ جو شہناز کی بات سے ذرا سی زچ ہوئی تھی
وہ بھی ہنسنے سے اچھے موڈ میں آگئی۔

کھانے پر سب ادھر ادھر بکھر گئیں..... مرد عورتیں ایک ہی جگہ کھانا کھا رہے
تھے..... اس لئے آپس میں پہلے سے جاننے والے جوڑوں کی علیک سلیک ہونے لگی..... حال
احوال پوچھا جانے لگا..... بچوں کے حوالے سے باتیں ہونے لگیں۔

کھانے پر زبیدہ کے ملنے جلنے والے بھی آئے ہوئے تھے..... فاروق سے تو ان کی گپ

شب ہو چکی تھی..... اب وہ لوگ زبیدہ سے مل رہے تھے..... جوان لڑکیاں بھی آئی ہوئی تھیں..... رعنا، اسماء، زعما، کرن، فائزہ سبھی آئی زبیدہ کو ملنے ان کے ارد گرد جمع تھیں... زبیدہ کو یہ سب بہت پسند تھیں..... کامی کے لئے ان کی نظر انتخاب تو اکثر رعنا پر پڑتی تھی..... لیکن آج خوش رنگ لباسوں میں سب ہی بہت اچھی لگ رہی تھیں..... زبیدہ سب سے پیار کر رہی تھی..... حال پوچھ رہی تھی..... پڑھائی کے متعلق باتیں کر رہی تھی..... ان لڑکیوں کی مائیں بھی ہاتھوں میں کھانا لئے ادھر آگئی تھیں..... زبیدہ کی اپنی شخصیت تو تھی..... کامی کی ماں ہونے کی وجہ سے ان سب کی توجہ کا مرکز تھی۔

شہناز قدرے دور کھڑی ان عورتوں، لڑکیوں اور دو تین مردوں کو زبیدہ کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے دیکھ رہی تھی..... اس کے ساتھ دو تین اور خواتین بھی اپنی کھانے سے بھری پلیٹوں میں سے کھانا کھا رہی تھیں۔

مسکرا کر شہناز بولی..... "زبیدہ لگتا ہے ان لوگوں میں بڑی "ان" ہے"

عاصمہ وحید نے بھی ہنس کر جواب دیا..... "اپنے بیٹے کی وجہ سے ان ہے..... اسی لئے آج کل لڑکیاں بھی دیکھ رہی ہے نا"۔

"اچھا"

"ہاں" رفیقہ عظمت نے کہا..... "ویسے اس کا بیٹا ہے بہت اچھا شریف خوبصورت کماؤ"۔

"لیکن" شہناز نے قدرے رکھائی سے کہا..... "پڑھا لکھا کچھ نہیں..... آج کل بی اے کوئی تعلیم نہیں ہوتی"۔

"بزنس میں جو پڑ گیا..... اسے تو بہت اوپر لے جا رہا ہے..... دنوں میں کہاں سے کہاں پہنچ رہا ہے" رفیقہ اس کی طرفداری کرتے ہوئے بولی..... پھر ہنس کر کہا..... "ایمان سے میری کوئی بیٹی بیاہنے کے قابل ہوتی تو میں خود ہاتھ پکڑ کر انہیں رشتہ تھمادیتی"۔

شہناز نے گردن گھما کر اسے دیکھا اور حیرانگی سے بولی..... "واقعی؟"

"بالکل..... آپ کبھی اس سے ملیں تو دیکھیں وہ کتنا اچھا کتنا پر خلوص اور کتنا محنتی ہے"۔

شہناز نے سر اثباتی انداز میں ہلایا..... پھر میز کی طرف مڑ گئی..... اسے چکن بہت پسند تھا..... وہ اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگی۔

اس کے ادھر جاتے ہی عاصمہ نے رفیقہ سے کہا..... "اسے کامی کے بی اے ہونے کی تکلیف ہے"۔

"اپنے دونوں بیٹے جو ڈاکٹر ہیں"۔

"دونوں امریکہ چلے گئے ہیں..... یہی بڑائی ہے"۔

"آئے ہائے لوگوں کو پتہ نہیں امریکہ کا کیا کریز ہے"۔

"بھئی وہاں کمائی تو ہے ہی نا..... خاص کر ڈاکٹروں کے تو مزے ہیں"۔

"لیکن اپنوں سے دور تو ہو جاتے ہیں..... ماں باپ یہاں بیٹھے ہیں..... وہ وہاں مزے اڑا رہے ہیں..... کیا فائدہ؟"

عاصمہ ہنس کر بولی..... "یہ پیسے والے لوگ ہیں انہیں فائدے نقصان کی کیا پرواہ..... جب جی چاہے بچوں کو ملنے چلے جائیں..... جب جی چاہے بچے انہیں ملنے آجائیں..... بات تو پیسے کی ہے"۔

"کامی بھی تو پیسہ ہی کما رہا ہے..... تعلیم بی اے ہے تو کیا ہوا..... یہ تو بار بار اس کے بی اے ہونے ہی کا ذکر کر رہی ہے..... بی اے اتنی کم تعلیم تو نہیں"۔

"بھئی اس کے دونوں بیٹے ڈاکٹر ہیں..... دونوں ہی امریکہ میں..... فخر تو کرے گی..... زبیدہ کی ہم سب لوگوں میں مقبولیت دراصل اسے کھل رہی ہے"۔

"لیکن کچھ دیر پہلے تو بڑے دوستانہ انداز میں اس سے باتیں کر رہی تھی"۔

"دکھانے کی..... ورنہ یہ" اس نے شہناز کی پشت کی طرف اشارہ کیا..... "کسی کو کچھ سمجھتی کب ہے..... اسی لئے تو میں نے اسے اپنے ہاں کبھی بلایا نہیں..... یہیں نسرین کے گھر ملاقات ہو جاتی ہے..... پچھلی دفعہ ختم پر بھی یہاں ہی ملی تھی"۔

عاصمہ نے مرغی کی ٹانگ پر سے دانتوں سے گوشت اتار کر کھاتے ہوئے کہا..... "مجھے تو اس سے بس علیک سلیک ہی ہے..... ایسے لوگوں سے مل کر مجھے تو قطعی خوشی نہیں ہوتی"۔

دونوں کھانا کھاتے ہوئے پیچھے کھڑی حبیبہ کی طرف مڑ گئیں..... اب وہ تینوں اپنی باتیں کرنے لگیں..... نسرین سارا وقت مہمانوں کو کھانے کا پوچھتی پھر رہی تھی۔ ان سے بھی پوچھنے آئی..... پھر زبیدہ کی طرف جاتے ہوئے بولی..... "پتہ نہیں یہ جمعہ خالہ بھی کب سے باتوں ہی میں لگی ہے"۔

کھانے کے بعد کچھ لوگ تو چلے گئے..... کچھ بیٹھے گپ شپ لگاتے رہے۔

گیارہ بجے کے قریب زبیدہ اور فاروق بھی میزبانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی کار کی طرف آ گئے..... آج کی محفل سے دونوں بہت لطف اندوز ہوئے تھے..... دونوں بہت خوش تھے۔ زبیدہ کی جو پذیرائی ہوئی تھی..... وہ تو اترا رہی تھی..... ہاں کسی کسی وقت شمع قاضی کی..... "مس" کی چبھن بھی ہو رہی تھی۔

اس دوپہر عظمت کے گھر آنے پر تو جہاں آراء نے طوفان اٹھا دیا..... اسد کے معمولی سا زخم تھا..... لیکن اس نے اس پر ٹنکچر لگا کر موٹی سی روئی کا پھایا رکھ کر بڑی سی پٹی باندھ دی تھی..... ہر باپ کی طرح عظمت کی بھی بچوں میں جان تھی..... اسد کی ٹانگ پر پٹی دیکھی تو اپنا بیگ پلنگ پر پھینک کر اس کی طرف لپکا۔

"یہ کیا ہوا؟"

"پٹی کیوں باندھ رکھی ہے"۔

"گر گئے تھے"۔

"چوٹ لگ گئی"

اس نے ایک ہی بار کئی استفسار کر ڈالے۔

"کچھ شیشہ لگا ہے" اسد نے ٹانگ پسار کر کہا۔

"وہ کیسے؟" عظمت نے جلدی سے پریشانی کے عالم میں اس کی ٹانگ پکڑلی۔

"وہ ایسے کہ" جہاں آراء بال تولیے میں سمیٹتے غسل خانے سے نکل آئی۔

"کیسے؟" عظمت کی نظریں سوالیہ نشان تھیں۔

"وہ ایسے کہ" جہاں آراء کی آنکھیں شیمپو لگنے سے ویسے ہی لال ہو رہی تھیں..... دانت پیستے ہوئے بولی..... "وہ جو تمہاری بھانجی صاحبہ ہیں نا"۔

"کیا کیا اس نے؟"

"شیشے کی بوتل اٹھا کر دے ماری"۔

"کیوں؟ کیوں؟"

"مہارانی صاحبہ کو غصہ آ گیا تھا...... وہ تو شکر کرو بچے کا سر بچ گیا...... ورنہ وہ تو آج مار ڈالتی اسے"۔

"کیا؟"

"بچے کے سر پر بوتل توڑنا تھی اسے...... ہاتھ سے گر گئی برآمدے ہی میں" جہاں آرا نے بات بے طرح بڑھاتے ہوئے کہا...... "چڑیل ہے وہ تو چڑیل...... کسی دن جان لے لے گی میرے بچوں کی...... دہائی ہے ایک تو گھر میں پناہ دی...... سارے بوجھ اٹھائے...... اس پر صلہ یہ دے رہی ہے...... عظمت میں تو ان سے سخت خوفزدہ ہوں...... یا تو مجھے اس گھر میں رکھو...... یا انہیں...... میں نہیں ان کے ساتھ رہ سکتی"۔

"لیکن بات کیا ہوئی تھی؟" عظمت نے اسد کو گود میں اٹھا لیا۔

"کوئی بات نہیں"

"پھر ایسے ہی اس کا دماغ خراب ہو گیا"۔

"دماغ ٹھیک ہے ہی کب اس کا...... لاڈ پیار میں ماں نے اتنا سر چڑھا رکھا ہے...... ہوئے کو بندہ تو وہ سمجھتی ہی نہیں...... اسے تو اچھا کھانے اور اچھا پہننے کو چاہئے بس...... کام کر کے تو سر پر وہ احسان چڑھاتی ہے کیا بتاؤں...... میں چپ چاپ سب کچھ سہے جا رہی تھی...... لیکن اب"۔

عظمت پریشان ہو گیا...... بچے کی ٹانگ دیکھ کر اسے نوری پر غصہ بھی آ رہا تھا...... جہاں آراء لگائی بجھائی کئے گئی...... ماں بیٹی کے سو سو عیب گنوائے نوری کی ڈھٹائی غصے اور بدلے نے کو تو ایسا رنگ دیا کہ عظمت کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

خاوند کو بھڑکا کر جہاں آراء نے ہاتھ جوڑ کر کہا...... "خدا کے لئے ان کے رہنے کا کہیں اور بندوبست کر دو...... بلا سے پیسے میں دے دیا کروں گی...... لیکن ان کا یہاں رہنا خطرے سے خالی نہیں"۔

عظمت نے بچے کو پلنگ پر ڈال دیا اور خود بیٹھتے ہوئے بولا...... "مصیبت سر آن پڑی ہے...... اب انہیں کہاں پھینکوں"۔

"دیکھو عظمت میں نے چین گم ہونے کا نقصان برداشت کر لیا...... حالانکہ مجھے یقین

چین ان دونوں ہی نے غائب کی ہے...... پیسہ دھیلا تو ان کے پلے نہیں تھا...... آج اتنی شاپنگ کہاں سے کر کے آئی ہیں...... میں پوچھتی ہوں...... کہاں سے پیسہ آ گیا ان کے پاس؟"

"شاپنگ؟"

"اور کیا...... چار جوڑے کپڑوں کے لائی ہیں...... چادر، چپل، شیمپو، پاؤڈر، کریمیں" جہاں آراء نے چیزیں بڑھاتے ہوئے کہا...... "آخر پیسے ہی لگتے ہیں...... کہاں سے خزانہ ہاتھ آیا"۔

"تم نے یا اماں نے پوچھا نہیں پیسے کہاں سے لئے ہیں"۔

"یہی تو پوچھا تھا"۔

"پھر"

"ماں نے تو کہا عزیز احمد کے بقایا جات ملے ہیں...... بیٹی کو تاؤ آ گیا...... کہ پوچھا ہی کیوں ہے...... وے ماری شیشے کی اتنی بوتل اٹھا کر...... شکر کرو بچے کا سر بچ گیا...... تم خود پوچھ لو زری کو بلا کر...... اس سے زیادہ کوئی بات کی میں نے"۔

عظمت چند لمحے کمرے میں بے تابی سے ٹہلتا رہا...... ایک تو بچے پر وار کرنے سے نوری پر غصہ تھا...... دوسرا چین کی چوری کا یقین آ رہا تھا کہ زری اور نوری ہی نے چرائی ہے۔

"فیصل" عظمت نے اپنے دس گیارہ سالہ بیٹے کو آواز دی۔

"جی ابو" وہ باہر ہی سے بولا۔

"ذرا زری پھپھو کو تو بلا لاؤ"۔

"اچھا"

"ابھی جاؤ"

"اچھا ابو"

کچھ ہی دیر بعد زری عظمت اور جہاں آراء کی عدالت میں پریشان حال کھڑی تھی...... شاید دیر روتی رہنے کی وجہ سے اس کی آنکھیں متورم تھیں۔

"کیا" عظمت نے گھور کر زری کو دیکھا۔

"جی" زری متوحش نظر آئی۔

"یہ گھر میں کیا ہو رہا ہے" اس نے بچے کی ٹانگ کی طرف اشارہ کیا۔

زری نے گھبرا کر ہاتھ باندھ دیئے اور روہانسی آواز میں بولی...... "معاف کر دو بھائی نوری کی جگہ میں معافی مانگتی ہوں...... بھائی وہ بہت آزردہ بڑی پریشان رہتی ہے ـــ ابّا مر گیا گھر چھوٹ گیا" اس کی آواز رندھ گئی۔

تو

ترس کھانے کی بجائے عظمت بھڑک کر بولا...... "یہ ہمارا قصور ہے...... اس کی سزا دے رہی ہیں...... چھوٹی بچی تو نہیں نوری اسے حالات کو سمجھنا چاہئے...... میں تم لوگوں کو بے سہارا سمجھ کر گھر اٹھا لایا...... کیا یہی میری غلطی ہے"۔

"یہ تو تمہارا احسان ہے عظمت"۔

"اس کا بدلہ یہ دے رہی ہو...... کہ بچے پر وار کر دیا...... اور جہاں آراء کی چین چرا لی۔ تم سے گھر کی کون سی چیز محفوظ رہے گی...... کچھ پیسے چاہئیں تھے تو مانگ لیتیں"۔

"عظمت" زری تھر تھر کانپنے لگی۔

"مت لو میرا نام...... تم دونوں سے تو ڈر ہی لگنے لگا ہے...... آج چین اڑا لی"۔

اس کی بات کاٹتے ہوئے زری بے اختیار چیخی...... "یہ جھوٹ ہے...... جھوٹ ہے بہتان ہے یتیم بچی اور بیوہ بہن پر...... ہم نے زنجیر نہیں لی"۔

"تو پھر آج اتنی شاپنگ کہاں سے ہوئی" جہاں آراء نے ہاتھ ہوا میں گھما گھما کر کہا۔

"تمہیں بتایا تو تھا...... عزیز کے بقایا جات ملے ہیں...... بار بار چوری کا الزام لگا رہی ہو اسی بات پر تو نوری کو غصہ آ گیا...... اس نے غصے میں بوتل زمین پر پٹخ دی...... اسد تو قریب کھیل رہا تھا...... ایک کرچی اڑ کر اسے جا لگی"۔

"عزیز کے واجبات؟ کس نے دلائے تمہیں...... ڈیتھ سرٹیفکیٹ بنا تھا؟ بجلی سرٹیفکیٹ لیا تھا؟ سب کے دستخط کروائے تھے؟"۔

"مجھے کچھ پتہ نہیں" زری روتے ہوئے بولی...... "میں نے فائل کامی کو دی تھی ہمارے پرانے محلے والے ہمسائے کو...... وہی دے گیا...... فون نمبر لے لو اس کامی سے پوچھ لو...... بائیس سو پچھتر روپے دے گیا تھا...... اس نے کیسے پیسے نکلوائے مجھے نہیں پتہ"۔

عظمت کامی کو جانتا تھا۔

"تمہارے دستخط بھی نہیں کروائے اس نے" عظمت نے پوچھا۔

زری نے آنسو بہاتے ہوئے نفی میں گردن ہلا دی۔

عظمت بڑے طنز سے ہنسا...... "بڑا مہربان ہے تم پر...... ویسے پیسہ بھی خوب کما رہا ہے"۔

زری کچھ نہ سمجھی۔

دروازے کے باہر کھڑی نوری یہ ساری باتیں سن رہی تھی...... پیچ و تاب بھی کھا رہی تھی...... لیکن بولی کچھ نہیں۔

"تو پیسے تمہیں کامی دے گیا" عظمت نے پھر کچوکہ لگایا۔

"ہاں"

"عزیز احمد کے بقایا جات؟"

"ہاں"

"خوب" پھر چند لمحے کے توقف کے بعد تمسخرانہ لہجے میں بولا...... "جہاں آراء کی چین اس کی وساطت سے تو نہیں بکی؟"

"آئے ہائے" جہاں آراء بولی...... "چین اتنے کی تھی؟ نو دس ہزار سے کم کی نہیں تھی...... اس کے پاس تو کہتی ہے بائیس سو پچھتر روپے تھے"۔

"باقی اس نے پرافٹ کما لیا ہو گا" عظمت نے چوٹ کی تو نوری تڑپ کر دروازے سے اندر آ کر غصے سے کانپتی آواز میں بولی...... "ہم ماں بیٹی تو آپ لوگوں پر پڑے ہیں...... اس لئے الزام بھی لگا لو...... لیکن ایک شریف انسان کے بارے میں ایسی بات...... امی تم بھی سنے جا رہی ہو"۔

"کیا کروں؟ میرا تو دماغ ہی کام نہیں کر رہا"۔

عظمت نے قہقہہ لگایا...... پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا...... "نوری خبردار جو بڑوں کی باتوں میں تم بولیں"۔

"ہونہہ" جہاں آراء خاوند کی شہہ پر بولی...... "گز بھر لمبی زبان ہے اس کی...... بولے بنا

رہ سکتی ہے..... اور پھر" وہ چند لمحے چپ ہوئی۔

پھر

آنکھیں مٹکا کر بولی..... "پھر تم نے اس کے پرانے ہمسائے کے بارے میں نازیبا بات کہہ دی"۔

"پرانے ہمسائے" پر اس نے بطور خاص زور دیا..... نوری وہاں کھڑی نہ رہ سکی۔ پلٹی..... دوڑی اور سیڑھیاں پھلانگتی اوپر چڑھ گئی..... بستر پر اوندھی گر کر وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی..... عظمت نے زری کی طرف دیکھا اور بے دردی سے بولا..... "جوان بیٹی ہے..... اس کا دھیان رکھا کرو..... کہیں کوئی گل نہ کھلا دے..... ہم شریف لوگ ہیں..... یہاں رہنا ہے تو شرافت سے رہو..... اور ہاں جہاں آراء کی چین لی ہے..... تو بے شک چاہے واپس نہ کرو..... لیکن بتا تو دو..... خواہ مخواہ وہ ہلکان ہوتی رہتی ہے..... ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل"۔

"عظمت" زری اس کی بات کاٹتے ہوئے زور سے چیخی..... "تم بھی ہمیں چور سمجھتے ہو..... خدایا..... اس زندگی سے تو ہمیں موت دے دے" وہ بین کر کر کے رونے لگی تو جہاں آراء بولی..... "بس کرو..... ہمارے گھر میں رونا دھونا ہی ڈالا ہوا ہے..... اپنے گھر میں تخت پہ بیٹھی تھی کیا؟ اوقات کیا تھی عزیز کی..... بڑی معتبر تھی نا جیسے..... یہاں آکر اتنی دکھی ہو گئی ہو کہ مرنے کی دعائیں کرنے لگی ہو..... یہاں رہنا اچھا نہیں لگتا..... تو بے شک چلی جاؤ جہاں سکھ آرام ملتا ہے..... غضب خدا کا ماں بیٹی کو یہ گھر اچھا ہی نہیں لگتا..... کیا کمی ہے یہاں؟ کیا نہیں ملتا یہاں پر؟"

جہاں آراء کمر پر ہاتھ رکھے دوسرے ہاتھ کو ہلا ہلا کر زری کے کچوکے لگا رہی تھی..... عظمت نے ایک دفعہ بھی بیوی کو منع نہیں کیا..... وہ بولے ہی گئی..... بار بار یہی کہا..... کہ کہیں اور سکھ ملتا ہے تو چلی جاؤ وہاں!

جانا کہاں تھا!

کوئی اور جگہ ہوتی تو وہ یہاں ہی بیٹھی ہوتی؟

زری ڈھیٹوں کی طرح کھڑی کوسنے سن رہی تھی..... سمجھ نہ پا رہی تھی..... کہ چین کی چوری کی رسوائی سے کیونکر نکلے..... رہ رہ کر بے گناہی کا ثبوت دے رہی تھی..... بیٹی کے سر کی قسمیں کھا رہی تھی۔

لیکن

بے گناہی کا یقین کسی کو آ ہی نہ رہا تھا..... کتنی ذلت اٹھا رہی تھی..... کتنی نازیبا باتیں سن رہی تھی..... عظمت نے تو جو کچھ نوری کے بارے میں کہا تھا..... اس کا خون کھول گیا تھا..... دل چاہا تھا کہ اسی وقت یہ گھر چھوڑ دے۔

لیکن

جائے کہاں؟

وہ روتی دھوتی اوپر چلی گئی..... جہاں نوری اوندھی پڑی ہچکیوں اور سسکیوں سے رو رہی تھی۔

"نوری" ماں نے روتے ہوئے اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا۔

"امی" نوری کے صبر و ضبط کے بند بالکل ہی ٹوٹ گئے۔

دونوں اتنا روئیں اتنا روئیں کہ آنسوؤں کا ذخیرہ ختم ہونے لگا۔

"امی..... مجھے یہاں سے کہیں لے جاؤ..... میں یہاں نہیں رہ سکتی امی..... نہیں رہ سکتی..... میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی..... میرا دل پھٹ جائے گا..... مجھ سے یہ بے عزتی برداشت نہیں ہوتی..... امی میں کیا کروں..... ابو کیوں مر گئے..... مرنا تھا تو ہمیں بھی ساتھ لے جاتے..... کیوں چھوڑ گئے..... کوئی جینے کا آسرا نہیں تھا..... تو کیوں چھوڑ گئے..... امی..... امی"۔

نوری چیختے ہوئے..... روتے ہوئے آہ و پکار کر رہی تھی..... زری اسے ساتھ لگا کر پچکارنے کی کوشش کر رہی تھی..... پیار کر رہی تھی..... سمجھا رہی تھی۔

لیکن

نوری کی ایک ہی رٹ تھی..... "مجھے کہیں لے جاؤ امی..... یہاں میں مر جاؤں گی..... میں یہ طعنے نہیں سن سکتی..... یہاں میری شرافت کو بھی اچھالا جا رہا ہے..... امی..... مجھے آپ کہیں لے کر نہ گئیں..... تو میں کہیں بھاگ جاؤں گی..... خودکشی کر لوں گی..... ختم ہو جاؤں گی"۔

"میری بچی...... میری جان...... چپ ہو جا...... اب کچھ نہ کہنا...... ورنہ میرا کلیجہ پھٹ جائے گا"۔

نوری کی آواز بیٹھ گئی...... ہاں آنسوؤں کے روتی رہی...... یہاں اب وہ ایک پل رہنے کو تیار نہ تھی...... زری نے بڑی مشکلوں سے اسے نارمل کیا...... نارمل کیا ہونا تھا اس کے اندر آگ لگی ہوئی تھی...... اس لئے بولی...... "امی...... چلو حیدر چچا کے ہاں چلے جاتے ہیں"۔

زری چپ ہو گئی...... تجربے نے اسے بہت کچھ سکھا دیا تھا...... جانتی تھی وہاں بھی انہیں کوئی قبول نہ کرے گا...... اس نے دبے لفظوں میں نوری سے بھی یہی کہا۔

لیکن

نوری تو ہلکان ہوئی جا رہی تھی...... وقتی طور پر ہی سہی یہاں سے اسے کہیں نہ کہیں لے جانا ضرور تھا...... اس لئے بولی...... "چلو چند دنوں کے لئے حیدر کے ہاں چلے جاتے ہیں...... وہاں جا کر کچھ سوچیں گے"۔

نوری اچھل کر پلنگ سے اتری اور بیگ میں اپنے کپڑے ڈالتے ہوئے بولی...... "چلو ابھی چلو...... میں یہاں ایک منٹ نہیں رہ سکتی...... امی حیدر چچا نے بھی ہمیں نہ رکھا تو ہم کسی یتیم خانے یا کسی دارالامان میں چلے جائیں گے"۔

"نوری...... حوصلے سے کام لو...... کہا ہے نا حیدر کی طرف لے جاتی ہوں تمہیں...... آگے کا پھر سوچیں گے...... خدا کوئی نہ کوئی وسیلہ تو بنا دے گا"۔

"میں یہاں پھر نہیں آؤں گی"۔

"نوری جذباتی نہ ہو...... فی الحال حیدر کی طرف چلو...... وہاں دیکھیں گے کیا رنگ ڈھنگ ہیں...... بیٹی ہم پر مصیبت آئی ہوئی ہے...... اس سے ہم نے بہر طور نباہ کرنا ہے...... جذباتی ہونے سے کچھ نہیں ہوگا...... عقل اور صبر سے کام لینا ہے...... دنیا میں لوگوں پر اس سے بھی بڑی بڑی مصیبتیں آتی ہیں...... ان سے ہمت اور حوصلے سے ہی نپٹا جاتا ہے...... اس طرح کرنے سے کچھ نہیں ہوتا"۔

وہ نوری کو سمجھاتی رہی۔

پھر اٹھی اور بولی...... "دو چار جوڑے کپڑوں کے رکھ لو...... یہ نئے جو لائی ہو......

سینہ کی مشین پر میں سی دوں گی تمہیں رکھ لو یہ بھی"۔

"اور آپ کے"

"میرے ہیں ہی کتنے دو جوڑے وائیل کے ہیں وہی رکھ لو"۔

"نئے کپڑے بھی نا...... وہاں سی لینا امی"۔

"چل رکھ لے"

"میں پانچ منٹ میں تیار ہو جاتی ہوں"

"اچھا نوری...... اب جانا ہی ہے تو ذرا گھنٹے بھر بعد جائیں گے نا"

"کیوں"

"ناک منہ رو رو کر سوجے ہوئے ہیں...... ہاتھ منہ دھو لیں...... کچھ"۔

"امی...... ناک منہ سوجے ہیں تو اچھا ہی ہے...... ذرا ان لوگوں کو بھی تو پتہ چلے ہم کن حالوں میں رہ رہے ہیں"۔

"ہائے ہائے...... نوری دکھ کا اپنے آپ ہی کو پتہ ہوتا ہے...... دوسرے کسی کو کب احساس ہوتا ہے...... خون کے رشتے ہوں تب بھی کوئی بات بنتی ہے"۔

"اچھا! حیدر چچا سے تو میرا خون ہی کا رشتہ ہے ان کے مرحوم بھائی کی بیٹی ہوں"۔

"ہوں...... لیکن سینہ؟"

"وہ اتنی بری نہیں جتنی آپ کی یہ بھابی صاحبہ ہے"۔

"چلو...... وہاں جا کر بھی تجربہ کر لیتے ہیں...... ویسے نوری...... برا شاید کوئی بھی نہیں ہوتا...... یہ حالات ہوتے ہیں...... جو برا بنا دیتے ہیں"۔

"بس امی...... جائیے نہا دھو کر یہ دھلا ہوا جوڑا پہن لیں...... میں بھی نہاؤں گی...... بس تیار ہو کر فوراً چل دیں گے"۔

"تو پہلے نہا لے...... میں ذرا اماں کو بتا آؤں"۔

"کیا"

"یہی کہ ہم دونوں چند دنوں کے لئے حیدر کے ہاں جا رہے ہیں"۔

"چند دنوں کے لئے نہیں"

"تو اور"

"بس یہاں سے ہمیشہ کے لئے جا رہی ہیں"۔

"نوری بے وقوف نہ بن...... کہیں بھی سر چھپانے کو جگہ نہ ملی...... تو لوٹ کر یہیں آنا ہو گا...... اس لئے کشتیاں نہیں جلائی جا سکتیں...... اماں سے تو کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔ ان سے تو کہہ جاؤں نا"۔

"میں نے یہاں واپس نہیں آنا...... اماں کو بتائیں چاہے نہ بتائیں" نوری نے غصے میں کہا۔

"نوری میں نے کہا نا جذباتی ہونے سے کچھ نہیں ہوتا...... ہر پھر کر ہمیں یہاں آنا ہے...... اور کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں مستقل رہا جا سکے ...... بچوں والی ہٹ دھرمی نہ کرو۔ تمہارا ہرج بھی کیا ہے...... اماں کو بتا آتی ہوں...... حیدر نے مستقل رکھ لیا تو بھی اماں کو بتانے میں کوئی ہرج نہیں"۔

نوری نے منہ ہلایا...... وہ غصے سے کچھ کہنے کو تھی کہ زری نے اسے بڑے دلار سے نہا کر کپڑے بدلنے اور بیگ تیار کرنے کے لئے کہا۔

اور

خود سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی...... وہ نوری کی طرح خود سری نہیں کرنا چاہتی تھی...... چند دنوں کے لئے حیدر کے ہاں پناہ مل سکتی تھی...... زیادہ عرصہ وہاں رہ سکتی تھی نہ ہی رہنا مناسب تھا...... جوان بیوہ تھی لوگ ہی باتیں بنا لیتے...... اماں کے گھر کم از کم اسا کی بیوگی تو محفوظ تھی۔

اماں اس وقت اپنے کمرے ہی میں تھی...... وہ پلنگ پر بیٹھی تھی...... اس کے قریب ہی کرسی پر کوئی پچاس پچپن سالہ خوش شکل اور خوش پوش آدمی بیٹھا تھا...... دونوں باتیں کر رہے تھے...... وہ شخص اماں کو آپا کہہ رہا تھا...... زری نے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا...... میز پر سکوئش کا خالی گلاس پڑا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی جھجک کر لوٹنے لگی...... تو اماں بولی "آ جاؤ زری"۔

زری کمرے میں آ گئی...... اجنبی کو سلام کر کے اماں کے قریب ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"اشرف...... یہ زری ہے...... نام تو تم نے سنا ہو گا...... بیچاری بیوہ ہو گئی ہے...... اب میرے پاس ہی رہتی ہے" اماں نے اس کا تعارف کرایا...... اشرف نامی آدمی نے کرسی میں پہلو بدلا، غور سے زری کو دیکھا اور ملائمت سے بولا...... "بہت افسوس ہے" اماں نے زری کی طرف دیکھ کر کہا...... "یہ میرے ماموں کا چھوٹا بیٹا اشرف ہے...... تم شاید اس سے پہلے کبھی ملی نہیں"۔

"نہیں...... میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا" زری نے سمٹ کر بیٹھتے ہوئے کہا...... وہ شخص بار بار اس کی طرف گہری گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ہاں تم نے نہیں دیکھا ہو گا...... ساری عمر تو اس نے باہر گزار دی...... دو تین سال ہوئے یہاں آ کر سیٹل ہوئے یہ لوگ گھر خریدا، بنایا، سنوارا تو بیچاری عصمت ہی اللہ کو پیاری ہو گئی...... اب تینوں بچے باہر ہیں...... بڑا بیٹا امریکہ میں ہے...... دوسرا لنڈن...... بیٹی شارجہ میں...... یہ ابھی امریکہ ہو کر آیا ہے...... اشرف کتنے مہینے رہ کر آئے ہو"۔

"چھ آپا...... یہاں بھی اکیلا کیا کروں؟"

"ہاں...... کوئی بچہ پاس بھی تو نہیں...... بہوئیں بھی خاوندوں کے پاس ہی رہنا پسند کرتی ہیں"۔

اشرف ہنسا اور بولا...... "آپا انہوں نے خاوندوں ہی کے پاس تو رہنا ہے...... اپنے گھروں میں آباد ہیں...... اب میرے پاس مجھے کمپنی دینے سے تو رہیں"۔

اشرف نے ایک بار پھر زری کی طرف دیکھا اور پوچھا...... "آپ کے کتنے بچے ہیں"۔

"ایک بیٹی ہے" زری نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"پڑھ رہی ہے" اشرف نے پھر کہا۔

زری نے اک گہری سانس لی اور دکھ سے بولی "سیکنڈ ایئر میں تھی...... ابو کے فوت ہونے سے تعلیم چھوٹ گئی"۔

"وہ کیوں؟" اشرف کرسی میں ذرا آگے کو ہو کر بولا۔

"بس" زری نے مختصر سا جواب دیا...... پھر اماں سے بولی...... "میں اور نوری حیدر کے ہاں جا رہے ہیں...... نوری بڑی پریشان اور اپ سیٹ ہے...... وہاں جا کر شاید...... کچھ...... بہل جائے...... میں اسے لے کر جا رہی ہوں"۔

"اچھا؟؟" اماں نے قدرے تعجب سے اسے دیکھا..... لیکن اشرف کا لہجہ ہوا غیرت تھا..... وہ زری سے کچھ پوچھ نہ سکی..... نہ ہی زری کو بار بار دہرائی ہوئی کہانی پھر سے کہنا پڑی۔
زری نے سلام کیا اور باہر آگئی..... اشرف کی تیز اور چبھتی ہوئی نگاہیں اسے تعاقب کرتے محسوس ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

خوشیاں ان کے ہاں پھوار کی طرح اتر کر سب کو بھگوئے جا رہی تھیں..... ماں باپ پھولے نہ سماتے تھے..... اللہ کے اس احسان پر اس کا شکر بھی ادا کرتے تھے..... چند [illegible]وں کی محنت نے دن ہی پھیر دیئے تھے..... محنت شاید بہت لوگ کرتے ہیں..... لیکن [illegible] اللہ تعالیٰ کی نوازش خاص ہوتی ہے..... جو کسی کسی کو فوراً ہی مل جاتا ہے اور اتنا ملتا ہے کہ [illegible]نے نہیں سنبھلتا..... رحمتوں کی بارش کھل کھل کر برستی ہے اور برسے ہی جاتی ہے..... [illegible]ت خود بخود بنتے جاتے ہیں..... راہیں آپوں آپ استوار ہوتی جاتی ہیں اور سنہری رو پہلی [illegible]لیں از خود سامنے آتی جاتی ہیں..... یہ نصیب کی بات ہوتی ہے تقدیر کے معاملے ہوتے ہیں۔

فاروق اور اس کی فیملی ان گنے چنے نصیب والوں میں سے تھی..... وہ بات تھی کہ مٹی [illegible] بھی ہاتھ ڈالتے تو سونا بن جاتی تھی..... اس میں شک نہیں کہ باپ بیٹا محنت بھی خوب [illegible]تے تھے..... لیکن محنتیں کرنا بڑی بات نہیں ان کا بار آور ہونا بڑی بات ہے۔
فاروق اور کامی کی محنتیں بار آور ہو رہی تھیں..... خسارے کا تو خدا کے فضل سے دور دور [illegible] نہیں تھا..... ہر کام منافعت بخش تھا..... امپورٹ ایکسپورٹ ایک جرمن فرم کے [illegible]ث سے بہت اونچی جا رہی تھی..... فاروق کا کراچی کی بڑی بڑی پارٹیوں سے کام روز [illegible] ترقی پر تھا..... اور دو کنال پر کوٹھی بن رہی تھی..... گھر میں لہر بہر تھی..... اور اب تو [illegible]نے جینٹس بنانے کی فیکٹری بھی خرید لی تھی..... یہ چالو فیکٹری بڑے مناسب داموں پر [illegible] گئی تھی..... پہلے یہ سارا مال کامی سیالکوٹ سے تیار کرواتا تھا..... اب لاہور ہی میں کام بن [illegible]تھا..... سب بے حد خوش تھے..... فیکٹری چونکہ چالو حالت میں تھی..... اس لئے کامی کو

زیادہ تردد نہیں کرنا پڑا...... کاریگر موجود تھے...... مشینیں اچھی حالت میں تھیں...... اور بھی ضرورت کی ہر چیز موجود تھی...... سلائی مشینیں ایک ہال میں ترتیب سے رکھی تھیں...... خام مال رکھنے کے لئے بہت بڑا اسٹور تھا...... پیکنگ کے لئے ایک الگ بہت بڑا ہال نما کمرہ تھا اس کے علاوہ خاصی زمین ساتھ تھی...... جس پر گھاس اور پھولوں کی کیاریاں تھیں...... آفس بھی تھا...... وہ بھی چالو حالت میں تھا...... کافی سجا ہوا تھا...... اس میں تبدیلیاں کامی اپنی مرضی سے کر سکتا تھا۔

اس رات سب کھانے کی میز پر بیٹھے اتنی اچھی ڈیل پہ تبصرے کر رہے تھے...... زبیدہ نے مٹھائی منگائی تھی...... محلے کے چیدہ چیدہ گھروں میں بھیجی تھی...... مٹھائی کا ایک کھلا ڈبہ میز پر بھی پڑا تھا...... جس میں ایک آدھ چیز کوئی نہ کوئی منہ میں ڈال رہا تھا۔

"امی" کامی نے بڑے مسرور لہجے میں ماں کو بلایا۔

"ہوں" زبیدہ آدھا گلاب جامن ڈبے میں سے اٹھا رہی تھی۔

"میں فیکٹری کا باقاعدہ افتتاح کروں گا انشاء اللہ"۔

"ضرور...... ضرور...... کیوں نہیں کرو گے...... چیدہ چیدہ لوگوں کو مدعو کرنا...... بلکہ کسی بڑے آدمی یعنی کسی امیر وزیر کو بلانا"۔

"اس کی ضرورت نہیں" کامی مسکرایا...... "ہاں میں ایک بڑی شخصیت کے ہاتھوں اس فیکٹری کا تالا کھلوانا ضرور پسند کروں گا"۔

"کون سی بڑی شخصیت" فاروق نے پوچھا۔

"ہو ہے ایک" کامی پھر مسکرایا۔

"ہمیں بھی تو بتاؤ" فاروق نے کہا تو کامی نے ہنس کر کہا...... "آپ کے پاس ہی تو بیٹھی ہیں"۔

"یعنی...... یعنی...... میں" زبیدہ خوشی سے بے حال ہو گئی۔

"او ہو" فاروق بھی کامی کی بات سے خوش ہوئے...... "ہمیں پتہ ہی نہ تھا کہ اتنی بڑی شخصیت ہمارے پاس ہی بیٹھی ہے"۔

زبیدہ ہنس کر بولی...... "آپ کیوں جلنے لگے"۔

"لو حد ہو گئی" فاروق بھی مسکرائے...... "مجھے تو خوشی ہوئی ہے...... کہ تمہارے بیٹے نا کا حق ادا کر دیا"۔

"واقعی" زبیدہ اٹھ کر کامی کی کرسی کے پیچھے آئی اور اس کا سر ہاتھوں میں پکڑ کر چوم "خدا تمہارا اقبال اور بھی بلند کرے...... تم نے آج اک ماں کا مان بہت بڑھا دیا"۔

کامی نے ماں کے ہاتھ ہاتھوں میں پکڑ لئے اور سنجیدگی سے بولا...... "امی یہ تو اک چھوٹا بت بھر انذرانہ ہے...... کل چار بجے تیار رہئے گا...... میں آپ کو فیکٹری لے جاؤں گا"۔

"ہم بھی جائیں گے" سلیم جلدی سے بولا۔

"سب جائیں گے...... ابو بھی، تم بھی، فیروز بھی" کامی نے کہا...... "یہ تو حقیقی افتتاح ...باقی رسمی افتتاح میں لوگوں کو مدعو کریں گے"۔

"پارٹی ہو گی؟" فیروز نے پوچھا۔

"ضرور ہو گی" فاروق بولے۔

"یہ بعد میں ہو گی ابو" کامی نے کہا...... "کل امی تالا کھولیں گی...... پھر غریبوں کو کھانا بائی"۔

"کھانے کا بندوبست؟" زبیدہ نے پوچھا۔

"سب ہو جائے گا...... آپ نے بس اپنے ہاتھ سے تالا کھولنا ہے...... اور کھانا کھلانا سارا کام ورکر کریں گے...... آپ صرف کھانا ڈال کر دیں گی"۔

"کتنی دیگیں ہوں گی؟" سلیم نے پوچھا۔

"جتنی بھی ہوں" کامی بولا...... "چار پانچ...... سات"۔

"اتنی دیگیں امی بانٹیں گی" فیروز متجسس تھا۔

"جتنی ہر دیگ میں سے ایک ایک پلیٹ نکال کر دے دیں گی...... ان کے ہاتھ سے ہو گا"۔

"جیتے رہو میرے بچے" زبیدہ کی آواز فرط جذبات سے بھر آگئی۔

"جتنی بیٹا ہو تو ایسا" فاروق ہنسے...... "باپ کی پرواہ ہی نہیں...... ماں کا مان بڑھانے پر"۔

"اور آپ ہی کا تو ہے سب کچھ" کامی نے سنجیدگی سے کہا..... تو فاروق نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔

کچھ دیر سب بیٹھے یہی باتیں کرتے رہے..... کھانا کھایا جا چکا تھا..... راجو برتن بھی اٹھا لے گیا تھا..... مٹھائی سے شغل ہو رہا تھا..... کافی وقت گزر گیا تو سلیم اور فیروز اٹھ گئے..... فیروز نے کسی دوست سے نوٹس لینے جانا تھا اور سلیم نے پڑھائی کرنا تھی۔

ان کے جانے کے بعد فاروق بھی اٹھے..... "میں تو اب لیٹ کر ٹی وی دیکھوں گا۔ آج تکان سی محسوس ہو رہی ہے"۔

"چلئے میں بھی آتی ہوں کچن دیکھ آؤں" زبیدہ بولی..... "تم بھی جا کر آرام کرو..... کامی"

کامی اٹھتے ہوئے بولا..... "آرام کہاں امی مجھے تو ابھی ظفر کے پاس جانا ہے..... کہا کی ایک بار پھر یاد دہانی کرانی ہے..... کل وقت پر کھانا پہنچا دے..... یہ کیٹرنگ والے ذرا بھی کر جاتے ہیں"۔

"کیا بنوایا ہے" زبیدہ نے مٹھائی کا ڈبہ بند کرتے ہوئے پوچھا۔

"پلاؤ اور زردہ" کامی نے کہا۔

"ٹھیک ہے" زبیدہ بولی۔

کامی اٹھ کھڑا ہوا..... دونوں ماں بیٹا لاؤنج میں آ گئے..... فاروق اپنے بیڈ روم میں چلے گئے..... کامی نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر جاتے ہوئے بولا..... "امی میں ایک گھنٹے آ جاؤں گا"۔

"اچھا" کہتے ہوئے زبیدہ کچن میں چلی گئی۔

سارے کاموں سے فارغ ہو کر زبیدہ اپنے بیڈ روم میں آ گئی..... فاروق ٹی وی پر گانے کا پروگرام دیکھ رہے تھے..... ٹی وی دیکھنے کی عیاشی انہیں کبھی کبھار ہی میسر آتی تھی۔ زبیدہ بیڈ پر آ کر بیٹھی تو فاروق نے ریموٹ کنٹرول سے آواز دھیمی کر دی۔ مسکراتے ہوئے زبیدہ کو دیکھا اور بولے..... "تو کل بیگم صاحبہ فیکٹری کا افتتاح کرنے جا رہی ہیں"۔

"برخورداری ہے کامی کی" زبیدہ بولی۔

"بھئی اس کے ورکر وہاں ہوں گے..... چند جملے رٹ لو..... افتتاحی تقریب پر کچھ بول دینا"۔

"مذاق نہ کریں"۔

"مذاق کی کیا بات ہے..... اب تو تم میں اعتماد آ جانا چاہئے..... سہیلیوں میں تو اب ٹھیک بول لیتی ہو"۔

"اب؟"

"تو اور..... پہلے پہل تو تم چپ چاپ ہی بیٹھی رہتی تھیں"۔

"عقلمند تھی نا..... سنتی رہتی تھی..... سب کیسے بولتی ہیں..... کیا بولتی ہیں..... انداز تقلید کرتی ہیں..... جب پتہ چل گیا..... تو بس میں بھی شروع ہو گئی"۔

"واہ بھئی واہ..... اتنا شروع ہوئیں..... کہ بڑے بڑوں کے پتے کاٹنے لگیں"۔

"جی صاحب!..... ہم ہر رنگ میں ڈھل جاتے ہیں..... محلے میں رہتے تھے..... تو محلے والوں جیسے تھے..... اب کوٹھی میں رہتے ہیں..... تو کوٹھیوں والے ایسے ہو گئے"۔

"ہو تم واقعی بڑی زیرک اور ہوشیار"۔

"شکریہ!"

دونوں ہنس پڑے۔

پھر زبیدہ اپنا تکیہ فاروق کے تکیے کے قریب کرتے ہوئے لیٹ گئی..... فاروق ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئے..... زبیدہ کچھ دیر لیٹی رہی..... پھر کروٹ فاروق کی طرف بدلتے ہوئے بولی..... "ذرا بات تو سنیں"۔

"کہو" فاروق نے منہ اس کی طرف کیے کہا۔

"آپ ذرا ٹی وی کی طرف سے دھیان ہٹائیں تو کہوں نا"۔

"لو جی" فاروق نے ٹی وی بند کر دیا..... ٹیوب لائٹ بھی آف کر دی..... صرف سائیڈ ٹیبل پر رکھا لیمپ آن کیا۔

"دیکھیں" زبیدہ بولی۔

"تمہیں دیکھوں" فاروق مسکرائے۔

"اے ہے" زبیدہ بولی..... "بات سنیں"۔

"اچھا جی"۔

"میں کہنا چاہ رہی تھی..... کہ کامی کی فیکٹری خریدنے کی خوشی میں ہم لوگ ایک تقریب کیوں نہ کریں"۔

"اچھا خیال ہے"۔

"دیکھیں نا تقریباً سبھی ملنے والوں کے ہاں ہم کھانا کھا چکے ہیں"۔

"سبھی کے نہیں بیگم"

"چلو پانچ سات کے ہاں تو کھا ہی چکے ہیں"۔

"ہوں"

"اچھا موقع ہے..... سب کو بلا کر اچھی سی تقریب کر لیتے ہیں..... کئی نئے ملنے والے بھی ہیں..... کافی اچھے اچھے لوگ ہیں"۔

"ہاں"

"دراصل میں کچھ بہت ہی اچھے لوگوں کو ان کی بیٹیوں سمیت بلانا چاہتی ہوں..... ان کی پیاری پیاری بچیاں ہیں..... اس طرح کامی بھی انہیں دیکھ لے گا..... وہ بھی کامی سے مل لیں گی..... میری خواہش ہے ان ہی میں سے کسی ایک کو بہو بناؤں..... بہت ہی پیاری پیاری اچھے گھرانوں کی پڑھی لکھی نئے زمانے کی لڑکیاں ہیں"۔

فاروق کچھ سوچ میں پڑ گئے..... پھر بولے..... "جیسی تمہاری مرضی..... لیکن"

"لیکن کیا؟"

"میں نے تو اپنی زندگی میں صرف ایک ہی پیاری لڑکی دیکھی ہے"۔

"وہ کون؟"

"نوری"

زبیدہ کے جیسے کسی نے تیلی لگا دی..... جلدی سے بستر میں اٹھ بیٹھی اور تیکھے لہجے میں بولی..... "مجھے سمجھ نہیں آتی..... اس بالشت بھر کی لڑکی سے اتنی بے عزتی کروا کر بھی آپ کو وہی لڑکی پسند ہے"۔

"وہ اس کی نادانی تھی..... ابھی اس کی عمر ہی کیا تھی..... یہ بے خبری کی غلطیاں ہوتی ہیں بیگم صاحبہ"۔

"تو جائیے بیٹے کا رشتہ لے جائیے..... اب تو وہ ہاں بھی کر دے گی..... اس کے معیار سے بھی اونچا اٹھ گیا ہے کامی"۔

"تم تو ناحق خفا ہونے لگیں..... میں نے تو سرسری سی بات کی تھی..... وہ بچی مجھے شروع ہی سے بہت پسند تھی..... اب پسند تھی..... تو ناپسند کیونکر کروں..... باقی رہی کامی کی بات تو تم جانو اور تمہارا بیٹا..... بلالو لڑکیوں کو دعوت میں کوئی نہ کوئی تو پسند آ ہی جائے گی"۔

زبیدہ خفگی سے بولی..... "اب کی ہے نا سیدھی بات"۔

"بھئی جو جی چاہے کرو..... ہمیں تو بہو چاہئے..... جو چاہو گی یا تمہارا بیٹا چاہے گا..... لے آنا"۔

زبیدہ کا موڈ ٹھیک ہو گیا۔

فاروق پھر ٹی وی دیکھنے لگے..... اور زبیدہ رخ موڑ کر پڑ گئی..... وہ تقریب کا پلان بنانے لگی..... کامی سے بھی صلاح مشورہ ضروری تھا..... اس لئے بات کل پر ڈال دی۔

دعوت پر سب ملنے والوں کا فیصلہ ہو گیا..... کامی کو بھلا کیا اعتراض تھا..... پھر زبیدہ نے اپنے خاص مقصد سے بھی اسے تھوڑا ہی آگاہ کیا تھا۔

زبیدہ یہ دعوت بڑے اہتمام اور شان سے کرنا چاہتی تھی..... پیسے کی دھاک لوگوں پر بٹھانا چاہتی تھی..... کامی کو اپنی پسند کی لڑکیوں سے ملوانا چاہتی تھی..... پسند تو اسے سب ہی بھلی تھی..... لیکن اس کا ووٹ رعنا کے حق میں تھا..... کالی آنکھوں اور کالے گھنے باب کٹ بالوں والی رعنا اسے شروع ہی سے بہت اچھی لگی تھی..... اس میں شک بھی نہیں تھا کہ رعنا ایک اچھے سلجھے ہوئے گھرانے کی لڑکی تھی..... جسے گھریلو کاموں میں بھی دلچسپی تھی..... اور ماڈرن بھی تھی..... زمانے کا ساتھ دینا اسے آتا تھا..... اس کی امی نے اپنی بچی کی جس طور تربیت کی تھی..... وہ تعریف کے قابل تھی..... زبیدہ کا پکا خیال تھا کہ کامی رعنا کو پسند کرے گا..... اور اگر بالفرض وہ رعنا میں دلچسپی ظاہر نہیں کرتا تو اور بھی آٹھ دس ایسے ہی گھرانوں کی

لڑکیاں تھیں..... جن کے والدین اچھے رشتوں کی تلاش میں تھے..... زبیدہ نے ان سب لڑکیوں کو بڑے اصرار سے مدعو کرنا تھا..... اس نے مہمانوں کی لسٹ خود ہی بنائی..... خاطر تواضع کا بھی اہتمام خود ہی کیا..... کامی نے اپنے دفتر کے تین لڑکے امی کے کاموں کے لئے ان کے پاس بھجوا دیئے تھے۔

زبیدہ نے بجلی، ٹینٹ اور دیگر فرنیچر لانے لے جانے کی ذمہ داری مجید کے سپرد کی تھی..... مینو خود بنایا تھا..... کیٹرنگ کے لئے ظفر کا انتخاب تھا..... یہ سارا کام واحد کے سپرد کیا تھا..... کولڈ ڈرنکس اور سویٹس میں قلفہ امانت علی کی ڈیوٹی لگائی تھی..... سب کو خاص ہدایات دی تھیں..... کہ کسی کام میں ذرا سا بھی جھول نہ آئے..... دعوت ایسی ہو کہ لوگ واہ واہ کہہ اٹھیں..... جتنی دعوتیں وہ اب تک کھا چکی تھی..... ان سب سے آگے بڑھنا چاہتی تھی..... دعوت بیرونی لان میں ہونا تھی..... اس لان کو جگ مگ کرنے کا اس نے بطور خاص مجید سے کہا تھا..... بلکہ گراؤنڈ میں ہلکا پھلکا میوزک بھی اسی کی ذمہ داری تھی۔

وہ سارا دن انہی کاموں میں لگی رہتی..... اس شام کامی گھر پر تھا..... لاؤنج میں بیٹھا اخبار دیکھ رہا تھا..... دو تین انگریزی کے میگزین بھی درمیانی میز پر پڑے تھے..... کوئی انہیں پڑھے یا نہ پڑھے زبیدہ نے یہ میگزین لگوا رکھے تھے..... انگریزی خود تو خاص پڑھ نہ سکتی تھی..... تصویریں ضرور دیکھتی تھی..... نئے زمانے کی نئی نئی چیزوں سے آگاہ رہنے کی اسے لگن تھی..... کبھی کبھی کوئی آرٹیکل فاروق یا کامی سے پڑھوا کر سمجھنے کی کوشش بھی کیا کرتی۔

زبیدہ ادھر آئی تو کامی نے اخبار چہرے سے قدرے ہٹا کر کہا..... "امی..... بہت مصروف رہتی ہیں آج کل آپ"۔

وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولی..... "اتنی بڑی دعوت کا اہتمام، انتظام جو کر رہی ہوں"۔

کامی نے اخبار میز پر رکھتے ہوئے پوچھا..... "کتنے لوگ اکٹھے کر رہی ہیں؟"

وہ مسکرا کر بولی..... "جتنے ملنے والے ہیں..... سب کو بیٹوں بیٹیوں سمیت بلایا ہے لگ بھگ اسی سو سے ہو جائیں گے"۔

"اتنے زیادہ"

"بھئی میل ملاقات ہی اتنی بڑھ گئی ہے..... اب کس کو چھوڑوں سب ہی کو بلالیا ہے"۔

کامی نے مشکوک سی نظروں سے ماں کو دیکھا اور ہولے سے بولا..... "زری خالہ کو بلایا"۔

زبیدہ نے اک تیز سی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے اس کی بات کاٹی..... "زری خالہ تو تیرے دل سے نکلتی ہی نہیں"۔

کامی سنجیدگی سے بولا..... "امی میرا بچپن لڑکپن حتیٰ کہ جوانی بھی ان کی قربتوں میں گزری..... کیسے نکال سکتا ہوں ان کو اپنے دماغ سے..... ان کا پیار مجھے بھول تو نہیں سکتا"۔

"اس کا یا اس کی بیٹی کا" زبیدہ نے تیکھی نظروں سے اسے گھور کر دیکھا۔

کامی صوفے پر پہلو بدل کر بیٹھا..... دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بولا..... "دونوں ہی کا"۔

"کامی" زبیدہ آتش زیر پا تھی مشکل اپنے آپ کو قابو میں کرتے ہوئے بولی..... "میرا بیٹا تھا تم اپنی بے عزتی نہیں بھول سکو گے"۔

"ہونہہ" کامی سنجیدگی سے ہنسا..... "بچپنے کی جذباتی غلطیاں حماقتیں..... ہونہہ"

"اچھا؟" زبیدہ غصے سے بولی..... "تو اب تک آس لگائے بیٹھا ہے"۔

"میں نے کوئی آس نہیں لگائی ہوئی امی"۔

"تو اس نے لگا رکھی ہو گی..... ہاں..... ہاں..... اب تو تو اس کے معیار پر پورا اتر سکتا ہے..... ڈورے ڈال رہی ہو گی"۔

"امی!" کامی کی آنکھیں سرخ ہو گئیں..... اس نے نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبالیا..... وہ صوفی سے اٹھ کھڑا ہوا..... زبیدہ نے دو تین بار غصے سے سر ہلایا۔

"امی" کامی نے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہا..... "امی نہ تو زری خالہ نے..... نہ ہی نیلما نے کوئی آس لگا رکھی ہے..... نہ ہی ہماری دولت نے ان کی آنکھیں خیرہ کی ہیں..... وہ امی تو اپنے ہی دکھوں میں گھری ہیں..... باقی میں آپ پر واضح کر دوں کہ مجھے کسی لڑکی میں کوئی دلچسپی نہیں..... آپ ناحق اتنی لڑکیاں اکٹھی کر رہی ہیں..... وہ"۔

زبیدہ نے پھر بات کاٹی..... "تجھے ایک ہی میں دلچسپی ہے نا..... اوروں"۔

"امی" اب کامی نے ماں کی بات کاٹی..... "نوری مجھے بچپن سے پسند ہے..... اس وقت سے جب میں پسند کا مفہوم بھی نہیں جانتا تھا..... امی جو پسند زندگی کے ساتھ شروع ہو کر زندگی کے ساتھ چلتی رہتی ہے..... وہ کبھی نہیں بدلتی"۔

زبیدہ نے ہراساں سے تعجب سے کامی کو دیکھا..... کامی کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے ہزاروں درد دل میں چھپائے ہوئے ہو..... لیکن اس نے ان کا اظہار زبان سے نہیں کیا.....ماں کے پاس بیٹھتے ہوئے اس کے گلے میں بازو ڈال کر بولا..... "امی..... میں نے یہ بات اس لئے کہہ دی ہے کہ اگر میں آپ کی پسند پر صاد نہ کر سکا..... تو آپ کو دکھ نہ ہو"۔

زبیدہ گنگ سی بیٹھی رہی۔

کامی اٹھتے ہوئے بولا..... "میں آپ کی مہمان لڑکیوں سے خوش اخلاقی سے ملوں گا لیکن مجھ سے کوئی توقع نہ رکھئے گا..... ویسے بھی میں نے ابھی شادی کا نہیں سوچا..... جب محسوس کروں گا کہ مجھے شادی کر لینا چاہئے تو یقین رکھئے..... آپ کی پسندیدہ لڑکی ہی آپ کی بہو بنے گی"۔

"کیا الٹی سیدھی ہانک رہا ہے..... ایک طرف تیری پسند نہیں بدلے گی..... دوسرا طرف تو میری پسند سے شادی کرے گا؟"

"آپ جس بات سے خوش ہوں گی میں وہی کروں گا"۔

"اور تیری پسند؟"۔

اس نے دکھ سے ایک گہری سانس کھینچی اور ہولے سے بولا..... "وہ میرا ذاتی معاملہ ہوگا امی"۔

"یعنی تو اس کا خیال نہیں چھوڑے گا"۔

"مر کر ہی چھٹے گا..... لیکن میں نے کہا نا یہ میرا ذاتی معاملہ ہوگا..... میں اس سلسلے میں آپ سے کوئی رعایت طلب نہیں کروں گا"۔

زبیدہ نے ماتھے پر ہاتھ مارا..... وہ تذبذب میں مبتلا ہو گئی تھی..... بار بار کامی کی طرف تک رہی تھی..... جس کے چہرے پر خوشی کی کوئی رمق نہ تھی۔

وہ چند لمحے ٹی وی کے پاس کھڑا رہا..... پھر گاڑی کی چابی اٹھائی اور لاؤنج سے باہر نکل

زبیدہ نے سر ہاتھ پر گرا لیا۔

وہ کیا کرے۔

اسے کچھ پتہ نہ چل رہا تھا۔

بہر طور

تقریب ہوئی اور خوب شاندار ہوئی..... سب مدعوئین حاضر تھے..... خوب ہلا گلا اور ہا ہو بھی تھی..... انتظام بہترین تھا..... کھانا خوش ذائقہ..... اہل خانہ کی مہمان نوازی لاجواب..... غرضیکہ یہ ایک کامیاب دعوت تھی..... لوگ تعریفوں کے پل باندھ رہے تھے۔

لیکن زبیدہ کے اندر مایوسی ڈھلی ہوئی تھی..... دعوت میں شریک لڑکے اور لڑکیاں آپس میں گھل مل کر باتیں کر رہے تھے..... کامی میزبانی کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے رہا تھا..... گپ شپ بے تکلفی سے کر رہا تھا..... انکل واہلا کے انجینئر بیٹے کمال سے تو اس کی دوستی ہو گئی تھی..... اپنے طور پر ملتے رہنے کی دونوں نے خواہش کی تھی..... لیکن زبیدہ جو چاہتی تھی وہ مقصد پورا نہ ہوا۔

دعوت اختتام پذیر ہوئی..... تو زبیدہ نے ہولے سے کامی سے پوچھا..... "لڑکیاں کیسی لگیں"

"سب اچھی تھیں" کامی نے اندر ہی اندر الجھتے ہوئے کھرا جواب دیا۔

"کوئی ایک؟" اس نے پھر بھی سوال داغا۔

"سب برابر" کامی نے مختصراً کہا..... اور ماں کے سامنے سے کھسک کر ادھر ادھر ہو گیا۔

☆☆☆☆

شام اتر رہی تھی...... پنچھی پکھیرو دن بھر کی اڑانوں کے بعد آشیانوں کو لوٹ رہے تھے...... گرمی کی حدت و شدت قدرے کم ہو گئی تھی...... ہوا بند تھی...... تاہم کسی جھونکے کا گزر ہو جاتا...... تو راحت جان ہوتا...... گو موسم ابھی پورے جوش و خروش سے وارد نہیں ہوا تھا...... پھر بھی دوپہروں کے سینے تپنے لگے تھے...... رات البتہ ابھی ٹھنڈی تھی...... گلیوں محلوں میں اکثریت چھتوں پر سوتی تھی...... پیڈسٹل پنکھوں کی ہوا فرحت بخش لگتی...... کسی کسی صاحب حیثیت کے ہاں اے سی بھی لگے تھے...... لیکن ابھی چلائے نہیں گئے تھے...... کچھ گھر ایسے بھی تھے جہاں پیڈسٹل پنکھے بھی نہ تھے...... گرمی فی الحال شدید نہیں تھی...... اس لئے ان کی راتیں بھی اچھی گزر رہی تھیں۔

سینہ نے رات کے کھانے کے لئے آلو ٹماٹر بھون رکھے تھے...... روٹی وہ حیدر کے آنے پر تازہ ہی پکاتی...... بچوں کو سر شام ہی کچھ کھلا پلا دیتی...... رات سونے سے پہلے ایک ایک پیالی دودھ ککو اور پنکی کو ضرور پلا دیا کرتی۔

ان دنوں حیدر اوور ٹائم لگا تا تھا...... پہلے تو عزیز کی بیماری میں لیا گیا قرضہ اتارنے کے لئے کام کرتا تھا...... اب قرضہ تو اتر گیا تھا...... پر کام کرنے کی عادت پڑ گئی تھی...... چار پیسے آ ہی جاتے تھے...... سینہ نے پہلے تو اس کے دیر تک کام کرنے پر اعتراض کیا...... لیکن جب حیدر نے سمجھایا اور خود اس کے ہاتھ میں فالتو پیسے آنے لگے...... تو اعتراض کرنا چھوڑ دیا...... ان کی تنخواہ زیادہ نہ تھی...... چند ماہ پہلے ہی تو حیدر ہیڈ کلرک ہوا تھا...... کھینچا تانی کر کے وقت گزرتا تھا...... اوور ٹائم سے پیسے آ جاتے تھے...... اس سے قدرے سہولت ہو جاتی تھی۔

سینہ کا دو کمروں کا چھوٹا سا گھر صاف ستھرا تھا...... جہیز کا معمولی سا فرنیچر اس نے

[دو]نوں کمروں میں سجا رکھا تھا...... شادی کے بعد تو کوئی چیز لینے کی ہمت ہی نہ ہوئی تھی...... [وہ] صاف ستھری عورت تھی...... اس لئے معمولی چیزوں کو بھی بنا سنوار کر رکھتی تھی...... [چھو]ٹا سا باورچی خانہ بھی صاف ستھرا تھا...... سٹیل کے برتن مانجھ کر اس نے شیشے کی [ط]رح چمکا رکھے تھے...... پچھلے سال گیس اس محلے میں آ گئی تھی...... سینہ لکڑی کوئلے اور تیل [کے] چولہے سے تنگ آئی ہوئی تھی...... برتنوں کے علاوہ دھوئیں سے دیواریں اور چھت بھی [کا]لی ہو جاتی تھی...... اس لئے سینہ نے سب سے پہلے گیس لگوائی تھی...... چولہا خریدا تھا...... [پچھ]لی سردیوں میں چھوٹا سا ہیٹر بھی لے لیا تھا۔

سینہ اپنے حال میں خوش تھی...... دو پیارے پیارے بچے تھے...... حیدر شریف النفس [او]ر محنتی انسان تھا...... میاں بیوی کے مزاجوں کی ہم آہنگی نے زندگی کو دشوار اور تکلیف دہ [ن]ہیں بنایا تھا...... جو کچھ تھا...... زیادہ تو نہیں تھا...... لیکن گزر بسر امن سے ہو جاتی تھی...... [د]ونوں خوش تھے۔

سینہ نے تھوڑی دیر پہلے بچوں کو نہلا دھلا کر صاف کپڑے پہنا دیئے...... یہ اس کا روز کا [م]عمول تھا...... حیدر کے آنے سے پہلے وہ خود اور بچے صاف ستھرے کپڑے پہن کر تیار ہو جاتے تھے...... حیدر انہیں کبھی بازار لے جاتا...... کبھی سینہ کی امی کی طرف اور کبھی بڑے [ت]ائی کے ہاں لے جاتا...... آج سینہ اماں کی خبر گیری کے لئے جانے والی تھی...... بچوں کو تیار [ک]رنے کے بعد اس نے خود بھی جامنی ریشمی جوڑا پہنا...... بال بنائے...... میک اپ کیا اور کانوں [میں] لمبے لمبے آویزے پہن کر اپنے پرانے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے سراپا پر [نگ]اہ ڈالی...... وہ خوش شکل تھی...... ویسے بھی گورے رنگ میں چہرے کا ہر عیب دب جاتا ہے...... گورے رنگ پر میک اپ...... شوخ رنگ کے کپڑے اور جڑاؤ آویزے بھلے لگ رہے تھے۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

"حیدر آج جلدی آ گئے؟" اس نے ڈھلتی شام کی روشنی صحن میں اترتے دیکھ کر کہا...... [بچے] بھی بیرونی دروازے کی طرف...... "ابو آ گئے...... ابو آ گئے" کرتے بھاگے۔

"ٹھہرو" سینہ کمرے سے سرخ اینٹوں والے صحن میں آتے بولی...... "میں کھولتی ہوں

دروازہ" پیچھے ڈیوڑھی ہی میں رک گئے۔

سبینہ دوپٹہ ٹھیک سے کندھوں پر ڈالتے ہوئے ڈیوڑھی میں گئی...... اور دروازے کے قریب جاکر پوچھا...... "کون ہے ؟"

"ہم ہیں" جواب میں بڑے دلار سے نوری نے کہا۔

"کون ؟" سبینہ نے آواز پہچاننے نہ پہچاننے کے بین بین دروازہ کھول دیا۔

"السلام علیکم سبینہ چاچی" دروازہ کھلتے ہی نوری بڑھ کر سبینہ سے لپٹ گئی...... وہ آج جیسے قید و بند کی صعوبتوں سے نجات پاکے آئی تھی...... بے طرح خوش تھی۔

"اوہ نوری" سبینہ نے پیار سے اسے دوبارہ لپٹالیا...... نوری کا من خوشی سے پھول گیا...... چاچی نے اتنی خوشی سے جو خوش آمدید کہا تھا۔

دونوں ڈیوڑھی کے اندر دروازے کے قریب ہی گلے مل جل کر حال احوال پوچھ رہی تھیں سبینہ کے رویئے سے زری کی ہمت بھی بندھی...... ہاتھ میں پکڑے کپڑوں کے بڑے بڑے لفافے زمین پر رکھتے ہوئے خوشی سے بولی...... "بھئی میں بھی آئی ہوں...... خود ہی ملے جاؤ گی...... مجھے بھی تو ملنے دو"۔

سبینہ نے نوری کو چھوڑ کر زری کی طرف دیکھا اور بولی...... "آیئے بھابی"۔

دونوں گلے ملیں۔

زری اور نوری اس پر تپاک خیر مقدم پر بہت ہی خوش ہوئیں۔

سبینہ زری سے مل چکی تو بولی...... "اندر آئیں نا...... یہیں ڈیوڑھی میں کھڑے رہنا ہے"۔

دونوں ماں بیٹی سبینہ کے ساتھ اندر آئیں۔

نوری بچوں کو لپٹا لپٹا کر انہیں پیار کرنے لگی...... زری نے لفافے صحن میں ایک طرف رکھتے ہوئے گگو اور پنکی کو پیار سے بلایا۔

سبینہ ان کے آنے سے خوش ضرور ہوئی تھی...... لیکن جب اس کی نظر کپڑوں کے بھاری بھر کم لفافوں پر پڑی...... تو شام کی اترتی تاریکی چند لمحوں کے لئے اس کے چہرے پر پھیل گئی...... اسے احساس ہو گیا کہ ماں بیٹی انہیں صرف ملنے نہیں آئیں...... بلکہ لمبے دورے پر

ئی ہیں"۔

نوری اور زری صحن کے کونے میں بچھی چارپائی پر بیٹھ گئیں...... سبینہ نے اپنے چہرے پر تی شام کی تاریکی کو زیادہ پھیلنے نہیں دیا...... مسکرا کر بولی...... "کیسی ہیں آپ دونوں...... ے دنوں سے میں آپ کو دیکھنے آنا چاہ رہی تھی"۔

"پھر آئی کیوں نہیں چاچی" نوری نے پنکی کو بازو کی لپیٹ میں لیتے ہوئے کہا۔

"بس...... جھجک سی تھی...... تم لوگ اب کوٹھی میں رہتی ہو...... نانی ماں کا ساتھ ہے" نہ نے کہا۔

"ہونھ" نوری نے ہنکارا بھرا...... لیکن اس کے کچھ کہنے سے پہلے زری بولی...... "آنا تو ایک طرف تم لوگوں نے تو کبھی فون بھی نہیں کیا...... شروع شروع میں ہفتے میں ایک آدھ بار یدر فون کر لیتا تھا...... اب وہ بھی بھول کر بھی فون نہیں کرتا"۔

"بس بھابی حیدر تو بہت مصروف ہوتے ہیں...... دیکھ لیں ابھی تک نہیں آئے...... وہ جو رضے کے پیسے دینے تھے نا...... اسی کے لئے اوور ٹائم لگاتے ہیں...... فرصت ہو تو فون بھی یں"۔

زری چپ ہو گئی...... عزیز کی بیماری کے لئے حیدر نے دو تین جگہ سے قرضہ لیا ا...... یہ قرضہ اس نے خود ہی اتارنے کی پیشکش کی تھی...... سبینہ کی بات سے زری کا دکھا لا کچھ اور دکھ گیا...... نوری بچوں سے کھیلنے لگی۔

"تم کہیں جا تو نہیں رہی تھیں ؟" زری نے سبینہ کے سراپا پر نگاہ ڈالی۔

وہ ساختہ سی مسکراہٹ سے بولی...... "جانا تو تھا...... پر خیر آج نہیں جائیں گے...... اماں طبیعت کچھ اچھی نہیں رہتی اسے دیکھنے جانا ہوتا ہے...... دوسرے چوتھے دن"۔

زری جلدی سے بولی...... "تو ہو آنا"۔

"نہیں اب آپ آئی ہیں...... تو میں ادھر چلی جاؤں" سبینہ نے کہا۔

"چاچی" نوری اترا کر بولی...... "آپ اپنا پروگرام ملتوی نہ کریں...... ہم ابھی یہیں رہیں ...... تکلف نہ برتیئے"۔

سبینہ نے یونہی سر ہلا دیا...... کپڑوں کے بھاری بھاری لفافوں کی تصدیق ہو گئی تھی......

یہ لوگ دو ایک دن کے لئے نہیں آئی تھیں۔

بہر حال

سینہ نے ان دونوں کا خیر مقدم بظاہر اچھی طرح ہی کیا..... انہیں چارپائی پر بٹھایا..... اور خود باورچی خانے میں چائے بنانے لگی..... اس نے پڑوسی لڑکے کو بلا کر چائے کے ساتھ کھانے کے لئے کیک رس بھی منگوائے..... دو پیالیوں میں چائے بھر کر اس نے کیک رس پلیٹ میں رکھے اور ان کے سامنے رکھ دیئے..... نوری رغبت سے چائے نہیں پیتی تھی..... لیکن آج چاچی کی بنائی ہوئی چائے پینے میں اس نے تامل نہیں کیا..... بلکہ آج جو اس کو کر چائے کا مزہ آیا..... وہ بڑے بڑے ہوٹلوں کی چائے میں بھی نہیں آیا تھا کبھی۔

شام گہری اتر آئی تھی..... جب حیدر نے اپنی سائیکل ڈیوڑھی میں دیوار کے ساتھ کھڑی کی..... ککو، پنکی کے ساتھ نوری بھی دوڑی..... حیدر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا.....

"تم کہاں نوری..... کب آئیں..... کس کے ساتھ آئیں..... ٹھیک تو ہو نا..... بھابی بھی آئی ہیں" اس نے ایک ہی بار سارے سوال کر ڈالے..... نوری نے مسکراتے ہوئے سلام کیا..... جواباً اس نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا..... وہ سب صحن میں آ گئے..... تو حیدر نے زری کو چارپائی پر بیٹھے دیکھا..... بڑے مہذب طریقے سے اسے سلام کیا..... زری نے بھی شفقت سے جواب دیا۔

"کیسے آنا ہو گیا بھابی" خیر خیریت پتہ کرنے کے بعد حیدر نے کہا..... تو زری مسکرا کر بولی..... "ہم دیکھنے آئے تھے کہ تم لوگ یہاں ہی ہو..... یا کسی دوسرے شہر میں تبدیل ہو کر چلے گئے ہو"۔

"اوہ بھابی" وہ خفت سے مسکرایا..... "معاف کر دیں..... کام میں اتنا الجھا تھا..... کہ آپ لوگوں کی خیر و عافیت بھی نہ معلوم کر سکا..... اچھا ہوا آپ خود ہی آ گئیں"۔

پاس کھڑی سینہ ہنس کر بولی..... "جب سے آئی ہیں..... طنز کر رہی ہیں..... حیدر آپ کو تو چاہیئے تھا نا فون کر کے خیریت دریافت کرتے رہتے"۔

"بس یار شرمندہ ہوں کوتاہی ہو گئی..... اب یہ آ گئی ہیں..... تو اتنی خوشی ہوئی ہے کہ شرمندگی کا نام نہیں رہا"۔

سینہ ایک لوہے کی کرسی اٹھا لائی حیدر بیٹھ گیا..... سینہ نے حیدر کے لئے بھی چائے ..... پھر سب باتیں کرنے لگے..... عزیز کو یاد کر کے سب روئے بھی۔

رات کا کھانا بھنے ہوئے آلو تھے..... حیدر روسٹ چکن لے آیا..... روغنی نان اور وہی ..... سب نے مل جل کر کھایا..... حیدر بار بار نوری کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتا رہا..... ..ری اتنی خوش تھی کہ زمین پر پاؤں نہیں پڑتا تھا۔

تین چار دن خوب گہما گہمی میں گزرے..... حیدر رات گئے تک نوری اور زری سے ..یں کرتا رہتا..... صبح اس کے دفتر جانے کے بعد تینوں مل کر جلدی جلدی کام نپٹا لیتیں..... ..ر سینہ اور نوری تیار ہو کر کبھی کسی کے ہاں ملنے چلی جاتیں..... کبھی اچھرے کا چکر ..لگتیں..... سینہ سستی سستی چیزیں خرید کر خوش ہوتی..... ان کے ادھر ادھر جانے کے ..زری مشین لے کر بیٹھ جاتی اور نوری اور اپنے لئے خریدے ہوئے وائیل کے جوڑے سینے ..تی..... یوں ایک ہفتہ گزر گیا..... سینہ کا مہمانداری کا شوق اب ٹھنڈا پڑ گیا تھا..... وہ کچھ سرد ..ری ہوتی جا رہی تھی..... پر نوری بہت خوش تھی۔

لیکن

خوشیوں کی طوالتیں شاید نوری کے نصیب میں نہ تھیں..... اس دن بھی کاموں سے ..ارغ ہو کر نوری نہا دھو کر نیا وائیل کا جوڑا پہن کر تیار ہوئی تو سینہ تیار نہ ہوئی۔

"چاچی..... آج کہیں نہیں جانا" نوری نے اس سے پوچھا تو وہ قدرے سرد مہری سے ..لی..... "تو اب روز روز ہی گھومنے جانا ہو گا..... بھئی گھر سے ایسے ہی تو نکلا نہیں جاتا ناپیے ..خرچ ہوتے ہیں"۔

"اچھا کوئی بات نہیں..... کل سہی" نوری اپنے لمبے سیاہ بالوں کو سمیٹتے ہوئے بولی..... ..اس کے بدلے لہجے سے اس کے اندر کچھ ٹوٹ پھوٹ ہوئی..... لیکن اس نے اپنے آپ کو جلد ہی ..سنبھال لیا..... اس نے محسوس کیا کہ وہ بے حد حساس ہو گئی ہوئی ہے..... وہ کمرے میں آ کر ککو ..پنکی سے کھیلنے لگی..... اس نے بچوں کو ٹافیاں اور چاکلیٹس دیں..... جو حیدر چچا اس کے لئے ..تقریباً روزانہ شام کو لایا کرتا تھا۔

اتفاق ہی سے سینہ اندر آ گئی..... وہ شاید ہانڈی پکا رہی تھی..... کوئی چیز لینے اندر آئی

تھی..... بچوں کے ہاتھ میں چاکلیٹس اور ٹافیاں دیکھ کر حیرانگی سے پوچھا..... "یہ کہاں سے لیں"۔

"نوری باجی نے دی ہیں" ٹکو بولا..... سینہ نے نوری کی طرف دیکھا تو وہ ہنس کر بولی..... "حیدر چچا شام کو لائے تھے میرے لئے..... پرسوں بھی لائے تھے..... میں نے نہ کھائی نہیں انہیں دے دیں"۔

سینہ کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے..... "بچوں کے لئے تو اتنی مہنگی چاکلیٹس کبھی لائے نہیں..... تم خوش قسمت ہو..... جو تقریباً روز ہی کچھ نہ کچھ لے آتے ہیں تمہارے لئے"۔

شام حیدر پھر لفافے میں چاکلیٹس اور اچھی قسم کی ٹافیاں لے آیا..... اس نے لفافہ نوری کی طرف بڑھایا..... تو ٹکو نے اچک کر لفافہ پکڑنا چاہا..... حیدر نے اسے ڈانٹا..... "یہ باجی کے لئے ہیں"۔

"نہیں چاچو" نوری سینہ کے تیور دیکھ کر گھبرا گئی..... بولی..... "دیں نا ٹکو کو..... میں تو کھاتی نہیں..... آپ نہ ہی لایا کریں میرے لئے"۔

نوری نے لفافہ ٹکو کی طرف بڑھایا تو سینہ چیل کی طرح جھپٹی..... بچے کے ہاتھ سے لفافہ چھین کر چارپائی پر بیٹھی نوری کے سینے پر مارا اور بچے کو تھپڑ لگا کر گھسیٹتے ہوئے کمرے میں لے گئی..... زری حیدر اور نوری حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے..... پھر حیدر جلدی سے اٹھ کر اندر گیا..... سینہ بچے کو اب بھی پیٹ رہی تھی۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں" اس نے بچے کو اپنی طرف کھینچا..... "پاگل تو نہیں ہو گئیں..... بات کیا ہے..... جس پر تمہیں اتنا غصہ آ رہا ہے..... کہ بچے کی جان کو آ گئیں"۔

"مت کرو مجھ سے بات" سینہ غصے سے تیز آواز میں بولی..... "جاؤ جا کے سنبھالو اپنے مہمانوں کو..... خوش کرو انہیں چیزیں دے دے کر..... اس کے لئے لائی ہوئی چیز نہ ہے کیوں لیں..... تم بچوں کے لئے کیا لائے ہو..... تمہیں تو ان دنوں اپنے بچے یاد ہی نہیں..... وقت انہی کی دلداریوں میں لگے رہتے ہو"۔

"بکواس بند کرو" حیدر بھی زور سے پاؤں پٹختے ہوئے بولا..... "تکلیف ہو گئی ہے تمہیں

میرے رشتہ داروں کے آنے سے..... اتنا کم ظرف ہے تمہارا..... چار دن یہاں رہ جائیں گی تو تمہارا کیا بگڑے گا..... تمہاری بہن بھائی آتے رہتے ہیں..... میں نے تو کبھی اتنی کمینگی کا مظاہرہ نہیں کیا"۔

"ہاں جی میرے بہن بھائی تو تم پر ہی پڑے ہیں نا..... صبح آئے شام کو چلے گئے..... مہینوں کا پروگرام بنا کر نہیں آتے"۔

"سینہ اب آگے کچھ نہ کہنا..... میں کئی دنوں سے تمہارے تیور دیکھ رہا ہوں..... مت بولنا کچھ"۔

"کیا کرو گے..... گھر سے نکال دو گے"۔

"تم بہت بڑھتی جا رہی ہو"۔

ان کی تو تکار سن کر ماں بیٹی سن سی ہو گئیں..... زری نے معنی خیز نظروں سے نوری کی طرف دیکھا..... نوری کی تو ہوائیاں اڑنے لگی تھیں..... سینہ کے رویئے نے اسے ایک دم ششدر و مبہوت کر دیا تھا..... چاچا ہر شام اس کے لئے کھانے پینے کی چیز لاتا تھا..... سینہ کو برا لگتا تھا..... یہ بات نوری نے بڑے ہی غیر محسوس انداز میں محسوس تو کی تھی..... لیکن یہ پتہ نہ تھا کہ چچا کی اس حرکت سے چاچی کے اندر لاوہ پک رہا ہے..... وہ خود بھی تو اس پر چند دن پریشان ہوئی تھی..... لیکن چچا کی مہربانی سے اسے سخت تکلیف ہوئی تھی..... حیدر کی نوری اور زری میں دلچسپی سینہ کو بری طرح کھلنے لگی تھی۔

زری چارپائی سے اٹھ کر اندر جانے لگی تو نوری نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے بٹھا لیا..... امی آپ ان کی باتوں میں کچھ نہ بولیں"۔

زری بیٹھ گئی۔

دونوں ماں بیٹی اپنی جگہ نادم نادم سی تھیں۔

حیدر اور سینہ میں جھگڑا روز ہی ہونے لگا۔

"بڑوں کا کہنا ہے کہ آپ کسی کے گھر مہمان جائیں..... اور میزبان میاں بیوی کی لڑائیاں شروع ہو جائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ وہ آپ سے تنگ آ گئے ہیں..... اس لئے عزت سے واپسی کی راہ اختیار کر لیں..... "زری نے یہ بات نوری سے کہی..... تو اس کے چہرے پر

اذیت و کرب سے دھندلاہٹ پھیل گئی۔

"ہمیں واپس جانا چاہئے" اس نے نوری سے کہا۔

"کہاں؟ کہاں واپس جائیں گے امی...... میں اس گھر میں واپس نہیں جاؤں گی" رندھی آواز میں بولی۔

"تو کہاں جاؤ گی"۔

"کہیں لے جاؤ مجھے وہاں نہیں لے جانا...... میں مر جاؤں گی امی...... مر جاؤں گی" ماں کے کندھے سے لگ کر رونے لگی۔

سبینہ کمرے میں آئی تو اسے روتا دیکھ کر بولی...... "اسے کیا ہوا ہے"۔

زری کچھ نہیں بولی...... تو سبینہ تڑاخ سے بولی...... "ہم میاں بیوی ہیں...... لڑیں مریں جو کچھ کریں...... تم لوگوں کو تو کچھ نہیں کہا نا...... تمہاری تو خدمت خاطر کر ہی رہے ہیں...... رات مرغی تمہاری خاطر پکی تھی...... صبح گوشت کریلے پکانے کے لئے لے آیا ہے...... ہم روز اس قسم کی عیاشی تھوڑا ہی کرتے ہیں۔ یہ پھر بھی روتی ہے...... تو"۔

وہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئی...... نوری نے سر اٹھایا...... چاچی کو دیکھا اور گلوگیر آواز میں بولی...... "ہم بے ٹھکانہ ہو گئے ہیں...... کوئی چھت نہیں جس کے تلے ہم عزت سے رہ سکیں"۔

وہ پھر رونے لگی۔

"ہونہہ" سبینہ منہ بنا کر کمرے سے نکل گئی...... نوری نے جب یہاں آئی تھی...... ماں اور نانی کے گھر کی ساری باتیں اسے سنائی تھیں...... پر اس پر اب ان کا کوئی اثر نہ تھا...... ماں بیٹی کا بار لگتا تھا وہ زیادہ دن برداشت نہیں کرنے کی۔

ڈھیٹوں کی طرح ماں بیٹی چند دن اور وہیں رہیں...... لیکن سبینہ کی طرف سے ایک اور ایسی بات ہوئی کہ زری کے لئے وہاں ایک دن بھی رہنا ممکن نہ رہا۔

سبینہ کے ذہن میں ایک فتور آ گیا...... اسے حیدر پر شک ہونے لگا...... کہ وہ زری کی دلداریاں کچھ زیادہ ہی کرتا ہے...... کئی دن تو وہ اندر ہی اندر کڑھتی سلگتی رہی...... لیکن ذہن کا جب ایک بار پٹڑی سے اتر جائے تو پھر اسے واپس لانا بہت مشکل ہوتا ہے۔

اس کے اس شک کو پڑوسن فاخرہ کی باتوں نے اور ہوا دی...... اس نے جب زری یہاں آئی تھی تو سبینہ سے کہا تھا...... "سہاگن بھابی ماں بہن کی طرح ہوتی ہے...... لیکن جوان بیوہ بھابی سوکن بھی بن سکتی ہے"۔

یہ بات سبینہ کے ذہن میں بیٹھ گئی تھی...... شک کی نظر اندھی ہوتی ہے...... آپ جو کچھ سوچ رہے ہوتے ہیں وہی آپ کو احساس ہوتا ہے کہ دیکھ رہے ہیں...... حالانکہ ہوتا کچھ بھی نہیں...... سوچ کی بھی ہزاروں جہتیں ہوتی ہیں...... آپ کا انتخاب جس جہت کو منتخب کر لے...... آپ اسی طرف بڑھتے جاتے ہیں...... ذہن کوئی آہنی دیوار نہیں...... جس پر کوئی نقش نہ ڈالا جا سکے...... یہ تو خام مال کی طرح ہے...... مٹی کے گندھے ہوئے تودے کی طرح ہے...... اس پر نقش بہت جلدی بن جاتے ہیں...... سبینہ نے چند دن تو پڑوسن کی بات کا خاص اثر نہ لیا...... یہ بات لاشعور میں اتر گئی...... لیکن جب حیدر کی نوری کی دلداریوں اور زری کو تسلی دلاسے دینے میں زیادہ ہی دلچسپی محسوس کی تو یہ خوفناک بات پوری شدت سے ابھری...... نوری اور زری ایک آدھ ہفتہ رہ کر چلی جاتیں تو شاید یہ بات نہ ابھرتی...... انہیں آئے تیسرا ہفتہ شروع ہو چکا تھا اور سبینہ کو ان کے جانے کے آثار نظر نہ آتے تھے...... نہ ہی انہوں نے کبھی ان کے جانے کی بات کی تھی۔

ایک دن

سبینہ پھٹ ہی پڑی۔

بات معمولی سی تھی...... حیدر پکانے کے لئے آج مغز دے گیا تھا...... شادی سے پہلے اس نے کہیں زری بھابی کے ہاتھ کے بنے مغز کھائے تھے...... جاتے جاتے زری سے کہہ گیا تھا...... "بھابی آج مغز آپ بنائیے گا...... بڑی مدت ہوئی آپ کے ہاتھوں کے پکے مغز کھائے ہوئے"۔

"بنا دوں گی" زری نے جواب دیا...... "ویسے ہی بناؤں گی فکر نہ کرو"۔

سبینہ نے فرمائش اور اس کا جواب سن لیا تھا...... جل بھن ہی تو گئی تھی...... مغز وہ خود بھی بہت اچھے بناتی تھی...... لیکن شک کی بنیادیں چونکہ استوار تھیں...... اس لئے برداشت نہ کر پائی۔

اور

جب وہ مغز دھو کر صاف کر رہی تھی...... تو زری نے ملائمت سے کہا...... "آج تو میں بتا دیتی ہوں"۔

"کیوں" سبینہ نے خشمناک نگاہوں سے اسے گھورا...... وہ ڈر گئی...... لیکن پھر بھی سنبھلتے ہوئے بولی۔

"کوئی بات نہیں سبینہ...... آج میں بتا دیتی ہوں...... حیدر کہہ گیا تھا"۔

وہ نگاہیں گھماتے ہوئے بولی...... "اور کیا کہہ گیا تھا...... لاڈلی بھابی کو"۔

"سبینہ" زری نے غصے سے کہا۔

"جوش مت دکھاؤ...... میں جانتی ہوں جو کھیل کھیلا جا رہا ہے...... اپنا گھر تو برباد ہو گیا...... اب نیا ٹھکانہ ڈھونڈنے کے لئے میرا گھر برباد کرو گی"۔

"سبینہ" زری دونوں ہاتھوں میں ہاتھ پکڑ کر چیخی...... "بکواس بند کرو"۔

سبینہ کھلکھلا کر تمسخر سے ہنس پڑی...... "اتنی سادہ نہ تم ہو نہ میں...... تم بھی سمجھتی ہو اور میں بھی...... میں خاموش ہوں تو یہ نہ سمجھو مجھے کچھ پتہ نہیں"۔

"ہائے ہائے" زری نے گھبرا کر سینے پر دو تھپڑ مارے...... نوری جو پڑوس کے گھر اپنی ہم عمر بیٹی سے ملنے گئی تھی...... عین اسی وقت گھر آئی...... تو ماں کو دو تھپڑ مارتے دیکھ کر گھبرا کر بولی...... "کیا ہوا امی"۔

زری پر تو جیسے غشی طاری ہونے کو تھی...... وہ لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹی اور چارپائی پر گر گئی...... نوری سخت پریشان ہو گئی۔

"امی...... امی...... کیا ہوا" اس نے ماں کو جھنجھوڑا...... تو زری اٹھتے ہوئے بولی

"نوری جلدی کپڑے اکٹھے کرو...... ہم اس گھر میں ایک منٹ بھی نہیں رکیں گے"۔

"لیکن بات کیا ہے" نوری پھر بولی...... سبینہ کچن میں نل تلے بیٹھی اب برتن دھو رہی تھی...... مغز دھو کر اس نے ٹوکری میں نچڑنے کے لئے رکھ دیئے تھے۔

"چاچی" نوری اٹھ کر اس کی طرف آئی...... "کیا بات ہوئی ہے...... امی"۔

"ماں ہی سے پوچھو..." وہ اب بھی زہر اگل رہی تھی۔

"نوری" زری ایک دم اٹھ بیٹھی...... سخت غصے میں تمکنت آواز میں بولی...... "بتاتی ہوں تجھے...... ماں کے گھر میں تو زنجیر کی چوری ماتھے لگی تھی...... یہاں...... یہاں...... اس ظالم نے تو میرے کردار پر حملہ کر دیا ہے...... ہائے ہائے سبینہ...... اس سے تو اچھا تھا ہمیں دھکے دے کر گھر سے نکال دیتیں...... اتنا اوچھا اور خطرناک وار کیا ہے تو نے ہمیں نکالنے کے لئے...... حیدر میرے بھائیوں اور بچوں جیسا ہے"۔

"ہونہہ...... جانتی ہوں" سبینہ اٹھ کر دروازے میں کھڑی ہو گئی تو زری بھوکی شیرنی کی طرح اس پر جھپٹنے کو بڑھی...... "تو نے میرے بے داغ کردار پر کیچڑ اچھالا...... مجھے حیدر کے نام سے بدنامی لگائی...... میں تمہارا گلا دبوچ دوں گی...... مار ڈالوں گی تمہیں...... جس نے میرے اوپر شک کیا"۔

وہ تو شکر ہے نوری آ گئی تھی...... وہ ماں اور سبینہ کے درمیان آ گئی تھی...... ورنہ ایک آدھ خون نہ بھی ہوتا تو سر پھٹول ضرور ہو جاتا تھا۔

سبینہ ڈر کر اندر بھاگ لی...... نوری ماں کو تھامے کھڑی تھی...... زمین آسمان گھوم رہے تھے...... آنکھوں میں اندھیرا اتر رہا تھا...... لگتا تھا سر پر بڑی سی چٹان آ گری ہے...... یہاں رہنا تو اب ممکن نہ تھا...... لیکن جہاں واپس جانا تھا...... نوری نہیں جانا چاہتی تھی...... اب کیا ہو گا...... کیا کریں گی وہ اب کدھر جائیں گی...... نوری کے ذہن میں ان سوچوں سے جھکڑ چل رہے تھے۔

زری کا غصہ کچھ کم ہوا...... تو اس نے فٹافٹ اپنی چیزیں اکٹھی کر کے دو لفافوں میں ڈالیں...... پھر چادر اوڑھی نوری کا کندھا پکڑ کر ڈیوڑھی کی طرف دھکیلا۔

"اماں کہاں جائیں گے ہم" نوری گھگھیائی...... تو زری نے تلخ و ترش لہجے میں کہا...... "جہنم میں"۔

سبینہ ڈر گئی...... کہ ان کے اس طرح چلے جانے سے حیدر یقیناً ناراض ہو گا...... اس لئے ان کے پیچھے پیچھے ڈیوڑھی تک آئی اور بڑبڑ کرتے بولی...... "شام حیدر کو تو آلینے دو...... چلی جانا آج ہی"۔

"حیدر کو باندھ رکھنا اپنے پاس ہی" سبینہ کو کھا جانے والی نظروں سے زری نے دیکھ کر

کہا...... "ہم کسی کے کچھ نہیں لگتے...... نہ ہمارا کوئی ہے" سینہ کھڑی رہی۔

"نوری چلو" ماں نے پھر اسے ٹھوکا دیا...... وہ بادل نخواستہ چل پڑی...... لیکن دروازے سے نکلتے ہی بولی...... "امی میں نے وہاں نہیں جانا"۔

"نہیں جانا تو مر جہاں جی چاہتا ہے" ماں نے اک دھموکہ اسے لگایا...... اس کے حواس ٹھکانے پر نہیں تھے...... غصہ نوری پر ہی نکال رہی تھی۔

"وہاں جانے سے تو اچھا ہے کہ دریا میں کود کر جان دے دوں...... بس کے نیچے آجاؤں...... کنویں میں چھلانگ لگادو"۔

"مر جا...... کم بخت مر جا...... تو نہ ہوتی تو اتنی مصیبتیں کیوں آتیں...... باپ کے ساتھ تو بھی سو جاتی قبر میں...... تو میری جان چھوٹتی" زری روئے جا رہی تھی...... غصے سے کھولے جا رہی تھی...... اور زندگی میں شاید پہلی بار نوری کو بددعاؤں کے ساتھ دھموکے لگا رہی تھی

نوری کسی طور نانی یا ماں کے ہاں نہ جانا چاہتی تھی۔

لیکن

وہاں جانے کے سوا جائے پناہ بھی کہاں تھی۔

رکشہ کوٹھی کی طرف جا رہا تھا...... اور نوری کے حواس جواب دے رہے تھے...... زری تو غم و غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

☆☆☆☆☆

"کون" نوری نے نانی کی بیرونی بیٹھک کا دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا...... تو سامنے کاشی کو کھڑے دیکھ کر ٹھٹک گئی۔

"تم؟" اس کے منہ سے نکلا۔

"ہاں میں" کاشی کے خوبصورت چہرے پر خوبصورت سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

نوری چپ ہی ہو گئی۔

کاشی ایک قدم آگے بڑھتے ہوئے بولا...... "پہچان نہیں پائیں...... سب کچھ ہی بھول گئیں...... بیٹھنے کو نہیں کہو گی...... اندر آسکتا ہوں"۔

وہ اس کی باتوں سے گڑبڑا سی گئی...... ویسے بھی جس حلیے میں تھی...... نادم ہونا ہی تھا...... نانی اپنے بھائی اشرف کے ہاں گئی تھی...... اور جاتے ہوئے اپنا کمرہ بیٹھک اور سٹور وغیرہ اچھی طرح صاف کرنے کا کہہ گئی تھی...... نوری اور زری جتنے دن حیدر کے ہاں رہی تھیں...... نانی کے حصے کی صفائی ٹھیک سے کب ہوئی تھی...... جہاں آراء نے زری کو کام پر لگایا ہوا تھا...... خود پیرنٹس ڈے پر بچوں کے سکول گئی ہوئی تھی...... دونوں ماں بیٹی گھر کی صفائی کر رہی تھیں...... جہاں آراء تو اب اعتماد سے ان کو گھر چھوڑ گئی تھی...... اس کی چین بیڈ کے گدے میں اٹکی ہوئی تھی...... چین مل جانے سے ذرا خفت بھی ہوئی تھی کہ ناحق ماں بیٹی پر الزام لگایا...... چین ملنے کا نوری اور زری کو بھی فیصل نے بتا دیا تھا...... زری تو الجھ پڑی تھی...... لیکن نوری نے کہا تھا...... "مل گئی ہے تو ہم کیا کریں...... نہ اس کے گم ہونے کا ہمیں ڈر تھا نہ مل جانے کی خوشی...... ہم چور نہیں ہیں" بات شاید جہاں آراء تک بھی پہنچ گئی تھی...... اسی لئے تو اس نے نوری سے قدرے نرمی سے باتیں کی تھیں...... لیکن اب نوری

گرمی نرمی سے بے نیاز ہو چکی تھی...... وہ صرف یہی سوچتی رہتی کہ اس جہنم کدے سے نکلنے کی کوئی راہ کیسے بنائے۔

کامی اسے خاموش کھڑے دیکھ کر کھنکارا...... وہ اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانا چاہتا تھا...... نوری نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"تم میں مہمان نوازی" کامی نے کچھ کہنا چاہا...... تو نوری گھبرائے گھبرائے بات کاٹتے ہوئے بولی...... "پوچھنے کی کیا ضرورت ہے...... دروازہ کھلا ہے آکر بیٹھ جاؤ"۔

کامی مسکراتے ہوئے آگے بڑھا...... کلف شدہ سفید شلوار قمیض میں ملبوس کامی اندر آکر کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ سکتا ہوں" وہ قدرے شوخی سے بولا۔

"چاہو تو" نوری نے دوپٹے سے اپنا چہرہ صاف کیا...... اماں کے کمرے کا قالین جھاڑا تھا...... تو بال چہرہ کپڑے سب خاک آلود ہو رہے تھے...... اسی طرح دروازہ کھولنے آگئی تھی۔

کامی ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کیسی ہو" اس نے بے تکلفی سے کہا۔

"جیسی دیکھ رہے ہو" وہ بھی برجستہ بولی۔

"بہت اچھی...... مجھے تو بچپن کی وہ نوری یاد آگئی...... جس کا پسندیدہ مشغلہ مٹی ریت کے ڈھیروں پر چڑھ کر کھیلنا ہوتا تھا...... کچھ یاد ہے تمہیں"۔

نوری اس کی باتیں سننا چاہتی تھی...... اس کے سامنے بیٹھنا چاہتی تھی...... لیکن اک روک مانع تھی۔

کامی کو رد کر دینے والی روک!

اس لئے وہ کوئی اور بات کہنے کی بجائے بولی...... "امی کو بلاؤں"

"کیوں؟"

"تم انہی سے ملنے آئے ہو نا"

"نہیں"

"تو پھر"

"میں تم سے ملنے آیا ہوں"

نوری کے گالوں پر سرخی لہرا گئی...... لیکن جلدی سے بولی...... "تم چاہتے کیا ہو"۔

"میں؟" کامی ریلیکس ہو کر صوفے سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا...... "میں کیا چاہتا ہوں؟ نوری تم جانتے ہوئے بھی مجھ سے پوچھ رہی ہو"۔

"میں کچھ نہیں جانتی"۔

"جھوٹ مت بولو...... اور اگر سننا ہی ہے تو سنو...... میں...... تمہیں...... چاہتا...... ہوں"۔

"کامی" نوری دروازے کے قریب پڑی کرسی کی پشت پکڑ کر گھمبیر اداس آواز میں بولی...... لگتا تھا اس کے آنسو جھلملاتی آنکھوں کی گرفت سے آزاد ہو کر بہہ نکلیں گے۔

"تم کیوں...... بار بار...... یہاں آجاتے ہو" وہ شاید رو دینے کو تھی۔

"کیوں نہ آؤں" وہ دھیمے لہجے میں بولا۔

"تمہیں نہیں آنا چاہئے"۔

"کیوں؟ آخر کیوں"

وہ دل پر پتھر رکھ کر لہجے میں تلخی پیدا کرتے ہوئے بولی...... "میں تمہیں...... رد کر چکی ہوں"۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑا...... پھر اپنے سیاہ چشمے سے کھیلتے ہوئے بولا...... "مجھے تم نے رد نہیں کیا تھا...... نوری بلکہ اس لڑکی نے رد کیا تھا...... جس کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے تھے...... جو ہواؤں میں اڑتی تھی...... جو زندگی کی بے رحمیوں سے ناآشنا تھی...... جو مسرتوں کی مصنوعی دنیا میں رہتی تھی...... جو خول میں بند تھی...... برف کے خول میں"۔

نوری کا سر جھک گیا۔

کامی اسی سنجیدہ لہجے میں بولے گیا...... "وہ برف کی سل تھی...... جو تمازت سے پگھل کر پانی بن گئی...... اور...... اور اب تو وہ پانی بھی سوکھ گیا ہے"۔

اس نے غور سے نوری کو دیکھا...... چند لمحے چپ رہا...... پھر آہستگی سے بولا...... "کیا میرا اندازہ غلط ہے؟"

وہ چپ رہی۔

وہ پھر اسی گھمبیر اور دل میں اتر جانے والے لہجے میں بولا...... "نوری...... میں نے...... تمہارے رویئے سے بہت دکھ جھیلا تھا...... پھر بڑی سچائی سے میں نے تمہارے سامنے ایک سچ بھی بولا تھا...... میں اس سچ پر آج بھی اسی مضبوطی سے قائم ہوں...... نوری...... میں یہ سب کچھ تمہارے سامنے کہنے کی کبھی جرات نہ کرتا...... اگر میں نے تمہیں اتنی سرعت سے بدلتے یا اپنی اصلی حالت میں آتے نہ دیکھا ہوتا"۔

وہ چپ ہو گیا۔

نوری بھی سر جھکائے کرسی کی پشت کو مضبوطی سے تھامے کھڑی...... کئی لمحے چپکے چپکے سرگوشیاں کرتے گزر گئے۔

"نوری" کامی جب کافی لمحے سرک گئے تو آہستگی سے بولا۔

نوری نے جھکا ہوا سر اٹھایا...... "ہوں"

"میں مان لوں کہ تم نے جو کچھ کہا تھا...... اک مصنوعی خول میں بند لڑکی کا ہیجانی فیصلہ تھا"۔

نوری اندر سے کانپ گئی۔

یہی وہ لمحہ تھا...... جو اسے خود غرض بھی ٹھہرا سکتا تھا...... اور اسے اس چکر سے نکال بھی سکتا تھا...... وہی سوال اس کی آنکھوں میں چمکا...... "اب کامی اتنا پیسے والا ہو چکا ہے...... جو تمہارے معیار پر پورا اترے...... کیا کامی کے لئے تم ایسے جذبات رکھتی ہو...... نہیں نہیں...... اس کے اندر پکار اٹھی...... اور اس نے سر ہلاتے ہوئے چیخ نما آواز میں کہا...... "کامی...... مت پوچھو مجھ سے ایسے سوال...... جو ہو چکا...... وہ...... وہ"۔

وہ چند لمحے رکی...... پھر بولی...... "مجھے اپنی دولت سے تسخیر کرنے کی کوشش نہ کرو"۔

"نوری" بے تاب ہو کر کامی اٹھ کھڑا ہوا...... "دولت کو درمیان میں مت لاؤ"۔

"یہ درمیان میں آ چکی ہے" وہ جواباً بے تابی سے بولی...... "تم اب ایک امیر تاجر ہو...... تمہارے پاس سب کچھ ہے...... میں...... یہ طعنہ کبھی سننے کو تیار نہ ہوں گی...... کہ اب تم دولت مند ہو گئے ہو...... اس لئے میرے معیار پر پورے اتر سکتے ہو"۔

"نوری...... یہ طعنہ تمہیں کون دے سکتا ہے"۔

"تم...... تمہارے گھر والے"۔

"اگر میں تمہیں یقین"۔

"وہ...... مت کچھ کہو کامی...... اس وقت جو فیصلہ ہو گیا تھا...... وہی سچ تھا" نوری اتنا کہتے ہوئے منہ چھپا کر بھاگ گئی...... وہ رو رہی تھی...... کامی جانتا تھا۔

وہ ایک بار پھر کنفیوژن کا شکار تھا...... نوری اگر اپنے فیصلے کی سچائی پر قائم تھی...... تو پھر افسردہ اور دلگیر کیوں تھی...... محبتوں کا اعتراف کیوں نہ کر پاتی تھی...... وہ اس سے دور نہیں تھی...... یہ کامی کا دل کہتا تھا۔

لیکن

وہ اس سے قریب کیوں نہیں تھی؟

یہ سوال پریشان کن تھا۔

نوری کے جانے کے بعد وہ چند منٹ چپ چاپ کھڑا رہا...... اس کا دماغ جیسے سن ہو گیا تھا...... وہ نوری کو سمجھ نہیں پا رہا تھا...... بلاشبہ نوری نے اک جذباتی فیصلے کے تحت اسے مسترد کیا تھا...... لیکن تب بھی اسے یقین نہ آیا تھا کہ وہ دل سے ایسا کر سکتی ہے، کیونکہ وہ اسے اس وقت سے جانتا تھا...... جب ایسی باتوں کا اسے شعور بھی نہ تھا اور اب بھی یہی یقین تھا...... جو نوری کے خیال کو وہ دل سے نہیں نکال سکتا تھا...... نہیں سوچ سکتا تھا کہ نوری اس سے کٹ چکی ہے...... دور ہو چکی ہے۔

وہ اسے واقعی ناپسند کرتی ہے۔

یہ بات تو وہ مر کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا۔

یہی یقین کی ڈوری اسے اب تک نوری سے باندھے ہوئے تھی...... اور اس بند حسن کی خاطر وہ یہاں چلا آتا تھا...... نوری سے ملتا تھا باتیں کرتا تھا...... اور جو خلا ان کے درمیان پیدا ہو گیا تھا اسے پر کرنے کی کوشش کرتا تھا۔

لیکن نوری نے بظاہر اس کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی تھی...... اس کے آنے پر کبھی خوشی کا اظہار بھی نہیں کیا تھا۔

پھر بھی

وہ یقین اور بے یقینی کے بین بین معلق تھا...... دل بجھ گیا تھا...... اداسی اور پریشانی اندر اتر گئی تھی۔

وہ

واپس جانے کو تھا...... کہ برآمدے سے زری گزری اس کی نظر کامی پر پڑی تو ادھر آتے ہوئے بولی...... "ہائے کامی تم...... کب آئے...... مجھے بلایا کیوں نہیں...... اندر ہی چلے آتے آج تو نہ اماں گھر پر ہے نہ جہاں آراء"۔

وہ اندر آ گئی۔

کامی نے افسردہ نظروں سے اسے دیکھا اور سلام کرتے ہوئے بولا...... "تھوڑی دیر ہوئی آیا تھا...... خالہ آپ کیسی ہیں...... ادھر سے گزر رہا تھا...... سوچا حال ہی پوچھتا چلوں"۔

"بیٹھو نا" زری نے دوپٹے کے آنچل سے ہاتھ پونچھتے ہوئے کہا۔

"میں چلتا ہوں خالہ" وہ وہیں کھڑا رہا۔

"ہائے ہائے کھڑے ہونے کے لئے آئے تھے...... بیٹھو نا...... تم نہیں جانتے تمہارے آنے سے میرے دل کا بوجھ کتنا کم ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں تو دو چار تسلی دینے کو باتیں ہی کر لیتے ہو"۔

وہ اندر آ کر کرسی پر بیٹھ گئی...... کامی کا دل رکنے کو تو نہیں چاہ رہا تھا...... لیکن بیٹھ ہی گیا۔

"کیا بات ہے" زری نے اسے سر جھکائے عینک سے کھیلتے خاموش پا کر کہا۔

"آں کچھ نہیں خالہ" وہ بولا۔

"تمہاری فیکٹری کیسی جا رہی ہے بہت بہت مبارک ہو"۔

"اللہ کا بڑا احسان ہے" وہ بولا...... "فیکٹری ہی جا رہا تھا...... سوچا آپ کی خیریت پوچھ لوں"۔

"فیکٹری ادھر ہی ہے"۔

"ادھر تو نہیں یہاں سے خاصی دور ہے...... لیکن راستہ یہی اچھا ہے"۔

"ہائے کامی...... پھر تو دوسرے چوتھے دن آ جایا کرو"۔

"خالہ میں دراصل...... تین ماہ کے لئے باہر جا رہا ہوں"۔

"اچھا پھر جا رہے ہو"۔

"یہ جانا آنا تو لگا ہی رہے گا...... کام کے سلسلے میں جاتا ہوں"۔

"خدا ہمت دے بیٹے...... جیتے رہو...... خدا اس سے بھی زیادہ دے...... اب تو بہت امیر ہو گئے ہو تم لوگ"۔

"خالہ...... آپ کا کامی وہی عاجز اور غریب بندہ ہے"۔

وہ ہنس پڑی...... "جتنی انکساری ہو اتنا ہی انسان عظیم ہوتا ہے"۔

"میں کچھ بھی نہیں ہوں خالہ...... بس آپ کی دعائیں ہیں...... جو محنت کا پھل مل رہا ہے"۔

دونوں کچھ دیر یہی باتیں کرتے رہے۔

پھر کامی بولا...... "آپ لوگ کیسی ہیں"۔

زری نے ٹھنڈی آہ بھری...... آنکھیں بھر آئیں...... لیکن مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی...... "بہت دکھی ہیں بیٹے...... نوری تو اتنی پریشان رہتی ہے...... کہ سمجھ نہیں آتا اس کا کیا کروں...... حیدر کے گھر چند دنوں کے لئے گئے تھے"۔

وہ جلدی سے بولا...... "مجھے پتہ ہے میں ایک دن آیا تھا تو عظمت صاحب نے بتایا تھا...... ہوا کیا تھا...... کچھ تو وقت اچھا گزرا ہو گا...... تبدیلی"۔

"اچھا؟ مت پوچھو" زری نے اپنی ہمیشہ متورم اور لال آنکھوں کو پونچھا اور حیدر کے ہاں کا سارا قصہ سنا دیا۔

کامی کو بے حد دکھ ہوا۔

"کسی کا قصور نہیں...... بات ہمارے مقدروں کی ہے بیٹے...... اندھیرے میں سایہ بھی جدا ہو جاتا ہے...... کون جانتا ہے رشتہ داری کو...... سوچا تھا کچھ دن اچھے گزر جائیں گے...... لیکن جس کے ہاں جائیں بیزار ہی ہیں"۔

وہ چپکے چپکے آنسو بہانے لگی۔

پھر بولی...... "نوری کا کیا کروں...... نہ وہاں پناہ ملی نہ یہاں عزت ملتی ہے...... وہ تو یہاں

سے بھاگ جانا چاہتی ہے..... ایک پل نہیں رکنا چاہتی..... کہاں لے جاؤں اسے"۔

وہ سسکیوں سے رونے لگی۔

کامی دکھ سے ٹھنڈی آہیں بھرتا رہا۔

"اس میں اب برداشت کی ہمت نہیں رہی..... کہاں ایسے حالات دیکھے تھے اس نے..... اب تو نوکرانیوں سے بھی بدتر حال ہے..... اذیتوں سے تنگ آکر کہتی ہے کچھ کرلوں گی ہائے کامی اس نے خودکشی"۔

"اللہ نہ کرے خالہ" کامی بے اختیارانہ بے قراری سے اٹھ کر اس کے قریب آگیا..... وہ روتے ہوئے بولی..... "جیسے حالات ہیں نا..... کسی دن سن لوگے"۔

"ہمت نہ ہاریں..... حوصلہ رکھیں اسے سمجھایا کریں..... اللہ بہتر کرے گا خالہ" کامی گھبرا گھبرا کر بولا۔

"کامی" زری نے دھندلائی آنکھوں سے اسے دیکھا..... "بیٹے اسے کہیں نوکری نہیں مل سکتی..... کوشش کر کے کسی سکول میں لگوا دو"۔

"ضرور..... خالہ ضرور..... آپ فکر نہ کریں..... میں باہر سے واپس آتے ہی اس کی نوکری کا بندوبست کروں گا"۔

"تمہارے آنے تک جانے کیا ہو جائے"۔

"ایسا نہ کہئے پلیز..... حوصلہ رکھئے..... میرے خیال میں آپ جو ہر وقت روتی رہتی ہیں اسی لئے وہ ہمت ہارے جاتی ہے"۔

"ہمت تو اب اس میں رہی نہیں..... ہائے میں کیا کروں..... کہاں لے مروں اسے..... کوئی ٹھکانہ تو ہے ہی نہیں..... وہ ہے کہ یہاں رہنے کا مان ہی نہیں رہی..... کبھی کہتی ہے مر جاؤں گی..... کبھی کہتی ہے اپنے گروپ میں شامل ہو جاؤں گی..... وہاں پڑیاں کھا کر کسیلے دھوئیں کے سگریٹ پی کر..... بوتل چڑھا کر ناچ گا کر سارے غم بھلا دوں گی....." کامی تو گرتی عمارت کی طرح کرسی میں ڈھے گیا..... اس کا رنگ فق ہو گیا..... اسے احساس تھا کہ مایوسی میں یہ لڑکی ان حدوں سے بھی گزر سکتی ہے۔

لیکن

وہ کیا کرے..... اسے کیسے بچائے وہ خود تو دو دن بعد باہر جا رہا تھا..... اس کی عدم موجودگی میں نوری نے کوئی ایسا قدم اٹھا لیا تو کیا ہوگا؟

سوچ سوچ کر اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا..... وہ کسی طور نوری کو ان ذلتوں سے ہمکنار ہونے دینا چاہتا تھا۔

لیکن

باہر جانا بھی ملتوی نہ ہو سکتا تھا..... ٹکٹ تک آچکا تھا..... سیٹ بک ہو چکی تھی..... اور پارٹیوں کو اطلاع دی جا چکی تھی۔

وہ ہاتھوں پر سر گرائے بیٹھا سوچتا رہا..... زری روتی رہی..... آنچل سے آنسو پونچھ پونچھ کر وہ اور آنکھیں لال کرتی رہی۔

"خالہ" کامی کافی دیر سر جھکائے بیٹھے رہنے کے بعد زری کی طرف دیکھتے ہوئے بولا..... "آپ اس طرح نہ کریں..... کچھ حوصلے سے سوچیں"۔

"کیا سوچوں؟" زری نے سرخ سرخ بھیگی بھیگی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا..... "میرا دماغ ماؤف ہونے لگتا ہے..... اس لڑکی نے کچھ کر لیا تو میں کیا کروں گی..... اسے کیسے بچاؤں..... کون سی راہ دکھاؤں..... چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا ہے..... کچھ سجھائی نہیں دیتا"۔

"خالہ گھبرانے سے کچھ نہیں ہوگا..... خدا بہتر کرے گا..... ہر اندھیری رات کی کوکھ سے ہی چمکیلی صبح جنم لیتی ہے"۔

زری روتے روتے تلخی سے ہنس کر بولی..... "میں بھی اسے یہی کہہ کر تسلی دینے کی کوشش کرتی ہوں..... لیکن پتہ ہے آگے سے کیا کہتی ہے"۔

"کیا؟"

"کہتی ہے اندھیری رات اجلی صبح کو جنم دیتی ہے..... بس لوگوں نے یہی سن رکھا ہے..... کبھی کسی نے یہ بھی سوچا ہے کہ اجلا دن بھی کالی رات کی گود میں دم توڑ دیتا ہے..... اور اجلا دن بھی کالی رات کا لقمہ بن چکا ہے"۔

کامی قائل تو ہوا..... لیکن زری کو تسلی دیتے ہوئے بولا..... "شب و روز کا چکر اسی

طرح چلتا رہتا ہے...... خالہ...... لیکن رات دن مقررہ وقت پر آتے جاتے رہتے ہیں...... نہ
راتیں برسوں پر محیط ہوتی ہیں...... نہ دن...... زندگی میں نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں......
آپ نوری کو یہ باتیں سمجھایا کریں"۔

"کسی کی بات نہیں سمجھتی...... تم سے بھی ناطہ توڑے بیٹھی ہے...... ورنہ...... شاید......
تم اسے کوئی راہ دکھا دیتے"۔

کامی کو اس بات سے بے حد دکھ ہوا۔

کیا وہ اس سے واقعی ناطہ توڑے بیٹھی تھی؟

لیکن

یہ بات اس کا دل کیوں نہیں مانتا تھا...... کیوں فریب دیئے جا رہا تھا...... فریب کھا کر
بھی اس نے امیدیں کیوں نہیں توڑی تھیں؟

وہ دلبرداشتہ سا ہو کر اٹھا۔

"جا رہے ہو" زری نے پوچھا۔

"ہاں خالہ بہت سے کام کرنے ہیں...... ہاں تو میں کہنے آیا تھا...... آپ کو کسی کام کی
ضرورت پڑے...... تو میرے آفس فون کر کے مجید نامی لڑکے کو بلا لیا کریں...... میں نے
اسے کہہ دیا ہے"۔

"جیتے رہو بیٹے...... جو مجھ ناچیز کا اب بھی اتنا خیال رکھتے ہو"۔

"ایسا نہ کہیں خالہ" کامی نے بڑھ کر اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ دیئے...... "میں آپ کا
تابعدار ہوں...... آپ مجھے حکم دے سکتی ہیں...... میں نے تو آپ کے ساتھ...... رابطے......
نہیں...... توڑے"۔

وہ مڑا

اور

خدا حافظ کہہ کر کمرے سے نکل گیا...... دلگیر اور افسردہ زری کے دل سے اس کے
لئے ہزاروں دعائیں نکلیں...... دکھ بھی ہوا...... کہ ایسے انمول ہیرے کو نوری نے ٹھکرایا
تھا۔

کامی گاڑی نکال کر لے گیا...... گیٹ ابھی کھلا ہی تھا کہ سفید رنگ کی ٹیوٹا اندر داخل
ہوئی...... زری نے برآمدے میں آتے ہوئے گاڑی پر نگاہ ڈالی...... گاڑی پورچ میں رک گئی۔
اس گاڑی میں ڈرائیونگ سیٹ پر اشرف بیٹھا تھا...... جسے وہ پہلے اماں کے کمرے میں
دیکھ چکی تھی...... برابر والی سیٹ پر اماں بیٹھی تھی...... وہ اشرف ہی کے گھر گئی تھی...... اشرف
اماں کو چھوڑنے آیا تھا۔

زری مڑ کر اندر جانے ہی کو تھی کہ اشرف گاڑی سے نکل کر برآمدے میں آتے ہوئے
اس سے بولا...... "کیسی ہیں؟"

"شکریہ" زری نے سلام کرنے کے بعد کہا...... اماں آگئی زری نے انہیں بھی سلام کیا۔

"آؤ اشرف کچھ دیر بیٹھو" اماں نے اشرف سے کہا پھر زری سے بولی...... "چائے
لاؤ...... نوری کہاں ہے اسے میرے کمرے میں بھیج دو"۔

"وہ وہیں ہے شاید" زری نے کہا اشرف زری کے لال ہوتے چہرے اور بھیگی آنکھیں
دیکھ کر سمجھ گیا تھا کہ روتی رہی ہے...... لیکن وہ کچھ کہہ نہ سکا۔

اماں اسے ساتھ لے کر کمرے میں آگئی۔ زری چائے بنانے چل دی۔

☆☆☆☆☆

"اماں" زری نے ماں کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے..... "خدا کے لئے آئندہ یہ بات مجھ سے نہ کہیں..... آپ ایک ہی بات کئی دنوں سے کہے جا رہی ہیں..... ایسا ممکن نہیں..... ممکن..... اماں..... میری بیٹی جوان ہے..... شادی اس کی کرنا ہے مجھے..... نہ کہ"۔

"زری" اماں ملائمت لیکن مستحکم انداز میں بولیں..... "میں تجھے بار بار سمجھا رہی ہوں..... اپنے لئے نہیں تو بیٹی ہی کے لئے سوچ..... نوری جوان ہو گئی ہے..... کیا کرے گی اس کی شادی..... کون تھامے گا اس کا ہاتھ..... بغیر جہیز کے..... اور کہاں سے لائے گی جہیز..... جذباتی نہ ہو..... ہوش اور عقل سے کام لے..... ابھی تیری عمر ہی کیا ہے..... چالیس کی بھی نہیں ہوئی..... نکاح ثانی عیب نہیں..... اشرف عمر کے لحاظ سے موزوں ہے..... اس کے بچے بیاہے جا چکے ہیں..... صاحب جائیداد ہے..... روپے پیسے کی کمی نہیں..... نوری کی شادی بھی کر دے گا..... ان خطوط پر کیوں نہیں سوچتی تو..... پتہ نہیں کتنی عمر پڑی ہے تیری..... اس طرح بھائی کے ٹکڑوں پر پڑی رہے گی..... جھاڑو برتن کرتی رہے گی ساری عمر..... صحتیں لگواتی رہے گی؟ اشرف کو عورتیں مل سکتی ہیں..... وہ تو تیری وجہ سے تمہارا ہاتھ تھامنے کو تیار ہوا ہے..... نوری کی بھی ساری ذمہ داریاں اٹھائے گا"۔

"نہیں اماں..... نہیں..... جگ ہنسائی؟ اف لوگ کیا کہیں گے..... پھر نوری کیا سوچے گی؟"۔

"نوری..... نوری..... نوری" اماں تلخ ہو کر بولی..... "تجھے پتہ نہیں چل رہا نوری یہاں کس طرح رہ رہی ہے..... ایسے ہی حالات رہے تو بھاگ جائے گی کہیں

پوری بات..... اس نے اچھے دن دیکھے ہیں..... برے دنوں سے نبھاہ نہیں کر پا رہی..... میں نے دھوپ میں بال سفید نہیں کئے..... انہیں حالات میں وہ رہی نا تو دیکھ لینا کسی دن کچھ نہ کچھ کر بیٹھے گی"۔

زری حواس باختہ سی ہو کر بولی..... "اماں میں عزیز کی امانت ہوں"۔

"کوئی کسی کی امانت نہیں ہوتا..... سب خدا کی امانت ہیں..... دوسری شادی بری بات نہیں..... خدا اور رسول ﷺ کا حکم بھی ہے..... زری زمانے اور لوگوں سے نہ ڈرو..... اپنے حالات سے ڈر"۔

"اللہ..... مجھے یہ دن بھی دیکھنے تھے" زری رونے لگی..... "مجھے عزیز کے ساتھ ہی موت آجاتی..... کیوں زندہ ہوں میں"۔

اماں چند لمحے چپ رہی پھر بولی..... "میں کہہ رہی ہوں..... جذباتی نہ بن..... عزیز مر گیا اور ہر کوئی اپنی آئی سے مرتا ہے..... کوئی کسی کے لئے نہیں مرتا..... پھر تو نے ابھی زندگی کا دیکھا ہی کیا ہے..... بیٹی بیاہنے جوگی ہے..... پلے پیسہ نہیں..... یہاں نوکرانیوں سے بھی بدتر حال میں رہ رہی ہو..... کوئی بھلا آدمی تیری بیٹی کو بیاہ لے جائے گا؟ کسی کو ٹھی کا نوکر ہی رشتہ لے کر آسکتا ہے..... کرے گی تیری بیٹی اس سے شادی..... میں تو کہتی ہوں اپنا بھی بھلا سوچ اور بیٹی کا مستقبل بھی دیکھ..... اشرف نے اسے بیاہا تو ایک سے ایک اچھا گھر اسے ملے گا"۔

"اماں" زری سب کچھ سن کر صرف اسی قدر کہہ سکی..... وہ ذہنی طور پر اتنی بڑی بات قبول ہی نہ کر پا رہی تھی۔

اماں نے پھر لیکچر شروع کر دیا..... تو وہ ہاتھ جوڑ کر بولی..... "اماں میں جیسی ہوں مجھے رہنے دو..... خدا کے لئے نوری کے کانوں میں بھنک نہ ڈال دینا"۔

اماں بڑے پن کا حق استعمال کرتے ہوئے بولی..... "میں خود ساری بات اس سے کروں گی"۔

"اماں!"

"نوری مان گئی تو ٹھیک..... وہ بھی تمہاری طرح اڑ گئی..... تو پھر دونوں کرو ساری عمر

غلامی اور نوری بھی کسی فقیر فقیرے کا گھر آباد کر لے...... مجھے کیا؟ تم دونوں کے بھلے ہی کی بات کر رہی ہوں میں"۔

زری روتے روتے وہاں سے اٹھ گئی...... اس کا ذہن واقعی ماؤف ہو چکا تھا...... کوئی فیصلہ کرنا تو اک طرف وہ تو سمجھ ہی نہ پا رہی تھی...... کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔

اشرف اماں کا رشتہ دار تھا...... پیسے والا تھا...... بیٹے امریکہ میں خوب کما رہے تھے...... چھ چھ ماہ ان کے پاس رہ کر آتا تھا...... بیٹی بھی خوشحال تھی...... بیوی کے مرنے کے بعد پاکستان میں اکیلا رہ گیا تھا...... بڑی سی کوٹھی تھی...... دو تین نوکر تھے...... گزر تو ہو رہی تھی...... لیکن عورت کے بغیر زندگی بے رنگ تھی...... ابھی اتنا بوڑھا بھی نہیں تھا...... کہ دنیا سے کنارہ کش ہو جاتا...... زندگی انجوائے کرنے کے یہی تو دن تھے...... بچوں کی ذمہ داریوں سے آزاد تھا...... اور روپیہ پیسہ پاس تھا...... بیوی کے مرنے کے بعد کچھ عرصہ تو صبر وضبط سے کام لیا...... لیکن مرد تھا...... جذبات رکھتا تھا...... کئی جگہ منہ مار چکا تھا...... شراب کا سہارا بھی لینا چاہا تھا...... لیکن طبیعت نہ مانی تھی...... اب آپا کے پاس آنا جانا شروع کیا تھا...... کہ وہ کہیں اس کی شادی کرا دیں...... اتفاق ہی سے زری کو دیکھ لیا...... بس اس نے فیصلہ کر لیا کہ اسی سے شادی کرے گا...... اسے مزید بچوں کی ضرورت نہ تھی...... اور آپا نے بتایا تھا کہ زری کے نوری کی پیدائش کے بعد ہی کوئی اندرونی خرابی ہو گئی تھی...... اس لئے اس کے بچے نہیں ہو سکتے تھے...... ایک بیٹی تھی...... جسے اشرف نے دیکھا تھا...... اتنی خوبصورت اور پیاری لڑکی کی ذمہ داری اس نے خوشی قبول کر لی تھی...... اچھا خاصہ حق مہر بھی لکھ کر دینے کو تیار تھا...... گھر کی کلی مختار بنا کرلے جانا چاہتا تھا زری کو۔

اماں نے اس کی درخواست پر کچھ دن غور کیا تھا...... پھر عظمت سے مشورہ کیا تھا اس نے بھی پہلے تو یہی کہا تھا...... کہ زری کی بیٹی جوان ہے...... اس کی شادی کی فکر کرنا چاہئے...... زری کی تو عمر گزر گئی ہے۔

لیکن جب اماں نے حقیقت پر مبنی دلائل سے اسے سمجھایا...... تو وہ قائل ہو گیا۔

اماں نے تب ہی تو زری سے بات کی تھی۔

اور

یہ بات وہ متواتر کئی دنوں سے زری سے کر رہی تھی...... زری تو ایسا سوچنا بھی گناہ سمجھتی تھی...... اس لئے برابر انکار کر رہی تھی۔

اماں چاہے سوتیلی ماں تھی...... زری سے کبھی ماؤں ایسا سلوک نہیں کیا تھا...... پھر بھی جب سے زری یہاں آئی تھی...... اس نے اس سے کبھی کسی قسم کی زیادتی جیسی جہاں آراء کرتی تھی...... کبھی نہ کی تھی...... اور اب تو انہیں اشرف کا گھر بسانے کی بھی خواہش تھی...... اس عمر میں وہ عورتوں کی لت میں پڑ جائے تو اس کے بچوں کے لئے کتنی بری بات ہو گی...... بچوں نے بھی شاید اسی لئے خوشی سے باپ کو اجازت دے دی تھی...... کہ وہ کسی بھلی عورت سے نکاح کر لے۔

بھلی عورت مل تو گئی تھی۔

لیکن

وہ کسی طور مان نہیں رہی تھی...... اماں متواتر پیچھے پڑی تھی...... سمجھا رہی تھی...... مستقبل کے غیر یقینی ہونے سے ڈرا رہی تھی...... نوری کے متوقع رویے سے خوف دلا رہی تھی...... زری ان خطوط پر سوچنے پر آمادہ ہی نہیں ہو رہی تھی۔

اماں نے جب زری کو اتنے استحکام سے اپنی بات پر قائم رہتے دیکھا تو کچھ بد دل بھی ہو گئی...... اتنا اچھا موقع زری محض جذباتیت میں گنوا رہی تھی...... آخری کوشش کرنے کے لئے انہوں نے نوری کی رائے لینے کا سوچا۔

اس دن نوری چائے کی پیالی بنا کر اماں کے لئے لائی...... اماں نے پیالی لیتے ہوئے اسے اپنے پاس پلنگ پر بٹھا لیا...... وہ اس وقت خاصی اکتائی ہوئی اور پریشان حال لگ رہی تھی...... شاید جہاں آراء سے کوسنے سن کر آئی تھی...... خلاف توقع اماں نے ملائمت سے پلنگ پر اپنے قریب بیٹھنے کو کہا...... تو اسے حیرت بھی ہوئی...... لیکن بیٹھ ہی گئی...... اماں سے اسے کوئی خاص شکایت نہ تھی...... شکایت شاید کسی سے بھی نہ تھی...... ان حالات سے تھی...... جن میں پھنس کر اس کی شخصیت مسخ ہوتی جا رہی تھی...... اور جن سے نکلنے کے لئے اس کے دماغ میں ہمہ وقت سکیمیں بنتی رہتی تھیں۔

اماں نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا اور بولی...... "لگتا ہے مامی سے جھپٹ ہوئی ہے"۔

نوری بے اعتنائی سے بولی...... "یہ کوئی نئی بات ہے؟"

"نوری...... تو جن حالات میں رہ رہی ہے...... اس کی عادی نہیں تھی نا...... آزاد پنچھی تھی...... اب قید و بند کی صعوبتیں سہہ رہی ہے...... تیرا جی تو چاہتا ہوگا...... اس ماحول سے نکل جائے......" نوری نے حیرانی سے اماں کی طرف دیکھا۔

اماں نے چائے کی چسکی لے کر پیالی میز پر رکھ کر کہا...... "اگر تجھے کوئی راہ فرار ملے...... تو"۔

نوری نے انتہائی مایوسی سے سر نفی میں ہلایا...... "ہم ماں بیٹی مر ہی جائیں تو اچھا ہے"۔

"مریں تمہارے دشمن" اماں نے کہا تو نوری نے پھر حیرانگی سے اماں کو دیکھا...... اماں سے اتنے خلوص اور پیار کی اسے توقع ہی کب تھی۔

چند لمحے خاموش رہی...... پھر اماں نے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھتے ہوئے کہا......

"نوری میں نے تم سے ایک ضروری بات کرنا ہے"۔

"جی کہیے" نوری نے نظر بھر کر اماں کو دیکھا...... ساٹھ سالہ دبلی پتلی کھچڑی بالوں والی سانولے رنگ کی اماں صاف ستھرے لباس میں خاصی معتبر لگ رہی تھی...... ناک نقشہ عام سا تھا...... لیکن اس وقت چہرے پر خاصی تمکنت اور سنجیدگی تھی۔

"نوری" وہ بولی۔

"جی" پاؤں لٹکائے پلنگ کی پٹی پر ٹکی نوری نے وائیل کا دھلا ہوا جوڑا پہن رکھا تھا...... دوپٹہ کندھوں پر ڈالا تھا اور دھلے ہوئے بال پشت پر بکھرے تھے...... ابھی اس نے سر دھویا تھا...... اماں بات کرنے کو الفاظ تلاش کرنے لگی...... تو نوری کو الجھن ہوئی...... ذہن میں منفی سوچیں تھیں...... اس لئے بولی...... "آپ ہمیں یہاں سے نکالنے کا تو نہیں سوچ رہیں"۔

اماں ہنس پڑی۔

تو نوری اسی سنجیدگی سے بولی...... "میں خود بھی یہاں رہنا نہیں چاہتی...... جی چاہتا ہے کہیں بھاگ جاؤں...... یہاں میرا دم گھٹتا ہے اماں...... میں یہاں نہیں رہنا چاہتی"۔

"میں تیرے جذبات سمجھتی ہوں...... اسی لئے تم سے بات کرنا چاہتی ہوں" اماں چند

ری پھر بولی...... "اگر تم لوگوں کو اس سے کہیں اچھا ماحول مل جائے"۔

"کہاں؟ کیسے؟" نوری نے بے صبری سے نانی کا ہاتھ تھام لیا...... لیکن کچھ سوچ کر پھر ڈھیلے پڑ گئے...... ہولے سے بولی...... "ہمیں کسی اچھے گھر میں نوکری دلانا چاہتی ہیں"۔

"پگلی" اماں نے کہا...... "میں تمہیں یہاں سے جانے کا بڑا خوبصورت راستہ دکھانا چاہتی ہوں"۔

نوری چند لمحے تذبذب میں رہی پھر کچھ سمجھتے ہوئے بولی...... "میری شادی کرنا چاہتی ہیں؟"

اماں پھر ہنس پڑی...... اور بولی...... "تمہاری نہیں"۔

"تو اور"

"زری کی"

"کیا" نوری کے منہ سے حیرت سے چیخ نکلی...... اس کی آنکھیں پھیل گئیں...... چہرے پر غصیلے آثار نمودار ہوئے...... اس کا وجود کانپنے لگا۔

اماں نے پیار سے اس کا کندھا دبایا...... "تم لوگوں کی یہی تو خرابی ہے...... ایک دم جذباتی ہو جاتی ہو"۔

"آپ...... آپ میری ماں کی شادی کرنا چاہتی ہیں؟" نوری غرائی۔

"ہاں" نانی کا لہجہ متحمل تھا...... "ان برے حالات سے نکلنے کی صرف یہی ایک راہ ہے...... چاہو تو اس پر قدم رکھ سکتی ہو...... ٹھنڈے دل اور سکون سے سوچو"۔

نوری ابھی تک نارمل نہ ہوئی تھی...... ہکلاتے ہوئے بولی...... "آپ ہم سے اتنی ہی تنگ ہیں تو ہمیں زہر کیوں نہیں دے دیتیں"۔

"میں نے کہا نا جذباتی مت ہو...... اگر ان حالات اور مالی مشکلات سے نکلنا چاہتی ہو...... باقی زندگی چین سے گزارنا چاہتی ہو...... تو اس کے لئے یہ قدم اٹھانے کو ماں کو تیار کرو...... اشرف انکل کو تم نے دیکھا ہے نا...... مالدار آدمی ہے کوٹھی کار...... روپیہ پیسہ نوکر چاکر سب کچھ ہے اس کے پاس بیوی فوت ہو چکی ہے...... اب کسی اچھی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے...... اتنی اچھی عادتوں کا مالک ہے کہ جو عورت اس سے نکاح کرے گی عمر بھر عیش

کرے گی"۔

نوری سن سی بیٹھی رہی۔

اماں نے ساری باتیں اس کے گوش گزار کر دیں..... آخر میں بولیں..... "ماں بیٹی سوچ لو..... چاہو تو یہ پیشکش قبول کر کے اپنے آپ کو سارے جنجالوں سے نکال کر سکون سے جیو..... نہ چاہو..... تو تمہاری مرضی"۔

نوری پتھرائی سی بیٹھی رہی۔

"جاؤ بیٹی..... اگر میری باتوں کی تمہیں کچھ سمجھ آئی ہے..... تو ماں کو بھی سمجھاؤ..... وہ لوگوں کی باتوں سے ڈرتی ہے..... جگ ہنسائی کے تصور سے گھبراتی ہے..... اسے کہو کسی کی پرواہ نہ کرے..... مصیبتیں پڑیں تو کس نے ہاتھ تھاما تم لوگوں کا..... کس نے پرواہ کی..... جیتی ہو کہ مرتی ہو..... کس نے سوچا..... کوئی کسی کا نہیں ہوتا..... خوشی کے سب ساتھی ہیں..... پیسے کی سب عزیز داریاں اور دوستیاں ہیں..... میں تمہاری سگی نہ سہی..... دشمن تو نہیں نا..... زری کی عمر ابھی کتنی ہوئی ہے چالیس کی بھی نہیں ہوئی..... غموں اور دکھوں نے ادھ موا کر رکھا ہے..... اشرف کو قبول کر لے..... تو تم ماں بیٹی جہنم سے نکل جنت میں آجاؤ گی..... باقی تمہاری مرضی"۔

اماں چپ ہو گئی..... اپنی پیالی اٹھا کر چائے پینے لگی..... اس کی چپ کا نوری مطلب سمجھ گئی..... اس لئے اٹھی اور کمرے سے باہر نکل گئی..... وہ بیرونی برآمدے میں دیوانہ وار گھومتی پھری..... دماغ میں ہلچل مچی تھی..... اس وقت کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا..... کہ کیا سوچ رہی ہے یا اسے کیا سوچنا چاہئے۔

دن اسی طرح گزر گیا۔

رات وہ ماں کے پہلو میں لیٹی..... تو بے اختیارانہ اس سے لپٹ کر رونے لگی..... ماں کے تو پہلے ہی آنسو بہنے کو بے تاب تھے..... دونوں خوب روئیں..... نوری کے منہ سے بار بار "ابو..... ابو" نکل رہا تھا۔

انتہا کو پہنچ کر ہر چیز ساکت ہو جاتی ہے..... آنسوؤں کا بھی لامتناہی ذخیرہ نہیں ہوتا..... رو دھو کر چپ ہو گئیں..... تو زری نوری کا ماتھا چومتے ہوئے بولی..... "ابو یاد آرہے تھے"۔

"ہاں امی..... نہ وہ مرتے نہ ہم ان حالوں کو پہنچتے"۔

"ہماری تقدیر"

نوری چند لمحے چپ رہی پھر بولی..... "امی ہمارے حالات ایسے ہی رہیں گے"۔

اب زری چپ ہو گئی..... وہ نوری سے اماں کی باتیں کہنا چاہتی تھی..... لیکن زبان نے ساتھ نہ دیا..... کچھ یہی حال نوری کا بھی تھا۔

پھر

کئی دن اور کئی راتیں ایسے ہی گزر گئیں..... نوری کا ذہن اور دماغ کچھ ٹھکانے پر آیا..... تو اس نے نانی کی باتوں پر سنجیدگی سے غور کرنا شروع کیا..... جتنا سوچتی گئی..... اتنا ہی ان کی باتوں کی قائل ہوتی گئی..... نانی بھی روزانہ ہی کوئی نہ کوئی بات سمجھانے کو کر ہی دیتی..... اشرف بھی اپنی نئی گاڑی میں اکثر آجاتا..... نوری سے بڑے پیار سے ملتا..... کبھی اس کے لئے پھل لے آتا..... کبھی آئس کریم..... ایک آدھ دفعہ تو اس نے نوری کو گھمانے پھرانے کے لئے نانی کو باہر تفریح کے لئے جانے کی دعوت دی۔

نوری جو فطری طور پر سہل اور پر آسائش زندگی کی دلدادہ تھی..... آہستہ آہستہ مرعوب و متاثر ہونے لگی..... پہلے تو وہ ماں سے اس سلسلے میں بات کرتے ہوئے جھجکتی تھی..... لیکن جب ذہن پوری طرح قائل ہو گیا..... تو اشاروں کنایوں کی بجائے اس نے سیدھی سیدھی بات کرنا مناسب سمجھا۔

اس نے بالآخر ماں سے کہہ ہی دیا..... اماں کی باتیں وزنی تھیں..... اشرف کی پیشکش معقول و مناسب تھی..... سارے رنج و الم دور ہو سکتے تھے..... زندگی اک نئے ڈھنگ سے شروع کی جا سکتی تھی۔

اور

اس میں نہ تو کوئی گناہ والی بات تھی۔

نہ ہی عیب والی۔

زری نوری کے منہ سے یہ باتیں سن کر حیران ہی تو رہ گئی..... لیکن نوری نے بھی آخری فیصلہ کر لیا تھا..... یوں سسک سسک کر زندگی گزارنا اس کے بس میں نہیں تھا..... اس

گھٹن زدہ ماحول سے وہ پہلے ہی فرار کی راہوں کے متعلق سوچتی رہتی تھی...... یہ راہ نظر آئی تو اس کی جیسے جان میں جان آگئی...... اس کا موڈ ہی اب بدل گیا...... بے رونق چہرے کی اداسیاں معدوم ہو گئیں...... جگمگاتی نئی زندگی کا تصور ایسا تھا کہ جھوم جھوم جانے کو جی چاہتا تھا۔

اس مسئلے کو حل کرنے میں نوری کو کئی دن لگے...... ماں کو آرام سے بھی سمجھایا...... لڑائی بھی کی...... "لوگ کیا کہیں گے نوری...... تمسخر اڑائیں گے...... باتیں کریں گے" زری نے ایک دن زچ ہو کر کہا تو نوری بولی...... "لوگوں نے ہمیں دیا ہی کیا ہے...... بے عزتی، تہمتیں کوسنے...... ہم کیوں ڈریں لوگوں سے"۔

"تجھے مرحوم باپ بھی بھول گیا نوری"۔

"نہیں...... باپ نہیں بھولا...... لیکن باپ کے نہ ہونے سے یہ زندگی جو ہمیں ملی ہے...... میں اسے بھلانا چاہتی ہوں"۔

کئی دن حث و تکرار ہوتی رہی...... ایک دن تو نوری جل بھن کر بولی...... "ابو کون سا ورثہ چھوڑ گئے تھے ہمارے لئے...... جن کے سہارے ہم جی لیتے"۔

"بیٹی ورثے جائیدادوں کے ہی نہیں یادوں کے بھی ہوتے ہیں"۔

"یادوں کے سہارے زندگی نہیں گزرتی...... جس اذیت جس عذاب سے ہم گزر رہے ہیں...... یادیں ان کا مداوا کر سکتی ہیں...... ہمیں اس جہنم کدے سے نکال سکتی ہیں...... ہمارا مستقبل سنوار سکتی ہیں"۔

"نوری!"

"بس امی...... آپ کو اماں کے فیصلے اور میری سوچ کے آگے جھکنا ہی پڑے گا...... میں یوں نہیں جی سکتی...... مر جاؤں گی...... یا بھاگ کر مصنوعی سہارے پھر سے ڈھونڈ لوں گی"۔

حث و تکرار لڑائی کی صورت بھی اختیار کر لیا کرتی تھی...... نوری نے تو اب کھلم کھلا فرار کی دھمکیاں بھی دینا شروع کر دی تھیں۔

آخر

زری کو جھکنا پڑا...... مجبوریاں تلوار کی دھار پر چلا دیتی ہیں...... وہی حال زری کا بھی تھا۔

پھر

ایک دن چپ چاپ نکاح کی تقریب ہوئی...... زری زیورات سے لد کر نیا جوڑا زیب تن کر کے نئی ٹیوٹا میں بیٹھ کر اشرف کے گھر چلی گئی...... اس کے رخصت ہونے کے بعد نوری بہت روئی...... ایسے جیسے ابو کا جنازہ اس کے سامنے پھر سے اٹھ گیا ہو۔

لیکن

چند دن بعد جب وہ اشرف انکل اور امی کے ساتھ آراستہ پیراستہ کوٹھی میں آگئی...... تو غم از خود معدوم ہو گئے...... اسے ایک سجا سجایا الگ کمرہ مل گیا...... نرم نرم فوم کے گدے والا بیڈ...... سائیڈ ٹیبلز پر قیمتی لیمپ قالین کے ہمرنگ پردے...... دو گدے دار کرسیاں...... سنٹر ٹیبل ایک طرف رائیٹنگ ٹیبل، بک ریک دیواروں پر خوش رنگ سینریاں، وال کلاک، غرضیکہ کون سی چیز تھی جو وہاں نہ تھی...... اٹیچڈ باتھ روم، جس کی دیواروں اور فرش پر خوشنما ٹائیلز لگی تھیں...... کمرے میں بڑی سی وارڈروب اور دیوار کے ساتھ بڑے سے بیضوی آئینے والی ڈریسنگ ٹیبل بھی تھی...... نوری کی خوشی دیدنی تھی...... انکل نے اسے کمرہ دکھاتے ہوئے الماری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا...... "کسی دن بازار جا کر اپنے لئے اچھے اچھے ڈریس خرید کر یہ الماری بھر لینا...... جس چیز کی ضرورت ہو یا دل چاہے بے دھڑک کہہ دیا کرو...... لے دیا کروں گا"۔

نوری کو لگتا تھا...... یہ سب خواب ہے۔

لیکن

یہ خواب نہیں تھا...... بلکہ نوری کے بکھرے خوابوں کی تعبیر تھی۔

سنہرے دن اور چمکیلی راتیں گزرنے لگیں...... نوری کا اعتماد بحال ہونے لگا...... اشرف انکل اس پر بہت مہربان تھا...... ایک دن اس نے نوری سے کہا...... "تمہارا نام رائمہ ہے...... اتنا خوبصورت نام ہے تم نوری کہلانا کیوں پسند کرتی ہو"۔

"بس انکل سب نوری ہی کہتے ہیں...... ہاں کالج میں لڑکیاں مجھے رائمہ ہی کہا کرتی تھیں"۔

"کالج سے خیال آیا...... تم اپنی تعلیم پھر سے شروع کرو...... داخلہ لے لو"۔

"ایک سال سے زیادہ ضائع ہو چکا ہے انکل"۔

"کوئی بات نہیں...... کوئی مشکل ہوئی تو ٹیوشن رکھ دوں گا...... تم پڑھنے کی خواہش کرو تو سب کچھ ہو سکتا ہے"۔

"دیکھوں گی"۔

انکل نے پڑھنے کا معاملہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔

نوری زندگی کی گہما گہمیوں سے محظوظ ہو رہی تھی...... روزانہ شام باہر کا چکر ضرور لگتا...... پان کوک کھانے تینوں جاتے...... ہفتے میں ایک دو بار چائنیز یا کونٹی نینٹل کھانا کھانے کا پروگرام ہوتا...... ایک ہفتے کے لئے تینوں مری بھی گئے...... نوری نے وہاں ڈھیر ساری شاپنگ بھی کی...... سیر بھی خوب کی۔

نوری کو یہاں پر خوشی ملی...... زری خوش تھی یا ناخوش اسے ان حالات میں سوچنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

کیونکہ

وہ خود بے حد خوش تھی...... انکل اس پر بہت مہربان تھے...... ہزار دو ہزار تو یونہی تھما دیتے...... اور کہتے...... "اپنی پسند کے ڈریس لے لیا کرو...... امی کو بھی اپنی پسند سے اچھی اچھی چیزیں لادیا کرو"۔

ایک دن تینوں بڑی سی آراستہ لاؤنج میں بیٹھے ڈش پر کوئی پروگرام دیکھ رہے تھے۔

"اوہو" ایک دم اشرف نے کہا۔

"کیوں" زری نے پوچھا۔

"میں نے تو آج رائمہ کو بازار لے کر جانا تھا...... اس کے لئے چھوٹا ٹی وی اور وی سی آر لینا تھا"۔

"ہائے انکل" نوری تو خوشی سے چلا اٹھی۔

"میرا سی ڈی پلیئر بھی ہے وہ بھی اپنے کمرے میں رکھ لو...... تمہاری امی کو تو گانے سننے کا کوئی شوق ہی نہیں...... میں بھی کبھی کبھار موڈ ہے تو سنتا ہوں...... تم لے جاؤ اپنے کمرے میں...... ٹی وی اور وی سی آر کل لینے چلیں گے"۔

زری خوش تو ہوئی پھر بولی...... "آپ تو اس کی عادتیں خراب کر دیں گے"۔

"امی!!" نوری نے منہ بنایا...... پھر ہنس کر بولی...... "میرے انکل مجھے جو چاہیں دے کر دیں آپ کو کیا؟"

اشرف نے ہنس کر زری کو دیکھا اور نوری سے بولا...... "یہ تم سے جلنے لگی ہیں"۔

نوری بھی ہنستے ہوئے گا کر بولی...... "انکل ہمارے ساتھ ہیں...... جلنے والے جلا کریں"۔

"چل ہٹ بہت شوخی ہوئی جا رہی ہے" زری نے پیار سے اسے دیکھا...... نوری کا چہرہ دمک رہا تھا...... اسے یہاں آئے کوئی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے...... لیکن اس کا چہرہ چمکنے لگا تھا...... آنکھوں کی گہرائیاں پراسرار ہو گئی تھیں...... جوبن سیلاب کی طرح امنڈ پڑا تھا...... زری تو اسے نظر بھر کر نہ دیکھتی تھی...... مبادا نظر نہ لگ جائے...... خوبصورت تو وہ تھی ہی...... لیکن خوبصورتی میں بھی اندرونی سکون شامل نہ ہو تو بے رنگ سی ہوتی ہے...... اب تو وہ رنگ و نور کا مرقع لگتی تھی...... ہر وقت چہکتی رہتی...... گنگناتی رہتی...... جو کچھ وہ چاہا کرتی تھی...... اور اس چاہنے کے لئے اپنے آپ کو مصنوعی حصار میں مقید رکھا کرتی تھی...... اب اسے مل گیا تھا۔

کبھی کبھی

وہ ماں کے گلے میں بانہیں ڈال کر کہتی...... "ہائے امی ہم نے کتنے دکھ جھیلے...... تنگی کے دن گزارے...... لعن طعن سنی...... نوکرانیاں بنیں...... میں تو سوچ بھی نہ سکتی تھی...... کہ کبھی اس ماحول سے نکل پاؤں گی...... مجھے تو لگتا تھا...... ایسی زندگی جیتے جیتے پاگل ہو جاؤں گی...... سینہ چاچی نے تو امی سے بھی زیادہ دکھ دیئے"۔

زری ٹھنڈی آہ بھر کر اسے لپٹا لیتی...... "یہ قدم میں نے تمہاری خاطر ہی تو اٹھایا تھا"۔

"امی...... آپ نے واقعی قربانی دی...... لیکن یہ قدم بہتری کی طرف ہی اٹھے...... دنیا میں انسان روز روز تو نہیں آتا...... آپ بھی ماضی کو بھلا کر خوش رہا کریں...... ایسے گھر ایسی خوشحالی کا آپ نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا"۔

"خدا کو یہی منظور تھا"۔

"میں تو اللہ کی تہہ دل سے شکر گزار ہوں"۔

"چلو تم خوش تو ہونا"۔

"بالکل"۔

زری اسے لپٹا کر پیار کر لیتی۔

زندگی نئے ڈھنگ سے گزرنے لگی۔

☆☆☆

زبیدہ کے منہ سے بے ساختہ لمبی سی "ہا" نکلی...... لیکن اس نے جلدی سے ہاتھ منہ پر
رکھا اور حیرت سے پھیلی آنکھوں کو سکیڑا...... پلکیں جھپکیں اور پھر میکانکی انداز میں صوفے
سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اور

دروازے سے ڈرائنگ روم میں اندر آتی زری کو دیکھ کر بے اختیارانہ بولی...... "زری؟
مسز ریاض میزبان تھیں...... وہ زری کو اپنے مہمانوں سے متعارف کروانے کے لئے
لا رہی تھی...... زبیدہ کے الفاظ سن کر مسکرائی اور بولی...... "آپ انہیں جانتی ہیں"۔
زری کے لئے یہاں سب نئے لوگ تھے...... ریاض اشرف کا دوست تھا...... اشرف
کے نکاح کی تقریب میں بھی میاں بیوی شریک ہوئے تھے...... مسز ریاض کے ہاں آج پارٹی
تھی...... قریبی ملنے والیوں کو بلایا ہوا تھا...... زری کو ان لوگوں سے ملانے کا اچھا موقع تھا......
اس لئے اسے بھی بطور خاص مدعو کیا تھا...... وہ نہیں جانتی تھی...... کہ زبیدہ زری کو پہلے سے
جانتی ہے۔

لیکن

زبیدہ نے جس حیرت اور اچنبھے کا اظہار کیا تھا...... مسز ریاض کے علاوہ چند دوسری
خواتین کو بھی حیرانی ہوئی تھی۔

زری نے بھی زبیدہ کو دیکھا...... اتنے عرصے بعد وہ نظر آئی تھی...... اس کے رنگ
ڈھنگ واقعی بیگمات والے تھے...... محلے والی زبیدہ اور اس زبیدہ میں جو فرق تھا...... اب اس
کے اپنے آپ میں بھی تھا...... اس لئے خفت سے مسکراتے ہوئے زبیدہ کی طرف بڑھ کر بازو

پھیلاتے ہوئے کہا..... "اف کتنے عرصے بعد تمہیں دیکھا ہے"۔

وہ زبیدہ کے گلے ملی..... زبیدہ کی حیرت اس کے لباس اور زیورات کی وجہ سے دیدنی تھی..... "بڑے اچھے حالوں میں لگ رہی ہو" زبیدہ نے زری کا ہاتھ پکڑے پکڑے پھر اس کے سراپا پر نگاہ ڈالی..... آف وائٹ سلک کے سوٹ پر آف وائٹ ہی دوپٹہ تھا..... جس کے کناروں پر ہلکا ہلکا سنہری کامدانی کام تھا..... گولڈن ہائی ہیل کا جوتا اور گولڈن ہی پرس ہاتھ میں تھا..... دونوں کلائیوں میں چوڑیاں تھیں..... جو کافی زیادہ تھیں..... کانوں میں سنہری ٹاپس تھے..... ناک میں گولڈن کوکہ تھا..... جو اس کے چمکتے گندمی رنگ پر بہت بھلا لگ رہا تھا۔

زبیدہ کی بات کا جواب دینے سے پہلے ہی چھوٹے قد کی دبلی پتلی مگر بے حد سمارٹ مسز ریاض آگے بڑھی..... زری کا ہاتھ پکڑ کر تقریباً سب خواتین کو مخاطب کرتے ہوئے بولی.....

"ہم سب کی نئی دوست مسز زری اشرف"۔

"زری اشرف؟" زبیدہ کے ساتھ دو تین عورتوں کے منہ سے نکلا۔

ایک خاتون بولی..... "اشرف کی بیوی عصمت نہیں تھی؟"

دوسری بولی..... "آئے ہائے وہ بیچاری تو تین چار سال ہوئے فوت ہو گئی تھی..... غالباً دوسری شادی ہے"۔

"ہاں" مسز ریاض نے آہستگی سے کہا..... "اشرف بھائی نے چند ماہ ہوئے نکاح کر لیا تھا..... بیچارے بالکل اکیلے تھے..... بچے اپنے اپنے گھروں میں..... انہوں ہی نے مجبور کیا تو شادی کی..... یہ بہت اچھی عورت ہیں..... اشرف بھائی کا گھر آباد ہو گیا"۔

زبیدہ نے زری کو اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا..... "یہ حادثہ کب ہوا؟"

دراصل زبیدہ زری کو اتنی اچھی حالت میں دیکھ کر اندر سے خوش نہیں ہوئی تھی اسے تو اپنی بڑھتی ہوئی بونس اور دولت پر ہی فخر تھا..... زری جس کی بد حالی اور کسمپرسی کے قصے وہ کافی سے سنتی رہتی تھی..... وہ ایک دم ہی دولت مند بن گئی تھی..... اسے حیرانی ہوئی تھی..... اور اچھا بھی نہیں لگا تھا..... حسد اور رشک میں بڑا فرق ہوتا ہے..... اسے رشک نہیں آیا تھا..... حسد محسوس ہوا تھا..... نوری کی کائی کو ٹھکرا دینے والی حرکت کو وہ بھولی تھی..... ان لوگوں کی بد حالی کے جتنے قصے سنتی تھی..... اسے گونا سکون ملتا تھا..... تسلی ہوتی

یہ سکون اور تسلی انتقام ہی کی دوسری شکل تھی۔

زبیدہ کو کرید لگی تھی..... اس لئے بار بار زری سے پوچھا تو اس نے مختصراً بتا دیا کہ اماں ہوں کا بیٹا اشرف رنڈوا تھا..... اماں ہی نے یہ نکاح کروا دیا۔

"بہت امیر کبیر ہے؟" زبیدہ نے کہا..... "لگتا تو یہی ہے کہ خوب پیسے والا ہے"

"ہوں گے" زری نے مختصراً جواب دیا۔

"نوری کہاں ہے"

"گھر"

"میرا مطلب ہے تیرے ساتھ رہتی ہے یا اماں کے پاس"

"نہیں..... اب تو میرے پاس ہی آ گئی ہے..... اشرف کے تینوں بچے شادی شدہ ہیں تینوں ملک سے باہر ہیں..... بیٹے امریکہ میں ہیں..... بیٹی شارجہ میں"۔

"تمہاری تو عیش ہو گئی"

زبیدہ کی باتیں اور انداز زری کو کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا..... پھر بھی اس کی باتیں تحمل سے سن رہی تھی..... مزاج میں انکساری تھی..... کچھ نئی شادی سے خفت محسوس کر رہی تھی اس لئے چپ رہی..... کسی بات کا تیکھا جواب نہ دیا۔

کچھ دوسری عورتیں بھی زری کی طرف متوجہ ہو گئیں..... مسز افتخار بھاری بھر کم سی عورت اس کے سامنے ہی بیٹھی تھی..... زری سے بولی..... "یہاں ہم سب گپ شپ لگانے جمع ہوئی ہیں..... دیکھو نا ہر طرف اونچی اونچی آوازوں میں باتیں ہو رہی ہیں"۔

"گپ شپ جو ہوئی" برابر بیٹھی گہرے سانولے رنگ کی فاخرہ بولی۔

"ہاں تو مسز اشرف" پہلی عورت بولی..... "ہم لوگ ہر ماہ یہ پارٹی کرتے ہیں..... باری باری سب کے گھر ہوتی ہے..... امید ہے آپ ہماری مستقل ممبر بن جائیں گی"۔

"ضرور" زری نے کہا..... "ملنے جلنے کا اس سے اچھا طریقہ اور کیا ہو گا"۔

"کسی دن آپ کے ہاں بھی دھاوا بولیں گے" وہ بولی۔

"ابھی آج تو یہ آئی ہیں..... ان کی باری ابھی تو نہیں آئے گی..... اگلے ماہ تو صوفیہ کے گھر ہے"۔

زری مسکرا کر بولی...... "جب چاہیں تشریف لائیں...... مجھے خوشی ہوگی"۔

"ہم سب ممبر دوستوں کی طرح ہیں"۔

"جی"

"ہم دونوں تو بہت بہت بلکہ بہت ہی پرانی واقف کار ہیں" زبیدہ نے دوست کا لفظ استعمال نہ کیا۔

"آج ملی ہیں" فاخرہ بولی۔

"ہاں کافی عرصے کے بعد...... آخری بار ہم جب ملے تھے...... جب ان کے شوہر فوت ہوئے تھے" زبیدہ نے بتایا۔

زری اداس سی ہوگئی...... زبیدہ کا یہ بتانا اسے اچھا نہ لگا۔

لیکن یہ بات سنتے ہی مسز افتخار بولی...... "کب ڈیتھ ہوئی تھی ان کی...... جوان ہی بیوہ ہوگئی ہوں گی"۔

"صرف ایک یا ڈیڑھ سال ہوا ہے" زبیدہ نے تیر چھوڑا۔

"اور اتنی جلدی دوسری" فاخرہ بات کرتے کرتے چپ ہوگئی...... زبیدہ نے سمجھا اس نے زری کی خوب کر کری کردی ہے...... باتیں شاید اور بھی کھلتیں...... لیکن اسی وقت مسز ریاض نے سب سے کہا...... "آیئے جی...... چائے تیار ہے"۔

سب باری باری اٹھنے لگیں۔

زری چائے کے لئے جاتے ہوئے ایک پیاری سی عورت شمائلہ کے ساتھ ہولی...... زبیدہ کے قریب وہ نہیں گئی...... اس کی طنزیہ باتوں سے وہ کچھ بجھ سی گئی تھی۔

باقی خواتین نے زری کا خیر مقدم بڑی خوشدلی سے کیا...... سب بڑے سے ڈائننگ ٹیبل کے گرد جمع ہوگئیں...... پلیٹیں اٹھائیں اور مزے مزے کی چیزیں مزے لے لے کر کھانے لگیں...... باتوں کے سلسلے بھی چھڑے رہے...... سب ہی عورتیں خاصی خوش باش تھیں...... زری نے محسوس کیا کہ زبیدہ ان سب عورتوں سے اچھی طرح واقف ہے اور عورتیں اس سے ڈری بھی ہیں...... زبیدہ نے اس طبقے میں اپنا مقام بنالیا ہوا تھا۔

پارٹی ختم ہوئی...... کچھ دیر گپ شپ کا دور چلا پھر باری باری سب واپس جانے لگیں...... زری اٹھی...... تو زبیدہ بھی اٹھی...... میزبان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اگلی پارٹی کا اپنے کے ہاں کنفرم کراتے زبیدہ باہر آئی۔

"صوفیہ کا گھر کہاں ہے" زری نے زبیدہ سے پوچھا۔

"فون تو گھر میں ہوگا مسز ریاض سے پتہ پوچھ لینا...... " زبیدہ بولی۔

دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے میں آگئیں...... مسز ریاض نے انہیں وہیں خدا حافظ کہا...... دونوں نے جواب دیا۔

اور آگے بڑھ گئیں...... زبیدہ پہلے اپنی گاڑی کی طرف نہ گئی...... وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ زری اور کس طرح کی گاڑی میں واپس جاتی ہے۔

زری اس کے قریب چند لمحے رکی...... اسے دل ہی دل میں زبیدہ کی باتوں کا دکھ تھا...... پھر لئے بولی۔

"زبیدہ کبھی ہم دونوں دوپٹہ بدل بہنیں بنی تھیں...... لیکن آج تم نے اتنی غیریت کا ثبوت دیا...... قسمت مجھے کہاں سے کہاں لے آئی...... خدا کی رضا پر بندہ راضی ہی ہوتا ہے...... حالات پر انسان کا اختیار تو نہیں ہوتا"۔

"آئے ہائے زری...... میں نے کیا کہا...... بلکہ تمہیں سہاگن دیکھ کر تو مجھے خوشی ہوئی ہے...... صرف بات اتنی ہے کہ شادی کا وقت بیٹی کا تھا...... رچا بیٹھیں تم اپنی"۔

زری کے اندر چھنا کے سے کچھ ٹوٹا...... کرچیاں چبھیں...... دکھ سے بولی...... "کی بات انسان کا اپنا اختیار نہیں ہوتا...... اللہ نے چاہا تو نوری کا بھی اچھا رشتہ ہو ہی جائے گا"۔

زری نے اس سے اور باتیں کرنا مناسب نہ سمجھیں...... اپنی برینڈ نیو ٹویوٹا کی طرف بڑھی...... جس کی پچھلی سیٹ کا دروازہ ڈرائیور نے بڑے مودبانہ انداز میں اس کے لئے کھول دیا

"اللہ کی شان" زبیدہ نے منہ ہی منہ میں طنزیہ کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی

اتفاق ہی سے وہ آج پرانی سوزوکی میں آئی تھی...... حسد سے پھر اسے چبھن سی ہوئی۔

گھر پہنچ کر بھی وہ کچھ مضطرب اور بے چین رہی...... فاروق کو زری کی شادی کی مبارخبر سنانے کے لئے بے قرار تھی۔

فاروق رات گھر آئے تو زبیدہ نے سب سے پہلے اس سے یہی بات کی...... "اجی سنا آپ نے کچھ؟"

"کیا" فاروق اس کی بے چین تجسس بھری آواز سن کر بولے۔

"زری صاحبہ نے دوسری شادی کرلی"۔

"ہیں؟" فاروق چونکے۔

"ہاں جی...... خوب اچھا ہاتھ مارا...... بڑا امیر آدمی ہے...... نئی نیوٹا میں آئی ہوئی تھی پارٹی میں...... اس کا خاوند ریاض کا دوست ہے"۔

"ہوں"

"وقت بیتی کا تھا کرلی اپنی شادی"۔

"زبیدہ"

"ہوں"

"تمہیں کیا پتہ زری بھابی کی مجبوری ہوگی...... کامی سے پتہ تو چلتا رہتا تھا کہ ماں بیٹی بڑی تنگ دستی اور اذیت کی زندگی گزار رہی ہیں...... کچھ سوچ کر ہی ایسا کیا ہوگا...... اور پھر یہ کوئی گناہ والی بات تو نہیں...... تم تو ایسے یہ بات اچھال رہی ہو جیسے وہ کوئی غلط کام کر بیٹھی ہوں...... تمہاری تو سہیلی تھی تمہیں تو اسے ایسے حالوں میں دیکھ کر خوش ہونا چاہئے"۔

"ہونھ" وہ فاروق کی سرزنش سے جل کر بولی...... "کوئی نہیں میری سہیلی وہیلی سہیلاپا اسی دن ٹوٹ گیا تھا...... جب اس کی منہ پھٹ بیٹی نے میرے بیٹے کو رد کیا تھا"۔

"جو بات ہوگئی ہوگئی...... تم نے بھی تو ان لوگوں کی بعد میں کوئی خبر نہ لی"۔

"کیوں لیتی؟"

"تو اب بھی ان کو ان کے حالوں پر چھوڑ دو...... اتنی اکسائیٹڈ کیوں ہو...... جو جیسے بھی چاہتا ہے جینے دو...... ہر کوئی اپنی ذمہ داریاں خود نبھاتا ہے...... تمہیں فکر کیوں ہے"

نے امیر آدمی سے شادی کرلی...... اچھی بات ہے...... خدا نے اسے دھن دولت دینے کا وسیلہ بنایا ہوگا...... ان کی قسمت"

زبیدہ نے منہ بنایا...... "دھن دولت کچھ زیادہ ہی لگتا ہے مل گئی"۔

"خدا نے تمہیں بھی تو بہت کچھ دیا ہے...... اس کا شکر ادا کیا کرو...... انکساری سے کام لیا زبیدہ بی بی...... دوسروں کو اچھے حال میں دیکھ کر خوش ہوا کرو...... زری بھابی نے دکھ بہت جھیلے...... مجھے تو سن کر خوشی ہوئی ہے"۔

"ان کا سن کر تو باپ بیٹے کو خوشی ہی ہوگی...... پتہ نہیں کیا لگتے ہیں وہ آپ کے"۔

فاروق اس کے زچ ہونے پر مسکرا کر بولے...... "تمہارے بیٹے کے ارادے مجھے نیک لگتے ہیں...... ہو سکتا ہے...... وہ ہمارے کچھ لگنے ہی لگیں"۔

"ایسا...... کبھی نہیں ہونے دوں گی میں" زبیدہ بولی...... "سب بے عزتی بھول جائیں میں نہیں بھولوں گی"۔

"نوری نے جو کچھ کہا تھا...... وہ بچپنے کی حماقت تھی...... ورنہ وہ بھی کامی کے بچپن کی ساتھی اور دوست ہے اور سب سے بڑی بات کہ کامی اس دوستی، اس تعلق کو بھلا نہیں پاتا"۔

"بھلا دے گا...... دیکھوں گی میں بھی"۔

فاروق سنجیدگی سے بولے...... "زبیدہ وہ زمانہ نہیں رہا...... کہ بچوں پر ماں باپ زبردستی پسند مسلط کردیں...... یہ کامی کا معاملہ ہے اسی پر چھوڑ دو...... سمجھدار بچہ ہے...... جو قدم اٹھائے گا عقلمندی سے اٹھائے گا...... وہ نوری کو اپنی زندگی میں شامل کرے یا کسی اور کو...... یہ سب اس کی خواہش خوشی اور مرضی پر ہونا چاہئے...... زبردستی سہنے کا دور نہیں رہا...... اس سے اولاد ہاتھ سے بھی نکل جاتی ہے...... والدین کو ہوشمندی سے کام لینا چاہئے...... کامی نے مجھ سے کبھی کوئی خاص بات تو نہیں کی...... لیکن اس کی خواہش میں اس کی آنکھوں میں دیکھ لیتا ہوں"۔

زبیدہ جھلا کر بولی...... "نوری اس گھر میں نہیں آئے گی"

"بے وقوف عورت...... گھروں کی کیا کمی ہے...... اس گھر میں نہیں آئے گی...... تو کامی دوسرا گھر بھی لے سکتا ہے...... بشرطیکہ وہ نوری ہی سے شادی کرنا چاہے...... وہ خود کما رہا

ہے..... اور مجھ سے زیادہ کما رہا ہے..... ماشاء اللہ..... تم ایسے ہونہار بیٹے کو کھونا پسند کروگی"۔

"اللہ نہ کرے..... میرا بچہ..... میرا اپنا بیٹا"۔

فاروق ہنس کر بولے..... "تو پھر بچے کی خوشی کو بھی مقدم جانو..... اس کی پسند نوری ہے یا کوئی اور..... اسے اپنی پسند سے کرنے دو"۔

زبیدہ چپ ہوگئی۔

فاروق بڑی دیر اسے سمجھاتے رہے..... زبیدہ سنتی رہی..... نوری سے اسے بیر سہی..... لیکن کامی کے لئے وہ ہر قربانی دے سکتی تھی۔

زری کی شادی کی خبر جس طرح وہ فاروق کو سنانے کے لئے بے تاب تھی..... اسی طرح کامی کو بھی یہ دھماکہ خیز خبر سنانا چاہتی تھی..... لاشعوری طور پر وہ کامی کو ان لوگوں سے دور کرنے کے لئے یہ ہتھیار استعمال کرنا چاہتی تھی۔

کامی ہفتے کو تین ماہ اور دس دن کے بعد واپس پاکستان آرہا تھا..... اس کے ساتھ جرمن پارٹی کے دو تین لوگ بھی آرہے تھے۔

زبیدہ کو کامی کے آتے ہی یہ خبر سنانے کا موقعہ نہ ملا..... کیونکہ اس کے آنے سے دو دن ہی پہلے اسے ملتان اپنی بہن کے ہاں جانا پڑا..... بہن کی ساس فوت ہوگئی تھی..... ویسے بھی عرصے سے ملتان جانا نہیں ہوا تھا..... اس لئے ہفتے عشرے کا پروگرام بن گیا۔

کامی واپس آتے ہی بہت مصروف ہوگیا..... فارن پارٹی جو ساتھ آئی تھی..... ان کے ساتھ میٹنگز ہونا تھیں..... ہوٹل میں ٹھہرنے کا بندوبست 'ان کو گھمانا پھرانا..... فیکٹری کی کارکردگی دکھانا..... پورا ہفتہ اسے بالکل فرصت ہی نہ تھی..... ایسے بھی صرف بزنس ہی کی ڈسکشن ہوتی۔

اس دن بھی وہ پارٹی ممبرز کو لے کر چائے کے لئے ہوٹل میں آیا تھا..... کچھ ملکی لوگوں کو بھی ان سے ملانا تھا..... پارٹی خوب رہی فارنرز بزنس کے اسرار و رموز جانتے تھے..... کامی کی کارکردگی نے انہیں مطمئن کیا..... جس کے نتیجے میں ایک بہت بڑی ڈیل طے پائی..... کامی کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا..... جب میٹنگ ختم ہوئی ملکی اور غیر ملکی ممبر چلے گئے..... تو کامی لبرٹی چلا آیا..... اس نے ان فارنرز کے لئے کچھ گفٹ لینے تھے۔

گاڑی پارک کر کے وہ برآمدے میں آیا..... دکانوں اور شورو موں کے سامنے چوڑا برآمدہ لوگوں سے بھرا تھا..... کوئی آرہا تھا کوئی جارہا تھا..... شاپنگ زوروں پر تھی..... گرمی ختم ہوتے ہوتے بھی اپنا آپ دکھا رہی تھی..... اس لئے لوگ زیادہ تر شامیں شاپنگ کے لئے وقف کرتے تھے۔

کامی برآمدے میں آگیا..... مطلوبہ چیزیں خریدنے کے لئے وہ بڑے سے شوروم میں داخل ہوا..... جس کاؤنٹر پر وہ رکا اس سے اگلے کاؤنٹر پر نظر پڑتے ہی وہ حیران و ششدر رہ گیا..... وہاں تیسری لڑکی جس پر اس کی نگاہ اٹک گئی..... تھی تو نوری..... لیکن اس کا ذہن اسے کسی طور پر نوری نہیں مان رہا تھا..... شگفتہ چہرہ ' چمکتی آنکھیں اور لانبے گھٹاؤں ایسے پشت پر لہراتے بال..... کندھے پر چرمی بڑے سے بیگ کا سٹریپ ' بہت ہی خوبصورت اور ماڈرن قسم کے کلف شدہ کپڑے..... گلے میں سونے کی چین..... کانوں میں ننھے ننھے چمکتے موتی..... وہ کوئی چیزیں پیک کروا رہی تھی۔

کامی ششدر سا تھا..... اس کی طرف قدم ہی نہ اٹھ سکے..... وہ اس کے نوری ہونے اور نہ ہونے کے بین بین ہی معلق تھا..... کہ وہ پیک شدہ چیزیں لے کر قیمت ادا کرنے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

وہ نوری ہی تھی۔

لیکن

جس نوری سے وہ آخری بار مل کر گیا تھا..... اس نوری اور اس نوری میں زمین و آسمان کا فرق تھا۔

نوری نے شاید اسے دیکھا ہی نہیں..... پیسے دے کر وہ چیزیں اٹھائے شوروم سے باہر نکل آئی..... سکتے میں آیا ہوا کامی میکانکی انداز میں مڑا..... اور شیشے کے دروازے پر آکر رک گیا..... نوری کے لئے ڈرائیور نے دروازہ کھولا تھا..... اور وہ پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی تھی.....

ڈرائیور نے اس سے شاپنگ والا بیگ پکڑ کر اگلی سیٹ پر رکھ دیا تھا۔

اک دل چیر دینے والا خیال کامی پر غشی کی سی کیفیت طاری کر گیا۔

کیا؟

کیا؟

نوری کی شادی ہو گئی ہے؟

گھبرا کر تیزی سے دروازہ کھول کر باہر نکلا..... لیکن گاڑی جا چکی تھی۔

حواس باختہ

لٹا پٹا

بکھرا بکھرا کائی..... بغیر شاپنگ کئے اپنی گاڑی کی طرف آیا..... کتنی دیر وہ سٹیرنگ پر سر رکھے اندر ہی اندر روتا تڑپتا اور بلکتا رہا..... اس کا من نوری نوری پکارتا رہا۔

"او میرے جھوٹے دل" اس نے سر لو ھر لو ھر مارتے ہوئے خود کلامی کی..... "کیوں تسلیاں دیتا رہا مجھے..... کیوں غلط بہلاووں میں الجھاتا رہا..... کیوں یقین دلاتا رہا کہ نوری میرے سوا کسی کی ہو ہی نہیں سکتی..... وہ صرف اپنے کئے پر نادم و پریشان ہے..... ورنہ دل سے وہ اب بھی مجھے چاہتی ہے..... کیوں دلاسے دیئے..... کیوں تسلیاں دیں"۔

وہ کئی لمحے اپنے دل سے ہی لڑتا رہا..... اسے اپنی بزنس اور ڈیل سے ملنے والی ساری خوشی بھول گئی تھی۔

پھر اس نے سٹیرنگ پر سے سر اٹھایا..... ارد گرد دیکھا..... لبرٹی میں گہما گہمی اور رونق بڑھ رہی تھی..... لیکن اس کے اندر ویرانی اتر رہی تھی۔

اس نے گاڑی سٹارٹ کی..... گھر جائے یا کہیں سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہے..... وہ فیصلہ نہ کر سکا..... گاڑی سڑکیں ناپنے لگی..... وہ گارڈن ٹاؤن کی طرف چلا جا رہا تھا۔

بلا ارادہ

بلا مقصد

پھر گاڑی چلاتے ہوئے ہی اسے ایک خوفناک خیال آیا..... زری خالہ کی باتیں اس کے کانوں میں گونجنے لگیں..... "کبھی کہتی تھی مر جاؤں گی..... کبھی کہتی ہے پڑیاں کھا کر کڑوے کسیلے دھوئیں کے سگریٹ پی کر..... بوتل چڑھا کر ناچ کر گا کر سارے غم بھول جاؤں گی"۔

تو

تو

کیا اس نے واقعی اپنا بدنام زمانہ گروپ پھر سے جوائن کر لیا ہے..... کسی امیر زادے کے ہتھے چڑھ گئی ہے..... اس کی دولت پر عیش کرنے لگی ہے؟

لیکن نہیں..... اس کا دل نہیں مانا..... شواہد اس بات کے حق میں نہیں لگتے تھے..... وہ صاف ستھری نکھری نکھری سی بڑے وقار سے شوفر ڈریون کار میں بیٹھی تھی۔

"ہو سکتا ہے اس نے کسی سہیلی کی گاڑی مانگی ہو" اس نے گاڑی دوڑاتے ہوئے سوچا..... "لیکن..... اس کا لباس؟ رنگ ڈھنگ؟ یہ تو سہیلی کی دین نہیں ہو سکتی تھی..... تو پھر..... پھر..... کہاں وہ میلی کچیلی گرد و دھول میں اٹی نوری اور کہاں یہ"۔

سوچ سوچ کا اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

سوچ کی کئی جہتیں ہوتی ہیں..... ذہن جس طرف لگ جائے..... اسی طرف لڑھکتا چلا جاتا ہے..... کائی کا بھی یہی حال تھا..... سوچوں کی جس جہت پر وہ جا رہا تھا..... اسے اذیت میں مبتلا کر رہی تھی۔

وہ کافی دیر سڑکوں پر بھٹکتا بے ربط سوچوں سے الجھتا رہا۔

پھر اسے خیال آیا..... کیوں نہ زری خالہ کو فون کر کے صحیح صورت حال کا پتہ کر لے..... گو اس بات سے وہ ڈر رہا تھا..... لیکن فون کئے بنا چارہ بھی نہیں تھا..... کرب و اذیت اتنے تکلیف دہ تھے..... کہ وہ برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

اس نے گاڑی آہستہ کر کے سڑک کے کنارے روکی..... اپنا موبائل فون نکالا اور ڈرتے ڈرتے سہمے سہمے انداز میں نمبر ڈائل کیا۔

دو تین گھنٹیاں بجنے کے بعد ادھر سے کسی نے فون اٹھا کر ہیلو کیا..... یہ زری خالہ کی آواز تھی نہ نوری کی..... غالباً زری کی اماں دوسری طرف تھیں۔

کائی نے سلام کرنے کے بعد کہا..... "میں کائی بول رہا ہوں..... زری خالہ سے بات کرنی ہے"۔

"زری تو یہاں نہیں ہے" جواب ملا۔

"کہاں ہوں گی"

"اب وہ اپنے گھر ہوتی ہیں..... دونوں"

"اپنے گھر؟"

"شادی کے بعد یہاں سے چلی گئی ہیں"

فون کای کے ہاتھ میں سے گرنے لگا...... دل بیٹھ گیا...... بڑی دکھ بھری آواز اس کے لبوں سے نکلی...... "تو نوری کی شادی ہو گئی اور"۔

اس کی بات اماں نے جلدی سے کاٹی...... "نوری کی نہیں...... زری کا نکاح کر دیا ہے ہم نے"۔

"زری خالہ...... کا نکاح" کای کے دل سے خوف اور دھڑکا ہٹا تو زری کے نکاح کی خبر نے خاصہ بد حواس کر دیا...... لیکن اب وہ دکھ اور غم سے تڑپ نہیں رہا تھا...... جواباً اماں نے تھوڑی سی تفصیل اسے بتائی...... وہ کای سے چند مرتبہ مل چکی تھیں...... کای کچھ مطمئن ہو گیا۔

"ان کا فون نمبر آپ دیں گی مجھے" وہ اب قدرے ایکسائیٹڈ تھا۔

"نہیں بیٹا...... وہاں فون نہ کرنا...... ہاں زری کا فون آیا تو اسے تمہارا بتا دوں گی...... شاید وہ خود تمہیں فون کرے...... نیا نیا رشتہ ہے اس لئے"۔

"جی بہت اچھا...... ہاں صرف یہ بتا دیجئے کہ ان کا گھر کہاں ہے"۔

"گلبرگ میں...... اشرف میرے چھوٹے ماموں کا بیٹا ہے...... پیسے والا آدمی ہے...... زری اور نوری وہاں بہت خوش ہیں"۔

کای نے ایک گہری سانس لی...... اماں کا شکریہ ادا کیا اور فون بند کر دیا۔

اب وہ واپس مڑ رہا تھا۔

اس کا گھر بالکل متضاد راستے پر تھا...... ادھر تو بھٹکتے بھٹکتے نکل آیا تھا۔

سوچوں میں وہ اب بھی بھٹک رہا تھا...... یہ سوچیں زری خالہ اور نوری ہی کے گرد گھوم رہی تھیں...... زندگی کی اس نئی کروٹ کا ان دونوں نے کیا اثر لیا ہو گا؟؟

وہ سوچ رہا تھا...... سوچے چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

بڑے سے شیشے والی کھڑکی سے بیرونی لان کا منظر بڑا خوبصورت لگ رہا تھا...... بڑے بڑے چھتنار درخت ان سے لپٹی پھولوں بھری نازک بیلیں...... لان کے مخملی فرش کا کچھ حصہ اور رنگا رنگ پھولوں والی کیاریاں نظر آ رہی تھیں...... یہ کھڑکی لاؤنج کی تھی...... لاؤنج بہت بڑی تو نہ تھی لیکن سجی ہوئی تھی...... کارپٹ صوفے ڈیکوریشن پیسز شیشے کے ٹاپ والی میزیں بڑی ترتیب سے پڑی تھیں...... کہیں کہیں تازہ پلانٹ مٹی کے سرخ سرخ گملوں میں بڑی بہار دکھا رہے تھے...... یہ سارا سامان یہاں پہلے بھی پڑا رہتا تھا...... لیکن جب سے نوری یہاں آئی تھی...... اس نے لاؤنج کو بالکل بدل ہی دیا تھا...... یہ اب لاؤنج سے زیادہ ڈرائنگ روم دکھائی دیتی تھی...... تازہ پھولوں کی ارینجمنٹ خوبصورت تھی...... ڈرائے ارینجمنٹ کا اپنا ہی حسن تھا...... ڈیکوریشن پیسز اشرف کے سعودی عرب سے لائے ہوئے تھے...... کرسٹل کی یہ چیزیں جب ترتیب سے نوری نے سجائیں...... تو جگہ کا نقشہ ہی بدل گیا...... نوری کے لئے یہ سب چیزیں نئی نہ تھیں...... سہیلیوں کے گھروں اور ہوٹلوں کے ریسپشنوں، لاؤنجوں اور کوریڈوروں میں یہ چیزیں اور پھول پتوں کی آرائشیں اس نے متعدد بار دیکھی ہوئی تھیں...... یہاں تو اسے اپنا گھر مل گیا تھا...... جتنے شوق پالے ہوئے تھے...... ان کے پورا کرنے کے مواقع ملے تھے۔

اشرف بہت خوش تھا...... نوری جب بھی کوئی نئی سجاوٹ کرتی...... وہ دل کھول کر داد دیتا...... انعام کے علاوہ امپورٹڈ ٹافیاں، چاکلیٹیں اور جوسز بھی لا کر دیتا...... تبھی تو نوری چند مہینوں ہی میں اتنی نکھر آئی تھی...... اتنی پرکشش ہو گئی تھی کہ زری آنکھ بھر کر اسے نہ دیکھتی...... مبادا نظر ہی نہ لگ جائے...... لیکن اشرف کا رویہ مختلف تھا...... وہ داد دیتا تو اسے

بازوؤں میں بھر لیتا..... پیار کرتا تو گال پر ہلکی سی چٹکی کاٹ لیتا..... پہلے پہلے تو نوری نے اسے باپ کا والہانہ پیار سمجھا..... لیکن اب وہ اندر ہی اندر اس کی ایسی حرکتوں سے چڑنے لگی تھی.....اسے اشرف کے قریب ہوتے ہوئے خوف سا محسوس ہوتا..... جب بھی وہ اسے بازو سے تھامتا یا بے اختیارانہ سینے سے لگانے کی کوشش کرتا.....وہ مچھلی کی طرح پھسل کر پرے ہو جاتی.....اسے خیال آتا..... ابو اسے بہت پیار کرتے تھے..... لیکن ابو کے جذبوں میں ایسی بے مہار تندی کبھی نہ ہوتی تھی۔

نوری کبھی کبھی بے طرح پریشان ہو جاتی..... لیکن زندگی کی گہما گہمیوں اور مصروفیتیں اتنی تھیں کہ یہ پریشانی دب جاتی تھی۔

آج بھی نوری کے اندر پریشانی سے کچھ ہلچل مچی تھی..... وہ پچھلے برآمدے سے اندر آ رہی تھی..... برآمدہ جمعدارنی دھو رہی تھی.....پانی کی وجہ سے نرم و ملائم ماربل پھسلنے ہو رہے تھے.....اچانک ہی نوری کا پاؤں پھسلا..... لیکن گرنے سے پہلے ہی دوسرے دروازے سے باہر آنے والے اشرف نے اسے بازوؤں میں بھر لیا..... "رائمہ دیکھ کر چلا کرو.....ابھی گر جاتیں تو کیا ہوتا"۔

اشرف نے اسے تھاما نہیں تھا..... بازوؤں میں دبوچ لیا تھا..... نوری زخمی پرندے کی طرح پھڑپھڑائی اور اس کے بازوؤں سے چھٹکارا پا کر اندر بھاگی۔

اشرف کھلکھلا کر ہنس پڑا..... اس کی ہنسی نے نوری کا کمرے تک تعاقب کیا..... یہ ہنسی شرافت کی ہنسی ہرگز نہ تھی..... تمسخر اور مغلوب کر لینے کے جذبوں سے سرشار ہنسی تھی۔

وہ کمرے میں آ کر بیڈ پر گر گئی۔

اور

آج پہلی بار اسے اشرف کی حرکت پر اتنا غصہ آیا کہ اس کے آنسو نکل آئے..... وہ کچھ دیر روتی بھی رہی..... یہ بھی سوچا کہ یہ باتیں امی کو بھی بتا دے..... لیکن امی..... کچھ کم دکھ جھیلے تھے امی نے..... اگر چند گھڑیاں سکون کی انہیں میسر آ جاتی تھیں..... تو انہیں بھی تباہ کر دینا اچھی بات تو نہ تھی۔

وہ

سوچوں میں مستغرق اپنے بیڈ ہی میں پڑی تھی۔

اور

زری لاؤنج کے گداز صوفے پر بیٹھی فون پر باتیں کر رہی تھی..... فون کاکی کا تھا..... کل زری نے ہی اسے فون کر کے اپنے متعلق سب کچھ بتایا تھا.....اماں کی وساطت سے اسے پتہ چلا تھا کہ کاکی نے اسے فون کیا تھا۔

آج کاکی فون پر تھا..... زری خالہ کے نکاح کا دھچکا اسے بھی لگا تھا..... لیکن اب نارمل ہو چکا تھا..... ضرورتیں اور مجبوریاں ایسے ایسے کام کروا ڈالتی ہیں..... جن کی اخلاق بھی اجازت نہیں دیتا..... زری نے تو مذہباً قانوناً جائز کام کیا تھا۔

اور

جس کے لئے کیا تھا.....وہ زری نے بھی بتایا تھا اور کاکی بھی جانتا تھا۔

دونوں باتیں کرتے رہے..... باتوں باتوں میں زری نے مسز ریاض کے ہاں زبیدہ سے ملنے کی بات بھی بتائی۔

"اچھا..... آپ کی امی سے ملاقات ہوئی" وہ خوشی سے بولا۔

"ہاں ہوئی تھی" زری نے گہری سانس لی۔

"کیوں زری خالہ..... اتنی دیر کے بعد ملنا آپ کو اچھا نہیں لگا"

"مجھے تو بہت لگا تھا..... لیکن تمہاری امی نے اتنی غیریت برتی..... کہ میں تو ششدر سی رہ گئی"۔

"اچھا" کاکی کی آواز مریل سی ہو گئی۔

"پتہ نہیں کیوں..... مجھے دیکھ کر وہ بالکل خوش نہیں ہوئیں..... شاید وہ نوری کی وجہ سے ابھی تک ہم سے ناراض ہیں..... خیر..... کوئی بات نہیں..... میں تو قسمت کے لکھے پر شاکر ہوں..... وہ شاید حق پر ہی ہو..... نوری نے بھی تو کوئی اچھی بات نہیں کی تھی"۔

"چھوڑیں خالہ..... ان باتوں کو دہرانے سے فائدہ..... امی کو تو میں سمجھاتا رہتا ہوں..... شاید کسی وقت سمجھانے میں کامیاب بھی ہو جاؤں..... پر..... نوری..... کو کون سمجھائے"۔

"اب میں کیا کہوں کامی..... خدا کے لئے اس کی وجہ سے مجھ سے رابطہ نہ توڑنا..... پتہ نہیں کیوں..... مجھے تمہارا اخلاقی سہارا ہی..... کافی ہے..... بیٹا ہے تو نہیں پر تجھے بیٹا ہی سمجھتی ہوں"۔

"زری خالہ..... میں آپ کا تابعدار ہوں..... کئی بار کہہ چکا ہوں..... میں آپ کا وہی کامی ہوں.....آپ کا بیٹا.....آپ کا فرمانبردار..... خالہ میں آپ کی محبتیں اور شفقتیں بھول نہیں سکتا"۔

"جیتے رہو..... خدا کاروبار میں برکت دے" زری نے اسے کئی دعائیں دے ڈالیں۔

"زری خالہ..... دعاؤں کا شکریہ..... میں آپ کی دعاؤں ہی کا طلب گار ہوں..... اس وجہ سے آپ سے رابطہ توڑ نہیں سکتا..... ورنہ..... آپ جانتی ہیں..... نوری نے تو"۔

"وہ تو پگلی ہے..... اس کی باتوں کا برا نہ مانا کرو..... تم سے لڑ تو لیتی ہے..... بعد میں روتی بھی رہتی ہے"۔

"اچھا؟"

"اور کیا..... مجھے تو اس کی کچھ سمجھ نہیں آتی"۔

"زری خالہ"

"ہاں"

"میں نوری سے بات کر سکتا ہوں"

"کر لو"

"ذرا بلادیں..... کہاں ہے"۔

"اپنے کمرے میں ہی ہو گی..... ہولڈ کرو..... میں بلاتی ہوں" زری نے کہا پھر ہنس کر بولی..... "اس کی تو تو میں میں سننے کو تیار رہنا..... مغز پھری کہیں کی ہمیشہ لڑتی ہے تم سے"۔

زری نے نوکر کو آواز دی..... "رائمہ کو بلا لاؤ اس کا فون ہے"۔

"جی بہتر" نوکر مودبانہ کہہ کر اسے بلانے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد نوری آگئی..... اس کا چہرہ اور آنکھیں قدرے سرخ سرخ تھیں۔

"کیا بات ہے"..... زری نے پوچھا۔

"کچھ نہیں" وہ صوفے پر دھم سے بیٹھتے ہوئے ماں کو دیکھ کر بولی..... "کس کا فون ہے"

"کامی تم سے بات کرنا چاہتا ہے" زری نے کہا۔

"پتہ نہیں یہ کس ڈھیٹ مٹی سے بنا ہے" وہ بڑبڑائی تو زری نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر گھورتے ہوئے ہولے سے کہا..... "آواز سنی جاتی ہے اس طرف بھی"۔

"اچھا ہے سنی جائے" وہ الجھی

"نوری!" ماں نے سرزنشی لہجے میں کہا تو اس نے جلدی سے زری سے فون لے لیا اور رکھائی سے بولی..... "کیا کہنا ہے؟"

"کوئی خاص بات نہیں تھی..... ویسے ہی"

"پوچھنا چاہتے ہو..... کہ نانی کے ہاں کسمپرسی کی زندگی گزارتے گزارتے ہم لوگ"۔

"نوری یہ سب کچھ خالہ مجھے بتا چکی ہیں..... ویسے بھی مجھے پتہ تھا کچھ نہ کچھ ہو گا..... تم..... غربت سے نبھاہ نہیں کر سکتیں"۔

"کامی....." وہ غرائی "غربت سے شاید مجبوراً نبھاہ کر لیا جاتا..... لیکن بے عزتی اور ی گوارہ نہیں کر سکتا..... تم کر سکتے ہو؟"

"کر رہا ہوں" وہ ہنسا۔

"کیا مطلب؟" وہ چڑ گئی۔

"تم نے مجھے ٹھکرا دیا..... یہ بے عزتی نہیں کیا..... لیکن میں تب بھی اپنے سچ پر قائم ہ"

نوری چند لمحے چپ ہو گئی۔

"ہیلو" کامی نے جلدی سے کہا۔

"ہوں"

"برا مان گئیں..... غصہ تو ہر وقت ناک پر دھرا ہوتا ہے تمہارا"۔

"میں کسی مذاق کسی طنز کسی تمسخر کی متحمل نہیں ہو سکتی..... مجھے مت فون کیا کرو..... تمہارا کوئی واسطہ نہیں"۔

"اچھا..... کیا سچ کہہ رہی ہو"

"ہاں ہاں...... ہاں" نوری نے زور دے دے کر کہا...... تو کامی کچھ دیر کے لئے خاموش ہو گیا...... پھر آہستگی سے بولا...... "ٹھیک ہے...... شکریہ...... میرے جھوٹے بھلاووں نے راہ دکھادی...... آئندہ میں تم سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گا...... یہ میرا آخری فیصلہ ہے...... اور زیادہ ذلیل نہیں ہو سکتا"۔

اس نے ٹھک سے فون رکھ دیا...... نوری کو ان الفاظ کی توقع نہ تھی...... نہ ہی اس کا اس طرح فون بند کرنے کا خیال تھا...... وہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"تو ہر وقت اس سے لڑتی ہی رہتی ہے" زری نے فون کریڈل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اچھا کرتی ہوں" کہتے کہتے وہ پھک پھک رونے لگی...... سر ماں کے کندھے سے اور بازو اس کے گلے میں ڈال دیئے۔

زری جو ابھی اسے ڈانٹ رہی تھی...... نرم پڑ گئی...... اس کا سر اپنے سینے سے لگالیا وہ تقریباً ساری کی ساری اس کی گود میں آ گئی۔

زری اسے بہلانے لگی...... لیکن وہ روئے گئی...... روئے ہی گئی...... زری کی بھی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تو کیا ہے نوری" زری بولی...... "کیا تیری قسمت میں رونا ہی لکھا ہے...... بات بات پر روتی ہے...... میں دیکھ رہی ہوں تو بہانے ہی ڈھونڈتی ہے رونے کے...... جب اماں کے پاس تھی...... تو تیرے آنسوؤں کی سمجھ بھی آتی تھی...... اب کیا ہے...... دنیا کی ہر شے تجھے حاصل ہے...... پھر بھی"۔

"بس کریں...... امی" نوری آنسو پونچھتے ہوئے سیدھی ہو بیٹھی۔

"کامی سے تیری اب کیا لڑائی ہے" زری نے غصے سے کہا تو وہ بولی...... "میری اس سے صلح ہی کب تھی؟ میں نے اسے ٹھکرا دیا تھا...... چاہے میری...... غلطی تھی...... لیکن وہ بھی میرے پیچھے پڑا ہے...... مجھے سبک کرنا چاہتا ہے...... خود غرض ثابت کرنا چاہتا ہے بدلہ لینا چاہتا ہے"۔

"پگلی...... ایسا کیوں سمجھتی ہے...... مجھے تو احساس ہوتا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ہمدردیاں رکھتا ہے...... وہ سچا اور کھرا انسان ہے...... وہ تم سے قطعاً بدلہ نہیں لینا چاہتا

[...]نا چاہتا ہے...... یہ تیری بھول ہے...... بچپن کے ساتھی بھلائے نہیں بھولتے

[...]پ تو اسی کی طرف داری کریں گی" وہ اٹھ کھڑی ہوئی...... وہ جانے لگی تو زری نے [...]...... "دل سے تو بھی اسی کی طرف داری کرتی ہے...... یہ بات نہ ہوتی تو تو اس سے [...]ہمدردیاں کیوں کرتی"۔

[...]ی نے کوئی جواب نہیں دیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

[...]گزرتے چلے گئے...... کامی کا پھر فون نہیں آیا...... دو ایک بار زری نے ہی خیر خیریت [...] کامی نے نوری کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔

[...]ن وہ فون کے پاس ہی بیٹھی تھی...... زری نے کامی کا فون ملایا تھا...... دو چار باتیں [...]...... پھر فون بند کر دیا تھا۔

[...]ی کو فون کر رہی تھیں" نوری نے ماں سے پوچھا۔

[...]ں" زری نے کہا۔

[...]ی لفٹ نہیں کراتا تا اب" نوری نے دکھی سی مسکراہٹ سے کہا۔

[...]ٹ کیا کرائے؟"

[...]ا نہیں پوچھتا"

[...]ں...... تو نے اس سے کبھی سیدھے منہ بات کی ہے"۔

[...]پ اسے کیوں فون کرتی ہیں...... جب وہ نہیں کرتا تو چھٹی کریں"۔

[...]ی نے نوری کی طرف دیکھا...... پھر سنجیدگی سے بولی...... "میں سچے اور مخلص [...]ر ابطہ توڑنا نہیں چاہتی...... وہ بچوں کی طرح میرے ہاتھوں میں پلا بڑھا ہے...... [...] بچوں ہی کی طرح عزیز ہے...... وہ تمہاری وجہ سے فون نہیں کرتا...... میری تو [...]ئی لڑائی نہیں"۔

[...]ٹھیک امی" نوری کچھ افسردہ سی تھی...... پھر بھی ٹھنڈے لہجے میں بولی...... [...]ا سے صلح بھی ہو جائے تو کیا فرق پڑتا ہے...... اس کی ماں سے آپ مل چکی ہیں...... [...]سلوک اختیار کیا اس نے وہ ہمیں کبھی قبول نہیں کرے گی...... اس لئے کامی سے ناطہ توڑنا

ہی بھلا؟"

"زبیدہ سے تو مجھے ایسی توقع نہ تھی..... نوری تم سوچ نہیں سکتیں کہ اس نے کیا
بیگانگی اور بے مروتی کا رویہ اختیار کیا"۔

"بیٹے کے معاملے میں وہ اس سے بھی زیادہ سخت رویہ اختیار کر سکتی ہے"۔

"ہوں"

"تو پھر..... صلح صفائی سے فائدہ"۔

"نوری"

"ہوں"

"کبھی کبھی میں سوچتی ہوں زبیدہ حق بجانب ہے..... تو نے بھی تو"۔

نوری اٹھ کھڑی ہوئی..... "چھوڑیں یہ باتیں..... ہاں امی میں نے ہنی کے ساتھ با
جانا ہے..... وہ آنے والی ہی ہوگی..... چائے پی کر جائیں گے..... ذرا اچھی سی چائے او
میرے کمرے میں قمرو کے ہاتھ بھیج دینا"۔

"اچھا"

نوری ماں کے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی..... کوریڈور میں گئی..... تو سامنے
اشرف آرہا تھا..... اس کے دل میں کچھ خوف سا پیدا ہوا..... لیکن اس خوف کو دباتے ہو
بولی..... السلام علیکم انکل"

اشرف نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کی کمر میں بازو ڈالنے کی کوشش کی ا
تڑپ کر پیچھے ہٹ گئی۔

اشرف کے ہونٹوں پر اسے مسکراہٹ نظر آئی..... جس میں شیطان رقصاں تھا...
کر وہ تیز قدم اٹھاتی اپنے کمرے میں گھس گئی..... اس نے کمرے کا دروازہ تڑاخ سے بند ک
سر تھام کر کرسی میں بیٹھ گئی..... وہ اسی طرح بیٹھی تھی۔

کہ نوکر نے اس کی دوست ہنی کے آنے کی اطلاع دی۔

"انہیں ادھر ہی لے آؤ" اس نے سر اٹھایا..... پھر اٹھ کھڑی ہوئی..... ہاتھ روم
گھس کر منہ پر پانی کے چھینٹے مارے..... ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آکر بالوں میں برش کیا

لپ اسٹک لگائی..... اور تازہ دم نظر آنے کی کوشش میں چہرے پر خوشگواری کے
لانے لگی۔

چند لمحوں بعد ہنی اس کے کمرے میں تھی اور دونوں ایک دوسرے سے لپٹی حال
پوچھ رہی تھیں..... دونوں باتیں کرتے ہوئے بیڈ پر ہی بیٹھ گئیں..... ہنی ہی تھی.....
نے برے حالات میں بھی اس سے تعلق نہ توڑا تھا..... برابر فون کرتی رہتی..... چند دفعہ
ے گھر بھی گئی تھی..... اپنے ہاں بھی بلایا تھا..... کالج کی ساری باتیں اسے بتاتی..... ساری
یوں کا بتاتی..... وہ حقیقتاً اس کی مخلص دوست تھی..... خلوص پر وقت کی اچھائی برائی اثر
نہیں ہوتی..... اسی لئے دونوں کی دوستی بہت گہری ہو چکی تھی۔

قمرو چائے کی ٹرالی لے آیا..... نمکین اور میٹھی تین چار چیزیں چائے کے ساتھ زری
بجوائی تھیں..... دہی بھلے ہنی کو بہت پسند تھے..... ایک ڈش میں دہی بھلے بھی موجود تھے۔

باتیں کرتے ہوئے دونوں اپنی اپنی پلیٹ لے کر چیزیں رغبت سے کھانے لگیں.....
لف نہ کرنا..... جو جی چاہے خود ہی لے لو" نوری نے ایک خستہ سالٹ اپنی پلیٹ میں
تے ہوئے کہا۔

"میں تو دہی بھلے کھاؤں گی" ہنی نے اپنی پلیٹ میں دہی بھلے ڈالے۔

"بڑے مزے کے ہیں" ہنی دہی بھلے کھاتے ہوئے بولی..... "تم بھی لو نا"۔

"میرا دل اس وقت کچھ بھی کھانے کو نہیں چاہ رہا..... یہ بسکٹ بھی تمہیں کمپنی دینے
یا ہے"۔

"کیوں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے..... تمہاری آنکھوں میں کچھ اداسی کی دھند ہے"۔

"ایویں ای"

"میں نے آتے ہی یہ دھند دیکھی تھی..... نوری آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں.....
ر کا آئینہ ہوتی ہیں..... کیا بات ہے اداس ہو نا؟"

"نہیں تو..... تم آ گئی ہو اب اداسی کیسی؟"

نوری چپ ہو گئی..... ہنی نے بھی دہی بھلے کھانا چھوڑ دیئے۔

"اے" نوری بولی..... "تم تو کھاؤ"

"اوں ہوں...... جب تک تم اداسی کی وجہ نہیں بتاؤ گی...... میں کسی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤں گی...... چائے بھی نہیں پیوں گی...... مت بنانا میرے لئے چائے"۔

نوری ہنس پڑی...... لیکن ہنی اس ہنسی سے مطمئن نہ ہوئی۔

"کیابات ہے نوری...... مجھے نہیں بتاؤ گی"۔

"کیا بتاؤں"

"یہی بات...... اداسی کی وجہ...... امی نے کچھ کہا...... انکل نے"۔

"انکل!" وہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔

"کیا ہوا انکل کو...... دیکھو تو وہ تم پر کتنے مہربان ہیں...... تم جو کچھ چاہتی تھیں...... انہوں نے تمہیں دیا ہے"۔

"ہونھ" وہ تمسخر سے ہنسی تو ہنی نے اس کا کندھا جھنجھوڑا...... "کیابات ہے بتاتی کیوں نہیں؟"۔

ہنی چائے وائے بھول کر نوری کے سر ہو گئی...... بہت پوچھا...... بہت ہی پوچھا تو نوری سنجیدگی سے بولی...... "ہنی پتہ ہیں کیابات ہے...... انکل سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے"۔

"بہت سخت ہیں کیا"

"نہیں"

"تو"

وہ سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی...... "سخت بالکل نہیں ہیں...... بات میرے منہ سے نکلتی نہیں کہ وہ پوری کر دیتے ہیں...... لیکن...... پتہ نہیں...... وہ مجھے...... بالکل اچھے نہیں لگتے...... ان کی حرکتیں"۔

"کیسی حرکتیں؟"

ہنی نے پوچھا تو نوری نے ان کی حرکتوں کا مختصراً ذکر کر ہی دیا...... دل پر بڑا بوجھ تھا اتارنا تو تھا ہی مخلص دوست سے نہ کہتی تو کسے کہتی۔

ہنی ششدر رہ گئی...... لیکن جلدی سے بولی...... "وہ تمہارے ابو تو نہیں بن سکتے نا...... ایسے ہی تمہارا وہم ہے"۔

نوری نے سر ہلایا...... "مجھے یہ باتیں قطعاً اچھی نہیں لگتیں...... ان کی ایسی حرکتوں میں ہیں...... حیوانیت ہوتی ہے ہنی...... کسی وقت تو مجھے لگتا ہے یہ جو مہربانیاں وہ مجھ پر ہ ہیں...... ایسے ہی نہیں...... کسی وقت ان کا...... صلہ...... نہ"۔

"ہائے نوری" ہنی گھبرا کر بولی...... "تم اپنی امی سے کیوں نہیں کہتیں"۔

"کیسے کہوں...... بچاری امی نے پہلے کم دکھ جھیلے ہیں...... اب انہیں کچھ مقام ملا ... تو میں...... ویسے ہی امی نے یہ نکاح میری خاطر، میری مرضی سے کیا تھا...... میں ان ے میں جی نہ پارہی تھی...... اب یہ باتیں انہیں بتاؤں تو"۔

"ہوں" ہنی بھی پریشان ہو گئی...... پھر بولی...... "اس کا کچھ حل تو سوچنا چاہئے؟"

"سوچنے کو ذہن میں ایک بات تھوڑی ہے" نوری نے افسردہ سی مسکراہٹ سے کہا۔

"اور کیابات ہے" ہنی نے پوچھا۔

تو نوری نے کامی کی سرد مہری کا اسے بتا دیا...... "اب وہ فون بھی نہیں کرتا...... امی کبھی ت کریں...... تب بھی میرا ذکر نہیں کرتا...... میں نے اسے دھتکارا بھی تو بہت ہے"۔

"تو پھر وہ اور کیا کرتا...... تم دھتکارتی رہتیں اور وہ تمہارے پیچھے پاگل ہوا رہتا"۔

"تو اب میں کیا کروں"

"کئے کی سزا بھگتو"

"ہنی...... میں اس کا ایسا رویہ برداشت نہیں کر سکتی...... تم سب کچھ جانتی تو ہو"۔

"اپنے آپ کو جھمیلوں میں خود ہی پھنسا لیتی ہو...... خیر یہ بات تو چھوڑو...... ٹھیک ائے گا...... اصل بات تو انکل والی ہے...... سوتیلے باپ...... کئی واقعے...... ہائے اللہ نہ ے...... پر تم احتیاط ضرور کرو"۔

نوری چپ بیٹھی رہی...... اس وقت وہ کامی اور انکل دونوں کی وجہ سے اپ سیٹ تھی۔

ہنی کچھ دیر اپنی سوچ کے مطابق تبصرے کرتی رہی...... جب نوری کو زیادہ ہی پریشان یکھا تو بولی...... "اٹھو...... ہم نے تو شاپنگ کے لئے جانا ہے...... ایمپائر سنٹر پر امپورٹڈ جوتے ے اچھے آئے ہوئے ہیں...... اٹھو چلیں...... فی الحال ساری ڈپریشن ذہن سے نکال دو...... راکچھ نہ کچھ سبب پیدا کر دے گا"۔

نوری بھی بے دلی سے اٹھی..... کورٹ شوز اس نے بھی لینے تھے۔

امی کو بتا کر وہ ہنی کے ساتھ بازار چل دی۔

دکان میں کافی لوگ تھے..... نوری اور ہنی ایک طرف ہو کر جوتے پسند کرنے لگیں..... ایک گولڈن جوتا ہنی کو پسند آیا۔

"دیکھو نوری" اس نے نوری کو جوتا دکھانا چاہا..... لیکن نوری کی نظریں تو دروازے پر جمی تھیں..... جس میں سے کامی ایک نوجوان سمارٹ سی لڑکی کے ساتھ اندر آرہا تھا..... کامی نے بھی نوری کو دیکھا..... لیکن صرف ایک نظر..... پھر وہ لڑکی سے باتیں کرنے لگا..... جو سٹینڈوں پر رکھے جوتے دیکھنے میں منہمک تھی۔

"نوری" ہنی نے اس کا کندھا ہلایا..... "جوتے دیکھنے کی بجائے لوگوں کو دیکھ رہی ہو"

"لوگ نہیں..... وہ کامی ہے ہنی..... پتہ نہیں کس..... لڑکی کے ساتھ آیا ہوا ہے" ہنی نے اس کے کہنے پر کامی کو دیکھا..... کافی عرصہ پہلے اس نے کامی کو دیکھا تھا..... تب تو وہ ایسا وجیہہ و شکیل جوان نہیں تھا..... اب تو بڑا ہی سمارٹ اور ہینڈسم نوجوان تھا۔

نوری اسے ہی دیکھتی رہی۔

لیکن

اس نے پھر نوری کی طرف نہیں دیکھا..... ہاں وہ ایک بار کن انکھیوں سے کچھ اندازہ کرنے کے لئے اسے ضرور دیکھا۔

لڑکی نے شوز خریدے..... دونوں کاؤنٹر کی جانب قیمت ادا کرنے کو بڑھے..... نوری نے دیکھا..... بٹوہ کامی نے نکالا تھا..... پیسے شاید لڑکی ادا کرنا چاہتی تھی..... کامی اسے ہنس ہنس کر روک رہا تھا۔

حسد جلن اور دکھ کے مارے نوری کا برا حال تھا۔

☆☆☆

کچھ لوگ دنیا میں آتے ہی دکھوں اور غموں سے ٹکرانے کے لئے ہیں..... وہ منہ موڑنا تو
ں چاہتے ہیں..... تعاقب مسرتوں کا کرتے ہیں..... سکون آسودگی اور اطمینان سے
ں بھرنا چاہتے ہیں..... ان کو پکڑنے کے لئے لپکتے رہتے ہیں..... ایسے رستوں پر چلتے
. جو ان کی دانست میں انہیں ان سب خوشیوں، مسرتوں، سکون و آسودگی سے ہمکنار
گے..... لیکن جب وہ اپنی انتہائی کاوشیں صرف کر چکتے ہیں..... تو انہیں احساس ہوتا
. کہ وہ تو غلط سمت بھاگے چلے جارہے تھے..... الٹی جہتوں کی طرف رواں دواں
. ان کے سامنے خوشیوں کے انبار نہیں دکھوں اور غموں کے ڈھیر لگے ہوتے
. قسمت کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا..... سب مقدروں کے کھیل ہوتے ہیں..... انسان
پی خوش بختی کے لبادے اوڑھتا پھرے..... لیکن تصنع اور ظاہرداری اصلیت کو چھپا
کتی..... اور اگر کسی وقت تقدیر کا دامن ہاتھ میں آبھی جائے..... تو یہ بات یقینی نہیں
ہ یہ دامن ہمیشہ ہی ہاتھ میں رہے گا..... یہ ہاتھوں سے چھٹ بھی سکتا ہے..... اور ہاتھ
چھوڑ بھی سکتے ہیں۔

نوری کچھ ایسے ہی حالات سے دوچار ہورہی تھی..... اس کی چھوٹی سی زندگی میں کئی
چکے تھے..... جب اپنے ماں باپ کے پاس تھی..... تب بھی اس نے مصنوعی حصار میں
پ کو مقید کر کے لوگوں کو امارت کے نام سے مرعوب کرنے کی کوشش کی تھی..... یہ
ی خوشیاں دائمی ہو ہی نہ سکی تھیں..... اس نے سہیلیاں امیر لڑکیاں بنائی تھیں.....
ت دولت مند ڈھونڈتے تھے..... اونچی سوسائٹی میں گھومی پھری تھی..... اپنے آپ کو اتنا

اونچا اٹھالیا تھا..... اتنا بڑا سمجھ لیا تھا کہ کامی تک کو ٹھکرادیا تھا..... جو اس کا بچپن کا ساتھی اور معصوم پیار تھا۔

یہ دور ختم ہو گیا۔

نوری ایسے حالات سے گزری جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا..... لیکن وہ دولت اور خوشیوں کی دوڑ میں لاشعوری طور پر شریک رہی..... اسی کا نکاح اسی سلسلے کی کڑی تھی..... بقول کامی وہ غربت سے نبھاہ نہ کر سکتی تھی..... اسی کے نکاح سے اسے وہ سب کچھ مل گیا..... جو وہ چاہتی تھی۔

لیکن آسودگی آسائش تو ملی..... پر کامی اس سے دور ہو گیا..... کامی پر شاید لاشعوری طور پر اپنا حق سمجھتی تھی کہ جیسا چاہے اس سے سلوک کرے..... لیکن جب اس نے اس کے پیچھے پیچھے پھرنے کا راستہ دانستہ بدل لیا..... تب اسے احساس ہوا..... کہ کامی کے بغیر تو وہ ٹھیک طرح سے سانس بھی نہیں لے سکتی..... اسے رد کرنے کی بھول اتنی مہنگی اور اتنی آزاردہ ہوگی..... اس نے تو سوچا بھی نہیں تھا۔

نوری اداس تھی۔

پریشان تھی۔

اداسی کامی کی تھی..... جو اس سے دور ہو گیا تھا۔

پریشانی انکل کی تھی جس کی آنکھوں کی حیوانیت روز افزوں بڑھ رہی تھی..... اور اسے خوفزدہ کر رہی تھی۔

شاندار کوٹھی میں اونچے درجے کی رہائش..... نئی گاڑی..... روپیہ پیسہ زیور سب کچھ تھا..... لیکن وہ تہی دامن تھی..... جتنی خوشی اسے زندگی کی اس اچانک کروٹ سے ملی تھی..... اس سے کہیں زیادہ تفکرات نے اسے گھیر لیا تھا..... اب تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس کی قسمت میں حقیقی خوشیوں کا عمل دخل ہے ہی نہیں۔

اسی لئے وہ افسردہ پژمردہ اور بے چین رہنے لگی تھی..... زری اس کے اوپر وارد ہونے والے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی..... کامی کی حد تک تو اسے کچھ کچھ علم تھا..... لیکن اشرف سے نوری کی خوفزدگی سے قطعی لاعلم تھی۔

وقت بیت رہا تھا..... اس کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا تھا..... دن اگتا روشنی پھیلتی..... تازگی بکھرتی پروان چڑھتی..... پھر آہستہ آہستہ روشنیاں اور تازگی ڈھلنے لگتی..... شام ہو جاتی..... اندھیرے اترتے اور رات سیاہ پیرہن پہن کر ہر سو جاتی..... دن میں تو کوئی فرق آتا ہی نہیں تھا..... ہاں راتیں کبھی چاندنی سے نورانی ہو جاتیں اور کبھی گھٹاٹوپ اندھیروں میں اتر جاتیں..... کوئی جئے یا مرے وقت کو کوئی فرق نہیں پڑتا..... اس کے معمولات اپنے معمول کے مطابق ڈھلتے ابھرتے رہتے ہیں۔

زری اپنی نئی زندگی سے کچھ کچھ مانوس ہو رہی تھی..... اشرف کی نوازشیں اس پر بھی کم نہ تھیں..... گھر کی ساری ذمہ داریاں اس نے زری کو سونپ دی تھیں۔

"پیسے جتنے چاہئیں ہوں بے دھڑک لے لیا کرو..... میں دیکھتا ہوں تم بہت جھجکتی ہو..... زری میرے گھر کا سلسلہ ہمیشہ سے شاندار رہا ہے..... اس لئے میں چاہتا ہوں کہ یہ اسی طرح اب بھی چلتا رہے"۔

"جی بہت اچھا..... میں کوشش تو کرتی ہوں..... باقی پیسے میرے پاس ہوتے ہیں..... ختم ہونے سے پہلے ہی آپ میرا پرس بھر دیتے ہیں..... مانگنے کی نوبت تو آنے ہی نہیں دیتے"۔

"پرس جو بھر دیتا ہوں..... خرچ کرنے کے لئے ایسا کرتا ہوں..... اپنے لئے چیزیں خریدا کرو..... رائمہ کے لئے چیزیں لیا کرو..... وہ تو مجھ سے اب کچھ مانگتی ہی نہیں..... شروع شروع میں پھر مانگ لیا کرتی تھی"۔

زری مسکرا کر کہتی..... "وہ شاید شرم محسوس کرتی ہے..... آپ اسے بھی خود ہی دے دیا کریں نا..... وہ لڑکی ہے ویسے بھی اوڑھنے پہننے کی شوقین مجھ سے زیادہ تو وہ خریداری کرنا پسند کرتی ہے..... اس کا بس چلے تو ہر وقت بازاروں کے چکر ہی لگاتی رہے"۔

"گاڑی بھی ہے..... ڈرائیور بھی..... جب چاہے جا سکتی ہے"۔

"ڈرائیور کے بغیر بھی جا سکتی ہے" زری نے دبے دبے فخر سے کہا..... "اسے ڈرائیونگ آتی ہے"۔

"اچھا؟"

"جی"

"واہ..... پھر تو ہم بھی کسی دن اس کی ڈرائیونگ سے مستفید ہوں گے"۔

"آج ہی لے جائیے اسے..... رحمان کے گھر جانا ہے نا آپ کو ڈراپ کر آئے گی اسے کہیں وہ تو خوشی سے پھولی نہ سمائے گی..... آپ سے جھجکتی ہے اس لئے گاڑی نہیں چلاتی"۔

"حد ہو گئی" اشرف خوش ہو کر بولا..... "بلاؤ اسے آج مجھے وہی ڈراپ کر کے آئے اور وہی واپس لینے آئے گی..... دیکھیں تو کتنی ایکسپرٹ ہے..... بلاؤ..... بلاؤ اسے"۔

زری بیڈ روم میں تھی..... اشرف اپنے دوست رحمان کے ہاں جانے کو تیار ہوا تھا زری کے انکشاف پر وہ حیران بھی ہوا تھا خوش بھی..... رائمہ اس طبقے کے طریق و آداب اچھی طرح جانتی تھی۔

زری نوری کو بلانے کے لئے کمرے سے باہر نکلی..... قمرو لاؤنج کی چیزیں ٹھیک کر تھا..... اس نے قمرو کو نوری کے بلانے کے لئے بھیجا۔

چند منٹ بعد نوری آگئی..... اس نے ہلکا پنک کڑھائی والا کرتا دوپٹہ پہن رکھا تھا۔ کلف لگے کپڑے اچھے اور سمارٹ لگ رہے تھے..... اس نے ہنی کے گھر جانا تھا..... امی بلایا تو ادھر آگئی..... جانے سے پہلے انہیں بتانا بھی تو تھا۔

زری کمرے میں چلی گئی تھی..... جہاں بڑے سے بیضوی آئینے کے سامنے اشرف کا ٹائی کی ناٹ لگا رہا تھا..... شیشے میں نوری کا عکس نظر آیا تو ایک دم مڑا..... "اوہو..... کہنے..... بہت اچھی لگ رہی ہو..... یہ رنگ تم پر بڑا سوٹ کر رہا ہے"۔

"شکریہ" نوری نے قدرے ناگواری سے کہا..... پھر ماں سے بولی..... "کس لئے بلایا مجھے"۔

"میں نے بلایا تھا" گرے پتلون سفید قمیض اور میرون ٹائی میں اشرف ٹھیک ٹھاک لگ رہا تھا۔

"کس لئے؟" نوری نے پوچھا۔

"تمہاری امی نے بتایا تھا تم ڈرائیونگ بھی کر لیتی ہو"۔

"تو"

"آج میں تمہاری ڈرائیونگ کا امتحان لینا چاہتا ہوں" اس نے قریب آ کر نوری کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا..... نوری نے ماتھے پر بل ڈال کر اسے دیکھا اور اس کا ہاتھ کندھے سے ہٹاتے ہوئے بولی..... "میں ڈرائیونگ کی ایکسپرٹ نہیں ہوں..... نہ ہی امتحان دینے کی پوزیشن میں ہوں..... ویسے بھی میں نے سوزوکی چلائی تھی..... بڑی گاڑی نہیں"۔

"آج تو بڑی گاڑی چلاؤ گی، مجھے میرے دوست کے گھر ڈراپ کرنا ہے رائمہ بی بی"۔

"لے جاؤ نا" زری نے اس کے تیور دیکھے تو ملائمت سے بولی۔

"امی میں ہنی کے گھر جا رہی ہوں..... انکل خود ہی چلے جائیں"۔

"گاڑی میں لے جاؤں تو تم کیسے جاؤ گی"۔

"رکشا لے لوں گی"۔

"یہ میری انسلٹ نہ ہو گی..... چلو گاڑی میں بیٹھو..... تم نہ چلا سکیں تو میں چلا لوں گا"۔

"ٹھیک کہتے ہیں اشرف..... یا تم انہیں ڈراپ کر دینا..... یا وہ تمہیں کر دیں گے..... رکشے میں اکیلی کیسے جاؤ گی"۔

"چلو میں چلتا ہوں..... کچھ دیر کے لئے تو سٹیرنگ سنبھالو..... میں تمہیں ڈرائیو کرتے دیکھنا چاہتا ہوں رائمہ"۔

"جاؤ" زری بولی..... "اتنے پیار سے کہہ رہے ہیں"۔

"ہمارے پیار پر تو اسے شاید اعتماد ہی نہیں"۔

"ہے کیوں نہیں" زری جھٹ سے بولی..... "ساری عیش بہار آپ کی وجہ ہی سے تو ہے ..... اعتماد کیوں نہیں کرے گی..... چلیں لے جائیں اسے ساتھ"۔

نوری کا دل اشرف کے ساتھ جانے کو قطعاً نہیں چاہ رہا تھا..... لیکن نہ جانے کی ضد بھی نہیں کر سکتی تھی..... امی کے چہرے پر آسودگی کس طرح چمک رہی تھی..... کیسے یہ جلتے چراغ بجھا دیتی۔

اشرف اور زری کمرے سے نکلے..... نوری بھی با دل نخواستہ باہر نکلی..... وہ دونوں پورچ کی طرف گئے اور نوری اپنا بیگ لینے کمرے میں چلی گئی۔

جب وہ باہر آئی تو اشرف گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا...... ”آؤ بیٹھو“۔

”نہیں انکل آپ ہی چلائیں...... میں یہ گاڑی نہیں چلا سکوں گی“۔

”تجربہ تو کرو...... چلو بیٹھو“۔

”ہاں نوری...... ہرج کیا ہے نہ چلا سکی تو اشرف چلالیں گے...... تم ان کی خواہش پوری کر ہی دو“ مجبوراً نوری کو بیٹھنا پڑا...... اشرف دوسری طرف سے آکر سیٹ پر بیٹھ گیا۔

نوری نے چابی گھمائی...... سٹیرنگ پکڑا...... پاؤں ایکسلیٹر پر رکھا...... وہ واقعی ڈری ہوئی تھی...... ایک تو سوزوکی چلائے بھی عرصہ ہو گیا تھا...... دوسرے یہ بڑی گاڑی تھی...... پورچ سے گیٹ کے باہر لے جانے کے لئے ریورس بھی کرنا تھا۔

بہر حال

اس نے سنبھل کر گاڑی سٹارٹ کی...... زری نے خوشی سے اسے شاباش کہی...... اور خدا حافظ کہا...... نوری جانے کیسے گاڑی باہر نکال لے گئی...... اور سڑک پر ڈال دی...... چھوٹی سڑک سے وہ گاڑی بڑی سڑک پر لے آئی...... اشرف کی شاباش اور واہ واہ کے باوجود گھبراہٹ اس پر مسلط تھی...... دو ایک بار سٹیرنگ پر اس کے ہاتھ کانپ گئے...... گاڑی ادھر ادھر ہوئی...... تو اشرف نے جھٹ سے اپنا ایک بازو نوری کی کمر کے گرد لے جاتے ہوئے سٹیرنگ پکڑا...... دوسرا ہاتھ وہیل پر رکھ دیا۔

”انکل“ نوری بازو کی سخت گرفت سے تڑپ گئی۔

وہ مسکراتے ہوئے بولا...... ”ابھی ٹکر مارنے لگی تھیں“ اس نے ایک طرح سے نوری کو دبوچ کر سینے سے لگا لیا تھا...... اس کی یہ حرکت کسی طور شریفانہ اور مہذب نہ تھی۔

نوری نے جھٹکے سے اس کا بازو ہٹایا...... گاڑی ایک دم ہی روک دی...... اور دروازہ کھولتے ہوئے بولی...... ”مجھے یہیں اتار دیں...... میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی“۔

”اوہو مائے ڈیئر...... اتنا غصہ کس بات کا...... ابھی دونوں مر جاتے ٹکر ہو جاتی تو“۔

”اچھا ہوتا“

وہ ڈھٹائی سے ہنسا...... نوری کا چہرہ ہاتھ سے اپنی طرف کرتے ہوئے بولا...... ”اُف حسین، اتنی نکھری ہوئی اور اتنی جوان...... انسان کا ایمان ڈول جاتا ہے......“ نوری نے اپنا

ہاتھ جھٹک کر اپنا چہرہ چھڑا لیا...... نوری کی آنکھوں میں آنسو آگئے...... بھرائی ہوئی آواز میں بولی...... ”آپ کو ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے......آپ میرے باپ کی جگہ ہیں“۔

”لیکن“ وہ شیطانی ہنسی ہنسا...... ”میں تمہارا باپ نہیں ہوں“۔

نوری کا دل بیٹھ گیا...... دروازہ کھولا...... اور گاڑی سے نکل کر کھٹاک سے دروازہ بند کیا...... اس کے ہوش و حواس جواب دے رہے تھے...... وہ دوسری طرف سڑک کے کنارے کنارے تیز تیز قدم اٹھاتے جانے لگی...... اس کی آنکھوں سے آنسو بہے جا رہے تھے۔

اشرف اس کے پیچھے نہیں آیا...... اپنی راہ چل دیا...... اس کے اندر شیطان جاگ رہا تھا۔

نوری چلتی جا رہی تھی...... کوئی رکشہ ٹیکسی خالی نہ گزر رہی تھی...... کتنی ہی دور وہ پیدل تیز تیز قدم اٹھاتی چلی گئی۔

وہ جا رہی تھی اردگرد سے بے خبر سی...... اپنے صدموں سے نڈھال...... اشرف کے رویئے سے ہراساں لوگ آ جا رہے تھے...... ٹریفک رواں دواں تھی...... اس نے رکشہ لینا تھا...... ہو سکتا ہے کوئی رکشہ خالی گزرا بھی ہو...... لیکن اسے پتہ ہی نہ چلا۔

پتہ تو اسے اس وقت چلا...... جب سامنے سے آنے والی ہیرو جو غالباً آگے بڑھ گئی تھی...... ریورس کر کے اس کے قریب آگئی۔

اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا...... گاڑی میں کای تھا...... اور اس کے ساتھ اس دن والی لڑکی بیٹھی تھی...... نوری نے آنکھیں پھیلا کر دونوں کو دیکھا...... ایک بار نہیں بار بار دیکھا۔

”کہاں جا رہی ہو“ کای نے سیٹ پر بیٹھے بیٹھے کھڑکی سے سر قدرے نکالتے ہوئے اس سے پوچھا...... ”آج گاڑی کہاں گئی...... کہو تو میں پہنچا دوں جہاں جانا ہے“ کای زیرِ لب مسکرا رہا تھا...... لیکن کای کا لہجہ بالکل بدلا ہوا بے رحم سا تھا...... رو تو وہ پہلے ہی رہی تھی...... اس کی طنز بھری باتوں سے دل پھٹ جانے کو تھا...... وہ تیزی سے وہاں سے چل دی...... اس نے مڑ کر بھی نہ دیکھا کہ ہیرو کھڑی ہے یا چلی گئی...... کای کی بے مروتی نے زخموں پر نمک چھڑکا...... اس کے ساتھ بیٹھی لڑکی نے ہمت حوصلہ سب جلا ڈالا۔

ہنی کے ہاں پہنچ کر وہ اس سے گلے مل کر اتنا روئی...... کہ ہنی گھبرا ہی گئی...... وہ اسے سیدھا اپنے کمرے میں لے گئی...... اور بیڈ پر بٹھا کر بڑے پیار اور ملائمت سے پوچھا...... ”کیا ہوا

نوری..... رکشے پر آئی ہو..... راستے میں کسی نے بد تمیزی کی؟ رو کیوں رہی ہو..... بتاؤ
نوری نہیں تو میں بھی رو دوں گی"۔

وہ واقعی اپنے آنسو ضبط نہ کر سکی۔

کچھ دیر دونوں ہی روتی رہیں..... ہنی اسے ساتھ لپٹا لپٹا کر حوصلہ بھی دلاتی تم چپ ہو جانے کو بھی کہتی تھی..... لیکن اپنے آنسو بھی بہے جا رہے تھے۔

"نوری بس بھی کرو..... بتاؤ تو سہی ہوا کیا ہے" ہنی نے اپنے دوپٹے کے آنچل سے کی آنکھیں پونچھیں..... چہرہ صاف کیا..... تو نوری چپ ہو گئی..... آنسو اب بھی اس کی آ میں جھلملا رہے تھے۔

"کیوں رو رہی ہو" ہنی نے اس کا کندھا زور سے ہلایا۔

"ہنی..... کیا بتاؤں..... بس سمجھو تمہاری یہ دوست انتہائی بد قسمت ہے..... خوشی اسے راس نہیں آتی..... پتہ نہیں..... میں زندہ کیوں ہوں..... کس لئے ہوں"۔

"نوری اتنی مایوسی کی باتیں تو تم نے جب بھی نہیں کی تھیں..... جب نانی کے گھر

نوری بات کاٹ کر بولی..... "تب حالات شاید اتنے تشویش ناک نہ تھے"۔

ہنی گھبرا کر بولی..... "کیوں اب کیا ہوا"

"انکل" نوری کی آواز گھٹ گئی تو گھبرا کر ہنی نے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔ کیا انکل نے"۔

انکل نے گاڑی میں جو کچھ کیا اور جو کچھ کہا تھا نوری نے کہہ سنایا۔

"ہائے اللہ" ہنی نے زیر لب انکل کو بد دعائیں دیتے ہوئے کہا..... پھر چند لمحے ہو گئی..... نوری بھی اب چپ تھی..... اسے دوسرا صدمہ جو کاشی اور اس لڑکی کو دیکھ تھا..... وہ تو اس نے ہنی کو بتایا ہی نہیں۔

"نوری" ہنی خاصی پریشان تھی۔

"ہوں"

"نوری یہ انکل تو تمہارے لئے مسلسل خطرہ ہے"۔

"تو کیا کروں..... خوفزدہ بھی تو میں اسی لئے ہوں"۔

"نوری میری بات مانو..... تو امی کو سب کچھ بتادو"۔

نوری نے نفی میں سر ہلایا..... "امی بیچاری مشکل سے تو اس نئی زندگی میں سیٹ ہو رہی ہیں..... کیسے یہ بات انہیں کہہ دوں..... زلزلہ نہ آجائے گا ان کی دنیا میں"۔

"تو پھر کیا کرو گی"۔

"کوئی اور حل بتاؤ نا"

ہنی چند لمحے چپ رہی پھر تشویش بھرے لہجے میں بولی..... "پیشتر اس کے کہ خدانخواستہ کوئی بڑا سانحہ ہو جائے تم یہ گھر چھوڑ دو"۔

"کہاں جاؤں؟"

ہنی اس بات کا فوراً ہی جواب نہ دے سکی..... لیکن کچھ دیر سوچنے کے بعد بولی.....

"نوری تم کالج میں ایڈمشن کیوں نہیں لے لیتیں"۔

"اس سے کیا ہو گا"

"داخلہ لے کر ہوسٹل میں شفٹ ہو جانا"۔

نوری نے کچھ دیر ہنی کی بات پر سوچ وچار کیا..... پھر بولی..... "کہا تو تم نے ٹھیک ہے..... لیکن امی مجھے ہوسٹل کہاں جانے دیں گی..... گھر میں گاڑی ہے ڈرائیور ہے..... انکل کو بھی میرے پڑھنے پر کوئی اعتراض نہیں..... پھر ہوسٹل؟"

"پھر کیا کرو گی"

"ہنی..... امی..... میری ماں ہی نہیں بڑی بے تکلف دوست بھی ہیں..... انہیں بتائے بغیر ہوسٹل نہیں جا سکتی اور بتانا میں چاہتی نہیں"۔

"تو پھر ایک کام کرو"

"کیا"

"امی سے کہو تمہاری شادی کر دیں..... محفوظ تو ہو جاؤ گی"۔

نوری ہنس پڑی۔

"ہاں تو اور کیا کر سکتی ہو" ہنی بھی مسکرائی۔

"شادی!" نوری نے اداس نظروں سے ہنی کو دیکھا..... "شادی..... شاید..... میری

کبھی ہوا ہی نہ"۔

"کیوں؟ وہ کاشی صاحب پھر گئے اپنی باتوں سے...... اس دن اس کے ساتھ کی لڑکی دیکھ کر تم خاصی مایوس ہوئی تھیں"۔

"وہ لڑکی" نوری نے آہستگی سے کہا...... "آج بھی اس کے ساتھ جیپ میں بیٹھی تھی"

"اچھا" ہنی نے کہا پھر ہنس کر نوری کو دیکھا...... تو اصل بات یہ تھی بے تحاشا رو... کی...... ہائے نوری تم واقعی عجیب و غریب لڑکی ہو...... کبھی کاشی سے دوستی تھی...... پھر ا... خود ہی رد کر دیا...... وہ بیچارہ پھر بھی اپنی دیوانگی کا اظہار کرتا رہا...... تم نے پرواہ ہی نہیں کی بلکہ مسلسل لتاڑتی رہیں...... اب جب اس نے تمہارا اور اپنا راستہ الگ کر لیا ہے تو تمہیں تکلیف شروع ہو گئی"۔

نوری نے سر ہاتھوں پر گرا لیا۔

اور

اس کی گلابی پوریں اور ہتھیلیاں شبنمی موتیوں سے بھیگنے لگیں۔

ہنی نے اسے رونے دیا...... جو افتاد اس پر پڑی تھی ہنی کا چھوٹا سا ذہن اس کا کوئی... ڈھونڈ نہ پا رہا تھا۔

ہنی اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی...... نوکر کو چائے لانے کا کہنا تھا...... ویسے بھی نو... کو اپنے آپ سے نپٹنے کے لئے تنہا چھوڑنا چاہتی تھی۔

جب وہ واپس آئی اور نوکر چائے کی ٹرالی لے کر آیا...... تو نوری چپ ہو چکی تھی... آنکھیں اور چہرہ سرخ ہو رہے تھے۔

ہنی نے چائے بنا کر اسے پیش کی...... کھانے کے لوازمات بھی طشتریوں میں تھے...... لیکن کھانے کو نہ تو نوری کا دل چاہا نہ ہی ہنی کا...... دونوں چائے کی پیالیاں اٹھا... گھونٹ گھونٹ حلق سے اتارتے انکل والا موضوع ہی ڈسکس کرتی رہیں۔

ہنی کے نظریئے کے مطابق حاصل بحث یہی تھا کہ نوری کو ساری بات امی پر... کر دینی چاہئے...... معاملہ خطرناک صورت میں بھی ڈھل سکتا تھا...... اس لئے پیشگی ا... ضروری تھی اور کوئی راستہ بھی نکال لینا چاہئے تھا۔

...ی کو صرف امی کے جذبات کو ٹھیس لگنے کا ڈر تھا...... یہ بھی خوف تھا کہ ان کی نئی ...ں پھر سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر نہ جائے...... اس لئے ہنی کی بات کو اچھی طرح سمجھتے ...ہ اس پر صاد نہ کر رہی تھی۔

☆☆☆

"نوری"

"جی امی"

"بازار چلے گی"

"کیوں ؟"

"تمہارے انکل کے دوست کی بیٹی کی شادی ہے..... اس کے لئے کوئی گفٹ خریدنا ہے..... صبح پیسے دے گئے تھے کہ جا کر لے آنا..... بھلا مجھے کیا پتہ کیا لینا چاہئے..... تو چل میرے ساتھ کوئی مناسب سی چیز لے لیں گے"۔

نوری نے برا سا منہ بنایا اور بولی "انکل ہی کو ساتھ لے جانا تھا..... میں نہیں جا سکتی"۔

"ہائے نوری..... تجھے تو انکل سے چڑ ہی ہو گئی ہے..... وہ جتنا تجھ سے پیار کرتے ہیں..... تو اتنا ہی ان سے نالاں رہتی ہے..... بری بات ہے بیٹی ..... ایسا نہ کیا کرو"۔

نوری کا جی چاہا امی پر انکل کی حقیقت واضح کر دے..... لیکن امی کا نکھرا نکھرا شگفتہ چہرہ جس پر حالات کی دھول اک عرصہ جمی رہی تھی..... اب شکل ہی بدل گئی تھی..... صاف ستھرے ریشمی کپڑے..... کلائیوں میں درجن درجن چوڑیاں انگلیوں میں سونے اور ڈائمنڈ کی انگوٹھیاں..... گلے میں سونے کی موٹی سی چین کانوں میں چمکتے ٹاپس..... امی تو واقعی زری کی بن گئی ہوئی تھی..... چہرے کی آسودگی اور سکون اب واضح ہوتا جا رہا تھا..... نوری کا انکشاف زری کو توڑ پھوڑ کر رکھ سکتا تھا..... معاملہ سنگین تھا..... لیکن پھر بھی وہ ماں سے کچھ نہ کہہ سکی۔

"چلو نا" زری نے بٹوہ کھول کر پیسے دیکھے۔

"کتنے پیسے دیئے ہیں گفٹ کے لئے" نوری نے پوچھا۔

"نہیں چار پانچ نوٹ تو تھے ہزار ہزار کے"۔

قیمتی تحفہ لانا ہے"۔

میں پیسے تو انہوں نے دے دیئے کہا تھا..... دو تین ہزار تک کوئی چیز لے آؤں"۔

نے کہا..... "باقی پیسے آپ کے ؟"

مسکرا کر بولی..... "تم اپنے لئے کچھ لے لینا..... اشرف نے پیسوں کی تو کبھی پرواہ جتنے بھی دے دیں..... کبھی حساب نہیں مانگتے"۔

ے دیالو ہیں" نوری نے طنز کیا۔

نہیں تو کیا..... تمہیں بھی تو دیتے ہیں..... کبھی مڑ کر پوچھا ہے کہ پیسے کہاں خرچ

انکل کے ذکر کو نظر انداز کرنا چاہتی تھی..... اس لئے صوفے سے اٹھتے ہوئے چلیں"۔

ے بدلو گی"

میں ابھی صبح تو پہنے تھے..... ایسے ہی چلتی ہوں..... جانا کہاں ہے اور چیز کیا لینی ہے لیں"۔

ٹی چلیں یا پیورواما"۔

ا آپ کی مرضی"۔

رے خیال میں اچھا سا ریشمی سوٹ لے لیتے ہیں"۔

یک ہے"۔

ی کمرے میں گئی..... بالوں میں برش کیا..... ہلکی سی لپ اسٹک لگائی..... پرس اٹھایا امیں آگئی..... جہاں ڈرائیور گاڑی کا دروازہ کھولے کھڑا تھا..... زری پچھلی سیٹ پر ..... سانولی سی زری کے چہرے پر چمک تھی..... وہ بڑی معزز اور معتبر لگ رہی تھی۔

ری کا دل پہلے ہی بے سکون تھا..... یہ منظر دیکھ کر اور اداس ہو گئی..... دل ہی دل میں "یا اللہ یہ عیش و آرام کی زندگی دی تھی..... تو دل کا سکون بھی دیا ہوتا" سوچتے ہوئے لی امی کے ساتھ آبیٹھی..... ڈرائیور نے دروازہ بند کیا اور ڈرائیونگ سیٹ پر آبیٹھا۔

دونوں پہلے پیو راما گئیں...... وہاں مطلوبہ سوٹ مل سکتا تھا...... ورائٹی بھی بہت
تھی...... چائنیز سلک جاپانی کپڑا...... انڈین سوٹ اور پاکستانی قیمتی ملبوسات یہاں مل سکتے
تھے...... وہ گاڑی سے اتر کر برآمدہ عبور کر کے شیشے والا دروازہ کھول کر اندر داخل
ہوگئیں...... دونوں طرف بڑی بڑی دکانوں کے علاوہ بیسمنٹ میں بھی اتنی ہی بڑی مارکیٹ
تھی...... وہ دونوں طرف سرسری سی نگاہ ڈالتے ہوئے چلی جارہی تھیں...... دکانوں میں
خریداری ہورہی تھی...... دکاندار اور سیل مین مصروف تھے...... جیولرز 'کپڑے والے '
جوتوں کی دکانیں 'کاسمیٹکس اور آرٹیفیشل جیولری برتن الیکٹرونکس ہر چیز دستیاب
تھی۔

وہ سلک سنٹر کی طرف بڑھیں...... تو زری کی نگاہ دوسری طرف جیولر کی دکان پر
پڑی۔

"وہ نوری زبیدہ بیٹھی ہے" وہ نوری کا کندھا پکڑ کر بولی۔

نوری نے ادھر دیکھا...... دل دھک سے رہ گیا...... زبیدہ کے ساتھ وہی لڑکی بیٹھی
تھی...... جسے وہ کامی کے ساتھ دیکھ چکی تھی......زبیدہ ایک جڑاؤ گلوبند لڑکی کی گردن میں ڈال
کر اس سے آئینے میں دیکھتے ہوئے کچھ پوچھ رہی تھی۔

"یہ لڑکی کون ہے اس کے ساتھ...... زیور شاید اسی کے لئے خرید رہی ہے" زری کے
قدم رک گئے۔

"امی آپ کیا راستہ روک کر کھڑی ہوگئی ہیں...... کھڑے ہی ہونا ہے تو ایک طرف
ہو کر تو کھڑی ہوں"۔

نوری کے کہنے پر زری ایک طرف ہوگئی...... عین درمیان میں کھڑے ہونے سے
واقعی آنے جانے والے قدم روک کر کھڑے ہوگئے تھے۔

"دیکھو تو ...... اب آویزے بھی پہنا رہی ہے اسے" زری نے پھر نوری سے کہا......
"کہیں ...... کہیں......اس نے کامی کی منگنی"۔

نوری بوجھل اور قدرے گھبرائے ہوئے قدم اٹھاتے ہوئے روہانسی ہو کر بولی......
"کامی کی منگنی کر دیں یا شادی......آپ کو کیا"

اس نے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا...... "چلیں...... چل کر اپنی شاپنگ کریں"۔

زری کا دل بجھ گیا تھا...... ایسے لگتا تھا...... دل میں نیزے کی انی اتر گئی ہو...... بے دلی
سے قدم اٹھاتے ہوئے خود ہی بولی...... "آخر تو یہی ہونا تھا"۔

"امی" نوری نے اسے کپڑوں کی دکان کی طرف تقریباً دھکیلتے ہوئے کہا......وہ خود بھی
اندر سے ٹوٹ پھوٹ کر بکھر رہی تھی...... جانے کیسے امی کو لئے دکان کی طرف جارہی
ی۔

"نوری...... ضرور کامی کی شادی کی تیاریاں ہیں...... کتنی خوش نصیب ہے یہ لڑکی"
ری نے گہری ٹھنڈی آہ بھری۔

"امی" نوری کی آنکھیں نم ہورہی تھیں...... جھنجھلا کر بولی...... "اب چھوڑیں گی بھی
ی کو"۔

"ہائے نوری...... کامی نے بھی تو کچھ نہیں بتایا...... چپکے چپکے"۔

"آپ سے مشورہ کرنا تھا اس نے...... کیا لگتا ہے وہ آپ کا"۔

"میں نے تو اسے ہمیشہ بیٹا ہی سمجھا"۔

"ہونھ"

"ہاں اب تو وہ فون بھی نہیں کرتا...... میں ہی کبھی حال احوال پوچھ لوں تو پوچھ لوں"۔

"اس بات سے آپ کو سبق سیکھنا چاہئے...... وہ آپ کا حال احوال نہیں جاننا چاہتا اور
آپ...... ہونھ چلیں اندر......اور خریدیں گفٹ"۔

دونوں دکان کے اندر گئیں...... پہلے بھی تین چار عورتیں قیمتی کپڑوں کی خریداری میں
مصروف تھیں...... انہیں دیکھ کر سیل مین ان کی طرف متوجہ ہوگیا......دوسرا سیل مین پہلی
خریداروں سے نپٹنے لگا۔

گفٹ خریدنے میں نوری کو تو پہلے ہی دلچسپی نہ تھی...... اب تو اندر سے اکھڑ سی گئی
تھی...... زری تو اپنے جذبات کا کھل کر اظہار بھی کر رہی تھی...... اسے زبیدہ کے ساتھ باب
کٹ بالوں والی سمارٹ سی لڑکی کو دیکھ کر دکھ ہوا تھا...... کاش اس لڑکی کی جگہ زبیدہ نوری کو
زیورات پہنا پہنا کر پسند کر رہی ہوتی۔

"نوری تو بد قسمت ہی رہی ..... کاکی ایسا انمول ہیرا کہاں سے ملے گا تیرے لئے" اس نے مایوس ہو کر سوچا ..... پھر خود ہی سر کو جھٹکا دے کر بولی ..... "اللہ شاید نوری کا اس سے بھی اچھا سبب لگا دے"۔

"امی" نوری نے ماں کے زانوں پر ہاتھ مارا ..... سیلز مین نے کئی قیمتی کپڑے کھول کھول کر ان کے سامنے پھیلا دیئے تھے ..... زری اس طرف دھیان ہی نہ دے رہی تھی۔

"کیا ہے" نوری کے چونکانے پر وہ بولی۔

"پسند کریں نا" نوری بولی۔

"کوئی سا لے لو" زری بغیر کپڑے دیکھے بولی ..... "تیز بجلی کی روشنی میں سارے ہی اچھے لگ رہے ہیں ..... مجھے نہیں پتہ اپنی پسند کا لے لو"۔

نوری نے حوصلے سے مسکراتے ہوئے کہا ..... "امی زبیدہ خالہ اور اس لڑکی کو چھوڑیں ..... وہ یقیناً کاکی کی منگیتر ہی ہے ..... میں نے اسے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی بھی دو دفعہ دیکھا ہے"۔

"اچھا" زری اور پریشان ہو گئی۔

وہ مصنوعی سی ہنسی ہنس کر بولی ..... "آپ کو اتنی مایوسی کیوں ہوئی ہے ..... بیٹے کی شادی تو زبیدہ خالہ نے کرنا ہی تھی"۔

"زبیدہ سے تو گلہ نہیں ..... وہ تو اپنا آپ اس دن مسز ریاض کے ہاں دکھا چکی تھی ..... مجھے تو کاکی پر افسوس آ رہا ہے ..... بات تک نہیں کی"۔

نوری زری کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کپڑے دیکھنے لگی ..... جو سوٹ مع دوپٹے کے پسند آیا اس کی قیمت پوچھی ..... خاص بھاؤ تاؤ کئے بغیر بولی ..... "امی یہ لے لیں"

"لے لو کتنے کا ہے خوبصورت ہے اچھا رہے گا"۔

سیلز مین نے قیمت بتائی ..... امی کے کچھ کہنے سے پہلے نوری بولی ..... "پیک کر دو"۔

امی نے پیسے دیئے ..... سیلز مین نے کپڑے لفافے میں ڈالے ان کی آمد کا شکریہ ادا کیا ..... دونوں لفافہ پکڑے باہر نکل آئیں۔

کوئی اور چیز دیکھنے یا اپنے لئے شاپنگ کرنے کا دونوں ہی کا موڈ نہ تھا ..... دل گرفتہ سی

دونوں واپس مڑیں۔

جیولر کی دکان پر زبیدہ اور وہ لڑکی اب بھی بیٹھی تھیں۔

نوری امی کو زبردستی کھینچتے ہوئے پیورلا سنٹر سے باہر لے آئی۔ اب وہ نہ زبیدہ یا اس لڑکی کو دیکھنا چاہتی تھی' نہ ہی ان کے بارے میں امی سے کچھ سننا چاہتی تھی ..... گھر پہنچ کر نوری سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

زری کپڑوں والا لفافہ اٹھائے اپنے بیڈ روم میں آ گئی ..... اشرف کمرے ہی میں تھا۔

"آپ کب آئے" زری نے پوچھا ..... اور لفافہ میز پر رکھ کر گدے دار کرسی پر اشرف کے سامنے بیٹھ گئی۔

اشرف کوئی کاغذات دیکھ رہا تھا ..... اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا ..... "تمہارے باہر جانے کے دس منٹ بعد ہی آ گیا تھا"۔

"گفٹ لے لیا ہے" زری بولی۔

اشرف نے کاغذ گود میں رکھتے ہوئے کہا ..... "کیا لائیں"

"جوڑا"

"رائمہ کی پسند سے لیا نا"

"ہاں ..... مجھے آج کل کے فیشنوں کا کیا پتہ ..... ویسے خوبصورت ہے آپ دیکھیں تو"۔

"کیا دیکھنا" اس نے پھر کاغذ اٹھا لئے ..... "رائمہ کی پسند بہت اچھی ہے"

بیٹی کی تعریف سے زری خوش ہو گئی ..... اشرف کاغذ پڑھنے میں مشغول ہو گیا تھا ..... تب بھی اس نے لفافے میں سے پیک شدہ جوڑا نکالا ..... اور کھول کر اشرف کے سامنے پھیلاتے ہوئے بولی ..... "دیکھ تو لیں" زری نے قیمت بتاتے ہوئے کہا۔

اشرف نے کاغذ پکڑے پکڑے سر قدرے موڑا ..... عینک ٹھیک سے آنکھوں پر جمائی اور زری کے ہاتھ میں کپڑے دیکھ کر بولا ..... "بہت خوبصورت ہے ..... رنگ بھی لاجواب ہے"۔

"شکر ہے آپ کو پسند آیا ..... ورنہ میں تو اتنی قیمت دے کر ڈر رہی تھی"۔

"کیوں ؟"

"اگر آپ کہہ دیتے بہت مہنگا ہے تو"۔

"اچھی چیز سستی تو نہیں ہو گی...... ہاں صرف ایک ہی جوڑا لائی ہو"۔

"تو اور"

"اپنے لئے بھی لے لیتیں...... اور رائمہ نے بھی تو شادی پہ کچھ پہننا ہو گا...... اسے بھی خرید دیتیں"۔

"اتنے مہنگے کپڑے"

اشرف ہنس کر بولا...... "رائمہ سے مہنگے نہیں ہیں"۔

"اللہ...... آپ نوری پر کس قدر مہربان ہیں...... کتنا خیال رکھتے ہیں اس کا"۔

اشرف نے عینک کے شیشوں کے اوپر سے زری کو دیکھا...... جو کپڑے تہہ کر رہی تھی...... اس عورت کی سادگی پر اس کے لبوں پر گھناؤنی سی مسکراہٹ پھیل گئی...... اسے اطمینان بھی ہوا...... کہ یہ عورت اب تک کسی شک وشبے میں مبتلا نہیں ہوئی۔

اشرف نے بٹوہ نکالا...... کچھ اور پیسے زری کو دیتے ہوئے کہا...... "اپنے اور رائمہ کے لئے کپڑے لے آنا...... رائمہ کا جوڑا قیمتی اور اس کی پسند کا ہونا چاہئے"۔

وہ خوش ہو کر بولی...... "آپ کتنے اچھے ہیں...... جو میری بیٹی کا اتنا خیال رکھتے ہیں...... کل ہی ہم جا کر کپڑے لے آئیں گے"۔

"اسے کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہو تو خرید دینا...... پیسے مجھ سے لے لینا...... ہاں کنجوسی بالکل نہیں کرنا"۔

وہ مسکرا کر اشرف کو دیکھنے لگی...... "اشرف میں آپ کی کتنی احسان مند ہوں...... آپ سوچ بھی نہیں سکتے"۔

"اچھا...... اچھا...... ٹھیک ہے...... اب سنبھالو یہ جوڑا...... رائمہ ہی سے کہنا اچھا سا ریپنگ پیپر منگوا کر اسے پیک کر دے"۔

زری جوڑا تہہ کر کے الماری میں رکھنے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

دوپہر کھانے کی میز پر سب اکٹھے ہوئے...... تو نوری ماں کے برابر والی کرسی پر بیٹھی۔

"کیوں رائمہ آج جگہ کیوں بدل لی" اشرف نے جو میز کے سرے پر اپنی سیٹ پر بیٹھا تھا

بولا...... ہمیشہ زری اس کے دائیں اور نوری بائیں ہاتھ بیٹھا کرتی تھیں...... آج نوری نے دانستہ جگہ بدل لی تھی...... دو تین دن سے وہ محسوس کر رہی تھی کہ اشرف اپنے پیروں سے نوری کے پیروں کو کبھی چھیڑتا ہے...... کبھی دبا لیتا ہے...... کبھی چپل سے پیر نکال کر اس کے پیروں پر ہولے ہولے پھیرنے کی کوشش کرتا ہے...... آج دوپہر تو اس نے اس کا پاؤں اس طرح دبوچ لیا تھا...... کہ وہ کوشش کے باوجود اپنا پیر چھڑا نہ پائی تھی...... اسی کی نظریں چرا کر اس نے اس نازیبا حرکت پر اسے سختی سے گھورا بھی تھا۔

لیکن جواباً وہ مسکرا مسکرا کر اسے دیکھتا رہا تھا۔

نوری کا کھانا حرام ہو گیا تھا...... اور وہ کرسی پرے پٹخ کر میز سے اٹھ کر چلی گئی تھی۔

زری کچھ سمجھ نہ پائی تھی...... اشرف کا موڈ ٹھیک رکھنے کے لئے بولی...... "پتہ نہیں اس لڑکی کو کبھی کبھی کیا ہو جاتا ہے...... بدتمیزی پر اتر آتی ہے"۔

"کوئی بات نہیں...... کوئی بات نہیں" وہ زری سے بولا...... "میں نے دیکھا ہے...... وہ کچھ الجھی الجھی سی رہتی ہے"۔

"کھانا بھی نہیں کھایا اور اٹھ گئی...... بھوکی رہے گی شام تک...... مجھے تو اس کی کچھ سمجھ نہیں آتی...... جب یہاں آئی تھی تو کتنی خوش خوش رہتی تھی...... پھولی نہ سماتی تھی...... اب" زری نے نوالہ منہ میں ڈالتے ہوئے سر نفی کے انداز میں ہلایا۔

"کسی بات پر ناراض ہو کر اٹھ گئی ہو گی...... ٹھہرو میں اسے لے کر آتا ہوں"۔

"جانے دیں...... آپ نے لاڈ پیار میں اسے ایسا بنا دیا ہے...... اتنے نخرے اس کے کس نے اٹھائے"۔

"بھئی تم کھانا کھاؤ...... میرے حلق سے تو نوالہ نہیں اترے گا...... وہ بھوکی رہے اور ہم کھانا کھائیں"۔

"تو جائیے...... منا کر لے آئیے اسے...... پر ناراض ہونے والی کوئی بات بھی تو ہو"۔

اشرف اٹھتے ہوئے بولا...... "بات میں خود پوچھ لوں گا"

اشرف کی آنکھوں میں بڑی خبیث سی چمک تھی...... جسے نہ زری نے دیکھا نہ ہی محسوس کیا...... اشرف اٹھ کر کمرے سے باہر نکلا...... اسے پتہ تھا نوری اپنے کمرے میں ہو گی اور

ہو سکتا ہے غصے سے پھنکار بھی رہی ہو۔

وہ سیدھا ادھر ہی گیا...... نوری کا کمرہ ڈائننگ روم سے خاصہ ہٹ کر تھا...... دراصل یہ گیسٹ روم تھا...... جسے نوری کا کمرہ بنا دیا گیا تھا...... نیچے دو ہی بیڈ روم تھا...... تین بیڈ روم اوپر کی منزل پر تھے...... لیکن زری نے اکیلی بچی کے لئے اوپر کمرہ سیٹ کرنے نہیں دیا تھا۔

نوری کے باتھ روم کی پشت پر چھوٹا سا برآمدہ تھا...... اور اس کے آگے دو سرونٹ کوارٹر تھے...... یہ کوٹھی کا پچھلا حصہ تھا...... جن کے آگے سر سبز باڑ تھی۔

اشرف نے دروازے پر دستک دیئے بغیر دروازہ کھولا...... نوری جو بیڈ پر اوندھی پڑی تھی...... دروازہ کھلنے کی آواز پر چونک کر اٹھی...... اشرف نے لپک کر اس کو بازوؤں میں لے لیا...... "کھانا کیوں چھوڑ کر آگئیں...... ناراض ہو گئی ہو"۔

"چھوڑ دو مجھے...... چھوڑ دو" وہ تڑپ تڑپ کر اس کے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش کرنے لگی۔

"لو چھوڑ دیا" اشرف نے ہنستے ہوئے پوری قوت سے اسے سینے سے لگا کر چھوڑ دیا......

نوری پر تو اس کی حرکت سے وحشت سوار ہو گئی...... اس کا ہاتھ اٹھا اور تڑاخ سے تھپڑ اشرف کے گال پر پڑا...... "ذلیل کمینے...... شرم نہیں آتی...... اپنی عمر دیکھو اور حرکتیں" وہ غصے سے کانپنے لگی...... بیڈ پر پڑا دوپٹہ بھی نہ اٹھا سکی۔

اشرف تھپڑ اور نوری کی جرات سے بھنا گیا تھا...... اس کے اندر کا امیر اور دیالو آدمی بکھر گیا...... اس کی آنکھیں سرخ ہو گئیں...... چہرے پر کرختگی آگئی۔

"بالشت بھر کی چھوکری...... مجھ پر ہاتھ اٹھایا...... بہت مہنگا پڑے گا تجھے یہ تھپڑ"۔

"تم سے کوئی بھی ذلیل حرکت کرنے کی توقع کی جا سکتی ہے...... لیکن سن لو...... میرا نام بھی نوری ہے...... میں اپنا تحفظ کر سکتی ہوں"۔

وہ کوئی جواب دیئے بغیر باہر نکل گیا۔

نوری جز بز ہوتی رہی...... سوچتی رہی...... غصے سے بکھرتی بھی رہی...... پھر اس کے اندر کی مضبوط لڑکی ابھری اور اس نے فیصلہ کر لیا

کہ

وہ ساری باتیں ای کو بتا دے گی...... اس کا انجام خواہ کچھ بھی ہو...... لیکن وہ ذلت کے دہانے پر اب کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔

اشرف واپس آکر کھانے میں مشغول ہو گیا...... اس نے نوری کی کوئی بات نہ کی...... لیکن زری اس کے چہرے پر چھائی خشونت سے سمجھ گئی...... کہ نوری نے پھر کوئی بد تمیزی کی ہو گی...... وہ کھانے سے اٹھتے ہی نوری کی طرف نہ گئی...... اشرف کمرے میں چلا آیا تھا...... وہ بھی آگئی...... نوری کی اشرف کے ساتھ بد تمیزیوں کا چونکہ اسے سبب کا پتہ نہ تھا...... اس لئے نالاں تھی...... اشرف بیڈ پر لیٹ کر کوئی میگزین دیکھنے لگا...... زری اس کی ناراضگی سمجھ رہی تھی...... اس لئے نوری کی بد تمیزیوں کا خود ہی ذکر کر کے اس سے معذرت خواہانہ رویہ اپنا رہی تھی۔

وہ کچھ نہیں بولا...... تھوڑی دیر بعد میگزین رکھا اور زری کی طرف سے کروٹ بدل لی...... وہ تھوڑی دیر وہیں کرسی پر بیٹھی رہی۔

پھر آہستگی سے اٹھی...... اور نوری کے کمرے کی طرف چل دی...... وہ بستر میں اوندھے منہ پڑی تھی۔

"نوری" زری نے اسے پکارا...... اس کی آواز میں غصہ تھا۔

"کیا ہے" نوری جھنجھلا کر اٹھ بیٹھی۔

"یہ کیا روز روز تو ہنگامے کھڑے کرنے لگی ہے...... شرم نہیں آتی...... خدا کا شکر کرو...... جس نے یہاں پناہ دی ہے...... یہاں سے نکالی گئی تو کہاں جاؤ گی...... کبھی سوچا بھی ہے"۔

نوری ماں کے کوسنے خاموشی سے سنتی رہی...... زری کو نوری کی حرکات اور اشرف کے ساتھ رویئے سے جتنے خدشے وسوسے اور دھڑکے تھے...... برملا کہتی رہی...... زری کا انداز بتا رہا تھا کہ اس جنت کو اب وہ چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتی...... جینے کے لئے اس سے اچھا آسرا کہاں مل سکتا تھا...... درد و کرب کے جن دور سے گزر چکی تھی...... اس کا خیال کر کے روح اب بھی کانپ جاتی تھی۔

نوری یہ سب کچھ سمجھ رہی تھی...... اسی لئے بات زبان پر بار بار آنے کو ہوئی لیکن الفاظ کا

جامہ نہ پہن سکی...... ماں نے جو کچھ کہا اس نے خاموشی سے سن لیا...... مضبوط لڑکی ماں کے مفاد کے آگے جھک گئی۔

"اب تو نے اشرف کے ساتھ بد تمیزی کی...... تو یاد رکھنا مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا......
پتہ نہیں کس شہہ پر تو ایسا کرتی ہے...... سارے کی کون سی جگہ نظر آئی ہے...... کہاں جائیں گے جو اس نے بھی نکال دیا تو...... تمہاری خاطر اس عمر میں نکاح کر کے جگ ہنسائی کروائی...... اب چاہتی ہے دوبارہ زمانے کی تضحیک کا نشانہ بنوں...... اشرف کو چھوڑ کر......
عجب مغز پھری ہے...... وہ جتنا تجھ پر مہربان ہے تو اتنا ہی بجوتی ہے...... ابھی صبح ہی اس نے تیرے کپڑوں کے لئے پیسے دیئے کہ جیسا گفٹ ہم لائی ہیں...... ویسے کپڑے تیرے لئے اور اپنے لئے بھی لے آؤں"۔

"امی" نوری چیخنے کے انداز میں بولی...... پھر ہاتھ جوڑ کر کہا...... "یہاں سے چلی جائیں...... جا کر آرام کریں...... مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں...... میری وجہ سے آپ کو کچھ نہیں ہوگا...... جائیں...... جائیں"۔

وہ اس طرح چیخ رہی تھی کہ لگتا تھا زری وہاں رکی...... تو کوئی آتش فشاں پھٹ پڑے گا...... زری نالاں نالاں بڑبڑ کرتی کمرے سے نکل آئی۔

اگلے چند دن خاموشی سے گزر گئے...... نہ زری نے کچھ کہا نہ ہی نوری کچھ بولی......
اشرف بھی بے تعلق سا رہا...... ہاں نوری کی طرف سے اس نے لاپرواہی برتی...... جس سے زری اندر ہی اندر کڑھتی اور نوری مطمئن ہوتی رہی۔

نوری سمجھی اس کا تھپڑ کام کر گیا ہے۔

☆☆☆

"اجی"

"ہوں"

"اماں کا فون آیا ہے"۔

"کیا"

"مجھے بلا بھیجا ہے...... کہتی ہیں کوئی ضروری بات کرنی ہے"۔

"ہوں"

"ہو آؤں"

"ہو آؤ...... مجھ سے پوچھنے کی کیا ضرورت ہے"۔

"نہیں جی...... آپ سے پوچھے بغیر تو میں کہیں نہیں نہ جاتی"

اشرف اس کی بات پر مسکرا دیا...... دونوں اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے...... قمرو گیارہ کے قریب چائے بنا کر دے گیا تھا...... دونوں نے چائے ختم ہی کی تھی...... کہ فون کی گھنٹی بجی تھی۔

فون اماں کا تھا...... اس نے آج ہی آنے کا کہا تھا...... کوئی ضروری بات کرنا تھی...... وہ کیا تھی اماں نے بتائی نہیں تھی...... لیکن ہنس کر کہا تھا...... "اچھی ہی بات ہے تم آؤ تو"۔

"کھانے کے بعد آجاؤں"

"چلو کھانے کے بعد ہی سہی"

"اچھا اشرف سے پوچھتی ہوں"

"اشرف منع تھوڑا ہی کرے گا آنے سے...... بلکہ اسے بھی کہنا آپا یاد کرتی ہے...... فرصت ہو تو آجائے"۔

اشرف نے زری کو جانے کی اجازت دے دی تو وہ بولی...... "اماں آپ کو بھی یاد کر رہی تھیں...... کہہ رہی تھیں فرصت ہو تو آجائے"۔

"میں پھر کسی دن چلا جاؤں گا...... کھانے کے بعد تو میں نے یوسف کے دفتر جانا ہے...... اس کا بھائی امریکہ سے آیا ہے اور میرے بیٹوں نے اس کے ہاتھ کچھ چیزیں بھیجی ہیں...... وہ لانی ہیں"۔

"کمال اور جمال نے" زری نے پوچھا۔

"ہاں" وہ بولا۔

"وہ جب سے امریکہ گئے ہیں کبھی پاکستان آئے نہیں"۔

"ایک دفعہ ثمرہ کی شادی پر آئے تھے...... ہر سال میں جو چلا جاتا ہوں ان سے ملنے"۔

"آپ اتنے اچھے ہیں...... وہ دونوں بھی تو بہت اچھے ہوں گے...... ثمرہ بھی آپ ہی کی طرح ہو گی"۔

اشرف معنی خیز مسکراہٹ سے بولا...... "یہ میری تعریف کس لئے"۔

زری مسکرا کر بولی...... "میں جھوٹی تعریف نہیں کرتی آپ واقعی بہت اچھے ہیں"۔

"اچھا ہوتا تو تمہاری بیٹی مجھے ناپسند نہ کرتی" اشرف نے شکوہ کیا...... تو زری کے چہرے کی رنگت بدل گئی...... اشرف نے کن انکھیوں سے اس کی طرف دیکھا...... تیر نشانے پر بیٹھا تھا...... زری چند لمحے چپ رہی پھر انکساری سے بولی...... "وہ نادان ہے اشرف چھوٹی سی عمر میں اس نے بہت دکھ سہے ہیں...... مجھے تو لگتا ہے...... اس کا دماغ کسی وقت کام ہی نہیں کرتا"۔

"ہونھ"

"آپ اس کی بدتمیزی معاف کر دیا کریں"۔

اشرف نے کوئی جواب نہ دیا...... اٹھتے ہوئے بولا...... "میں تھوڑی دیر کے لئے باہر جا رہا ہوں...... میرے آنے تک کھانا لگوا دینا"۔

"کتنی دیر بعد آئیں گے"۔

"آدھے گھنٹے تک آجاؤں گا...... پھر مجھے یوسف سے ملنے جانا ہے"۔

"بہت اچھا"

اشرف لاؤنج سے نکل کر پورچ میں آگیا...... گاڑی کے پاس ہی ڈرائیور بیٹھا تھا...... اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔

"چابی" اشرف نے ہتھیلی اس کی طرف کی۔

"لیجئے صاحب" ڈرائیور نے گاڑی کی چابی اس کی ہتھیلی پر رکھ دی۔

اشرف کے جانے کے بعد زری کچن میں گئی...... خانساماں کھانا بنا چکا تھا...... اب وہ میٹھی ...تیار کر رہا تھا۔

زری نے اسے تاکید کی "آدھے گھنٹے تک کھانا میز پر لگا ہو...... صاحب نے کھانا کھا کر ...سے جانا ہے"۔

"جی بہتر...... ویسے کھانا تیار ہے سویٹ ڈش بنا رہا ہوں...... صاحب آئیں گے تو پھلکے ...ں گا"۔

"ٹھیک ہے...... سلاد چٹنی وغیرہ بنالی"۔

"جی بیگم صاحبہ...... کھانا سب کچھ تیار ہے...... کدو گوشت بھی اور ماش کی دال بھی"۔

"بس ٹھیک ہے"

زری کچن سے باہر نکل آئی...... وہ اب نوری کی طرف جا رہی تھی...... نوری پچھلے برآمدے میں راکنگ چیئر پر بیٹھی کوئی کتاب دیکھ رہی تھی...... کتاب کی طرف کم ہی متوجہ تھی...... ذہن میں گڈمڈ سوچیں متحرک تھیں۔

"اے نوری" اس نے برآمدے میں آتے ہوئے کہا۔

"جی" اس نے ای کی طرف دیکھا۔

"اماں کا فون آیا تھا" زری خوشگوار لہجے میں بولی۔

"تو میں کیا کروں"

"تو تو ہر وقت جلی بھنی رہا کر...... اماں نے مجھے بلایا ہے...... میں کھانے کے بعد ادھر

. جا رہی ہوں..... جانا ہے تو تیار ہو جانا"۔

"میں نے نہیں جانا" وہ ناگوار لہجے میں بولی۔

"چلی چلو نا"

"نہیں"

"گھر پہ اکیلی کیا کرو گی"

"میں شاید ہنی کی طرف جاؤں..... وہاں صبیلہ نے بھی آنا ہے"۔

"جائے گی کیسے..... گاڑی تو مجھے چھوڑنے جائے گی تیرے انکل نے بھی کام جانا ہے"۔

"رکشہ لے لوں گی..... یا ہنی کو فون کر دوں گی مجھے پک کر لے"۔

اشرف کے آنے پر کھانا میز پر چنا گیا..... نوری آج بھی ماں کے ساتھ والی کرسی پر بیٹھی تھی..... خاموشی سے کھانا زہر مار کیا اور میز سے روز کی طرح اٹھ کر چلی گئی۔

زری نے ناگواری سے اسے دیکھا..... اشرف نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا..... دونوں نے اپنا اپنا کھانا جو پلیٹوں میں نکالا تھا ختم کیا۔

پانی کا گلاس خالی کرتے ہوئے اشرف اٹھا اور بولا..... "تم نے اپنی اماں کی طرف جانا ہے..... تو دس منٹ میں تیار ہو جاؤ..... میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا..... پھر میں نے یوسف کی طرف جانا ہے..... جب واپس آنا ہو تو فون کر دینا..... ڈرائیور گاڑی لے آئے گا"۔

اس کے جانے کے بعد زری اٹھی..... نوکروں کے لئے کچن میں جا کر کھانا نکالا..... رات کے کھانے کی ہدایات دیں اور پھر اپنے کمرے میں آگئی..... استری کئے ہوئے کپڑے الماری میں ہینگروں میں پڑے تھے..... اس نے ایک خاصہ قیمتی اور خوبصورت جوڑا نکالا..... جوڑا دیکھتے ہوئے اس کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی..... "جہاں آراء خوب جلے گی" اس نے زیر لب کہا..... پھر کپڑے بیڈ پر پھیلا کر باتھ روم میں چلی گئی..... وہ اماں کی طرف جب بھی جاتی تھی..... نئے اور اچھے کپڑے پہن کر جاتی تھی..... زیور تو پہنا ہی ہوتا تھا..... جہاں آراء اس کا پہناوہ اور رنگ ڈھنگ دیکھ کر کبھی خوش نہ ہوتی تھی..... جلن اور حسد چہرے سے عیاں ہو جاتا۔

تیار ہو کر وہ پورچ میں آگئی..... اشرف کا لایا ہوا نیا پرفیوم اس نے سپرے کیا ہوا تھا..... گوار مہک فضا میں پھیل رہی تھی۔

"بہت اچھی خوشبو ہے" اشرف نے سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی لائے تھے..... خراب کیسے ہو سکتی تھی" زری نے اسے خوش کرنے کو کہا۔

"شکر ہے تمہیں پسند آگئی"۔

"ہائے..... میں کیا اور میری پسند کیا..... سچی بات میں نے تو ایسی چیزیں استعمال تو کیا دیکھی بھی نہ تھیں"۔

"میرے خیال میں جمال نے ضرور تمہارے لئے پرفیومز وغیرہ بھیجے ہوں گے..... ے لئے بھی..... اسے پتہ ہے..... میں خوشبوئیں پسند کرتا ہوں"۔

"جیتے رہیں..... ان کی بر خورداری ہو گی"۔

اشرف نے گاڑی سٹارٹ کی..... باتیں کرتے ہوئے دونوں اماں کے ہاں آگئے..... آپا کو کرنے اشرف بھی پانچ سات منٹ کے لئے زری کے ساتھ اماں کے پاس آیا..... پھر ت لے کر جانے لگا۔

"ہائے چائے تو پیتے جاؤ" اماں نے کہا۔

"نہیں آپا میں نے ضروری کام سے جانا ہے..... پھر کبھی آؤں گا" اشرف نے کہا۔

"اب تو کہاں آتا ہے آپا کے پاس..... مطلب پورا ہو گیا..... بھول گیا آپا کو" اماں نے گلہ

اشرف مسکراتے ہوئے اٹھا اور اماں کے گلے میں بازو ڈال کر بولا..... "ایسا بھی ہو سکتا..... آپ تو میری بہت ہی اچھی آپا ہیں"۔

اماں نے پیار سے اس کے کندھے پر ہاتھ مارا..... اور مسکراتے ہوئے اسے جانے کی ت دے دی۔

آج اماں کا موڈ بڑا خوشگوار تھا..... زری کو دیکھ دیکھ کر مسکرا رہی تھی..... نکاح کے بعد ں کے رویئے میں بڑا فرق آگیا تھا..... بڑی اچھی طرح ملتی تھیں..... دو تین بار گھر بھی آئی..... زری کا راج بھاگ دیکھ کر خوش ہوتی تھیں۔

ادھر ادھر کی باتوں کے بعد زری نے پوچھا...... "اماں آپ نے آج خاص طور پر بلایا مجھے...... کچھ کہنا تھا"۔

"ہاں" اماں نے مسکراتے ہوئے سر ہلایا۔

"کہئے"

"کہتی ہوں...... دم تو لے...... ذرا جہاں آراء چائے تو لے آئے"۔

"کوئی خاص بات ہے"

"ہاں خاص ہی ہے"

"بتایئے نا...... مجھے الجھن ہو رہی ہے"۔

"الجھن کی کیا بات...... اچھی خبر ہے"

"پھر بھی بتائیں تو سہی"

"نوری کے لئے ایک رشتہ آیا ہے"

"جی؟"

"ہاں...... نوری جوان ہے اس کا نہیں کرنا کہیں رشتہ؟" اماں نے پلنگ پر ساتھ بیٹھی زری کے کندھے پر ہاتھ مارا...... پھر اترا کر بولی...... "دیکھا ہے نا تیرا نصیبہ کیسا کھلا میرے طفیل ہی ہوا تھا...... یہ اب نوری کا بھی مجھے ہی فکر ہے...... بہت اچھی جگہ کروں گی اس کا بھی بیاہ"۔

زری ایک دم کچھ نہ کہہ سکی...... اس کی نگاہوں میں کامی کا پیکر گھوم گیا...... پھر اندر ہی اندر لاوا سا اترنے لگی...... کامی ہاتھ سے نکل گیا تھا...... اس کے لئے زبیدہ نے لڑکی ڈھونڈی تھی...... اس دن پیور لاما میں وہ اسی کے لئے تو زیور پسند کر رہی تھی...... زری نے تصدیق کرنے کے لئے نوری کو بتائے بغیر فون کیا تھا...... لیکن کامی کے دفتر سے اس کے کلرک نے بتایا تھا کہ کامی چھ ہفتے کے لئے ہالینڈ گیا ہوا ہے...... ملازم سے وہ پوچھ نہ سکی تھی...... کہ کامی کی منگنی یا شادی کا پروگرام طے ہو گیا ہے؟

"کیوں چپ کیوں ہو گئیں" اماں نے اس کے چہرے کی افسردگی بھانپ لی...... "بیٹی کو جدا کرنے کے خیال سے افسردہ ہو گئی ہو"۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں اماں" اس نے جلدی سے کہا...... پھر بولی...... "رشتہ"

اماں اس کی بات کاٹ کر بولی...... "رشتہ بہت اچھا ہے...... لڑکا قطر میں ہوتا ہے...... اچھی تنخواہ لے رہا ہے...... پیسے والے لوگ ہیں...... گھر اپنا ہے...... زمین بھی خریدی ہے"۔

"ہیں کون لوگ"

"اپنے ہی ہیں...... میرے دیکھے بھالے ہیں...... مہرالنساء کو دیکھا ہوا ہے نا"

"وہ آپ کی رشتہ دار...... گوری سی...... سفید بالوں والی"

"ہاں...... اسی کا نواسہ ہے...... نوری کو دیکھ لیا تھا یہاں...... تب سے نیت کر لی تھی...... اس نے کل ہی بتایا...... لڑکا خوبصورت ہے...... بارہ جماعت تک پڑھا ہے...... سب سے ت لوگ اچھے ہیں"۔

"ہوں"

اماں نے زری کے رویئے سے محسوس کیا جیسے یہ بات سن کر اسے خوشی نہیں ہوئی...... لئے چند لمحے توقف کے بعد بولی...... "کیا بات ہے زری...... کوئی اور دیکھ رکھا ہے رشتہ"۔

"نہیں اماں" اس نے کامی کو یاد کرتے ہوئے گہری سانس لی۔

"تو پھر چپ کیوں ہو گئی ہو...... ایسا رشتہ کہیں نہیں ملے گا...... اور سن...... نوری جوان خوبصورت ہے...... اس کو جتنی جلدی ہو اپنے گھر بار کی کر دے...... نانا اشرف اچھا ...... لیکن وہ اس کا باپ تو نہیں...... کوئی رشتہ ہی نہیں اس کا نوری سے...... میں تو سمجھتی باوہ تو چلتی پھرتی آزمائش ہے اس کے لئے"۔

"اے اماں" زری نے جلدی سے ماں کو ٹوکا...... "کیسی باتیں کرتی ہیں آپ"۔

"زمانہ بڑا خراب ہے...... فریب کھانے کی گنجائش ہی نہیں رکھنی چاہئے...... میری مان برشتہ دیکھ کر تسلی کر لے...... لڑکا دسمبر میں آ رہا ہے پاکستان...... چار پانچ مہینے ہیں ...... آتے ہی شادی کر دینا"۔

اماں باتیں کر ہی رہی تھی کہ جہاں آراء چائے کی ٹرے لے آئی...... اس نے زری کو م کیا۔

زری نے سلام کا جواب دیتے ہوئے اس کی عظمت اور بچوں کی احوال پرسی کی۔

"اشرف بھائی چلے گئے" جہاں آراء نے زری کو حسد کی نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں...... انہوں نے کسی سے ملنے جانا تھا...... امریکہ سے ان کے بیٹوں نے ہمارے لئے چیزیں بھیجی ہیں وہ لینے گئے ہیں"۔

جہاں آراء نے ہونٹ ایک طرف کو دباتے ہوئے نظریں گھمائیں...... "کیا کہنے تمہارے...... تمہاری تو شکل ہی بدل گئی ہے"۔

زری بولی...... "خدا نے نوکرانی سے مالکن جو بنا دیا ہے"۔

اس کے طنز پر جہاں آراء جز بز ہوئی...... لیکن جواب کچھ نہیں دیا...... چائے کی پیالیاں ماں بیٹی کو دیتے ہوئے بسکٹوں والی پلیٹ ان کے آگے کر دی۔

اماں چائے میں بسکٹ ڈبو ڈبو کر کھاتے ہوئے پھر رشتے کی باتیں کرنے لگی...... زری کا دماغ فی الوقت اس رشتے کی اہمیت سمجھ ہی نہیں رہا تھا...... دل و دماغ پر کاکی ہی چھایا ہوا تھا...... برسوں سے وہ نوری کے لئے کاکی ہی کے خواب دیکھتی آئی تھی...... اب مایوس بھی ہو چکی تھی...... پھر بھی یہ نیا رشتہ ذہن قبول کر ہی نہیں رہا تھا۔

اماں نے بہت کہا...... "بھئی جہاں آراء سے پوچھ لو...... مہرالنساء نور اس کی بیٹی صفیہ کتنی خواہش کر رہی ہیں اس رشتے کے لئے"۔

"ہاں جی...... اب تو کریں گی ہی" جہاں آراء نے طنز سے کہا...... "ماں لاکھوں میں کھیل رہی ہے بیٹی کو اسی حساب سے جہیز بھی دے گی نا"۔

"جو کچھ اس کے نصیب میں ہو گا لے لے گی...... یہ حامی تو بھرے"۔

"اماں" زری سوچتے ہوئے بولی...... "میں اشرف سے صلاح و مشورہ تو کر لوں پہلے اور نوری سے بھی پوچھ لوں...... دونوں جو کچھ کہیں گے آپ کو بتا دوں گی"۔

"ٹھیک ہے اشرف سے صلاح کر لے...... شادی کا بار تو وہی اٹھائے گا نا...... رشتہ طے ہو تو میں خود بھی اس سے بات کر لوں گی...... تو فکر نہ کر...... باقی رہی نوری...... تو اس سے کیا تو نے اجازت لینی ہے"۔

زری دھیرے سے مسکرا کر بولی...... "پوچھنا تو ہے نا اس سے"

"اماں" جہاں آراء نے پھر وار کیا...... "اب یہ بڑے لوگ ہیں...... بڑے لوگوں کی لڑکیاں بغیر مرضی کے شادی تھوڑا ہی کرتی ہیں"۔

"جہاں آراء" زری کو اس کی بات پر غصہ آگیا...... لیکن دباتے ہوئے بولی...... "بڑے لوگ ہوں یا چھوٹے...... بچوں کی مرضی لینا ہی پڑتی ہے...... تمہاری بہن کی حال ہی میں منگنی ہوئی ہے...... اس کی مرضی کیوں پوچھی تھی...... وہ تو اڑ گئی تھی نہ کرنے پر...... بھول گئیں...... کتنی مصیبت پڑی تھی"۔

جہاں آراء چپ ہو گئی۔

"اے ہے اماں بولی" تم دونوں کیا بحث لے بیٹھیں...... زری ٹھیک کہہ رہی ہے...... وہ دونوں سے پوچھ کر مجھے بتا دے گی...... بات ختم"۔

"بالکل" زری بولی۔

جہاں آراء خالی برتن ٹرے میں رکھ کر لے گئی...... اس کا موڈ ٹھیک نہیں رہا تھا...... اماں اور زری پھر سے باتیں کرنے لگیں...... اماں نوری کے روشن اور شاندار مستقبل کی دعویدار تھیں۔

لیکن

نوری

قسمت قدم قدم پر اس کا ساتھ چھوڑنے کی شاید عادی ہو گئی تھی...... تعمیر کی ہر صورت میں کوئی نہ کوئی تخریب کی صورت نکل آتی تھی۔

یہاں اماں اس کا مستقبل سنوارنے کی خوش کن باتیں کر رہی تھیں۔

اور

ادھر

نوری پر قیامتیں ٹوٹ پڑی تھیں...... جن سے نپٹتے ہوئے وہ بے دم اور بے حال ہو گئی تھی۔

ہوائیں

کہ

ای کے جانے کے بعد نوری ہنی کے ہاں جانے کے لئے تیار ہوئی......وہ ہنی سے اپنا دکھ بیان کرنا چاہتی تھی...... جس نے دو طرفہ طور پر اسے اپنے شکنجے میں لے رکھا تھا......ایک طرف اشرف کی حیوانیت کا سامنا تھا......دوسری طرف کاٹی کو ہمیشہ کے لئے کھو دینے کا دکھ تھا۔

لیکن

ہنی کو فون نہ ہو سکا...... شاید اس کا فون خراب تھا...... یا گھر کا فون درست حالت میں نہیں تھا۔

پہلے تو اس نے چاہا کہ رکشے پر اس کے ہاں چلی جائے...... لیکن پھر لگا کہ طبیعت خاموشی اور تنہائی کی طلب گار ہو رہی ہے......دل اداس سے اداس تر ہوتا جا رہا تھا......جی چاہ رہا تھا چیخیں مار مار کر روئے......آنکھیں ویسے ہی نم ہوئی جا رہی تھیں۔

گھر میں کوئی نہ تھا......ای اماں کے ہاں گئی تھی......اشرف بھی اس کے ساتھ ہی گیا تھا...... نوکر چاکر کچن کا کام نپٹا کر اپنے کوارٹروں میں چلے گئے تھے...... قمرو برآمدے میں چارپائی ڈالے گیٹ کی رکھوالی کے لئے پڑا تھا......اشرف کے واپس آنے پر اس نے گیٹ پھر سے بند کر کے چارپائی سنبھال لی تھی۔

نوری اپنے کمرے میں تھی۔

ایک افسردہ سا گیت ٹیپ پر چل رہا تھا......اور وہ بیڈ کے دوسری طرف پڑے صوفے پر آنکھیں بند کئے اپنے دل کے افسردہ تار اس گیت سے جوڑ رہی تھی۔

اشرف جب آیا تو سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا تھا...... کپڑے بدل کر سونے کی نیت سے بیڈ میں بھی پڑ گیا تھا۔

لیکن

اسے نیند نہ آئی......نوری کی طرف دھیان لگ گیا......کیا وہ گھر پر تھی......یا سہیلی کے ہاں چلی گئی تھی...... یہ جاننا ضروری تو نہ تھا......لیکن اس کے اندر کا شیطان آہستہ آہستہ سر اٹھا رہا تھا......اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ اٹھے اور نوری کے کمرے میں جا کر خود دیکھے کہ وہ وہاں

ہے......یا کہیں گئی ہوئی ہے...... تھوڑی دیر تو وہ کسلمندی سے بستر میں کروٹیں بدلتا رہا۔

رائمہ گھر پر ہے یا نہیں......اسے نہیں سوچنا چاہئے...... جہاں ہے اسے کیا...... لیکن اندر کا حیوان پوری طرح بیدار ہو گیا تھا......اس بالشت بھر چھوکری کو تھپڑ مارنے کی سزا کا جوش بھی ابھر آیا تھا...... جنون جب عقل پر پردے ڈال دے تو انسان اندھا بہرہ ہو جاتا ہے......اس نے اگر کوئی غلط حرکت کی تو اس کا انجام کیا ہوگا......وہ اس طرف سے بالکل بے خبر ہو جاتا ہے...... طوفان تباہی مچانے کے لئے ہی تو اٹھتے ہیں۔

جب ہوش و خرد کو جنون اور حیوانیت نے پوری طرح قبضے میں کر لیا...... تو وہ بستر سے ایک دم اٹھ بیٹھا...... چپل پہنے اور لاؤنج سے ہوتے ہوئے نوری کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

دروازہ نیم وا تھا۔

افسردہ دھن والا گیت فضا میں بکھر رہا تھا۔

اور

نوری آنکھیں بند کئے دروازے سے دو چار صوفے میں پڑی تھی۔

حسب عادت اور حسب معمول اشرف دستک دیئے بنا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا......اس کا چہرہ اور آنکھیں سرخ تھیں...... جذبات کی حدت سے تپ رہی تھیں۔

دروازے کی چرچراہٹ پر نوری نے ایک دم آنکھیں کھول کر ادھر دیکھا......

"آپ......آ......پ" وہ ہکلا گئی۔

پھر

ایک دم ہی اٹھتے ہوئے بولی...... "آپ کیوں بلا اجازت آئے ہیں" اشرف نے دروازہ لاک کر دیا...... پھر وہ بڑی مکروہ ہنسی ہنس کر بولا...... "میرا اپنا گھر ہے...... میں جہاں چاہوں جاؤں...... مجھے تم سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں"۔

"یہ...... یہ بد اخلاقی ہے" نوری اس کے بگڑے تیور دیکھ کر ڈر گئی۔

وہ پھر ہنسا۔

"تم مجھے اخلاق سکھاؤ گی؟ ہوں"۔

"تم...... تم چلے جاؤ نکل جاؤ...... یہاں سے ورنہ میں چیخ چیخ کر"۔

وہ پھر

بڑی ہی مکروہ ہنسی ہنسا...... "کیا کرو گی چیخ چیخ کر...... آج...... تم پوری طرح میرے قبضے میں ہو...... میں جو چاہوں تم سے سلوک کروں...... خبردار جو آواز بھی نکالی...... گلا گھونٹ دوں گا"۔

وہ اس کی طرف لپکا۔

"امی" وہ زور سے چیخی...... خوف سے اس نے آنکھیں اور مٹھیاں بھینچ لیں...... اشرف آگے بڑھا...... اسے گھسیٹا اور بیڈ پر ڈال دیا...... وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپتے چیختے روتے ہوئے فریاد کرنے لگی۔

لیکن وہ وحشیانہ ہنسی ہنستے ہوئے اس پر جھکا...... نوری تھر تھر کانپ رہی تھی...... لیکن جب اشرف نے اپنے ہونٹوں سے اس کے چہرے کو مس کرنا چاہا...... تو اس میں جانے کہاں سے طاقت آگئی...... اشرف جو بدمست شرابی کی طرح لڑکھڑاتے ہوئے اس پر گرا جا رہا تھا...... اسے اس نے پوری قوت سے لاتیں ماریں...... ایک لمحہ کو وہ جھٹکے سے پرے گرا۔

نوری کے لئے بچنے کا تو کوئی امکان نہ تھا...... لیکن قدرت کو شاید اس بیچاری لڑکی پر رحم آگیا...... کمرے کا دروازہ تو خبیث نے لاک کر دیا تھا...... ہاں باتھ روم کا دروازہ نیم وا تھا۔

پیشتر اس کے کہ اشرف سنبھل کر اٹھتا اور لپک کر اسے دبوچ لیتا...... نوری نے ایک چھلانگ لگائی...... پلنگ سے کود کر صوفے پر آئی اور دوسری چھلانگ لگا کر باتھ روم میں پہنچ گئی...... اس نے اندر داخل ہوتے ہی دروازہ لاک کر دیا...... اور پچھلے برآمدے میں کھلنے والی ایک فٹ چوڑی تین فٹ لمبی کھڑکی کی طرف منہ کر کے زور زور سے چلانے لگی۔

"بچاؤ...... بچاؤ...... بچاؤ"۔

اشرف نے زور زور سے دروازہ پیٹا...... وہ اس وقت بالکل حیوان بنا ہوا تھا۔

لیکن

جب نوری کی چیخ و پکار پر قمرو کی زوردار آواز آئی...... "کیا ہوا چھوٹی بی بی...... کیا ہوا"۔

تو

اشرف کے اندر کا حیوان رفوچکر ہو گیا...... رائمہ چیخے جا رہی تھی...... قمرو باتھ روم کی کھڑکی تک آ پہنچا تھا اور پوری آواز سے چلاتے ہوئے "کیا ہوا چھوٹی بی بی...... کیا ہوا...... بتائیں تو کچھ" کہے جا رہا تھا...... اس کی آواز سن کر شاید خانساماں بھی کوارٹر سے بھاگا بھاگا آگیا تھا۔

تب

اشرف کو اپنے نام اپنے مقام اور اپنی نام نہاد عزت کا احساس ہوا...... جسے اس نے وقتی سفلی جذبے کے تحت داؤ پر لگا دیا تھا۔

پیشتر اس کے کہ نوکر لوگ کمرے کی طرف آتے...... اس نے جلدی سے دروازہ کھولا...... اور تیزی سے تقریباً بھاگتا ہوا اپنے بیڈ روم میں چلا گیا...... جاتے ہی بیڈ پر گرا اور آنکھیں بند کر لیں...... وہ کسی نوکر کے ادھر آنے تک سوتا بن جانا چاہتا تھا...... گرمی نہیں تھی...... لیکن وہ پورے کا پورا پسینے میں بھیگ رہا تھا...... دل بے طرح دھڑک رہا تھا۔

جب نوری صرف چیخے ہی گئی...... تو قمرو اور خانساماں جلدی سے اس کے کمرے کے دروازے کی طرف آئے...... خانساماں کی بیوی بیگاں بھی دوڑی آئی تھی...... تینوں نے کمرے کے اندر جھانکا...... وہاں کوئی بھی نہ تھا...... پھر نوری کو کیا ہوا تھا۔

ڈر گئی تھی۔

یا

کوئی اس کے کمرے میں آگیا تھا۔

تینوں چند لمحے کھڑے رہے...... نوری بے اختیاری کے عالم میں اب بھی چیخے جا رہی تھی...... لگتا تھا اسے گرد و پیش کا ہوش ہی نہیں۔

"کیا کیا جائے" قمرو نے رحمت خانساماں سے پوچھا۔

"بی بی غسل خانے میں ہے...... کوئی بجلی کا جھٹکا نہ لگا ہو...... یا کوئی سانپ سپولیا نہ ہو...... وہاں تم باہر ہی ٹھہرو...... میں دروازہ کھلواتی ہوں"۔

بیگاں اندر گئی...... غسل خانے کے دروازے پر تھپ تھپ کرتے بولی...... "چھوٹی بی بی دروازہ کھولئے...... میں بیگاں ہوں...... اندر کیا ہوا...... دروازہ کھولیں تو پتہ چلے گا"۔

اس نے کئی دفعہ اپنی بات دہرائی...... تو نوری کی چیخیں ہولے ہولے تھم گئیں......

بیٹھی بیٹھی خوفزدہ آواز میں بولی..... "تم بیگاں ہی ہو نا"۔

"ہاں چھوٹی بی بی..... میں بیگاں ہی ہوں" ادھیڑ عمر عورت نے شفقت سے کہا۔

"کمرے..... میں..... اور تو کوئی نہیں ہے نا" وہ سہمی ہوئی تھی۔

"نہیں کوئی نہیں..... دروازہ کھولئے..... کمرے میں صرف میں ہوں..... دروازے کے باہر رحمت اور قمرو ہیں..... اور کوئی نہیں"۔

"اور..... اور..... وہ"۔

"وہ کون ؟"

نوری نے غسل خانے کا دروازہ کھولا..... سامنے بیگاں کھڑی تھی۔

"بیگاں" اس نے ادھوری سی چیخ نما آواز میں کہا..... بیگاں نے جلدی سے اسے تھام لیا..... تھامے تھامے صوفے تک آئی..... نوری اس کے بازوؤں میں بے ہوش ہو گئی تھی۔

بیگاں نے رحمت اور قمرو کو آوازیں دیں..... رحمت لپک کر اندر آیا..... قمرو بڑے صاحب کو صورت حال سے آگاہ کرنے دوڑا تھا۔

"پانی کا گلاس بھر لاؤ..... چھینٹے ماریں ان کے منہ پر..... ہوش آجائے گا..... اللہ جانے کیا ہوا..... غسل خانے سے نکلیں تو پیلی زرد ہو رہی تھیں..... تھر تھر کانپ رہی تھیں..... یقیناً یہاں کوئی بری نیت سے آیا ہے"۔

"یہاں کون آسکتا ہے..... اتنی جرات کون کر سکتا ہے" رحمت سوچ میں پڑ گیا تو بیگاں تیزی سے بولی..... "پہلے پانی تو لے آؤ..... ہوش میں تو آجائیں..... پھر قیاس آرائیاں کر لینا"۔

رحمت پانی لے آیا..... بیگاں نے نوری کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے..... کچھ ہی دیر بعد اس نے آنکھیں کھول دیں..... ان آنکھوں میں خوف و ہراس تھا..... اور وہ کمرے میں چاروں طرف چپ چاپ تکے جا رہی تھی۔

اسی اثناء میں قمرو بڑے صاحب کو سانحے کی خبر سنا کر اٹھا لایا..... اشرف اس طرح آیا جیسے سوتے میں اچانک بیدار ہونا پڑا ہو۔

وہ کمرے میں داخل ہوا..... بیگاں اسے اس واقعے کا بتانے ہی لگی تھی کہ نوری کی نگاہ اس پر پڑی..... وہ بے اختیارانہ چیختے ہوئے بیگاں سے لپٹ گئی..... "مجھے چھوڑ کر نہ جانا..... چھوڑ

نہ جانا" اشرف خوفزدہ سا ہو کر پرے ہٹ گیا..... "لگتا ہے ڈر گئی ہے..... قمرو ڈرائیور سے و..... اس کی امی کو جا کر لے آئے"۔

وہ کمرے سے باہر نکل گیا..... بیگاں نے نوری کو سینے سے لگائے لگائے اس کا سر پکا..... اس کی نظروں میں شک بھر گیا۔

نوری بیگاں سے چمٹی جا رہی تھی..... آنکھیں کھول کر دیکھ بھی نہیں رہی تھی..... بیگاں نے رحمت اور قمرو کو بھی کمرے سے جانے کا کہا..... بمشکل نوری کو بیڈ پر لا کر لٹایا..... اور روازہ لاک کر کے اس کے پاس بیٹھ گئی..... نوری اب بھی کانپ رہی تھی..... بڑبڑا رہی تی..... بیگاں کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر کے جا رہی تھی..... "وہ..... وہ..... مجھے..... چھوڑ رنہ..... جانا..... امی..... امی..... امی کو..... بلاؤ"۔

بیگاں اسے تھپکاتے ہوئے حوصلہ دے رہی تھی..... "میں تمہارے پاس ہوں..... امی لوڈرائیور لینے گیا ہے..... جب تک وہ نہیں آتیں..... میں یہیں رہوں گی..... تمہارا کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا"۔

"بیگاں..... بیگاں" نوری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بیگاں اسے پچکارتی پیار کرتی رہی..... لیکن اس نے اس سے یہ نہیں پوچھا کہ وہ کس سے ڈری یا اس کے کمرے میں کون آکر اسے ہراساں کر گیا۔

کیونکہ

وہ مجرم کی شناخت کر چکی تھی۔

مجرم بھی وہ..... جس کے فعل کے بارے میں لب کشائی کی جرات نہ کر سکتی تھی۔

☆☆☆

زری کے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں تھا..... رنگت بے رنگ ہو گئی تھی..... آنکھیں خوف سے پھیل گئی تھیں..... نوری نے اس کی گود میں منہ چھپا کر روتے ہوئے جو کچھ اسے بتایا تھا..... سن کر وہ تو سن ہی ہو گئی تھی..... اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا..... وہ نوری کی باتوں کا کوئی جواب دے سکی تھی..... نہ ہی اسے تسلی دلاسا دینے کو اسے کوئی الفاظ سوجھ رہے تھے۔

"امی "نوری نے مجسم فریاد ہو کر اس کے گلے میں بانہیں ڈال دیں..... اور بلک بلک کر روتے ہوئے بولی..... "رو دو امی رو دو..... میری بد نصیبیوں کا ماتم کرو..... میرا گلا گھونٹ دو..... کہ میرے لئے اس دنیا میں پناہ کی..... کوئی جگہ نہیں رہی"۔

"تیرا گلا گھونٹنے سے پہلے میں اپنا گلا گھونٹ لوں گی نوری..... تجھے میں نے جنم ہی کیوں دیا..... میں یہ سب کچھ سننے سے پہلے مر ہی کیوں نہ گئی"۔

دونوں ماں بیٹی ماتم کناں تھیں..... وہ تو اچھی بات جو میکاں خود ہی زری کے آجانے پر وہاں سے اٹھ کر چلی گئی تھی..... ورنہ بات آگ کی طرح پھیل جاتی اور اس میں اس گھرانے کی عزت و ناموس جل کر راکھ ہو جاتی..... جمال و کمال کسی کو کیا منہ دکھاتے اور ثمرہ کہاں کی رہتی..... اشرف کی شرافت کا لبادہ سر عام تار تار ہو جاتا۔

لیکن

سر عام کچے چھٹے تو غریبوں کے کھلتے ہیں..... امیروں کے ساتھ ایسی جرات کرنے کی کون ہمت کر سکتا ہے..... غریبوں کی تو اچھائیوں کو بھی برائیوں کا رنگ دے کر اچھالا جاتا ہے..... پیسے والوں کی برائیاں بھی اچھائیاں بن جاتی ہیں۔

اشرف کی یہ بے ہودگی بھی دب گئی۔

دو تین دن تو زری نوری کے کمرے ہی میں رہی..... نوری اتنی خوفزدہ تھی..... کہ

ہاں سے ہلنے ہی نہ دیتی..... اشرف بھی اس دوران چپ ہی رہا..... لیکن چوتھے دن اس نے زری کو کمرے میں بلایا..... زری شاید اس کی شکل بھی نہ دیکھنا چاہتی تھی..... لیکن اشرف نے دی رویہ اختیار کرتے ہوئے معافی مانگی..... "میں خود حیران ہوں کہ میں ایسی غیر شائستہ حرکت پر کیسے اتر آیا..... شیطان مجھے بہکا رہا تھا..... لیکن شکر ہے..... رائمہ کو کوئی گزند نہیں پہنچی..... میں شرمندہ ہوں..... معذرت خواہ ہوں..... ماں بیٹی سے معافی چاہتا ہوں"۔

وہ کافی دیر اسی لہجے میں باتیں کرتا رہا..... وہ واقعی شرمسار تھا۔

زری نے اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دیا۔

جب کافی دیر وہ کچھ نہ بولی اور چہرے کے تناؤ سے غصے کا اظہار ہوتا رہا۔

تو

اشرف غصے سے بھر گیا..... اتنا معذرتانہ رویہ اس نے کبھی کب اختیار کیا تھا..... چاہتا تھا زری موم ہو جائے..... اور بات ختم ہو جائے..... لیکن جب یوں بات ختم ہوتی نظر نہ آئی..... تو اس نے بھڑکتے لہجے میں کہا..... "میں نے کبھی کسی سے معافی نہیں مانگی..... اس معاملے میں بھی میں اپنے خدا سے معافی مانگ سکتا ہوں..... لیکن تم یہ بات ذہن میں رکھو..... اس بات کی تشہیر میں کبھی نہ ہونے دوں گا..... سمجھیں..... تم دونوں نے کسی کے سامنے ہمارا بھی کوئی لفظ منہ سے نکالا تو میں تم دونوں کو شوٹ کر دوں گا"۔

زری سر تاپا کانپ گئی۔

"اور یہ بھی سن لو..... کہ تم اس گھر ہی میں رہو گی..... اگر یہ سوچ لیا ہے کہ ماں بیٹی گھر چھوڑ کر چلی جاؤ گی اور یوں میری بدنامی کا باعث ہو گی..... تو میں ایسا..... ہرگز نہیں ہونے دوں گا..... تمہاری بیٹی جا سکتی ہے..... لیکن تم میری بیوی کی حیثیت سے یہاں سے ہر قدم نہیں لے جا سکتیں"۔

دھمکی اتنی ہی کافی تھی..... بات اچھلنا جہاں اشرف کی بدنامی تھی..... وہاں نوری کا نام بھی مشتہر ہو سکتا تھا..... اس لئے بات کو دبانا ضروری ہو گیا..... زری نے ساری باتیں نوری کو بتائیں..... تین چار دنوں میں وہ سوچ سمجھ کے قابل ہو چکی تھی..... اچھے برے انجام کے

متعلق سوچ سکتی تھی...... ماں کو اتنی مشکلوں سے نئی خوشحال زندگی نصیب ہوئی تھی......
اسے اجاڑنا بے وقوفی تھی۔

لیکن

اس کا اب اس گھر میں رہنا نہ تو ٹھیک تھا نہ ہی ضروری...... اس نے اس گھر کو خاموشی سے چھوڑ دینا ہی مناسب سمجھا...... نانی کے گھر ہی جا سکتی تھی...... قہر درویش بر جان درویش...... اسے وہاں شفٹ ہونا ہی پڑا...... زری نے ماں سے جانے کس انداز میں بات کی...... اصل بات پر کیسے پردہ ڈالا...... لیکن نوری کی شادی تک اسے وہاں رکھنے کی استدعا کی...... ماں جہاندیدہ عورت تھی...... بات کی تہہ کو پوری طرح نہ سہی کچھ کچھ پہنچ ہی گئی...... لیکن خاموشی میں مصلحت تھی...... اس نے نوری کے اپنے ہاں اٹھ آنے پر کوئی تبصرہ نہ کیا...... ہاں جہاں آراء کو اس کا پھر یہاں آجانا اچھا نہیں لگا...... زری سے حسد تو کرتی ہی تھی اس کی جگہ نشانہ نوری نے بننا تھا۔

نوری نے جتنوں سے جو اپنی چھوٹی سی جنت سجائی تھی...... وہ بکھر گئی...... اور ایک بار وہ پھر نانی کے گھر اوپر والے کمرے میں آگئی...... ایک تو زندگی نے یہ ناخوشگوار پلٹا کھایا تھا...... دوسرے ماں سے زندگی میں پہلی بار جھگڑی تھی...... اس لئے مجسم غم بنی ہوئی تھی...... نہ کھانے پینے کو جی چاہتا تھا نہ اوڑھنے پہننے کو...... حالانکہ اس کی ضرورت کی ساری چیزیں...... اس کے سارے ڈریسز زری لے آئی تھی...... پیسے بھی پرس میں ڈال گئی تھی...... اور اس کے اخراجات جو جہاں آراء نے اٹھانے تھے...... وہ خرچہ بھی دے گئی تھی۔

لیکن نوری کئی دن بت ہی بنی رہی۔

وہ تو ایک دن اچانک ہی ہنی آگئی...... وہ نوری سے ملنے اس کے گھر گئی تھی...... لیکن پتہ چلا کہ نقل مکانی ہو چکی ہے...... زری نے اسے نوری کے نانی کے ہاں چلے جانے کی وجہ تو نہیں بتائی...... لیکن ہنی کا ماتھا ٹھنکا...... اس لئے گھر لوٹنے کی بجائے ادھر ہی آگئی۔

نوری دنوں میں کتنی بدل گئی تھی...... ہنی کو رونا آگیا...... وہ اس سے لپٹ کر گلوگیر آواز میں بولی...... "ہائے نوری تو واقعی بڑی بد قسمت ہے"۔

"اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہی" نوری سوکھی ویران آنکھوں سے اسے دیکھتے

بولی...... اس کا لہجہ دلفگار تھا۔

"وہی ہوا نا...... میں کہتی تھی امی کو بتا دو...... لیکن تو نے میری مانی ہی نہیں......"

دیر بعد جب نوری سے اکھڑی اکھڑی روئیداد سن چکی تو ہنی بولی...... پھر خود ہی

"چلو خدا کا شکر ادا کرو جس نے تمہیں بچا لیا"۔

"بچا کر پھر اسی جہنم میں لا ڈالا...... جس سے نکلنے کے لئے میں نے امی کو نکاح پر مجبور کیا" افسردگی سے بولی...... "کتنا بڑا قدم اٹھایا تھا...... جگ ہنسائی اور لوگوں کی باتوں کا رسک

"چلو تم نے ایک عقلمندی ضرور کی ہے...... جو آنٹی کا گھر یہاں آکر برباد ہونے سے ...... وہ تمہارے آنے سے دکھی تو ہوں گی...... پر اپنے گھر میں تو ہیں...... تو نے ایک نہ ل تو ان سے جھگڑنا ہی تھا......" وہ تلخی سے ہنسی...... "ہنی تمہارا مطلب میری شادی ے تو جان لو...... کہ میری شادی کبھی نہیں ہو گی"۔

"کیوں؟"

"بس"

"کامی کا بھوت ابھی تک سر پر سوار ہے"۔

"میں کہاں کامی ہے...... اس کی تو شاید شادی ہو بھی چکی"۔

"ارے نہیں...... یہ کیسے ہو سکتا ہے...... سچے عاشق ایسے نہیں ہوتے"۔

"تم سے کس نے کہا...... کہ وہ سچا عاشق تھا"۔

"جو کچھ بھی ہے قصور تمہارا ہے...... اس کی ہر کوشش کو تم نے ٹھکرا لیا"۔

"چلو چھوڑو اس قصے کو...... میری آئندہ زندگی کا کوئی پلان بناؤ...... مجھے کہیں نوکری ...... میں مصروف ہو جانا چاہتی ہوں...... یہاں میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی...... یا مامی ویوں کی بھینٹ چڑھ جاؤں گی...... بہت برا سلوک کرتی ہیں...... حالانکہ اب میں ان پر نہیں...... وہ مجھے پھر سے نوکرانی بنانا چاہتی ہیں"۔

"اللہ نہ کرے" ہنی کانپ گئی...... "ویسے نوری تم پھر سے داخلہ کیوں نہیں لے
"۔

"میرا دماغ ٹھکانے پر نہیں...... پڑھ نہیں سکتی...... ہنی تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں...... میری ذہنی حالت کیسی ہوئی ہے"۔

دونوں کافی دیر باتیں کرتی رہیں...... پھر ہنی نے وعدہ کیا کہ وہ ڈیڈی سے کہہ کر اسے جلد ہی نوکری دلاوے گی...... اسے جلد ہی خیال آیا کہ ڈیڈی کے دوست کی بیٹی نے بچوں کی نرسری چند ماہ ہوئے کھولی تھی...... اسے ٹیچرز کی ضرورت شاید تھی۔

انسان فطرتاً بڑا ڈھیٹ واقع ہوا ہے...... حالات جیسے بھی ملیں اپنے آپ کو ان میں ڈھال ہی لیتا ہے...... ڈھل جانے کی خاصیت اس میں نہ ہوتی تو زندگی کی اونچ نیچ اس سے برداشت ہی نہ ہو پاتی...... لمحہ لمحہ جذبات کے بیچے پر چڑھا رہتا...... تو زندگی خود بخود مر جاتی۔

نوری نے بھی دنوں کے بعد سنبھالا لیا...... اس دوران ہنی تقریباً روز ہی فون کر کے اس کی ہمت بڑھاتی...... امی نے بھی دو چکر لگائے...... اور فون تو رات سونے سے پہلے ضرور ہی کرتیں...... اور تو اور اشرف نے بھی اسے فون کیا...... اس کے لہجے میں معذرت کے ساتھ شفقت بھی تھی...... شاید اسی لئے نوری نے نئے سرے سے زندگی جینے کا عزم کر لیا۔

بڑے دنوں بعد وہ اس دن بازار گئی...... چند چھوٹی چھوٹی چیزیں خریدنا تھیں...... گھر میں مقید رہ رہ کر بھی تنگ آ گئی تھی...... اس نے نہا دھو کر ایک سادہ سا جوڑا پہنا...... بال بھی کھلے نہیں چھوڑے...... ان کی چٹیا بنائی...... میک اپ بھی نہیں کیا...... حسن سادگی میں بھی پرکار ہوتا ہے...... سادگی اور افسردگی نے اسے انوکھا نکھار بخشا تھا...... وہ بڑی سلجھی ہوئی میچور لڑکی لگ رہی تھی...... جسے اتنی سی عمر میں زندگی نے بڑی بڑی حقیقتوں سے روشناس کرا دیا تھا۔

وہ رکشے سے اتر کر تھوڑی دور برآمدے میں پیدل چلی...... پھر اپنے مطلوبہ سٹور کا بڑا سا شیشے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی...... چند قدم ہی آگے بڑھی تھی کہ اس کی نظر کاؤنٹر پر پیمنٹ کرنے کے بعد لفافے اٹھاتے پلٹتی عورت پر پڑی...... اس کے قدم رک گئے......
اس نے چاہا کہ بے اختیارانہ بڑھ کر اس سے لپٹ جائے۔
لیکن
اس نے ایسا کرنے سے اپنے آپ کو روکا۔

عورت کی نظر بھی اس پر پڑی...... "نوری!" وہ آگے بڑھتے ہوئے بولی۔

وہ خالہ زبیدہ تھی...... نوری اس سے گلے ملتے ہوئے جھجکی اس لئے صرف مودبانہ [سلا]م کیا۔

دونوں نے ایک مدت کے بعد ایک دوسری کو دیکھا تھا...... چند لمحے دونوں ایک دوسری [کو دیکھ]تی رہیں...... پھر سلام کا جواب دیتے ہوئے زبیدہ نے پہل کی...... "کیسی ہو نوری"

"ٹھیک ہوں خالہ"

"امی کا کیا حال ہے"

"اچھی ہیں"

"مزے میں ہوں گی"

آواز میں طنز محسوس کر کے نوری اندر سے دکھ گئی...... آہستگی سے بولی...... "ہوں گی"

"کیوں تم نہیں جانتیں"

نوری چپ ہو گئی...... طبیعت کچھ بدمزہ سی ہو گئی...... وہ جان گئی...... کہ اس عورت [نے ا]بھی تک نہیں بخشا...... وہ اسے خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھنے کو قدم اٹھانے ہی [وال]ی تھی کہ زبیدہ بولی...... "امی کے ساتھ آئی ہو یا اکیلی"۔

"اکیلی...... امی اپنے گھر میں ہیں" وہ آہستگی سے بولی۔

"اپنے گھر میں؟ اور...... تم" زبیدہ نے حیرانگی سے اسے دیکھا۔

"میں نانی کے گھر ہوتی ہوں"

"کیوں ماں کے پاس نہیں رہتیں"۔

"رہتی تھی...... اب واپس نانی کے گھر آ گئی ہوں"

"کیوں؟"

جواباً نوری نے کرب و اذیت بھری نظروں سے اسے دیکھا...... اس کی باتوں کا جواب [دی]ئے بغیر بولی...... "آپ ٹھیک ہیں نا...... انکل کیسے ہیں...... فیروز اور سلیم کی پڑھائی اچھی [جا ر]ہی ہو گی"۔

زبیدہ جو اسے اس قدر افسردہ اور پریشان دیکھ کر متعجب تھی...... بولی...... "کیا بات ہے

تم خوش نہیں لگ رہیں"۔

"نہیں تو" اس نے مسکرانے کی کوشش کی...... "بالکل نارمل ہوں"

"بہت بدل گئی ہو"

وہ اداس سی ہنسی ہنس کر بولی...... "یہ بات ٹھیک کہی آپ نے...... اب میں وہ گستاخ ا
بد تمیز سی لڑکی نہیں رہی"۔

"میرا مطلب یہ نہیں تھا"

"زبیدہ خالہ...... اچھا ہوا آپ سے آج ملاقات ہو گئی...... میں نے اپنی زندگی کے اح
دور میں آپ کے ساتھ بڑی بد تمیزیاں کی تھیں...... ان کے لئے مجھے معاف کر دیجئے گا
میں جب بھی وہ باتیں یاد کرتی ہوں...... ندامت اور خفت محسوس ہوتی ہے"۔

زبیدہ اسے سر تاپا غور سے دیکھ رہی تھی...... حیران بھی تھی...... کہ نوری اتنی بدل
ہے۔

"اچھا خالہ" نوری نے قدم اٹھاتے ہوئے کہا...... "انکل کو میرا اسلام کہیئے گا...... نی
اور سلیم کو بھی"۔

"ٹھہرو تو" زبیدہ نے اسے روکا۔

"جی کہئے"

"کہنا کیا ہے...... اتنے عرصے بعد تمہیں دیکھا ہے...... حال احوال تو سناؤ اپنا...... کا
جا رہی ہو"۔

اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا...... "کالج تو ابو کی وفات کے بعد ہی چھ
گیا تھا...... نانی کے گھر اٹھ آئے...... تو پڑھائی کا خیال بھی محال تھا...... دو وقت کی روٹی کی
تھی پڑھنا کہاں سے تھا"۔

"اے ہے تمہارے ننھیال تو خاصے صاحب حیثیت تھے"۔

"جی"

"پھر"

"پھر کیا انہیں دو نوکرانیاں مل گئی تھیں...... نوکرانیوں کو پڑھائی سے کیا واسطہ"۔

نوری نے اتنے دکھے انداز میں کہا کہ زبیدہ اندر سے پسیج گئی...... اس کے لہجے میں اب
کافی نرمی اور شفقت آ گئی...... بولی...... "بڑا افسوس ہوا تمہارے حالات جان کر...... پر خیر اب
تو تمہاری امی"۔

"جی...... نانی کے کسی کزن نے ان سے شادی کی ہے...... زبیدہ خالہ امی کہاں مانتی
تھیں...... میں نے ہی انہیں رضامند کیا...... سختیاں سہہ سہہ کر...... دکھ جھیل جھیل کر ہم
لوگ بے حال ہو چکے تھے......" نوری نے مختصراً اسے اپنی روئیداد سنا ڈالی...... زبیدہ کا دل موم
ہو گیا...... اس کا دل چاہ رہا تھا...... نوری سے باتیں کرتی ہی جائے۔

یہ نوری وہ نوری نہیں تھی...... جو ہواؤں میں اڑتی تھی...... مصنوعی زندگی کی دلدادہ
تھی...... جھوٹے قصے گھڑ کر لوگوں کو اپنی امارت سے مرعوب کرتی تھی...... جو اپنے آپ کو
حویلیوں اور کوٹھیوں کی مالک بنا کر امیر کبیر لوگوں کے حلقے میں رہنا فخر سمجھتی تھی...... اور
جس نے اسی زعم میں اس کے بیٹے کو ٹھکرا دیا تھا۔

اب وہ اتنی سنجیدہ اور سلجھی ہوئی تھی...... کہ زبیدہ کو یقین ہی نہ آ رہا تھا...... کہ یہ وہی
لڑکی ہے۔

"میں چلوں خالہ...... نیچے بیسمنٹ میں...... کچھ چیزیں لینی ہیں"۔

"لے لینا...... اتنی دیر بعد ملی ہو...... خوشی نہیں ہو رہی"۔

وہ آہستگی سے بولی...... "مجھے تو یقیناً ہو رہی ہے...... لیکن آپ کا کچھ کہہ"۔

وہ کہتے کہتے رک گئی...... تو زبیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا...... "مجھے بھی اتنی ہی خوشی
ہوئی ہے جتنی تمہیں"۔

"شکریہ" نوری مسکرائی...... "اس کا مطلب ہے آپ نے مجھے معاف کر دیا"۔

"اوں ہوں" زبیدہ مسکرائی۔

"تو" نوری نے گھبرائے بغیر کہا۔

"میرے گھر آؤ گی...... تو معاف کروں گی" زبیدہ اس پر ایکا ایکی مہربان ہو گئی تھی......
شاید برس ہا برس ساتھ گزارے تھے...... اور بڑے پیار سے گزارے تھے...... ان کا خیال آ گیا
تھا۔

نوری بولی...... "خالہ آپ بلائیں گی تو آجاؤں گی"۔

"میرا تو دل چاہ رہا ہے ابھی تمہیں ساتھ لے جاؤں"۔

"شکریہ" نوری نے خوشگوار لہجے میں کہا...... چند لمحے رکی اور پھر شاکی لہجے میں کہا......

"کبھی بھول کر بھی یاد تو کیا نہ تھا آپ نے...... آکر دیکھا تک نہیں تھا...... کہ ہم ماں بیٹی جی رہی ہیں یا مر رہی ہیں"۔

زبیدہ نے کچھ خفت تو محسوس کی لیکن جلدی سے بولی...... "حالات ہی ایسے ہو گئے تھے"۔

دونوں کچھ دیر باتیں کرتی رہیں...... سٹور میں لوگ آجا رہے تھے...... کاؤنٹروں پر بیٹھے سیلز مین بار بار انہیں دیکھ بھی رہے تھے...... باتونی عورتیں سمجھ کر ایک دوسرے کو ایک آدھ بار مسکرا کر اشارے بھی کئے تھے۔

"اچھا خالہ" نوری نے پھر اجازت طلب لہجے میں کہا۔

"رکو نا" زبیدہ نے شیشے سے باہر دیکھتے ہوئے کہا...... "کامی آنے ہی والا ہے...... مجھے ڈراپ کر کے اپنے کسی کام چلا گیا تھا...... آتا ہی ہو گا"۔

نوری کو کچھ گھبراہٹ سی ہوئی...... "مجھے دیر ہو جائے گی خالہ...... چیزیں ڈھونڈنے میں بھی وقت لگے گا"۔

"وہ...... وہ آگیا" زبیدہ نے اسے سڑک کے دوسری طرف گاڑی پارک کرتے ہوئے دیکھ کر کہا...... پھر نوری سے بولی...... "کامی سے نہیں ملو گی"۔

نوری نے نفی میں بے ساختہ سر ہلایا...... تو زبیدہ مسکرا کر بولی...... "اسے مبارک تو دے دینا...... وہ"۔

نوری پوری بات سنے بغیر تلخی سے بولی...... "منگنی کی یا شادی"

زبیدہ ہنس پڑی...... کچھ کہنے ہی کو تھی کہ نوری نے خدا حافظ کہتے ہوئے جانے کو قدم اٹھایا...... کامی گاڑی پارک کر کے سڑک کراس کر رہا تھا...... کچھ لمحوں ہی میں وہ سٹور کے اندر آنے والا تھا...... اس لئے نوری وہاں سے تیزی سے چل دی۔

وہ بیسمنٹ کی سیڑھیاں اتر رہی تھی...... گردن موڑ کر دیکھا...... تو کامی زبیدہ کے پاس

کھڑا تھا...... اور وہ سیڑھیوں کی طرف اشارہ کر کے اسے کچھ کہہ رہی تھی۔

نوری تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی...... اور نیچے جا کر ادھر ادھر یونہی نظریں دوڑانے لگی...... اسے یقین تھا کہ کامی نیچے ضرور آئے گا۔

پانچ منٹ

دس

اور پھر پندرہ منٹ گزر گئے...... کامی نہیں آیا...... انتظار شاید اذیت ہی کا دوسرا نام ہوتا ہے...... نوری کو آج احساس ہوا...... پھر وہ بغیر کوئی شے خریدے اوپر آگئی...... اسے اپنے انتظار پر کوفت ہونے لگی...... وہ بھلا کیوں نیچے آتا؟ اب اس کی دلچسپیاں اس کی ذات سے تھوڑا ہی وابستہ تھیں۔

وہ لڑکی!

جو اس کی منگیتر یا شاید بیوی بن چکی تھی...... کامی کی ساری دلچسپیاں تو اب اس سے وابستہ تھیں...... وہ بڑی دلگرفتہ نظر آنے لگی...... بغیر کوئی چیز خریدے وہ سٹور سے باہر آئی...... برآمدے میں چلتی سڑک کے اس گھماؤ پر آئی...... جس پر رکشے کھڑے تھے۔

اس نے رکشہ لیا۔

اور

گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

پھر ڈھیر سارے دن بیت گئے۔

نوری کے شب و روز یکسانیت سے گزرتے چلے گئے...... کبھی کبھی اس پر ڈپریشن طاری ہو جاتی...... تب جہاں آراء کو اس پر بہت غصہ آتا...... کوسنے دیتی...... طنز کرتی...... کام میں ہاتھ نہ بٹانے پر جھاڑیں بھی پلاتی...... نوری پر کوئی اثر نہ ہوتا...... وہ تو اس گھر اس ماحول اور یہاں کے ہر فرد سے متنفر نظر آتی تھی...... ہاں جس دن امی آجاتیں اس کا دل بہل جاتا۔

زبیدہ خالہ سے ملاقات کی بات اس نے امی کو بھی سنائی تھی...... زبیدہ کے تیور کیسے بدل گئے؟ اسے یقین نہ آتا تھا...... کیونکہ اس ملاقات کے بعد زبیدہ نے نوری یا زری سے کوئی رابطہ ہی نہیں کیا تھا۔

نوری شاید زیادہ ہی ڈیپریشنوں کا شکار ہو جاتی کہ اسے ہنی کے ابو نے دوست کی بیٹی کی نرسری میں نوکری دلادی...... تنخواہ زیادہ نہیں تھی...... لیکن نوری کو اس کی پرواہ نہ تھی......اسے تو وقت گزاری اور مصروفیت کے لئے کام چاہئے تھا۔

نوکری کی اماں نے مخالفت کی...... "کیا ضرورت ہے نوکری کی...... زری سارا خرچہ برداشت کر رہی ہے تمہارا...... پھر زیادہ دنوں کی بات نہیں...... شادی ہو جائے گی...... تو اس کی بھی ضرورت نہ رہے گی"۔

"نانی" نوری نے جواباً کہا...... "میں گھر بیٹھی رہی نا تو کسی دن پاگل ہو جاؤں گی......باقی رہی شادی! تو آپ نے مجھے جو کچھ بتایا ہے...... میں اس کے لئے ابھی ذہنی طور پر تیار نہیں...... میری شادی کا ذکر بھی آئندہ نہ کیجئے گا"۔

"کیوں؟ تو کنواری ہی سر پر چڑھی رہے گی...... گھر بار کی ہو گی تو یہ پاگل ہونے والی باتیں بھی نہیں سوچے گی...... سب لڑکیاں بیاہی جاتی ہی ہیں...... تو انوکھی تو نہیں...... شکر نہیں کرتی اتنے اچھے لوگ تمہارا ہاتھ مانگ رہے ہیں"۔

"نانی...... مجھے شادی...... نہیں کرنی"۔

"نہ کر...... جا جہنم میں"

نانی سے صدو تکرار اکثر انہیں باتوں پر ختم ہوتی۔

لیکن

نوری نوکری سے مطمئن تھی...... صبح صبح تیار ہو کر جاتا دوپہر کو واپس لوٹتا...... کبھی بازار چلے جاتا...... کبھی ہنی سے مل آتا......اچھے شغل تھے...... پھر نرسری کی مسز اشفاق سے بھی اس کے اچھے مراسم ہو گئے تھے اور ٹیچرز بھی اچھی تھیں......وقت گزارنا مشکل نہیں رہا تھا۔

وہ نرسری بس سے آتی جاتی تھی...... بس سٹاپ گھر سے کوئی تین فرلانگ کے فاصلے پر مین سڑک پر تھا...... یہاں تک وہ پیدل آتی جاتی تھی...... بس کے لئے سٹاپ پر تھوڑی دیر رکنا پڑتا...... پھر وہ بس میں سوار ہو جاتی۔

کامی کی فیکٹری کو بھی شاید یہی راستہ جاتا تھا...... دو دفعہ اس نے کامی کی گاڑی دیکھی......اس نے بھی اسے دیکھا یا دانستہ نظر انداز کر گیا......اس کا نوری کو پتہ نہ چل سکا...... ہاں دکھ کی آنچ ہر بار ضرور بھڑکی۔

☆☆☆

کامی اپنے کام کے سلسلے میں ادھر گیا تو سوچا امی کے ساتھ ایک کپ چائے پینے کی عیاشی کر تا جائے......اسی لئے اگلی سڑک پر مڑنے کی بجائے گاڑی اپنے گھر کی طرف موڑ دی...... وہ ابھی اسی کرائے کی کوٹھی میں رہائش پذیر تھے...... نئی کوٹھی بن تو رہی تھی...... لیکن باپ بیٹا بزنس میں اتنے مصروف تھے کہ کوٹھی کا کام انہیں ذرا آہستہ کرنا پڑا...... "ادھر کاموں سے فرصت تو ملے...... کوئی ایسا اعتباری آدمی بھی نہیں جس کی نگرانی میں کام کروایا جا سکے...... فنشنگ میں خود سر پر کھڑا ہو کر کروانا چاہتا ہوں"۔

"چلو بن رہی ہے کسی دن مکمل بھی ہو جائے گی انشاء اللہ"۔

نئی کوٹھی میں اٹھ جانے اور اسے سجانے اور آراستہ کرنے کی خواہش اپنی جگہ...... لیکن مجبوری تھی دل کو تسلی بھی تھی کہ کسی دن تو تکمیل کو پہنچے ہی گی......اسی لئے اسی کرائے کی کوٹھی کو بڑے خوبصورت طریقے سے ڈیکوریٹ کر لیا تھا۔

کامی نے گاڑی پورچ میں روکی......راجو نے گیٹ کھولا تھا۔

"اے راجو" وہ گاڑی سے باہر نکلتے ہوئے بولا۔

"جی"

"امی گھر پر ہیں"

"جی ہیں"

"ٹھیک" وہ گاڑی بند کر کے لاؤنج میں آگیا...... امی شاید کچن میں ثمینہ کے ساتھ تھی......لاؤنج میں نظر نہ آئی تو اس نے امی کو زور سے پکارا۔

زبیدہ آواز سن کر تیزی سے لاؤنج میں آئی......اس کے ہاتھ میں پلیٹ تھی......جس میں سیب کی قاشیں پڑی تھیں......ایک قاش اس کے منہ میں تھی۔

"تم کیسے آگئے...... خیریت ؟"

"بالکل...... امی جی چاہ رہا تھا آپ کے ساتھ چائے کی پیالی پینے اور گپ شپ لگانے کو...... اودھر کام بھی تھا...... کام سے پہلے چائے پینے آگیا...... اچھی سی چائے ہو جائیں...... دونوں پیتے ہیں" کامی نے پلیٹ سے سیب کی قاش اٹھاتے ہوئے کہا۔

نبیدہ نے مسکراتے ہوئے چھیڑا...... "کیا بات ہے آج کل امی سے گپ شپ کرنے کو وقت نکالنے لگے ہو"۔

"لو ماں پیاری ماں" کامی نے ماں کے گلے میں بازو ڈال دیا...... "آپ اتنی اچھی جو ہو گئی ہیں"۔

"اچھا" امی نے غصے کا مصنوعی اظہار کیا...... "اب اچھی ہو گئی ہوں...... پہلے خراب تھی"۔

"توبہ توبہ" کامی نے شوخی سے کانوں کو ہاتھ لگایا...... ہنس کر بولا...... "کیوں گنہگار کرتی ہیں"۔

"چالاک بڑا ہے تو...... میں تیری ماں ہوں تیری رگ رگ سے واقف ہوں" وہ بھی ہنسی۔

"میں لڑی رہتی نہ اپنی بات پر تو دیکھتی تو مجھے کتنا اچھا کہتا ہے"۔

"اچھا تو میں تب بھی کہتا...... آپ میری ماں ہیں...... یہ دوسری بات ہے کہ سارا غصہ میں اپنی جان پر ہی نکالتا رہتا" کامی نے خوشگوار لہجے میں کہا...... پھر بولا...... "امی صرف دس منٹ میں رک سکتا ہوں...... چائے"۔

"ہو آتی ہوں" وہ کچن کی طرف مڑ گئی...... کامی کوئی دلفریب سا نغمہ گنگناتے ہوئے ٹی وی کی طرف بڑھا...... ڈش کو آن کیا اور صوفے پر دھنس کر بیٹھ گیا۔

وہ ان دنوں بہت خوش رہنے لگا تھا...... امی نے جب سے نوری کے ساتھ سٹور میں ہونے والی ملاقات کا بتایا تھا...... یہ بتانا عام بتانا نہیں تھا...... نبیدہ کے خوشگوار اور ملائم لہجے میں نوری کی باتوں کو دہرانے سے کامی کو پتہ چل گیا تھا...... کہ امی کے دل میں نوری کے لئے نرم گوشہ پیدا ہو گیا ہے...... انہوں نے نوری کی سادگی ٹھہراؤ اور مودبانہ انداز گفتگو کی بہت تعریف کی تھی...... اس کے جو حالات سنے تھے اس سے بھی بہت متاثر تھیں...... گو انہوں

نے زری یا نوری سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا...... لیکن ان کے رویئے کی اتنی جاندار تبدیلی کامی کے لئے صدہا خوشیوں کا باعث تھی۔

گو اس نے پچھلے کئی ہفتوں سے نوری سے رابطہ توڑا ہوا تھا...... فون کیا تھا...... نہ ہی کسی اور وسیلے سے بات کی تھی...... سرد مہری کا یہ رویہ اس نے نوری کی باتوں کی وجہ سے اپنایا تھا...... وہ اس کا پیچھا کرتے کرتے تھک گیا تھا...... اسے متوجہ کرنے ہی کے لئے اس نے سرد مہری اور اجنبیت برتنا شروع کی تھی...... اسے اپنے پیار اپنے جنون اور اپنے عشق پر ایمان کی حد تک بھروسہ تھا...... اس بات پر بھی پورا اعتماد تھا کہ نوری بھی اسے دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے...... صرف دور اس لئے بھاگتی ہے...... کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اب وہ مالدار ہو گیا ہے...... اس لئے وہ اس کی طرف جھکی ہے...... ورنہ اس کا پیار تو بہت پرانا تھا۔

اب کامی چاہتا تھا...... کہ نوری کو بیگانگی اور اجنبیت کے اتنے کچوکے لگائے...... کہ وہ تڑپ تڑپ جائے۔

اور

اتنا تڑپے کہ اس کے پاس چارہ ہی نہ رہے کہ کامی سے دور رہ سکے۔

وہ اسی بات پر عمل پیرا تھا...... جذبے صادق تھے...... پیار سچا تھا...... عشق انتہاؤں کو چھو رہا تھا...... اس لئے اسے اپنے رویئے کی کامیابی کا بھرپور یقین تھا...... وہ اس رویئے سے نوری کا مصنوعی حصار توڑ کر اندر سے اس نوری کو برآمد کرنا چاہتا تھا...... جو ہمیشہ سے اس کی تھی۔

چائے راجو نے لا کر میز پر رکھ دی...... ثمینہ نے ساتھ کباب بھی گرم کر دیئے تھے...... نبیدہ بھی برابر کے صوفے پر آبیٹھی۔

"بنائیں چائے" اس نے ماں سے کہا۔

"کباب لے لو" نبیدہ نے پلیٹ بڑھائی۔

"نہیں امی صرف چائے پیوں گا...... کباب کھا لیا تو دوپہر کھانا ٹھیک سے نہیں کھا سکوں گا"۔

"تیری مرضی"

"آج کھانے میں کیا بنوائیں گی"۔

"جو صبح کہہ گیا تھا"۔

"واہ واہ...... پسندے اور چکن"۔

"ساتھ آلو کی بھجیا بھی"۔

"ٹھیک" نعیدہ نے چائے کی پیالی اس کی طرف بڑھائی...... شکریہ کہہ کر اس نے پیالی پکڑ لی...... نعیدہ نے اپنی پیالی بھی اٹھائی۔

چائے پیتے ہوئے دونوں باتیں کرنے لگے۔

"امی" کاشی نے چائے کا گھونٹ لے کر نازک سی پھولدار پیالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ہوں" نعیدہ چائے پیتے ہوئے بولی۔

"امی" کاشی نے اپنا بازو ماں کی گردن میں حمائل کرتے ہوئے مسکرا کر کہا...... "زری خالہ سے ملنے جائیں گی آپ"۔

"ارادہ تو ہے" وہ بولی۔

"کب؟"

"پتہ ہے اتنی مدت سے ان کے ہاں گئے آئے نہیں...... کچھ جھجک سی لگتی ہے"۔

"لو ماں...... جانا ہے تو پروگرام بنا لیں...... بہت خوش ہوں گی"۔

نعیدہ مسکرا کر معنی خیز انداز میں بولی...... "تو پہلے اپنا میدان تو ہموار کر لے...... نوری تجھ سے ملنا بھی چاہتی ہے؟"۔

"وہ بات آپ چھوڑیں...... ٹھیک ہو جائے گی...... میں جانتا ہوں...... وہ...... وہ...... بس امی...... یہ میرا اس کا معاملہ ہے...... آپ زری خالہ سے ملنے کی پہل تو کریں"۔

"اچھا کسی دن جاؤں گی" نعیدہ نے خالی پیالی واپس رکھی۔

"ضرور جانا ہے امی...... غلط فہمیاں دور ہونا چاہئیں"۔

"چل بڑا آیا مجھے راہ دکھانے والا" نعیدہ مسکرائی۔

"امی...... ویسے آپ" وہ کچھ کہتے کہتے رکا...... لیکن مسکرائے گیا۔

"کیا کہنا چاہتا ہے؟"

"آپ کو نوری پر ایکا ایکی پیار کیوں کر آنے لگا"۔

وہ ہنس کر بولی...... "تیری خاطر...... ہر وقت منہ جو لٹکائے پھرتا تھا...... میری بات بھی

نہیں مانتا تھا کہ کوئی دوسری لڑکی دیکھ لے...... بس اس دن نوری کو یکسر بدلے ہوئے دیکھا...... اس نے اپنی گستاخیوں کی معافی مانگی...... تو میرا دل پسیج گیا...... ترس تو اس پر اس لئے بھی آیا کہ وہ سمجھتی ہے تمہاری منگنی یا شادی ہو چکی ہے...... پتہ نہیں یہ کہاں سے سنا اس نے۔

کاشی ہنس پڑا۔

پھر بولا...... "امی آپ کو بتایا تو تھا کہ اس نے دو تین دفعہ مجھے فریحہ کے ساتھ دیکھا تھا"

"ہوں...... وہ سمجھی ہو گی...... وہ تمہاری منگیتر ہے یا پسند کی لڑکی ہے...... بیچاری اسے پتہ نہ تھا کہ فریحہ میری بھانجی ہے اور اپنی شادی کی شاپنگ کے لئے لاہور آئی ہوئی تھی"۔

کاشی بڑے مسرور انداز میں ماں کو دیکھ کر بولا...... "اچھا ہے اسے غلط فہمی ہوئی...... ضرور جلتی ہو گی" یہ بات کہہ کر وہ خود ہی ہنس پڑا۔

پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا...... اسے اپنے کام سے جانا تھا۔

"اچھا امی" کاشی گاڑی کی چابی گھماتے ہوئے بولا...... "میں چلوں"

"جاؤ بیٹے اللہ تمہارا حافظ و ناصر ہو" نعیدہ نے دعا دی...... کاشی باہر نکل گیا۔

وہ اب بہت خوش رہتا تھا...... امی نوری کے بارے میں اپنی رائے بدل چکی تھیں...... خوشی اور اطمینان کی یہی بات تھی...... اب اسے کوئی فکر نہ تھی...... اپنی محبت کی کامیابی اور کامرانی کا پورا یقین تھا...... گو اس کے اور نوری کے درمیان تناؤ اور فاصلے بڑھتے چلے گئے تھے...... پھر بھی اسے پروا نہ تھی...... یہ تناؤ اور فاصلے اس کے اپنے پیدا کردہ تھے...... اور انہیں پاٹ بھی وہی سکتا تھا۔

چند دن اور گزر گئے...... ان دنوں میں اس نے دو دفعہ نوری کو اسی سڑک پر جاتے اور آتے دیکھا...... جہاں وہ بار پہلے دیکھ چکا تھا...... اس کے جانے کا وقت تقریباً وہی تھا...... جو کاشی کے آفس جانے کا عموماً ہوتا تھا...... اس دن اس کی واپسی قریباً دو بجے کی قریب ہوئی تھی...... کاشی نے اسے بس سے اتر کر گھر کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

وہ کہاں جاتی تھی؟

اور دو بجے کہاں سے آئی تھی؟

اس کا کھوج لگانے کے لئے اسے چند دن تردد کرنا پڑا...... وہ روزانہ پابندی سے اس وقت

دفتر جانے لگا...... جس وقت نوری گھر سے آکر بس سٹاپ کی طرف جا رہی ہوتی...... اسی طرح اس کی واپسی بھی روزانہ قریباً دو بجے ہوتی۔

تو

کیا

نوری نے کالج جوائن کر لیا ہے...... پھر سے پڑھنے لگی ہے؟

وہ یہی سوچتا رہا۔

اب اس نے معمول ہی بنا لیا تھا کہ نوری کا جاتے آتے پیچھا کرتا...... ہزار کام ہوتے......
لیکن وہ دو بجے ضرور اس سڑک پر جا رہا ہوتا...... نوری سے کئی بار اس کی نگاہیں ملی تھیں......
لیکن وہ دانستہ اسے نظر انداز کرتا رہا تھا...... لگتا تھا وہ نوری کے صبر و ہمت کو آزما رہا ہے......
کبھی کبھی وہ گاڑی آہستہ کر کے اس کے ساتھ ساتھ چلتا بس سٹاپ تک بھی پہنچتا...... نوری کے چہرے کے تاثرات سے اس کی الجھن اور پریشانی کا اندازہ کر کے اسے دلی خوشی ہوتی......
نوری نے اسے اتنا ستایا تھا...... اتنی بیگانہ بنی تھی...... اتنی اجنبی ہو گئی تھی۔

تو

وہ بھی بدلہ لینے کا حق رکھتا تھا...... یہ دوسری بات کہ یہ بدلہ لے کے لطف و انبساط سے دوچار کر دیتا...... یہ ضدی سی لڑاکا اور ڈنڈہ مار قسم کی لڑکی اتنی مغلوب ہو گئی تھی...... بیچاری سی لگتی تھی...... وہ دل ہی دل میں بے حد خوش ہوتا۔

لیکن

یہ کھیل زیادہ دن جاری رکھنے کی اسے بھی ہمت نہ ہوئی...... تجسس اور کرید نے اسے بہت اکسایا تھا۔

اسی لئے اس دن جب نوری اپنی لین سے نکل کر مین سڑک پر آئی ہی تھی...... بس نکل جانے کا ڈر تھا...... اس لئے قدم جلدی جلدی اٹھا رہی تھی...... کامی کی گاڑی اس نے دیکھ لی تھی...... یہ بھی پتہ تھا کہ وہ اسی کا پیچھا کر رہا ہے...... کامی نے دو تین بار زور زور سے ہارن دے کر اسے روکا۔

اس نے رک کر ایک لمحہ کو کامی کو دیکھا۔

"رکو" کامی نے کہا۔

لیکن وہ رکنے کی بجائے تیزی سے سٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔

کامی کے پاس گاڑی تھی...... وہ ایک لمحہ میں پھر اس کے قریب آگیا...... اور دوبارہ ہارن دینے شروع کئے۔

بازار نہ ہوتا تو نوری بھاگ کھڑی ہوتی...... لوگ اس وقت اپنے اپنے کاموں پر رواں دواں تھے...... گاڑیاں آجا رہی تھیں...... سکولوں کی بسیں ویگنیں بھی گزر رہی تھیں...... سائیکلیں...... موٹر بائیکس اور رکشے وغیرہ بھی بھاگم بھاگ گزر رہے تھے۔

نوری کو کامی کی حرکت پر غصہ بھی آ رہا تھا...... سر بازار وہ ہارن دے دے کر اسے روک رہا تھا...... نوری کی بس آنے ہی والی تھی...... اگر وہ رکتی تو خدشہ تھا بس نکل جائے گی...... نہ رکتی تو بازار میں کامی کے اس طرح پیچھا کرنے سے لوگ جانے کیا سمجھتے۔

اسی لئے

اب جب کامی نے دو تین ہارن دیئے تو اس نے جھنجھلا کر اسے دیکھا...... اس کے قدم رک گئے۔

"کیا بات ہے" وہ جھلاتے ہوئے بولی۔

"کہاں جا رہی ہو" کامی گاڑی سے نکل کر اس کے برابر آن کھڑا ہوا۔

"بس سٹاپ پر" وہ اکھڑی اکھڑی سی بولی۔

"کیوں" وہ بولا۔

"سکول جا رہی ہوں" وہ تنک کر بولی۔

"سکول؟" کامی حیران ہوا۔

"ہاں سکول" وہ کندھے پر لٹکا بیگ ٹھیک کرتے ہوئے بولی۔

"کالج سے سکول" کامی اب بھی حیران تھا۔

"میں پڑھتی نہیں پڑھاتی ہوں" اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

"کہاں؟" کامی نے جلدی سے پوچھا۔

"بتانا ضروری نہیں" وہ بولی اور پھر بس کو آتے دیکھ کر بولی...... "میری بس آگئی"۔

کامی اس کے سامنے آتے ہوئے دبدبے سے بولا...... "تم آج بس پر نہیں جاؤ گی"۔

"ہونہہ" نوری نے کہا...... "مجھے دیر ہو جائے گی...... یہ بس ادھر جاتی ہے......

بس نکل جائے گی" کامی نے سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا..... "نکل جانے دو..... میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا"۔

اس نے سر ہلاتے ہوئے "نہیں" کہا.....اور پھر آگے بڑھنے کے لئے قدم اٹھایا۔

"نوری" کامی نے اس کی خوبصورت آنکھوں میں جھانکتے ہوئے تنبیہی لہجے میں کہا..... "بازار میں تماشا مت بنو"۔

"تم ہٹتے کیوں نہیں" وہ بس میں تیزی سے سوار ہوتے لوگوں کو دیکھ کر بولی۔

"نہیں ہٹوں گا..... چلو گاڑی میں بیٹھو.....ورنہ میں تمہارا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے تمہیں گاڑی میں ڈال لے جاؤں گا"۔

نوری نے گھبرا کر کامی کو دیکھا..... گہرے قاختی سوٹ پر اس سے بھی گہرے رنگ کی کوٹی پہنے وہ کتنا وجیہہ لگ رہا تھا..... نوری تاب نہ لا کر آنکھیں جھکاتے ہوئے بولی..... "مجھے جانے دو بس جا رہی ہے"

کامی نے گردن گھما کر دیکھا..... پھر بولا..... "جانے دو..... چلو میرے ساتھ"

بس چل دی..... نوری بیچارگی سے اسے جاتے دیکھتی رہ گئی.....اس کی آنکھوں میں نمی تیر گئی..... انہی پرنم قاتل آنکھوں سے اس نے کامی کو سرزنشی انداز میں دیکھا..... پھر گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے بولی..... "اب تم ہی مجھے سکول پہنچاؤ گے"۔

کامی نے جلدی سے بڑھ کر دوسری طرف کی فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول دیا.....نوری جو پیچھے بیٹھنے کے لئے بے رخی سے ادھر بڑھ رہی تھی..... مجبوراً فرنٹ سیٹ پر آ بیٹھی..... کامی نے دروازہ بند کیا اور گاڑی کے گرد گھوم کر اپنی سیٹ پر آ بیٹھا۔

وہ گاڑی ریورس کرنے لگا تو نوری تیزی سے بولی..... "سیدھا جانا ہے..... جدھر بس گئی ہے"۔

کامی نے سر گھمائے بغیر کہا..... "میں بس کا پیچھا نہیں کروں گا"۔

"بس سکول کی طرف ادھر ہی سے جاتی ہے..... یہی راستہ ہے" نوری جھلائی۔

"ہوگا" وہ بے اختیارانہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"تو پھر تم گاڑی موڑ کر واپس کیوں کر رہے ہو" نوری نے کہا۔

تو

کامی نے مدہوش کن نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا..... "ہم غلط راستے پر بہت آگے بڑھ گئے تھے.....واپسی ضروری تھی"۔

"کیا مطلب؟" نوری ایک لمحہ کو کچھ نہ سمجھی تو وہ اسے بھرپور نظروں سے دیکھ کر بولا..... "نوری اب دوریاں برداشت نہیں ہو پاتیں"

اس کی بات سے تو نوری اندر تک لرز گئی..... حیرت سے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے بولی..... "کامران صاحب اب آپ کو ایسی باتیں زیب نہیں دیتیں"۔

"کیوں؟" سٹیرنگ پر ہاتھ رکھے گاڑی مخالف سمت لے جاتے ہوئے وہ بڑے سکون سے بولا..... زری کے کامران صاحب کہنے پر اسے ہنسی بھی آئی..... لیکن ہنسی روکتے ہوئے نوری کی طرف متوجہ ہوا۔

"اب آپ ایک ذمہ دار" نوری کا دل حلق میں اٹک رہا تھا۔

"منگیتر ہوں.....یا تمہارے خیال میں شوہر" وہ سنجیدہ بنتے ہوئے بولا۔

"ہاں" نوری کی آواز رندھی تھی۔

"کہتی تو ٹھیک ہو" وہ آواز میں سنجیدگی پیدا کرتے ہوئے بولا۔

نوری کی آنکھوں کے گوشے بھیگنے لگے..... اس نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا..... سر جھکا کر ہاتھ مروڑنے لگی۔

"بھئی اب میں کرتا بھی کیا..... تم لفٹ نہیں کراتی تھیں..... کوئی اور تو ڈھونڈنا ہی تھی" اس نے کن انکھیوں سے نوری کی طرف دیکھا..... جس کی آنکھوں کی نمی آنسو بن جانے کو تھی..... اس نے چپکے سے آنسو صاف کرنا چاہے تو کامی بولا..... "بہہ جانے دو ان کو..... کیوں روک رہی ہو.....آنکھوں کا میلا پانی ہی تو ہے"۔

"کامی" نوری اس کے مذاق سے اتنی دکھی ہوئی..... کہ آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو بہنے لگے.....وہ باقاعدہ رونے لگی.....اس نے چہرہ ہاتھوں میں چھپا لیا۔

کامی نے اسے کھل کر رونے دیا۔

جب وہ رو چکی اور گاڑی اس کے آفس والی سڑک پر آ گئی..... تو وہ نوری کو دیکھ کر بولا..... "ادھر میرا دفتر ہے..... فیکٹری بھی ساتھ ہے..... دیکھنا چاہو گی"۔

"اوہ خدایا" نوری نے روندھی آواز میں کہا۔۔۔۔ "کہاں آ گئے ہو۔۔۔۔ میں نے سکول وقت پر پہنچنا ہوتا ہے۔۔۔۔ لیٹ ہو گئی ہوں۔۔۔۔ پلیز مجھے سکول پہنچا دو"۔

کامی نے اس کی بات کا جواب دینے کی بجائے اس کی طرف سر قدرے جھکاتے ہوئے پوچھا۔۔۔ "بائی دے وے۔۔۔۔ یہ تو بتاؤ میری منگنی یا شادی کی خبر تم نے کس سے سنی"۔

"مجھے۔۔۔۔ سکول۔۔۔۔ پہنچا دو" وہ تقریباً چلائی۔

"پہلے میری بات کا جواب دو" کامی سر ہو گیا۔

وہ کچھ نہیں بولی۔۔۔۔ کامی نے پھر پوچھا اور بار بار پوچھا۔۔۔۔ جب اس نے جواب نہیں دیا تو کھلکھلا کر ہنس پڑا۔۔۔۔ "بہت شکی اور بدھو ہی ہو"۔

نوری نے اس کی طرف حیرانگی سے دیکھا۔

وہ بولا۔۔۔۔ "غالباً تم نے فریحہ کو میرے ساتھ دیکھ کر یہ نتیجہ اخذ کر لیا ہو گا۔۔۔۔ بے وقوف لڑکی وہ میری خالہ زاد ہے اور ملتان سے اپنی شادی کی شاپنگ کرنے کچھ دنوں کے لئے یہاں آئی تھی" نوری نے بے یقینی سے سر ہلایا۔۔۔۔ تو کامی نے ہلکی سی چپت اس کے سر پر لگاتے ہوئے کہا۔

"میرے بارے میں تم نے ایسا سوچا بھی کیوں۔۔۔۔ تمہارا یقین اتنا کچا اور اعتماد اتنا متزلزل ہے"۔

نوری نے ایک بار پھر اس کی طرف آنکھیں پھیلائے پھیلائے دیکھا۔۔۔۔ کامی بے حد سنجیدہ تھا

"کیسے نہ ہو" نوری جیسے لڑ پڑی۔

"کیوں ہو" کامی نے بھی لڑنے ہی کے انداز میں کہا۔

نوری نے پھر اپنی حسین آنکھیں اس کے چہرے کی طرف گھماتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "اپنے آپ سے پوچھو"۔

"میرا اپنا آپ بہت کھرا اور بڑا سچا ہے" وہ اسی لہجے میں بولا۔

"ہونہہ" نوری کے کومل نتھنوں سے ہلکی سی استہزائیہ آواز نکلی۔

"نوری" کامی کو غصہ آ گیا۔۔۔۔ اس کا چہرہ حتیٰ کہ کان بھی سرخ ہو گئے۔۔۔۔ سخت لہجے میں بولا۔۔۔۔ "تم۔۔۔۔ بھول گئیں۔۔۔۔ میں نے ایک دفعہ تمہارے سامنے سچ بولا تھا۔۔۔۔ اس سچ

پر میں آج بھی اسی طرح قائم ہوں۔۔۔۔ تمہاری بے اعتنائیوں۔۔۔۔ گستاخیوں۔۔۔۔ سرد مہریوں اور لڑائیوں کے باوجود میں اس سچ پر آج بھی اسی پختہ عزم کے ساتھ بندھا ہوں۔۔۔۔ تم میرے سچ پر اعتماد نہیں کر رہیں۔۔۔۔ اسے جھوٹا ثابت کرنا چاہتی ہو۔۔۔۔ اسے جھٹلا رہی ہو"۔

"یہ۔۔۔۔ یہ بات ہے تو پھر" نوری ہکلاتے ہوئے بولی۔۔۔۔ "تم نے۔۔۔۔ راہیں بدل کیوں لی تھیں۔۔۔۔ فون تک کا رابطہ نہیں رکھا تھا"۔

"میں نے تمہارے اوپر چڑھے مصنوعی خول کو توڑنے کے لئے یہ تجربہ کیا تھا۔۔۔۔ میں ...م پر اتنی ضربیں لگانا چاہتا تھا۔۔۔۔ کہ تمہارا یہ خول ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔۔۔۔ اور ...ور سے تم برآمد ہو جاؤ۔۔۔۔ تم۔۔۔۔ جو میرا پیار ہو۔۔۔۔ میرا عشق ہو۔۔۔۔ میرا اپنا آپ ہو"۔

وہ فرط جذبات سے مغلوب ہو ہو گیا۔

نوری سہمی بیٹھی رہی۔

وہ جب چپ ہوا۔۔۔۔ تو اپنے دفتر کے سامنے آ گیا تھا۔۔۔۔ چپڑاسی نے آگے بڑھ کر سلام کیا۔۔۔۔ کامی گاڑی سے نکلا۔

نوری مری ہوئی سی آواز میں بولی۔۔۔۔ "مجھے سکول تو چھوڑ دیتے"۔

"باہر آؤ" اس نے تحکمانہ آواز میں کہا۔۔۔۔ "ایک دن سکول نہ جاؤ گی تو قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی"۔

نوری سہمی سہمی چند لمحے بیٹھی رہی۔۔۔۔ کامی دھاڑ نما آواز میں بولا۔۔۔۔ "نکلو باہر" چپڑاسی ڈر کر پرے ہٹ گیا۔

نوری گاڑی سے باہر نکل آئی۔

کامی اسے ساتھ لے کر اپنے آفس میں آ گیا۔۔۔۔ آفس کی آرائش و زیبائش حال ہی میں ہوئی تھی۔۔۔۔ نوری نے ایک نگاہ چاروں طرف ڈالی۔۔۔۔ پھر ایک صوفے کی پشت پکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھو" کامی نے پھر حکم دیا۔۔۔۔ وہ ڈرتے ڈرتے گھوم کر سامنے آئی اور صوفے پر بیٹھ گئی۔۔۔۔ کامی باہر چلا گیا۔۔۔۔ وہ شاید اپنے منیجر سے کوئی بات کہنے گیا تھا۔

نوری دم بخود سی بیٹھی تھی۔۔۔۔ کامی ہی کے متعلق سوچ رہی تھی۔۔۔۔ لیکن ذہن میں جو ہلچل مچی تھی۔۔۔۔ وہ ڈھنگ سے کچھ سوچنے ہی نہ دے رہی تھی۔۔۔۔ کامی اسے یہاں کیوں لایا

تھا؟ شروع میں مذاق کے موڈ میں تھا...... پھر اتنی سنجیدگی سے اپنے جذبوں کا اظہار کر رہا تھا...... اب وہ اس سے تحکمانہ انداز میں باتیں کر رہا تھا۔

آخر وہ کیا چاہتا تھا؟؟

یہ سوال اس کے ذہن میں بار بار اٹھ رہا تھا...... اس کا جواب بھی اسے اچھی طرح معلوم تھا...... لیکن سمجھ نہ پا رہی تھی...... جو کچھ وہ چاہتا ہے...... اس کا اعتراف وہ کیونکر کرے۔

دس پندرہ منٹ بعد کامی واپس گیا...... چپڑاسی کافی لے آیا...... اس نے کافی میز پر نوری کے سامنے رکھ دی۔

کامی بھی اس کے سامنے والے صوفے پر آکر بیٹھ گیا...... "سوری میں تمہیں یہاں چھوڑ کر چلا گیا...... منیجر سے ضروری کام تھا"۔

نوری نے صرف اک نگاہ اس پر ڈالی...... پھر سر جھکا کر رہ گئی۔

کامی نے کافی کا مگ اس کی طرف بڑھایا...... جو نوری نے تھام لیا...... کامی نے بھی اپنا مگ ہاتھ میں پکڑ لیا۔

دونوں چپ چاپ کافی کے گھونٹ حلق سے اتارنے لگے۔

"نوری" کامی نے کافی دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"ہوں" نوری نے بنا اس کی طرف دیکھے کہا۔

"پتہ ہے میں تمہیں یہاں کیوں لایا ہوں" کامی نے براہ راست بات کی۔

وہ کچھ نہیں بولی۔

جب کامی نے دوبارہ یہی بات دہرائی...... تو نوری مضطربانہ انداز میں اسے دیکھتے ہوئے بولی...... "تم نے آج میرا اسکول جانا مس کروا دیا...... میری نوکری کو ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے"۔

"نوکری کو گولی مارو" کامی بولا۔

"تم مار سکتے ہو...... میں نہیں" نوری کے چہرے پر قدرے بشاشت آگئی...... "بڑی مشکلوں سے تو مجھے"۔

"نوری...... میں تمہاری نوکری کے متعلق نہیں پوچھ رہا" وہ الجھ کر بولا۔

"تو مجھے کیا پتہ کہ تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو" وہ ہولے سے بولی۔

"صرف دفتر دکھانے نہیں لایا" وہ بدستور الجھے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

"تو" نوری نے پل کی پل آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں اک فیصلہ کرنے کے لئے تمہیں یہاں لایا ہوں" وہ تنک کر بولا...... "اب مجھ میں برداشت نہیں رہی...... مجھے بتا دو...... کہ تم مجھ سے دور کیوں بھاگتی ہو...... نفرت کرتی ہو مجھ سے"۔

"کامی" اس کی لرزتی آواز جذبات سے پر تھی...... وہ ایک دم اٹھ کھڑی ہوئی...... کامی بھی بے اختیارانہ اٹھا اور اس کے قریب آگیا۔

چند لمحے بوجھل خاموشی طاری رہی۔

پھر

نوری قدرے رخ موڑتے ہوئے گمبھیر لہجے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی...... "کامی تم نے جو کچھ کہا...... شاید...... حالات جس انداز سے گزر رہے تھے...... تم کہنے میں حق جانب ہو...... لیکن"۔

وہ رکی۔

پھر اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بڑے جرات مندانہ انداز میں بولی...... "کامی...... یاد ہے ایک بار تم نے مجھ سے سچ بولا تھا...... آج میں بھی سچ کہنا چاہتی ہوں...... کہہ دوں تو اچھا ہے"۔

وہ چپ ہو گئی۔

تو

کامی کا جیسے دم گھٹ گیا...... دل بے اختیاری سے دھڑکا کہ جانے نوری کے سچ کی حقیقت کیا ہے۔

نوری نے ہولے سے مڑتے ہوئے پشت کامی کی طرف کر لی اور پھر مستحکم آواز میں بولی۔

"کامی...... مجھے یاد نہیں کہ میں اور تم...... کب سے ایک دوسرے کے لئے جی رہے ہیں...... تمہیں میں نے...... اپنے سے کبھی جدا نہیں سمجھا...... حالات نے اتنی بے دردی سے کروٹیں بدلیں...... مجھ سے احمقانہ طور پر غلطیاں سرزد ہوئیں...... تو...... میں نے اپنے آپ کو

تم سے...... دور کر لینے ہی میں مصلحت سمجھی...... لیکن...... مجھے اعتراف ہے کہ ایسا نہیں ہو سکا...... تم سے الگ ہو کر بھی میں الگ نہیں ہوئی...... مجھے حالات نے بے موت مارا"۔

وہ منہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

کامی دم بخود کھڑا رہا...... وہ جو کچھ سن رہا تھا...... شاید وہ یہی سننے کا متمنی تھا...... اسے یقین تھا کہ نوری یہی کہے گی...... اس کا دل جھوٹا نہیں تھا...... اسے بہلاوے نہیں دیتا تھا...... ہمیشہ اس نے نوری کے متعلق سچ ہی کہا تھا۔

نوری آنسو بہاتے ہوئے واپس جانے کے لیے پلٹی۔

تو

کامی نے مسکراتے ہوئے بازو پھیلا دیئے...... "نوری...... میرا سچ سن کر تم بھاگ لی تھیں...... شاید تمہیں میرا سچ جھوٹا لگا تھا...... لیکن تمہارا سچ سننے کے بعد میں پورے یقین و اعتماد سے یہیں کھڑا ہوں...... اس لیے...... اس لیے...... کہ"۔

اس نے بے ساختہ آگے بڑھ کر نوری کو بازوؤں میں بھر لیا اور اپنا گال اس کے گال سے لگاتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں بولا...... "اس لیے کہ مجھے پتہ ہے...... تمہارا سچ بالکل سچا ہے...... اور...... سچائی کو جھٹلایا نہیں جا سکتا...... نوری...... تم ہمیشہ سے میری تھیں...... میری ہو...... اور میری رہو گی...... ہوں"

نوری نے اس کے بازوؤں سے نکلنے کی کوشش نہیں کی...... بلکہ اپنا سر اس کے کندھے سے لگا دیا...... اس کے آنسوؤں سے کامی کی قمیض گیلی ہونے لگی۔

یہ آنسو

نوری کا اعتراف تھے...... کہ وہ ہمیشہ سے کامی کی تھی...... کامی کی ہے اور کامی ہی کی رہے گی۔

